بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ

سوائے اس کے نہیں ہے کہ حاکم تمہارا اللہ ہے اور اس کا رسولؐ اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں نماز پڑھتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں (ترجمہ مقبول)

کتاب مستطاب

اثبات الامامتؑ

از افادات

آیت اللہ الشیخ محمد حسین النجفی دام ظلہ مجتہد العصر والزمان صدر مؤتمر علماء شیعہ پاکستان (رجسٹرڈ)

ناشر

مکتبۃ السبطین ۲۹۶ / ۹-بی سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ

سوائے اس کے نہیں ہے کہ تمہارا حاکم و سرپرست اللہ ہے اور اس کا رسول اور وہ صاحبان ایمان جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔ (المائدہ)

کتاب مستطاب

اثبات الامامۃ

یہ وہ علمی کتاب ہے جس میں قرآن کریم، احادیث سید المرسلین اور عقل سلیم کی روشنی میں حضرات ائمہ طاہرین کی خلافت و امامت کا اثبات و احقاق کر کے دوسرے تمام مدعیان خلافت کی خلافتوں کا ابطال و ازہاق کیا گیا ہے نیز دیگر تمام متعلقہ موضوعات پر محققانہ انداز میں سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے

از افادات

آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین صاحب قبلہ النجفی مجتہد العصر والزمان صدر موتمر علماء شیعہ پاکستان سرگودھا

ناشر

مکتبۃ السبطین ۲۹۶ بی سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

اجمالی فہرست مضامین اثبات الامامۃ آئمۃ الاطہار فی ضوء العقل و الآیات و الاخبار

باب چہارم

بسمہٖ سبحانہٗ

(سپاسِ بے قیاس)

کتاب مستطاب اثبات الامامت کا پانچواں ایڈیشن عرصہ دراز سے ختم تھا اور اس کی مقبولیت کے پیش نظر اہل ایمان کا بے حد اصرار تھا کہ اسے جلد از جلد شائع کرایا جائے مگر بوجوہ توفیق الٰہی شامل حال نہیں ہو رہی تھی۔

یہ سعادت جناب مستطاب عابد علی صاحب آف نیو پورٹ برطانیہ کو حاصل ہوئی جنہوں نے اس سال میرے دورۂ برطانیہ کے موقع پر اپنے والدین شریفین کی ارواح کو ایصال ثواب کی خاطر اس کتاب مستطاب کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا۔

جزاہ اللّٰہ تعالیٰ خیر الجزاء و بلغہ اقصٰی مناہ و حفظہ من جمیع الشرور والبلایا و شکر سعیہ وفقہ المزید الحسنات والاجتناب عن السیئات انہ خیر موفق و معین بحق النبی و آلہ الطاہرین و انا الاحقر

محمد حسین النجفی عفی عنہ

بقلمہ

۲۱ اپریل ۲۰۰۲ء

باسمہ سبحانہ

انتساب

یا کوکباً ما کان اقصر عمرہ ۔ وکذا تکون کواکب الاسحار

یہ کتاب آج سے قریباً ۱۸ برس پہلے ۱۳۸۰ھ میں نجف اشرف کے دوران قیام میں لکھی گئی تھی مگر بوجہ اس امر کے چونکہ بعض دیگر علمی مصروفیات اور دیگر بعض اہم دینی کتب کی اشاعت کی وجہ سے آج تک یہ کتاب دوشیزگان کی طرح صندوق خمول کی زینت بنی رہی۔ اب جب بعض برادران کی جانب سے بھی اس کی طباعت کی طرف توجہ دلائی گئی۔ امسال ماہ مبارک صیام کے ایام فرصت کو غنیمت سمجھتے ہوئے دیگر مشاغل سے کچھ وقت بچا کر اس پر نظر ثانی کی گئی اور اس کی بہت سی ابحاث میں بہت کچھ تغیر و تبدیل کرکے اس میں مفید اضافے بھی کئے گئے۔ اب ہم بتوفیق ایزدی اس قابل ہوئے کہ اس علمی دستاویز کو ابنائے قوم و ملت کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں۔ ارباب علم و انصاف سے امید واثق و تامہ کامل ہے کہ وہ ہماری اس علمی پیشکش کو بنظر استحسان دیکھیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

جب کتابت طباعت کے مرحلہ میں تھی تو حسب معمول یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ اسے کس شخصیت کے نام سے معنون کیا جائے؟ اس خیال کے پیدا ہوتے ہی اپنے ناشاد دل سے لخت جگر نور بصر فرزند دلبند حسین مرحوم کی یاد قلب حزیں کو مضطرب و پریشان کرنے لگی۔ جس نے اس کتاب کی تصنیف کے زمانہ میں قریباً پانچ سال کی عمر پا کر ڈیڑھ ماہ صحت و حیات کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد ہمیں داغ مفارقت دیتے ہوئے جناب امیر المومنین کے جوار مقدس میں ہمیشہ کے لئے وادی السلام کی مبارک سرزمین میں ابدی سکونت اختیار کر لی۔

جاورت اعدائی وجاور ربہ ۔ شتان بین جوارہ وجواری

بہر حال دل پریشان نے عقل و خرد کو دعوت دی کہ اس کتاب کو اسی مرحوم کے نام کے ساتھ معنون کرنا چاہئے۔ لہٰذا عالم بالا پر لبیک کہتے ہوئے یہ کتاب اس عزیز مرحوم کے نام معنون کی جاتی ہے۔ مومنین ناظرین کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ بارگاہ قاضی الحاجات میں دعا کریں کہ وہ رحیم و کریم عزیز مرحوم کے درجات کو عالی و متعالی فرما کر اسے ہماری نجات کا ذریعہ و وسیلہ بنائے اور جس طرح اس نے ہمیں اس سانحہ کبریٰ پر صبر جمیل عطا فرمایا ہے اسے بطفیل سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام دنیا میں اس کا نعم البدل اور آخرت میں اجر جزیل بھی عطا فرمائے اور ہماری اس ناچیز خدمت کو شرف قبول بخشے انہ علی کل شیء قدیر۔
آمین بجاہ النبی و آلہ الطاہرین صلوات اللہ علیہ وعلیہم اجمعین والتمسک بالثقلین۔

الاحقر محمد حسین نجفی ۔ ۱۶ ربیع الاول ۱۳۹۸ھ سرگودھا
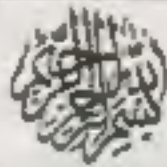
پیش لفظ و مقدمہ

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وآلہ الطیبین
الطاہرین المعصومین واللعنۃ الدائمۃ علی اعدائہم اجمعین۔

اما بعد ارباب بصیرت پر مخفی نہیں ہے کہ قدیم الایام سے جو مسئلہ شیعہ اور دوسری اسلامی برادری کے درمیان اختلافات کی آماجگاہ، معرکۃ الآراء اور محور نزاع بنا ہوا ہے وہ ہے مسئلہ امامت چنانچہ فاضل شہرستانی اپنی کتاب "ملل و نحل" ص ۲۴ طبع مطبعہ البابی مصر میں رقمطراز ہیں "اعظم خلاف بین الامۃ خلاف الامامۃ اذ ما سل سیف فی الاسلام علی قاعدۃ دینیۃ مثل ما سل علی الامامۃ فی کل زمان" یعنی امت محمدیہ کے تمام اختلافات سے بڑا اختلاف مسئلہ امامت میں ہے کیونکہ اسلام کے اندر کسی قاعدہ دینی پر اس طرح تلوار نہیں کھینچی گئی جس طرح ہر زمانہ میں امامت پر کھینچی گئی ہے اگرچہ عربی اور فارسی میں اس موضوع پر متعدد مفید کتابیں موجود ہیں اور لغت اردو زبان کا دامن اس سے خالی ہے مگر بایں ہمہ دانشمند طبقہ مدت سے اس موضوع پر ایک ایسی کتاب کی شدت سے کمی محسوس کر رہا تھا جو باوجود صغیر الحجم ہونے کے ایسی جامع ہو کہ اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہو اور اس میں ہر قسم کے قاری بالخصوص نئی پود کی ذہنی سطح کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہو۔ اس لئے ہم نے اس موضوع پر خامہ فرسائی کی ہے۔ ہم نے اس معیار پر پورا اترنے کی اپنی تمام کوشش صرف کی ہے اب رہا اس بات کا فیصلہ کہ ہم اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں؟ یہ قارئین کرام کے خداداد ذوق و انصاف پر چھوڑا جاتا ہے۔ مخفی نہ رہے کہ مسئلہ امامت میں کئی ایک اختلاف ہیں!!

(۱) آیا نبی کے بعد کسی خلیفہ و امام کی ضرورت بھی ہے یا نہیں؟ (۲) بصورت ضرورت آیا امام کا نصب و تقرر خالق کے ذمہ ہے یا مخلوق کے؟ (۳) دونوں صورتوں میں آیا اس تقرر کا وجوب عقلی ہے یا سمعی؟ (۴) در صورت وجوب تقرر آیا مسئلہ امامت اصول میں داخل ہے یا فروع دین میں شامل ہے؟ (۵) امام کے لئے کون سے شرائط لازم ہیں اور اس کیلئے کن صفات کا حامل ہونا ضروری ہے معصوم اعلم اور جمیع عوارض کے ہر لحاظ سے افضل ہونا ضروری ہے یا نہ؟

چنانچہ تمام خوارج (خذلہم اللہ) قائل ہیں کہ امامت کوئی ضروری چیز نہیں ہے لیکن دیگر تمام اسلامی فرقے اس کی ضرورت اور وجوب کے مقر و معترف ہیں ہاں ان میں صرف اس قدر فرق ہے کہ حضرات شیعہ امام کا تقرر خدا پر واجب سمجھتے ہیں یعنی جس طرح خداوند عالم پر از راہ لطف و کرم انبیاء و مرسلین کا بھیجنا واجب ہے اسی طرح ان کے اوصیاء و خلفاء کا تقرر بھی اس پر لازم ہے اور دوسرے فرقے اسے مخلوق پر واجب سمجھتے ہیں۔ لیکن پھر ان کے مابین اختلاف ہے کہ

ثابت نہ تھے۔ بلکہ ان کی امامت وخلافت مستقل اور بلاواسطہ تھی: اس کے متعلق گزارش ہے کہ امامت کبھی نبوت
کے ساتھ جمع ہو جاتی ہے یعنی ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی شخص بیک وقت نبی بھی ہوتا ہے اور امام بھی۔ جیسے حضرت
ابراہیم اور کبھی نبوت سے علیحدہ ہوتی ہے جیسے ہمارے آئمہ علیہم السلام جو امام تو ہیں مگر نبی و رسول نہیں ہیں ظاہر
ہے کہ جو امامت نبی میں پائی جاتی ہے۔ وہ اور ہے اور جو غیر نبی میں پائی جاتی ہے وہ اور کیونکہ پہلی قسم کی امامت خداوند
عالم نبوت کے ساتھ یا اس سے کچھ عرصہ کے بعد بلاواسطہ عطا فرماتا ہے بخلاف امامت کی دوسری قسم کے کہ وہ بحکم
خدا بحیثیت نبی کے نصب فرمانے کی محتاج ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ دو قسم کی امامت درحقیقت دو مختلف
حقیقتیں ہیں۔ بنابریں علمائے اسلام نے امامت کی جو تعریف کی ہے وہ فقط دوسری قسم کی ہے اور اس میں اس
قید یعنی نیابۃ عن النبی کا اضافہ کیا ہی اس لئے گیا ہے تاکہ اس تعریف سے پہلی قسم کی امامت خارج ہو جائے اور جس
قسم کی یہ تعریف ہے اس کے لئے جامع و مانع قرار پائے چنانچہ یہ تعریف ایسی ہی ہے۔ اس وضاحت کے بعد علماء کرام
پر یہ ایراد وارد نہیں ہوتا کہ یہ تعریف جامع نہیں ہے کیونکہ یہ اعتراض اس غلط فہمی پر مبنی ہے کہ یہ تعریف مطلق امامت
کی ہے مگر ایسا نہیں ہے۔ ہیچ ہے۔ ؟

[illegible]

فقط [illegible] احقر محمد حسین مفتی [illegible] سرگودھا

تاریخ تحریر [illegible]

[illegible] ۱۹۶۶

بلسمہ سبحانہٗ

(دیباچہ طبع پنجم)

بتائید ایزد متعال وہ مبارک وقت آ گیا ہے کہ ہم کتب ہدایت انتساب اثبات الامامت کا پانچواں ایڈیشن بڑی آب و تاب کے ساتھ ابناء ملک و ملت کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں والحمد للہ رب العالمین دعا ہے کہ وہ رحیم و کریم پروردگار ہماری اس ناچیز سعی و کوشش کو شرف قبول سے نواز ے اور اسے گم کردہ راہ بندوں کی رشد و ہدایت کا باعث بنائے اور ہمارے لیے سعادت دارین فلاح کونین کا سبب قرار دے۔

[illegible] آمین بجاہ النبیؐ وآلہ الطاہرین

۲۲ اپریل ۲۰۰۱ء

والاحقر

محمد حسین النجفی عفی عنہ

ایسی کتابیں نازل کرنے سے خدائے حکیم کی تین غرضیں وابستہ ہیں۔ (۱) معالم دین کی تعلیم و تلقین کا آموزش (۲) تربیت و تزکیۂ نفوس و پرورش، (۳) اجراء عدل و انصاف قانون الٰہی۔ انہی امور کی طرف قرآن مجید میں اشارہ کیا گیا ہے هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم آیاته و یزکیهم و یعلمهم الکتاب و لحکم بینهم بما اراک اللہ۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ بعثت انبیاء کی غرض و غایت رفع جہالت و ضلالت تربیت و تزکیۂ نفوس اور مبنی بر عدل و انصاف اجتماعی نظام الٰہی کو نافذ کرنا ہے تو اب قابل غور یہ امر ہے کہ آیا ان تین چیزوں کی ضرورت فقط ان بزرگوں کے عین حیات تک ہوتی ہے، یا ان کے بعد بھی نوع بشر ان امور کی طرف محتاج ہے؟ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰ تک جب گذشتہ انبیاء کے حالات پر نظر کی جاتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ ان امور کی ان کے بعد بھی ضرورت باقی تھی جب ہی تو وہ اپنے بعد اپنا وصی و خلیفہ مقرر کرکے دار دنیا سے تشریف لے جاتے تھے۔ دیکھنا یہ ہے کہ آیا حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد جس طرح سلسلۂ انبیاء ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا آیا اسی طرح سلسلۂ اوصیاء بھی منقطع ہو گیا تھا۔ اور تینوں غرضوں کی تکمیل ہو گئی تھی۔ اور اب جہالت و ضلالت کا بالکل خاتمہ ہو گیا تھا۔ تمام لوگوں کے نفوس کا مکمل تزکیہ ہو گیا تھا؟ اور اب عدل و شریعت کے اجراء اور قانون الٰہی کے نفاذ کے لئے کسی دینی حاکم کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی؟ اگر چند منٹ کے لئے غیر جانبداری سے حالات کا جائزہ لیا جائے۔ اور انسانی طبائع و نفسیات کا مطالعہ کیا جائے۔ تو ماننا پڑتا ہے کہ بدستور سابق ان امور کی طرف لوگوں کی احتیاج باقی تھی لہٰذا ماننا پڑے گا کہ لوگوں کو امام کی ضرورت ہے۔ آئیے تھوڑی سی تفصیل کے ساتھ ہر سہ اغراض کا جائزہ لیں۔ سو غرض اول کے متعلق عرض ہے کہ ابھی اوپر ثابت کیا جا چکا ہے۔ کہ انفرادی و اجتماعی مصالح و مفاسد سے عام لوگوں کی جہالت ہی ایک نظام حیات، آئین زندگانی اور طرز جہانبانی آنحضرتؐ کی بعثت کا باعث ہوئی۔ لیخرجهم من الظلمات الی النور۔ آپ کا مقصد بعثت یہ تھا کہ ان کو معالم دین کی تعلیم دے کر ظلمات کفر و شرک سے نکال کے ایمان و عرفان کے بقعۂ نور میں داخل کریں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آنحضرتؐ ایک ایسا مکمل قانون و لائحہ حیات لے کر آئے جو قیامت تک تمام ضروریات بشریہ پر حاوی ہے۔ تنزیلی طور پر ایسا مکمل ہے۔ کہ اب قیامت تک اس میں ہرگز کسی ترمیم و تنسیخ کی گنجائش نہیں ہے (تبیانا لکل شیئ اور ما فرطنا فی الکتاب من شیئ۔ لا رطب و لا یابس الا فی کتاب مبین) اس قانون کی نمایاں خصوصیات ہیں۔

لیکن واضح ہے کہ یہ قانون (قرآن) بھی دوسرے مدونہ و مروجہ قوانین کی طرح قواعد و ضوابط کلیہ و رموز و اشارات پر مشتمل ہے۔ (منہ آیات محکمات ھن ام الکتاب و اخر متشابہات) اس لئے وہ شرح و بیان کا محتاج ہے (انزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیهم) اے رسول ہم نے تم پر

اس کتاب کو اس لئے نازل کیا ہے کہ تم بیان کرو کہ جن کی طرف نازل کیا گیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے تاقیامت
تک کی تمام ضروریات انسانی کو تفصیلی طور پر ہر فرد کے لئے بیان بھی کر دیا یا کچھ امور تشنۂ بیان رہ گئے؟ جس شخص
کو تاریخ اسلام سے کچھ بھی تعلق ہے اور آنحضرتؐ کے حالات زندگی سے ادنیٰ واقفیت بھی رکھتا ہے اس پر یہ
حقیقت مخفی نہیں ہے کہ آنحضرتؐ کی کل مدت بعثت تیئیس سال تھی اس میں سے تقریباً ۱۳ سال تو مکہ معظمہ میں
گذارے جب کہ مسلمان بہت ہی قلیل تعداد میں تھے۔ اور آنحضرتؐ گوناگوں مصائب و شدائد میں مبتلا رہتے تھے
ابھی تک دین و قرآن کے نزول کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ آپ کو حالات کی ستم ظریفی کے تحت اپنا وطن مالوف چھوڑ
کر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی اور ہجرت کے بعد دس سال یہاں قیام پذیر رہے۔ اور اس کے بعد
رفیق اعلیٰ کی طرف انتقال فرمایا۔ یہاں آکر بھی آنحضرتؐ کو سکون نفس اور اطمینان قلب میسر نہ ہوا اور نہ نشر و
اشاعت دین کا کماحقہ بہتر موقع مل سکا۔ بلکہ یہ زمانہ بھی مصائب و حوادث میں گذرا، اور داخلی اور خارجی معاندین
نے آنحضرتؐ کو اطمینان کی ایک سانس نہ لینے دی، یہ تمام عرصہ دفاعی جنگوں و مصالح بین الناس میں گذر گیا
ان حالات میں آنحضرتؐ کس طرح ہر شخص کے لئے تمام احکام دین و شرع متین کی توضیح و تبیین
فرما سکتے تھے؟

ان حالات کے پیش نظر ضرورت تھی اور عین ضرورت تھی کہ آنحضرتؐ ان باقی ماندہ امور و حقائق کو ایک
شخص کے پاس سپرد فرما کر اس کو اپنا جانشین مقرر کریں جو تمام اسرار نبوت و علوم نبوت، تمام مقاصد الٰہیہ،
اسرار آیات قرآنیہ تمام مبہمات و مجملات قرآنیہ اور تمام موجودہ و آئندہ موضوعات جدیدیہ کے احکام کا بذریعہ
تعلیم رسول عالم و عارف ہو اور آنحضرتؐ کا فرض تھا کہ اپنے عین حیات میں مکمل طور پر اس کا تعارف کرا دیں
تاکہ آپ کے بعد مسلمان اس غرض کی تکمیل میں اس کی طرف رجوع کر سکیں۔ اگر آنحضرتؐ ایسا نہ کریں تو آپ
کی غرض بعثت رائیگاں ہو جائے گی۔ حالانکہ کوئی عقلمند اور دور اندیش انسان ایسا نہیں کر سکتا۔ چہ جائیکہ عالمین
کا بشیر و نذیر ایسا کرے

اب یہ امر بخوبی روشن ہو کر ہمیں واضح ہے کہ آنحضرتؐ کی نبوت و رسالت کے حدود قیامت کے ساتھ متصل
ہیں اور یہ بدیہی ہے کہ تمام افراد امت آنحضرتؐ کے عین حیات میں مجتمع نہ تھے۔ بلکہ حسب اقتضائے مشیت
ایزدی ان کا یکے بعد دیگرے آنا ضروری ہے جو لوگ آپ کے عہد سعادت میں موجود تھے وہ تمام بھی بہرحال
پہ رہ گئی ہے وہ ایک حقیقی مربی اخلاق و مزکی نفوس کی اسی طرح محتاج ہے جس طرح آپ کے عین حیات
میں محتاج تھی حتیٰ کہ اگر تمام روئے زمین پر فقط دو شخص باقی رہ جائیں تو بھی ضروری ہے کہ ان میں سے ایک
حجت خدا ہو یہی راز ہے جس کی طرف احادیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔ کہ لو لم یبق فی الارض الا اثنان

* بعض وجوہ کی بنا پر آنحضرتؐ کی خدمت میں باریاب رہ کر بھی جناب جب تک دین پہنچ رہا ہی ہے۔

الا رسلان لکان ابحث هو بحجت (اصول کافی) پس معلوم ہوا کہ یہ دوسری غرضِ بعثت بھی جس طرح آنجناب
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دورِ حیات میں تھی اسی طرح ان کے بعد بھی بدستور باقی تھی۔ لہٰذا جس طرح آں
وقت میں جانب اللہ ایک مربی و مزکی کامل کی ضرورت تھی۔ آپ کے بعد بھی ہے۔ بے شک چونکہ دین
مبین من حیث التنزیل مکمل ہو چکا ہے لہٰذا کسی اور نبی کے آنے کی تو ضرورت نہیں، لیکن وصی کے وجود کی
ضرورت ناقابلِ انکار ہے۔ انما انت منذر ولکل قوم هاد۔

اب تیسری غرضِ بعثت کو لیجئے یہ اور بھی نمایاں طور پر آنحضرت کے بعد باقی ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ جب
نوعِ بشر اور اس کی اجتماعی زندگی موجود ہے اور ان میں باہمی اختلاف و نزاع بھی موجود اور برابر گناہ و عصیان کا
مادہ بھی مضبوط تو بدیہی طور پر ایک الٰہی ناظم عادل کے وجود مسعود کی سخت متقاضی ہے جس طرح یہ غرض
وغایت بعثتِ رسول کی موجب تھی اسی طرح اس کا بقا ایک سلطانِ عادل کے وجود کا مقتضی ہے۔ ان حقائق
ودقائق کی روشنی میں ہم بلاخوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح انہی اغراض و مقاصد کے پیشِ نظر خدائے حکیم و
حکیم پر ایک کامل دین کے ساتھ لطفاً بعثتِ رسول لازم تھی اسی طرح اس دین کی بقاء و دوام کے لئے اس پر
واجب ہے کہ کوئی مناسب انتظام کرے تاکہ آنحضرت کے بعد اس دین و آئین میں کسی قسم کا تغیر و تبدل
واقع نہ ہو اور لوگوں کا نظم و نسق اور روحانی تربیت و تزکیۂ نفوس کا سلسلہ بھی بدستور جاری و ساری رہے۔ یہ
تو ظاہر ہے کہ آنحضرت کا دین تنزیلی اعتبار سے کامل و مکمل ہے اور آپ خاتم النبیین ہیں لہٰذا کسی اور نبی کے
آنے کی تو گنجائش ہے نہیں۔ اس لئے آپ کے بعد کچھ ایسے افراد کی ضرورت ناگزیر ہے جو سوائے نبوت اور
اس کے خصائص کے دیگر تمام صفاتِ کاملہ میں آپ کے مثیل ہوں کیونکہ سلسلۂ نبوت ختم ہوا ہے سلسلۂ ہدایت
تو ختم نہیں ہوا۔ بلکہ وہ تو قیامت تک جاری ہے لہٰذا یہ ضرورت آپ کے خلفاء و اوصیاء ہی کے
ذریعے سے پوری ہو سکتی تھی اگر آنحضرت نے اپنے بعد خلیفہ و امام کے تقرر کا انتظام نہ کیا تو اس طرح
آپ کی غرضِ بعثت فوت ہو جائے گی۔ اور لوگ پھر ضلالت و گمراہی میں گرفتار ہو جائیں گے یہ امر محتاجِ بیان
نہیں کہ حکیم متعال کے لئے نقضِ غرض محال ہے وما کان اللہ لیضل قوما بعد اذ هداهم خداوند عالم کسی
قوم کو ہدایت کرنے کے بعد ہرگز گمراہ نہیں کرتا [illegible] اس بیان حقیقت ترجمان سے واضح ہو گیا
ہو گیا کہ دین و دیانت اور شرع و شریعت کا بقاء و دوام امام عادل متصف کے وجود مسعود کے ساتھ وابستہ ہے
اس کے بغیر دین ہرگز باقی نہیں رہ سکتا۔ ایسی صورت میں خلاقِ عالم باہمہ علم و حکمت و لطف و عنایت اس
اس اہم کام کو کس طرح نظر انداز کر سکتا ہے؟ وحاشاہ ذلک!

دین میں یہی کسی قسم کا رخنہ ڈال کر اسے پامال نہ کرسکیں۔

تیسری دلیل

آں حضرت کا یہ دستور تھا کہ آپ کسی غزوہ وغیرہ کے سلسلہ میں اگرچند دنوں کے لئے بھی مدینہ سے باہر کہیں تشریف لے جاتے تھے۔ تو مدینہ میں اپنا کوئی نائب مقرر فرما کر جاتے تھے جو اُن کی غیر موجودگی میں آپ کے فرائض کو انجام دیتا تھا اسی طرح آپ نے تمام بڑے بڑے شہروں بلکہ معمولی معمولی دیہاتوں میں بھی حاکم و والی مقرر کر رکھے تھے۔ تو کیا عقل سلیم یہ باور کرسکتی ہے کہ آپ اپنے آخری طویل سفر کے وقت جس کے متعلق نہیں یقین تھا کہ اب ان سے مراجعت نہیں ہوگی اپنا کوئی نائب وجانشین مقرر کئے بغیر چلے جاتے؟ کلا

چوتھی دلیل

اس دلیل میں ہم عبداللہ ابن عمر اور جناب عائشہ کے ان کلمات کو پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جو انہوں نے حضرت عمر سے ان کے آخری لمحات حیات میں اپنا نائب مقرر کرنے کی ضرورت پر کہے تھے۔ یہ الفاظ ضرورت خلیفہ و امام پر بڑی تیز روشنی ڈالتے ہیں سنن الکبری بیہقی ج ۸ ص ۱۴۹ طبع دکن، تاریخ عمر بن الخطاب ابن جوزی ص ۱۹۰ طبع قاہرہ، ریاض النضرۃ ج ۲ ص ۷۴ طبع مصر، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۴۴ طبع مصر میں مذکور ہے کہ عبداللہ بن عمر نے اپنے باپ (عمر) سے کہا:

ان الناس یزعمون انک غیر مستخلف ولو کان لک راعی ابل او راعی غنم ثم جاءک وترکها رأیت ان قد فرط رأیت ان قد ضیع رعیته، للناس اشد من رعیة ابل او غنم ماذا تقول لله عز وجل اذا لقیته ولم تستخلف علی عباده؟

یعنی لوگوں کا یہ خیال ہے کہ آپ اپنا کوئی خلیفہ مقرر نہیں کرنا چاہتے اگر آپ کا اونٹوں یا بکریوں کا کوئی چرواہا ہو اور وہ ان کو جنگل میں چھوڑ کر چلا آئے تو کیا آپ یہی خیال نہیں کریں گے کہ اس نے تفریط (کوتاہی) کی ہے یقیناً آپ کہیں گے کہ اس نے اونٹوں اور بکریوں کو ضائع کر دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ لوگوں کی دیکھ بھال اونٹوں بکریوں کے چرانے سے سخت تر ہے اور ان کے نگران کے فرائض اس چرواہے سے کہیں زیادہ ہیں۔ جب تم خدا وند عالم کے بندوں پر اپنا خلیفہ مقرر کئے بغیر چلے گئے تو اُسے جا کر کیا جواب دو گے؟ کتاب طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۲۴۸ طبع لیدن میں ابن عمر کی تقریر ان الفاظ میں ہے۔

قال لعمر بن الخطاب تستخلف قال من قال تجتهد فانک لست لهم برب تجتهد ارأیت لو انک بعثت الی قیم ارضک الم تکن تحب ان یستخلف مکانه حتی یرجع الی الارض قال بلی قال ارأیت لو بعثت الی راعی غنمک الم تکن تحب ان یستخلف رجلا حتی یرجع عبداللہ نے اپنے باپ عمرؓ سے کہا آپ خلیفہ مقرر کیجئے حضرت عمر نے کہا کسے مقرر کروں؟ ابن عمر نے کہا کوشش کرو، تم ان کے

کہ یہ حضرات متوجہ نہ تھے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا خدا اور رسولؐ بھی ان حالات سے غافل تھے (معاذ اللہ) انہوں نے اس اہم فریضہ کی بجاآوری سے چشم پوشی کرتے ہوئے کیوں اسے نظر انداز کر دیا؟؟ اہل سنّت کے اس نظریہ کے مطابق خدا کی خدائی اور رسولؐ کی رسالت رخصت نہیں ہو جاتی؟؟

پانچویں دلیل

امام اور خلیفہ کا تقرر اسلامی برادری کے نزدیک اس قدر ضروری ہے کہ جب ان پر شیعوں کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ان کے بڑے بڑے مشاہیر صحابہ کرام آنحضرتؐ کو بلا غسل و کفن چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ میں کیوں چلے گئے؟[۲] جس سے ان کا دعوائے محبت رسولؐ اور ان کا اسلام ہی مشتبہ اور بدنام ہو کر رہ جاتا ہے جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

چوں صحابہ حب دنیا داشتند — مصطفیٰؐ را بے کفن بگذاشتند

تو یہ حضرات جواب دیتے ہیں کہ بات دراصل یہ تھی کہ اس وقت صحابہ کے سامنے دو مسئلے تھے ایک پیغمبر اسلام کی تکفین و تدفین اور دوسرا آنحضرتؐ کے جانشین کا تقرر۔ اور یہ دوسرا مسئلہ اس قدر اہم تھا کہ رسولؐ کے دفن و کفن کو چھوڑا جا سکتا تھا۔ مگر امّت رسولؐ کو خلیفہ و امام کے بغیر ایک لحظہ کے لئے بھی نہیں چھوڑا جا سکتا تھا چنانچہ ماہنامہ الفاروق لائلپور کے شمارہ ماہ اکتوبر و نومبر ۱۹۵۵ء کے صفحہ ۲۲ پر جناب مدیر الفاروق رقم طراز ہیں۔

"حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ سوموار کے دن بعد دوپہر فوت ہوئے انا للہ

---

۱ دیکھا آپ نے فرض منصبی سے واقفیت اور اس کی ادائیگی میں کوشاں تھے زبانی طور پر تو دو مرتبہ ادا کر چکے تھے اب آخری وقت میں چاہتے تھے کہ تحریری طور پر بھی یہ فرض ادا ہو جائے اور اسی غرض سے قلم دوات بھی طلب فرمائی مگر کچھ لوگوں نے یہ کہہ کر کہ آنحضرتؐ کو شدت مرض کی وجہ سے ہذیان ہو گیا ہے (معاذ اللہ) اور ساتھ حسبنا کتاب اللہ کا شور بلند کر دیا تاکہ آنحضرتؐ لکھ نہ سکیں [illegible] کا احساس ہو گیا۔ حسبنا کتاب اللہ کا نعرہ بھی لگ گیا اور اس بات کا بھی احساس ہو گیا کہ خلیفہ مقرر کرنا امّت کا کام نہیں بلکہ یہ صاحب منصب کا فرض منصبی ہے۔

(مستفاد از [illegible])

۲ شیخین کا جنازہ رسولؐ سے غائب رہنا بھی مسلمہ ابوبکر و عمر وغیرہ کا سقیفہ بنی ساعدہ میں مشغول رہنا اور جنازہ رسولؐ سے غائب رہنا ایک ناقابل انکار حقیقت ہے [illegible] ابوبکر و عمر [illegible] لم یشہدا دفن النبی صلعم [illegible] بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر جناب رسول خدا کے دفن کے وقت موجود نہ تھے بلکہ وہ انصار کے مجمع میں [illegible] تھے [illegible] سے پہلے آنحضرتؐ دفن ہو چکے تھے ملاحظہ ہو [illegible] سیرۃ حلبیہ [illegible] اس موضوع کی مفصل تحقیق کیلئے ملاحظہ ہو کتاب [illegible]

و انا الیہ راجعون ۔ ۱۲، ۱۳ ربیع الاول دو دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہوتی رہی ۔ ۱۴ ربیع الاول بدھ کی رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سپرد خاک کئے گئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مسلمانوں کو امیر مقرر کرنے کی ہمیشہ تاکید فرمایا کرتے تھے ۔ اور اطاعت امیر کے لئے آپ کے ارشادات بے شمار ہیں کتب حدیث کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی زندگی بغیر امیر کے کوئی زندگی نہیں ہے یہاں تک کہ آپ نے دو مسلمانوں کو بھی سفر میں امیر مقرر کرنے کی اس قدر تاکید کی تھی ۔ تو آپ کے انتقال کے وقت اس فریضہ سے کب غافل ہو سکتے تھے ۔ بالخصوص جب اس بات کو بھی ذہن میں رکھ لیا جائے کہ عرب کے بدوی قبائل اور ان کے سردار ابھی مکمل طور مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے اسلام کی تعلیم ابھی تک ان کے رگ و ریشہ میں پیوست نہیں ہوئی تھی اور ہر آن جاہلیت کی آزادی کی لذت ابھی تک ان کے دماغوں میں باقی تھی اس لئے خطرہ تھا کہ حضور کی وفات کی خبر کے منتشر ہوتے ہی کہیں بغاوت نہ ہو جائے ۔ جس پر قبضہ پانا نظم و نسق کے بغیر ناممکن ہو جاتا ہے اور نظم و نسق بغیر قوت حاکم کے دشوار بلکہ محال ہوتا ہے پس اس میں تاخیر کی گنجائش نہ تھی ۔ اور تو تجہیز میں دیر کرنے سے کوئی دینی یا دنیاوی نقصان رونما ہونے والا نہیں تھا"

مدیر محترم نے آخر کلام میں آنحضرت کی تکفین و تدفین میں تاخیر کرنے کی جو وجہ تراشی ہے اس پر سر دست تبصرہ کرنا مقصود نہیں ہے ہمیں تو آپ کے نقل کلام سے فقط خلیفہ و امام کی لابدی ضرورت ثابت کرنا مقصود ہے جو انہوں نے لاشعوری طور پر بہت عمدہ طریقے سے بیان کر دی ہے اس عبارت میں چند مقامات نہایت غور طلب ہیں ۔

(۱) حضور نبی کریم مسلمانوں کو امیر مقرر کرنے کی ہمیشہ تاکید فرمایا کرتے تھے ۔ (۲) "مسلمانوں کی زندگی بغیر امیر کے کوئی زندگی نہیں ہے" (۳) "صحابہ کرام اس فریضہ سے کب غافل ہو سکتے تھے" (۴) "عرب کے بدوی قبائل پورے مسلمان نہیں ہوئے تھے" (۵) "خطرہ تھا کہ حضور کی وفات کے بعد بغاوت نہ ہو جائے"

مقام تامل ہے کہ جس امر کی آنحضرت زندگی بھر دوسرے لوگوں کو تاکید کریں ۔ جس چیز کے بغیر مسلمانوں کی زندگی کوئی زندگی نہ ہو جس چیز کے تقرر کے بغیر لوگوں کے گمراہ ہو جانے کا شدید خطرہ ہو جس کی اہمیت سے صحابہ غافل نہ ہو سکتے ہوں ۔ اور جس کی اہمیت کے پیش نظر تجہیز و تکفین رسول کو معرض التوا میں ڈالا جا سکتا ہے ۔ یہاں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا خود حکیم امت رسول اکرم کو بھی اس کی ضرورت کا احساس تھا یا نہ ؟ اگر یہ کہا جائے کہ غافل تھے (معاذ اللہ) تو اس سے لازم آئے گا کہ آپ کی امت آپ

سے زیادہ دوراندیش و فرض شناس ہو۔ (جو کہ بالبداہت باطل ہے) اور اگر یہ تسلیم کیا جائے۔ کہ وہ اس مسئلہ کی اہمیت سے واقف تھے۔ تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خلیفہ کے تقرر پر قادر تھے یا نہ؟ مگر یہ تو کہا نہیں جا سکتا۔ کہ قادر نہ تھے۔ ورنہ اُمت کو اُن سے زیادہ صاحب اختیار ماننا پڑے گا۔ جو کہ باطل ہے اور اگر قادر تھے۔ تو پھر کیا انتظام کیا کسے اپنا جانشین مقرر کیا؟ اگر یہ کہا جائے۔ کہ جان بوجھ کر کوئی بندوبست نہیں کیا۔ تو پھر نبوت رحمت کیا۔ کہ جو شخص جان بوجھ کر اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرے۔ وہ خدا کا رسول نہیں ہو سکتا نبی ہو کر جس بات کا دوسروں کو حکم دیں خود اس پر عمل نہ کریں۔ ؎

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

بہر حال اب مسلمانوں کا اختیار ہے یا حضور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک نافرض شناس اور ناعاقبت اندیش (معاذ اللہ) قرار دیں یا یہ تسلیم کریں کہ یہ نظریہ بالکل غلط ہے کہ "مضی النبیؐ ولم یوص الی احد" کہ آنحضرتؐ اس حالت میں دار دنیا سے تشریف لے گئے کہ اپنے بعد کسی کو خلیفہ نامزد نہیں کیا تھا! دلائل مواقف، اگر رسول اسلام کی رسالت کو بچانا ہے تو شیعیان حیدر کرار کے صحیح نظریہ کو اپنانا پڑے گا۔ کہ پیغمبر اسلام اس وقت تک دنیا سے تشریف نہیں لے گئے جب تک ہزاروں کے مجمع عام میں اپنے بھائی حیدر کرار کی خلافت و امامت کا بحکم خدا صاف اعلان نہیں کر دیا۔ یہ لوگوں کی بدبختی تھی۔ کہ خدا و رسولؐ کے مقرر کردہ امام سے انحراف کر کے سقیفائی خلافت کی بنیاد رکھی۔

چھٹی دلیل

متفق علیہ حدیث ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ستفترق امتی علی ثلٰث و سبعین فرقۃ کلھم فی النار الا واحدۃ منھا ناجیۃ۔ "میری امت کے تہتر گروہ ہو جائیں گے سوائے ایک گروہ کے دیگر تمام جہنم میں جائیں گے" اس شفقت و رأفت کا یہ عالم ہو کہ خود خداوند خبیر فرمائے حریص علیکم و بالمومنین رؤف رحیم۔ اس کے متعلق یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ جس آنے والے فتنہ و فساد اور افتراق و انشقاق کی خبر تو دیں لیکن اس سے بچاؤ کی کوئی مناسب تدبیر نہ بتلائیں۔ وہ حکیم و شفیق امت جس نے اپنے اور اپنے یار و انصار کے مقدس خون سے شجر اسلام کو سینچا ہو۔ اس کی تربیت میں اس قدر مصائب و شدائد برداشت کئے ہوں۔ کہ بے ساختہ کہہ اٹھے ہوں "ما اوذی نبی کما اوذیت" کیا یہ ممکن تھا کہ جب اس شجر اسلام کے پھولنے پھلنے کا وقت آئے اس مربی و محافظ کو رفیق اعلیٰ میں بلا لیا جائے۔ اور یہ حضرت وہ بے یار و مددگار بغیر کوئی محافظ و نگہبان مقرر کئے چلے جائیں۔ اس پر طرہ یہ کہ اُمت کو آنے والے مصائب و آلام کی خبر بھی دے چکے ہوں۔ کیا ایسا کرنے میں آپ کی رأفت و رحمت پر حرف نہیں آتا؟ کیا ایسی صورت میں آپ کی تمام محنت و مشقت کے ضائع و

برباد ہونے کا شدید خطرہ تھا وجہ کوئی عقلمند انسان ایسا کر سکتا ہے کہ ابتداء میں اس قدر اہتمام و انتظام
کرے جس کی نظیر صفحات تاریخ میں ملنا مشکل ہو اور آخر میں اس قدر تغافل و تساہل برتے؟ اعقل الناس
کبھی ایسا کر نہیں سکتا تھا علاوہ بریں جبری محال اگر پیغمبر اسلام نے غفلت بھی کی تھی تو رشد و ہدایت کے متوالے
پروانوں نے پیش گوئی سننے کے بعد کس طرح خاموش رہ گئے تھے۔ انہوں نے بھی آنے والے حوادث
و اختلافات سے بچنے کے لئے کوئی مناسب تدبیر آپ سے دریافت نہ کی؟ اس سکوت و خاموشی سے
تو ان کی عقل و دانش بلکہ دیانت بھی معرض خطر میں پڑ جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پیغمبر اسلام نے اپنے
فرض منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کی بلکہ اس فرض شناس رسول نے بطریق احسن اس فریضہ کو انجام
دیا۔ چنانچہ آنحضرتؐ ہمیشہ مختلف عنوانوں سے ضلالت و گمراہی کے آنے والے طوفان سے بچاؤ کی تدابیر
سے امت کو آگاہ فرماتے رہتے تھے کبھی فرماتے۔ مثل اھل بیتی کمثل سفینۃ نوح من رکبھا نجی
ومن تخلف عنھا غرق وھوی کبھی فرماتے ہیں مثل اھل بیتی مثل باب حطۃ فی بنی اسرائیل من
دخلہ کان آمنا کبھی یہ فرماتے انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اھل بیتی حتی کہ
جب تک اس فریضہ کی ادائیگی سے سبکدوش نہیں ہوئے تکمیل دین و تمام نعمت کا تمغہ نہیں ملا۔ اپنی خلافت
و وصایت کا فقط قولی اعلان ہی نہیں بلکہ عملی طور پر جب تک اپنے نائب و خلیفہ کا ہاتھ پکڑ کر لوگوں کو دکھا
نہیں دیا تب تک تکمیل دین کی سند نہیں ملی۔ اور جب آنحضرتؐ اس بار رسالت سے عہدہ برآ ہوتے ہیں ادھر
بجواب اعلان تکمیل دین و تمام نعمت رب منعم کی سند آیت مبارکہ، الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم
نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔ لے کر اتر آتے ہیں۔ آنحضرتؐ اپنے بار رسالت سے سبکدوش ہونے
اور تکمیل دین مبین ہونے کی نعمت عظمیٰ کا یوں ان الفاظ شکریہ ادا کرتے ہیں: الحمد للہ علی اکمال الدین
و اتمام النعمۃ بولایۃ علی ابن ابی طالب۔ (ملاحظہ ہو [illegible])
بفضلہ تعالیٰ ان دلائل و براہین سے روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو گیا کہ حضرت ختمی مرتبت صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلفاء و ائمہ کا تقرر نہ صرف واجب بلکہ اوجب واجبات میں سے ہے۔
اس کے بغیر دین مبین اور شریعت کریم کا دوام و بقا ناممکن ہے۔ وہو المطلوب۔

وجوب امامت عقلی ہے

اس مطلب کے ثابت ہو جانے کے ساتھ مسئلہ امامت کے دیگر چند اختلافی امور کا بھی تصفیہ ہو جاتا ہے جن کی طرف
مقدمہ میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔ مثلاً یہ کہ امامت کا وجوب عقلی ہے یا سمعی؟ گذشتہ بیان سے واضح
ہو گیا کہ وجوب امامت عقلی ہے جس طرح بحکم عقل سلیم بعثت انبیاء واجب و لازم ہے۔ اسی طرح نصب ؟

تقرر او منصب دینی منعقد واجب ولازم ہے۔

امامت اصول میں داخل ہے!

اسی طرح اس بیان سے اس اختلاف کا بھی فیصلہ ہو گیا کہ آیا امامت اصول میں شامل ہے یا فروع میں داخل؟ حقیقت امر یہ ہے کہ امامت اصول مذہب سے ہے کیونکہ جو چیز اس قدر اہم ہو جس کے وجود کے ساتھ دین کی بقاء و دوام وابستہ ہو اور اس کے بغیر بعثت رسول کی غرض و غایت بلکہ تمام انبیاء و مرسلین کی نبوتیں و رسالتیں اکارت و برباد ہوتی ہوں۔ تو یقیناً وہ چیز اصول سے ہوگی نہ کہ فروع سے!! اگر اس اجمالی بیان سے کسی کی تسلی نہ ہوئی ہو تو ہم اس پر قدرے مزید روشنی ڈال دیتے ہیں حضرت رسالت مآبؐ کا ارشاد ہے۔ من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتة جاھلیة "جو شخص مر جائے اور اپنے امام زمانہ کی معرفت نہ رکھتا ہو اس کی موت جاہلیت (بحالت کفر و شرک) واقع ہوتی ہے" (ومنصب امامت بحوالہ مسند امام احمد ج ۴ ص ۹۶ [illegible] اکلیل الکرامة فی تبیان مقاصد الامامة طبع بھوپال وغیرہ۔)

یہ حدیث شریف امامت کے اصول دین سے ہونے پر قطعی دلیل ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ فروع میں سے کسی امر کے نہ جاننے سے کوئی مسلمان جاہلیت یعنی کفر و شرک کی موت نہیں مرتا۔ بلکہ مسلمان ہی رہتا ہے زیادہ سے زیادہ فاسق ہو جاتا ہے وہ بھی اس وقت جب کوتاہی کرے۔ انہی حقائق کے پیش نظر ابن حزم اپنی کتاب المحلی طبع مصر جدید میں لکھتے ہیں "لا یجوز ان یکون فی الدنیا الا امام واحد فقط ومن مات ولیس فی عنقه بیعة مات میتة جاھلیة۔" "دنیا میں ایک وقت میں ایک ہی امام ہو سکتا ہے۔ اور جو شخص اس حالت میں ایک رات بھی گزارے کہ اس کی گردن میں امام کی بیعت نہ ہو وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے" معلوم ہوا کہ امامت اصول عقائد میں داخل ہے اگر کسی شخص کو اس بیان سے اطمینان نہ ہوا ہو تو لیجئے ہم اس بارے میں چند بزرگان اہل سنت کی تصریحات پیش کئے دیتے ہیں۔ حضرت قاضی نور اللہ شوشتری علیہ الرحمہ اپنی جلیل القدر کتاب احقاق الحق ص ۱۹ طبع مصر جدید رقمطراز ہیں۔ "قد صرح القاضی البیضاوی فی مباحث الاخبار من کتاب المنهاج وجمع من شارحیه بان مسئلة الامامة من اعظم مسائل اصول الدین والذی مخالفتها یوجب الکفر والبدعة۔" انتہیٰ یعنی قاضی بیضاوی نے کتاب منہاج کے مباحث اخبار میں اور اس کے شارحین نے لکھا ہے کہ مسئلہ امامت اصول دین کے ان اہم مسائل میں سے ہے جن کی مخالفت موجب کفر و بدعت ہے۔"

اسی طرح شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی ازالۃ الخفاء ج ا صفحہ ۲ پر لکھتے ہیں۔

"بعلم الیقین دانستہ شد کہ اثبات خلافت ایں بزرگواراں اصلی است از اصول دین تا وقتیکہ ایں اصل محکم نگیرد ہیچ مسئلہ از مسائل شریعت محکم نشود" الخ یعنی یہ بات علم الیقین سے معلوم ہو چکی ہے کہ ان بزرگوار خلفاء راشدین کی خلافتوں کا اثبات ان اصول دین میں سے ہے کہ جب تک اسے مضبوطی سے نہ پکڑا جائے اس وقت تک دین کا کوئی مسئلہ درست نہیں ہو سکتا۔"

امید ہے کہ ان حقائق پر نظر کرنے کے بعد اب امامت کے اصول عقائد میں سے ہونے کے متعلق کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہے گا۔ انشاء اللہ۔

امام کا تقرر خدا کے قبضۂ قدرت میں ہے!

نیز سابقہ بیانات سے اس اختلاف کا بھی فیصلہ ہو گیا

کہ آیا نصب امام خدا پر واجب ہے یا خلق پر، واضح ہو گیا کہ مرتبۂ امامت ثانی مرتبۂ نبوت ہے جس طرح نصب و تقرر نبی لوگوں کے بس کا روگ نہیں اسی طرح نصب خلیفہ و امام بھی ان کے اختیار میں نہیں بلکہ نبی کے تقرر کی طرح خداوند عالم کے قبضۂ قدرت میں ہے وربک یخلق ما یشاء و یختار ، ما کان لهم الخیرۃ حضرات اہل سنت امت پر نصب امام کے واجب ہونے پر یہ استدلال کیا کرتے ہیں کہ حدود الہیہ کا اجراء اور جہاد کے لئے تجہیز جیوش وغیرہ لوازم اسلام کی حفاظت کے لئے امت پر واجب ہے چونکہ یہ امور وجود امام پر موقوف ہیں لہذا بطور مقدمۂ واجب نصب و تقرر امام امت پر واجب ہو گا۔"

یہ استدلال بچند وجہ غلط ہے اولاً کہ یہ کہنا کہ اقامۂ حدود و تجہیز جیوش وغیرہ فرائض شرعیہ امت پر واجب ہے۔ صحیح نہیں ہے بلکہ یہ تکلیف خود نبی یا اس کے وصی کے متعلق ہے۔ جب یہ امور امت پر واجب نہ ہوئے۔ تو ان کا مقدمہ (نصب امام) بھی ان پر واجب نہ ہو گا ثانیاً اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ امور براہ راست امت پر واجب ہیں جب بھی یہ استدلال غلط ہے کیونکہ واجب کی دو قسمیں ہیں (۱) واجب مطلق مثل صوم و صلوٰۃ وغیرہ اور (۲) واجب مشروط مثل زکوٰۃ، حج اور خمس وغیرہ ظاہر ہے کہ جس واجب کا مقدمہ واجب ہوتا ہے وہ واجب مطلق ہے نہ واجب مشروط واضح ہے کہ زکوٰۃ تب واجب ہوتی ہے۔ جب مال خود بخود نصاب تک پہنچ جائے۔ خود مکلف پر اس کا حاصل کرنا واجب نہیں ہے اور اسی طرح حج و خمس کا حکم ہے۔ اسی طرح مذکورہ بالا امور یعنی اقامہ، حدود وغیرہ واجب مشروط ہیں اگر نبی یا امام موجود ہوں تو ان کا وجوب عائد ہو جاتا ہے۔ والا فلا۔

لہذا یہ واجب مشروط ہے تو اس کا مقدمہ واجب نہ ہو گا۔ وہو المقصود

امام کیلئے افضل ہونا ضروری ہے!

اسی طرح شرائط امامت میں جو اختلاف ہے کہ آیا امام کا عصمت و اعلمیت و اشجعیت وغیرہ صفاتِ کمالیہ سے متصف ہونا اور تمام صفاتِ رذیلہ و عیوب خلقیہ و خُلقیہ اصلیہ و فرعیہ سے مبرا و منزہ ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ تو انہی سابقہ نیّج باہرہ و دلائل قاہرہ سے اس اختلاف کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ کیونکہ یہ جب ثابت ہوچکا کہ بقاء دین و حفظِ شریعت سید المرسلینؐ کے لئے خلاق عالم پر اوصیاء و آئمہ کا نصب و تقرر رسولؐ کے توسط سے لطفاً واجب و لازم ہے تو اسی سے یہ امر بھی واضح ہوجاتا ہے کہ اس مقصدِ عظیم کی انجام دہی کے لئے ضروری ہے۔ کہ خداوند عالم ایک معصوم و اعلم اور اشجع الغرض ہمہ صفت موصوف ہستی کا تقرر فرمائے کیونکہ امام سوائے مرتبۂ نبوت کے باقی تمام مراتب میں نبی کا خلیفہ و جانشین ہوتا ہے اور سوائے اس مرتبۂ خاص کے باقی تمام مراتب و فرائضِ نبوت کی انجام دہی اس کے متعلق ہوتی ہے لہٰذا لازمی ہے کہ خداوند عالم ایک ایسے آدمی کا تقرر فرمائے۔ جو ان امور سے عہدہ برآ ہو سکے۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی بادشاہ کسی آدمی کو کسی جگہ کا حاکم مقرر کرے۔ اور وہ جانتا ہو کہ یہ شخص فرائض حکومت کو انجام نہیں دے سکے گا۔ اور ان کے مصالح و مفاسد کی رعایت سے قاصر رہے گا تو تمام عقلاء سے روزگار بادشاہ سے اس فعل کی مذمت کریں گے پھر حکیم علی الاطلاق ایسا عبث و بے فائدہ کام کیسے کرسکتا ہے واضح ہے کہ غیر اعلم و غیر شجیع اور غیر معصوم ان فرائض کی انجام دہی سے قطعی قاصر ہے جو امام کے متعلق ہیں۔ امامت کا تعلق اصول و عقائد و احکام شریعت بیان کرنے، کفار و بغاۃ کی سرکوبی کے لئے جہاد کرنے اور حدودِ شرعیہ کے نفاذ الغرض اسلام اور مسلمانوں کی دینی و دنیوی امور اصلاح و بہبودی کیلئے کام کرنے سے ہے واضح ہے کہ ان امور کا علم و شجاعت اور عصمت وغیرہ سے چولی دامن کا تعلق ہے اور جسم و روح کا رشتہ خلاصہ یہ کہ اگر نبی کی طرح امام بھی ممکن کے تمام صفاتِ جمیلہ سے متصف اور اس کے تمام نقائص و عیوب سے منزہ و مبرا نہ ہو تو اس کے مقرر کرنے کی جو غرض و غایت ہے وہ فوت ہو جائے گی اور اس کا تقرر عبث و بے فائدہ ہو کر رہ جائے گا۔ تعالیٰ عما یقول الظالمون علواً کبیراً۔

بَابِ دوم

شرائط امام

شرائط امامت کا بیان

اگرچہ اربابِ عدل و انصاف اور صاحبانِ عقل و خرد کے لئے شرائط امام سمجھنے کے لئے یہی مذکورہ بالا اجمالی بیان کافی و وافی ہے لیکن موضوع کی حیثیت اور بعض شکی مزاج لوگوں کی تسکین و تسلی کے لئے ہم اس باب میں وضاحت و تفصیل کے ساتھ اس موضوع پر تبصرہ کرتے ہیں اور ذیل میں ان صفاتِ جلیلہ میں سے ہر صفت کے اثبات پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہیں لیحیٰ من حیّ عن بینۃ و یھلک من ھلک عن بینۃ

پہلی شرط اعلمیت

مخفی نہ رہے کہ منجملہ ان اختلافات کے جو مسئلہ امامت میں مسلمانوں کے درمیان ہیں ایک اختلاف شرائط امام کے متعلق ہے تمام شیعہ امامیہ اس امر کے قائل ہیں کہ امام کو ہر اس چیز کا جس کی قیامت تک لوگوں کو احتیاج ہے عالم ہونا چاہیئے خلاصہ یہ کہ امام کے لئے اعلم امت ہونا ضروری ہے لیکن ہمارے بعض برادرانِ اسلامی امام میں اعلمیت لازمی نہیں سمجھتے اور ان کے بعض علماء تو یہاں تک کہتے ہیں کہ ایک جاہل بھی امام ہو سکتا ہے۔

اعلمیت امام کے دلائل

اس مسئلہ میں حق شیعہ کے ساتھ ہے۔ اس کے چند مختصر دلائل یہ ہیں پہلی دلیل۔ امام وقت حجت خدا ہوتا ہے اطراف و اکناف عالم سے تمام لوگ معالم دین معارف شریعت سید المرسلین اور مذہبی مناظرات وغیرہ کے لئے اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس سلسلہ میں کسی زمان و مکان اور سوال کی کوئی قید نہیں بلکہ تمام لوگوں کو حکم ہے کہ جس وقت چاہیں جس جگہ چاہیں اور جس چیز کے متعلق چاہیں ان سے سوال کریں ان حالات میں عقل سلیم و طبع مستقیم قطعی حکم لگاتی ہے کہ امام وقت کو ”کل مایحتاج الیہ الناس“ کا عالم ہونا چاہیئے وہ خواہ شریعت مقدسہ کے متعلق ہو یا شرائع سابقہ سے مربوط گزشتہ امور سے متعلق ہو یا آئندہ سے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کسی وقت ایسا ہو کہ ہی ہے

کہ کوئی شخص امام سے سابقہ شریعتوں کے متعلق سوال کر بیٹھے۔ اگر امام اس کا صحیح جواب نہ دے سکے تو اس کا وجود سوائے اسلام کے لئے باعث ننگ و عار ہونے کے اور کس کام کا ہو سکتا ہے۔ اہل اسلام کی نظروں میں اس امام کی کیا عزت و عظمت باقی رہ سکتی ہے؟ ایسا امام کس طرح اس شخص پر حجت خدا قرار پا سکتا ہے؟ اس نقص کی بازگشت خود خلاق عالم کی طرف ہوگی کہ اس نے ایک ایسے شخص کو لوگوں پر اپنی حجت قرار دیا۔ جو اتمام حجت سے قاصر ہے۔ اس طرح ضروری ہے کہ امام شریعت مقدسہ اسلامیہ کے تمام فرائض و سنن اور حدود و قیود غرضیکہ وہ دین و شریعت کا کامل علم رکھتا ہو۔ اور شریع الٰہیہ کے ہر کلی و جزوی امر کا کما حقہ عالم و عارف ہو۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو ممکن ہے کہ بیان شریعت میں غلطی کر جائے۔ فرض کو سنت اور سنت کو فرض قرار دیدے۔ حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دے دے۔ مجرم کو رہا کر دے اور بے گناہ پر حد جاری کر دے۔ (جیسا کہ مسلمانوں کے خلفاء سے کئی مرتبہ ایسا وقوع پذیر ہوا ہے۔ اور بوجہ جہالت دین کے معاملہ میں لوگوں کے جملہ شکوک و شبہات کا ازالہ نہ کر سکے۔ واضح ہے کہ ایسی صورت میں اس کے نصب و تقرر کی جو غرض و غایت ہے فوت ہو جائے گی اور اس کا تقرر عبث و بے فائدہ ہو کر رہ جائے گی۔ نیز سابق میں بیان ہو چکا ہے کہ امام کے تقرر کے اغراض و مقاصد میں ایک اہم غرض لوگوں کو مسائل و معارف دین مبین کی تعلیم و تلقین کرنا ہے۔ مخفی نہیں کہ یہ غرض جبھی حاصل ہو سکتی ہے کہ امام شریعت اسلامیہ کے تمام معارف و احکام اور تمام رموز و اسرار دین اسلام کا بتعلیم خدائے علام کما حقہ عالم و عارف ہو کیونکہ یہ امر اپنے مقام پر محقق و مبرہن ہو چکا ہے کہ "فاقد شئی معطی شئی" نہیں ہو سکتا جس کی جیب میں ایک روپیہ نہ ہو وہ کبھی کسی کو دس روپے نہیں دے سکتا۔ جو خود ناخواندہ ہو وہ کبھی معلم و مدرس نہیں بن سکتا۔ بنا بریں جو امام خود تمام احکام شریعت سے واقف نہ ہو وہ دوسرے لوگوں کو کس طرح کتاب و حکمت کے درس دے سکتا ہے اور کس طرح حجت خدا بن کے لوگوں کے عذر قطع کر سکتا ہے بلکہ ایسے امام پر جو بعض مسائل کو جانتا ہو۔ اور بعض سے ناواقف ہو واجب و لازم ہے کہ خود جا کر مسائل دین کی تعلیم حاصل کرے۔ ناقص کسی کی تکمیل نہیں کر سکتا۔ ع

آں خویشتن گم است کرا رہبری کند

دوسری دلیل - اسی بیان سے یہ بھی واضح و عیاں ہو گیا۔ کہ امام کو اپنی تمام رعیت سے اعلم ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اگر افراد امت میں کوئی شخص اس سے زیادہ عالم موجود ہو تو اس صورت میں خود امام پر اس کی اقتداء و اتباع لازم ہوگی جیسا کہ ہم عنقریب مسئلہ افضلیت امام کے ذیل میں

بیان کریں گے کہ افضل کی موجودگی میں غیر افضل حاکم و امام نہیں ہو سکتا۔ تو پھر ایسا شخص کس طرح اس "اعلم" کا امام و مقتدا قرار پا سکتا ہے؟ اس طرح تو تفضیلِ مفضول بر افضل لازم آئے گی جو عقلاً و شرعاً قبیح ہے؟

تیسری دلیل:- رفعِ تنازعات میں لوگ مامور ہیں کہ "اولی الامر" یعنی امامِ وقت کی طرف رجوع کریں۔ لیکن جب خود ان اختلاف کنندگان میں کوئی ایسا شخص موجود ہو جو اس امام سے زیادہ عالم ہے تو اس امام کا فیصلہ کس طرح اختلاف کو رفع کر سکتا ہے؟ بلکہ اس صورت میں خود امام اس اعلم شخص کے فیصلہ کا محتاج ہوگا۔ ان حالات میں امام کی طرف رجوع کرنے کی جو غرض و غایت ہے وہ حاصل نہیں ہوگی اور ایسے امام کا ہونا بے فائدہ ہو کر رہ جائے گا۔ یہ امور جو ہم نے بیان کئے ہیں خواہ ان کو برہان کہیئے؛ یا آواز وجدان بہرحال ہیں ایسے واضح حقائق کہ کوئی صاحبِ عقل سلیم و طبعِ مستقیم ان میں ہرگز کسی قسم کا خدشہ و مناقشہ نہیں کر سکتا۔ لیکن خدا بُرا کرے تعصب و عناد کا کہ جب یہ کسی شخص کے اوپر غالب آجاتا ہے۔ تو اس کی خداداد بصارت و بصیرت اور عقل و دانش پر پردے پڑ جاتے ہیں۔ حق و باطل میں تمیز کرنے کی قوت سلب ہو جاتی ہے اور بڑے بڑے بدیہی امور بھی اس کو کبھی و نظری نظر آتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب اس مرض کا غلبہ ہو جاتا ہے تو صحیح و سلیم کو چھوڑ کر غلط و سقیم کو اختیار کر بیٹھتا ہے۔ اگر آپ کو اس امر میں شک ہو تو آئیے علامہ تفتازانی کی شرح مقاصد ج ۲ ص۲۷۲ طبع استانبول کا مطالعہ کریں۔ لکھتے ہیں۔ "اذا مات الامام و تصدی للامامة من یستجمع شرائطها من غیر بیعة و استخلاف و قهر الناس بشوکته انعقدت الخلافة له و کذا اذا کان فاسقاً او جاهلاً علی الاظهر" یعنی جب ایک امام مر جائے۔ اور امامت حاصل کرنے کے لئے ایک شخص کھڑا ہو جائے۔ جس میں اس کی شرائط موجود ہوں بلا بیعت اور استخلاف کے اپنی طاقت سے لوگوں پر غالب آجائے۔ تو اس کی خلافت و امامت منعقد ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر وہ امیدوار فاسق اور جاہل بھی ہو تو بھی علی الاظہر اس کی خلافت و امامت صحیح ہے؟ فاعتبروا یا اولی الابصار

دوسری شرط عصمت

عصمتِ امام میں مسلمانوں کے درمیان بڑا اختلاف ہے چنانچہ تمام شیعہ امامیہ اس کے قائل ہیں کہ امام کو نبی کی طرح اوّل عمر سے آخر عمر تک تمام صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے اور احکام میں ہر قسم کی خطاء و لغزش سے منزّہ و مبرّا اور معصوم ہونا ضروری ہے لیکن باقی فرقہ ہائے اسلام اس میں عدالت کو کافی سمجھے

ہیں بلکہ بعض حضرات تو فاسق وفاجر کو بھی امام تسلیم کرنے میں باک محسوس نہیں کرتے حق یہ ہے
کہ اس مسئلہ میں حق حضرات شیعہ کے ساتھ ہے اور اس پر بکثرت دلائل عقلیہ ونقلیہ موجود ہیں
ہم ذیل میں چند عام فہم حجج وبراہین ذکر کرتے ہیں تاکہ ارباب انصاف پر جماری صداقت وحقانیت
واضح وآشکار ہو جائے لیکن اصل مطلب پر دلائل قائم کرنے سے پہلے بطور تمہید عصمت و عدالت
کے معنی اور ان کا باہمی فرق واضح کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ جس سے اس مسئلہ میں بہت سی
غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جائے گا۔

عصمت کی تعریف

عصمت کے معنی لغت میں "منع" یعنی روکنے اور
بچانے کے ہیں جیسا کہ آیہ تبلیغ میں وارد ہے۔ "و اللہ
یعصمک من الناس" (اے رسول "ولایت علی" کا بے دھڑک ہو کر اعلان کر دو۔ خدا تمہیں لوگوں
کے شر سے بچائے گا۔) اصطلاح متکلمین میں اس کے معنی میں قدرے اختلاف ہے۔ علمائے محققین
نے اس کی یہ تعریف کی ہے "العصمة لطف خفی یفعل اللہ تعالیٰ بصاحبها بحیث
لا یکون لہ داع الی ترک الطاعة وارتکاب المعصیة مع قدرتہ علی ذلک"
یعنی عصمت ایک ایسا لطف خفی ہے کہ جب خلاق عالم صاحب عصمت پر اس کا افاضہ کرتا ہے تو
اس لطف کی موجودگی میں اس شخص کے اندر اطاعت ترک کرنے اور معصیت کا ارتکاب کرنے کا
داعی ومحرک پیدا ہی نہیں ہوتا۔ باوجودیکہ وہ ان امور پر قدرت رکھتا ہے!

عدالت کی تعریف

عدالت کے لغوی معنی وسعت واستقامت کے ہیں اور اصطلاح
فقہا میں اس کے یہ معنی بیان کئے گئے ہیں "العدالة هی ملكة
الى ملكة على اجتناب الكبائر وعدم الاصرار على الصغائر" بقول شیخ اعظم مرحوم "عدالت
وہ ملکہ ہے جو گناہان کبیرہ سے اجتناب اور گناہان صغیرہ پر اصرار کرنے سے باز رہنے پر آمادہ کرتا ہے"

عصمت و عدالت کا باہمی فرق

عصمت وعدالت کی تعریفات سے ان
کا باہمی فرق بھی معلوم ہو گیا ہے۔ اس اجمال
کی تفصیل یہ ہے کہ عصمت وعدالت میں چند فرق ہیں (۱) یہ کہ عصمت لطف ہے اور عدالت ملکہ
ارباب علم جانتے ہیں کہ کسی چیز کا ملکہ اس فعل پر بار بار کے تکرار کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ بخلاف
لطف کے کہ اس میں تکرار کی حاجت نہیں ہوتی بلکہ ابتداءً خدائے علیم وحکیم اپنے مخصوص بندوں پر
اس کا فیضان فرما دیتا ہے۔

دوم: صاحب عدالت عمداً ترک اطاعت اور ارتکاب معصیت نہیں کرتا لیکن بطور سہو و نسیان اس سے عصیان ہو سکتا ہے بخلاف صاحب عصمت کے کہ اس سے عمداً و سہواً ہرگز خطاء و عصیان سرزد نہیں ہوتا۔

سوم:۔ عدالت رخصت بھی ہو سکتی ہے اور پھر عود بھی کر سکتی یعنی ہو سکتا ہے کہ عادل عمداً کسی گناہ کا مرتکب ہو جائے لیکن بعد میں صدق دل سے توبہ کرے اور اس طرح اس کی کھوئی ہوئی عدالت واپس پلٹ آئے بخلاف معصوم کے کہ اس میں اس امر کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ کہ اس کی عصمت بھی کبھی زائل ہو جائے، واپس عود کر آئے!

چہارم:۔ عادل سے احکام شرعیہ میں خطا ہو سکتی ہے۔ لہٰذا ممکن ہے کہ وہ بیان احکام میں ضلال و اضلال کا شکار ہو جائے لہٰذا ہر حال میں اس کی اطاعت موجب رشد و ہدایت نہیں ہو سکتی۔ بخلاف معصوم کے کہ اس سے احکام وغیرہ تمام حالات میں کبھی بھی خطاء و لغزش نہیں ہوتی۔ اس لئے اس کی اطاعت و پیروی ہر حال میں موجب نجاح و فلاح قرار پا سکتی ہے الی غیر ذالک من الفروق التی تظہر بعد التامل! یہیں سے بعض کم علم و عرفان حضرات مثل فضل ابن روزبہان وغیرہ کے اس نظریہ کی کمزوری نمایاں ہو گئی جنہوں نے عصمت و عدالت میں خلط ملط کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ معصوم کے فرائض سے عادل بھی عہدہ برآ ہو سکتا ہے لہٰذا امام کے لئے صرف عدالت کافی ہے ہمارے مذکورہ بیان سے اس نظریہ کا بطلان روز روشن کی طرح واضح و عیاں ہو۔

عصمت امام پر ادلہ عقلیہ!

دلیل اوّل چونکہ اوپر ثابت کیا جا چکا ہے کہ نصب و تقرر امام کی غرض و غایت وہی ہے جو بعثت انبیاء کی ہے ائمہ کے وہی فرائض ہیں جو انبیاء کے ہیں اگر فرق ہے تو صرف اس قدر کہ نبی کو خداوند عالم کی طرف سے وحی بغیر واسطہ بشر ہوتی ہے اور امام بواسطہ نبی احکام الٰہیہ بیان کرتا ہے بالفاظ دیگر نبی خدا کی طرف سے شریعت لاتا ہے۔ اور امام اس کی تشریح و توضیح اور اس کی حفاظت و حراست کرتا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ جن دلائل و براہین کی رو سے نبی کے لئے عصمت لازمی و ضروری ہے انہی نتائج و براہین کے لحاظ سے امام کے لئے بھی عصمت ضروری ہے تاکہ بیان شریعت، تقسیم اموال اور اجراء حدود میں کسی قسم کی غلطی اور ظلم و زیادتی واقع نہ ہو۔

دلیل دوم:۔ چونکہ قرآن و حدیث میں امام کی اطاعت مطلقہ واجب قرار دی گئی ہے لہٰذا اگر امام جائز الخطا ہو تو اس کی وجہ سے اس کے ہر امر کی اطاعت کرنے میں بعض اوقات اجتماع

ضدین لازم آئے گا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ امام عدم عصمت کی وجہ سے کبھی کوئی خلاف شرع حکم دے
دے اس صورت میں اطاعت امام کے واجب ہونے کے ادلہ کی رو سے اس امر میں بھی اس کی اطاعت
واجب ہوگی اور ان ادلہ کی رو سے جو معصیت سے روکتے ہیں اس امر میں اس کی نافرمانی
لازم ہوگی لہٰذا بیک وقت ایک ہی چیز میں امام کی متابعت بھی واجب ہو اور مخالفت بھی لازم
ہو یہی اجتماع ضدین ہے جو ناممکن اور باطل ہے۔ پس ماننا پڑے گا کہ امام کو معصوم ہونا چاہیئے تاکہ
یہ خرابی لازم نہ آئے۔

دلیل سوم اگر امام کو معصوم نہ مانا جائے بلکہ عمداً یا سہواً اس سے معصیت کے سرزد
ہونے کو جائز قرار دیا جائے۔ تو اس صورت میں اس کے اوامر و نواہی اور دیگر تعلیمات پر اعتماد نہیں رہے
گا کیونکہ اس صورت میں برابر یہ احتمال رہے گا کہ ممکن ہے وہ بعض حقیقی اوامر کو ترک کر دے اور
بعض کو سہواً اپنی طرف سے بڑھا دے یا جس کا حکم دینا تھا اس سے روک دے اور جس سے روکنا تھا
اس کا حکم دے دے۔

دلیل چہارم اگر امام کو معصوم نہ مانا جائے بلکہ اسے جائز الخطا تسلیم کیا جائے تو جب
وہ کسی غلطی کا ارتکاب کرے تو بمقتضائے وجوب امر بالمعروف و نہی عن المنکر لوگوں پر واجب ہوگا
کہ اس کو روکیں اور ٹوکیں حالانکہ بمقتضائے آیات و روایات تمام لوگوں کو اس کی اطاعت مطلقہ کا حکم
دیا گیا ہے نہ کہ اس کو روکنے ٹوکنے کا۔

ایضاح:- فاضل قوشجی شارح تجرید نے اس دلیل کا جواب دینے کی ناکام کوشش کرتے
ہوئے لکھا ہے کہ امام کی اطاعت صرف ان امور میں واجب ہے جو مخالف شریعت نہ ہوں، لیکن
وہ امور جو مخالف شرع ہوں ان کو رد کر دیا جائے گا۔ اور اگر ممکن ہو تو امام کو امر بالمعروف کیا جائے گا
ورنہ خاموشی اختیار کی جائے گی فاضل موصوف کی یہ ذہنی اپج درجہ اعتبار سے ساقط ہے۔ انہوں
نے اطاعت امام کو جو اس قید کے ساتھ مقید کیا ہے کہ صرف ان امور میں کی جائے گی جو مخالف
شریعت نہ ہوں، یہ قید نصوص قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ کیونکہ قرآن و حدیث میں رسولؐ کی
طرح "اولی الامر" یعنی امام کی اطاعت مطلقہ بغیر کسی قید و شرط کے واجب قرار دی گئی ہے بنا بریں
جب امام سے غیر معصوم ہونے کی صورت میں کوئی خلاف شرع امر سرزد ہو جائے تو اس صورت میں اس کو امر بالمعروف کرنا واجب
ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہے* تو اس سے یہ محذور لازم آئے گا کہ امر بالمعروف کا وجوب ختم ہو جائے
گا اور جب یہ تمام شقیں باطل ہیں تو ماننا پڑے گا کہ امام کا معصوم ہونا ضروری ہے وھو المطلوب

* تو اس سے یہ محذور لازم آئے گا کہ امام واجب الاطاعت نہیں رہے گا اور اگر واجب نہ ہو تو

دلیل پنجم اگر امام اپنی رعیت کو امر بجا لانے اور نواہی سے رکنے کا حکم دے اور خود بوجہ عدم عصمت اپنی تعلیمات پر عمل پیرا نہ ہو تو وہ ان آیات کی زد میں آجائے گا جو واعظانِ بے عمل کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں جیسے "لم تقولون ما لا تفعلون کبر مقتاً عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون" "اتأمرون الناس بالبر وتنسون انفسکم" اس طرح لوگوں کی نظروں میں اس کی وقعت کم بلکہ بالکل ختم ہو جائے گی اور اس کی تبلیغ غیر مؤثر ہو کر رہ جائے گی۔

دلیل ششم یہ امر محقق و مبرہن ہو چکا ہے کہ تقرر امام خداوند عالم کے اختیار میں ہے نہ کہ جو سلاطین امام مقرر کرتا ہے بنابریں کیا خدائے علیم و حکیم کے لئے جائز ہے کہ باوجودیکہ وہ قادر ہے کہ ایک معصوم ہستی کو امام قرار دے لیکن اس کو ترک کر کے اگر ایک جائز الخطاء کو واجب الاتباع قرار دے دے تو اس سے بڑھ کر کون امر قبیح و شنیع ہو سکتا ہے؟ جس سے اس کی ذات اعلیٰ و ارفع ہے اور ایسا کرنا اس کی حکمت کے منافی ہے۔

دلیل ہفتم اگر امام سے خطا و عصیان کا صدور جائز ہو تو اس کے مقرر کرنے کی جو غرض و غایت ہے وہ فوت ہو کر رہ جائے گی کیونکہ اس شکل میں اس کے جنت و دوزخ وغیرہ کے وعدہ و وعید سے اعتماد اٹھ جائے گا کیونکہ اس صورت میں یہ احتمال قائم رہے گا کہ ممکن ہے اس نے جنت وغیرہ کے جھوٹے وعدے دیئے ہوں۔ اور اس طرح اس کی عزت و عظمت لوگوں کی نظروں میں ختم ہو جائے گی اور وہ اس سے اظہار نفرت کرتے ہوئے دور بھاگیں گے ظاہر ہے کہ اس شکل میں اس کا تعین و تقرر بے فائدہ ہو کر رہ جائے گا۔ ظاہر ہے کہ کوئی حکیم کے لئے نقض غرض قبیح ہے تو حکیم علی الاطلاق یعنی خدائے متعال کیونکر ایسا کر سکتا ہے؟

دلیل ہشتم امام باوجودیکہ عقل و فراست اور علم و معرفت کے مدارج عالیہ پر فائز ہوتا ہے اگر اس کے باوجود گناہ کا ارتکاب کرے تو وہ مرتبہ و منزلت میں عوام کالانعام سے بھی پست تر ہو جائے گا کیونکہ وہ جو گناہ کرتے ہیں تو ان میں امام کے برابر عقل و دانش اور علم و معرفت نہیں ہوتی لیکن امام باایں ہمہ عقل و دانش اور علم و معرفت اگر ارتکاب معصیت کرے تو یقیناً وہ ان جہال اور مثال عوام کالانعام سے بھی بدتر و پست تر قرار پائے گا۔ (معاذ اللہ) پھر وہ کائنات کا ہادی و رہنما کیونکر ہو سکتا ہے۔

آں خویشتن گم است کرا رہبری کند؟

اس لئے عقل سلیم مجبور کرتی ہے کہ امام کے لئے عصمت ضروری ہے۔

دلیل نہم آیت مبارکہ "اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم" اسی طرح آیۂ "یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصادقین" وغیرہ آیات ہیں جن میں امام کی اطاعت مطلقہ کا مثل اطاعت رسولؐ حکم دیا گیا ہے یہ اس کی عصمت و طہارت کی بین دلیل ہیں۔ اس کا بیان وہی ہے جو اوپر دلیل دوم میں گزر چکا ہے۔ فخرالدین رازی ایسے امام المشککین نے بھی اولی الامر و صادقین کی عصمت پر ان آیات کی دلالت کو تسلیم کیا ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ اس لیے اس سے مراد اجماع لیا ہے۔ ہم ساتویں باب میں آئمہ کی امامت کے ضمن میں ان کا پورا کلام نقل کر کے اس پر مفصل تبصرہ کریں گے۔ انشاء اللہ جس سے واضح ہو جائے گا کہ "اولی الامر" اور "صادقین" سے مراد آئمہ اہل بیت علیہم السلام ہیں نہ کوئی اور!

دلیل دہم آیت مبارکہ "لا ینال عہدی الظالمین" عصمت امام کی قطعی دلیل ہے۔ خداوند عالم نے حضرت ابراہیمؑ کو رتبہ نبوت و خلت عطا کرنے کے بعد جب مرتبہ امامت کبریٰ سے سرفراز فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "انی جاعلک للناس اماما" اے ابراہیمؑ میں تمہیں لوگوں کا امام قرار دے رہا ہوں، تو حضرت خلیل الرحمٰن نے اس عہدۂ جلیلہ کی اپنی ذریت میں باقی رہنے کی بارگاہ قدرت میں استدعا کی "ومن ذریتی" بارالہا! میری ذریت میں سے بھی امام بنانا۔ ارشاد باری ہوا "لا ینال عہدی الظالمین" اے ابراہیمؑ! میرا عہد (امامت) ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔ یعنی تمہاری ذریت میں سے امام تو ضرور بناؤں گا جس کی بشارت ایک دوسری آیت میں موجود ہے "وجعلہا کلمۃ باقیۃ فی عقبہ" لیکن تمہاری اولاد میں سے جو ظالم ہوں گے ان کو یہ عہدۂ جلیلہ عطا نہیں کروں گا۔ یہ آیہ وافی ہدایہ اس امر پر نص صریح ہے کہ امامت ایک عہدۂ الٰہی ہے جو ذریت ابراہیمؑ میں سے فقط ان بندگان کو ملے گا۔ جو اول عمر سے آخر عمر تک ہر صغیرہ و کبیرہ گناہ سے مطہر و معصوم ہوں، کیونکہ ہر گنہگار بنص قرآن ظالم ہے "ومن یتعد حدود اللہ فاولئک ہم الظلمون" جو لوگ حدود الٰہیہ سے تجاوز کریں گے وہ ظالم ہوں گے۔ اس آیہ کریمہ نے ظالم کی امامت کی نفی کر دی ہے یہی وجہ ہے کہ ابن جریر نے مجاہد سے اس آیت کے معنی لکھے ہیں "لا اجعل اماما ظالما یقتدی بہ" یعنی میں کسی بھی ظالم کو امام مقرر نہیں کروں گا جس کی اقتدا کی جائے۔ اس کی تائید مزید حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی بیان کردہ تفسیر سے بھی ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں ...... "ابطلت ہذہ الآیۃ امامۃ کل ظالم الی یوم القیامۃ" یعنی اس آیہ نے قیامت تک ہر ظالم کی امامت کو باطل کر دیا (اصول کافی)۔ ظاہر ہے کہ جو شخص مدت العمر

کسی وقت بھی ظلم کا مرتکب ہو اگرچہ اس کے بعد تائب ہی کیوں نہ ہو جائے۔ وہ ظالم کے عنوان میں
داخل ہو جاتا ہے اس لئے ہرگز عہدۂ امامت کو حاصل نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اس آیۂ مبارکہ سے واضح ہو
گیا کہ امام وہی ہو سکتا ہے جو اول عمر سے آخر عمر تک کبھی کسی گناہ کا مرتکب نہ ہوا ہو۔ بالفاظ دیگر ایسے
ہی شخص کو معصوم کہا جاتا ہے۔ غالباً انہی وجوہ سے مجبور ہو کر علامہ فخر الدین رازی نے بھی یہ تسلیم کر لیا
ہے کہ یہ آیت عصمت امام پر دلالت کرتی ہے مگر ساتھ ہی یہ کہہ کر گلو خلاصی کرانے کی کوشش
کی ہے کہ ہمارے علماء نے اس سے عدالت مراد لی ہے جیسا کہ منقول ہے: فنقول مقتضی الآیۃ ذلک
وجوب العصمۃ ظاہراً و باطناً الا انا ترکنا اعتبار الباطن فتبقی العدالۃ (تفسیر کبیر ج ۱ ص [illegible] طبع اول مصر)
یعنی ہم کہتے ہیں اس آیت کا تقاضا تو یہ ہے کہ امام کے لئے ظاہری و باطنی عصمت ضروری ہے لیکن ہم نے
ظاہر (عدالت) پر اکتفا کرتے ہوئے باطن (عصمت) کو چھوڑ دیا ہے: تلک عشرۃ کاملۃ ان دلائل
قاطعہ و براہین ساطعہ سے محقق و متیقن ہو گیا کہ انبیاء کی طرح اوصیاء و آئمہؑ کو بھی ہر خطا و عصیان
سے مطہر و معصوم ہونا ضروری ہے وہو المطلوب وقد حصل بعون اللہ الودود۔

اس مقام پر پہنچنے کے بعد ہم چند لمحوں کے لئے ناظرین کرام کی انظار عالیہ کو علماء اہل سنت
کے اقوال و آراء کی طرف مبذول کراتے ہیں۔ قاضی ایجی اپنی کتاب مواقف مع شرح ص ۳۴۴ طبع
لکھنؤ میں اور ابو محمد شمس الدین اصفہانی چند اختلافی شرائط امام کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔
(واللفظ للمواقف) الخامسۃ ان یکون معصوماً شرط الامامیۃ والاسماعیلیۃ ویبطلہ
ان ابا بکر لا یجب عصمتہ۔ یعنی پانچویں شرط یہ ہے کہ امام معصوم ہو۔ یہ شرط امامیہ اور اسماعیلیہ
نے عائد کی ہے۔ لیکن اس شرط کو یہ چیز باطل کرتی ہے کہ ابوبکر امام ہے حالانکہ وہ معصوم نہیں
سبحان اللہ کیسی محکم اور ٹھوس دلیل ہے پڑھیئے اور لطف اندوز ہوجیئے یا ان لوگوں کی عقل و دانش پر
صف ماتم بچھا دیجیئے جن کی چشم بصیرت کو اپنے خلفاء کی محبت نے ایسا اندھا کر دیا ہے کہ دعویٰ
اور دلیل میں تمیز بھی نہیں رہی۔ یہ بات علاوہ بر مصادرہ علی المطلوب ہے جو تمام عقلاء کے نزدیک
باطل ہے۔ اسی طرح فاضل تفتازانی شرح عقائد نسفیہ مع شرح خیالی ص [illegible] طبع مصر پر لکھتے ہیں۔
"ولا ینعزل الامام بالفسق ای بالخروج عن طاعۃ اللہ والجور ای الظلم علی
عباد اللہ لانہ قد ظہر الفسق وانتشر الجور من الائمۃ والامراء بعد الخلفاء الراشدین
والسلف کانوا ینقادون لہم" یعنی امام فسق یعنی خدا اور عالم کی اطاعت سے خارج
ہو جانے اور جور یعنی خلق خدا پر ظلم و ستم کرنے کی وجہ سے عہدۂ امامت سے معزول نہیں

ہو سکتا۔ دلیل یہ ہے کہ خلفاء راشدین کے بعد جو خلفاء و امراء بنی امیہ و بنی عباس گذرے ہیں۔ ان سے مختلف قسم کے فسق و فجور اور ظلم و جور ظہور پذیر ہوئے لیکن بایں ہمہ ہمارے اسلاف ان کے مطیع و منقاد رہتے تھے۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ جب ناقابل رد دلائل عقلیہ و سمعیہ سے امام کے لئے ان شرائط کا لزوم ثابت ہو گیا۔ تو جس مدعی امامت میں یہ شرائط موجود نہ ہوتے اس کی امامت سے دست برداری اختیار کی جاتی کیونکہ اذا فات الشرط فات المشروط مگر یہ لوگ کچھ اس اندھی تقلید میں گرفتار ہیں کہ عقل و شریعت سے تو دست برداری اختیار کر لیتے ہیں مگر اپنے خود ساختہ فاقد شرائط خلفاء و ائمہ کی امامت سے دست بردار نہیں ہوتے۔ ٥

بہ بیں تفاوت راہ از کجا است تا بہ کجا

حضرات علماء اہل سنت کی تلون مزاجیوں کے بعض نادر نمونے

جب یہ حضرات عصمت امام کے ان دلائل قاطعہ کا کوئی بھی جواب پیش نہیں کر سکتے تو مختلف لایعنی بولتے ہیں اور اپنا پیچھا چھڑانے کے لئے عجیب و غریب چالیں چلتے ہیں۔

پہلی تلون مزاجی

کبھی تو نقضی جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر امام کے لئے معصوم ہونا ضروری ہے تو پھر حاکمان دین اور والیان اخبار سید مرسلین کو بھی معصوم ہونا ضروری ہوگا۔ یہ ایسا بودا جواب ہے جو وہی لوگ کر سکتے ہیں جن میں بات سمجھنے کی اہلیت نہ ہو ورنہ ہر عقل مند آدمی سمجھ سکتا ہے کہ اس ایراد کو ہمارے محل نزاع سے کچھ بھی ربط نہیں ہے یہ محض ایک قیاس ہے اور وہ بھی قیاس مع الفارق جو تمام امت حقہ اور خود قیاس کے قائلین کے نزدیک بھی باطل ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرات شیعہ صرف ان ذوات مقدسہ کے لئے عصمت کو ضروری سمجھتے ہیں، جن کو خلاق عالم بلا واسطہ بطور نبی و رسول یا بالواسطہ بطور اوصیاء و آئمہ اپنے دین مبین کی تبلیغ اور اتمام حجت کے لئے مقرر فرماتا ہے۔ بلکہ طفل تمیز بھی سمجھ سکتا ہے کہ عام اہل علم اور والیان اخبار کو انبیاء و آئمہ کے مناصب عالیہ اور فرائض سامیہ سے کچھ بھی نسبت نہیں ہے پھر کس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر امام کے لئے عصمت ضروری ہے۔ تو حکام اور والیوں کو بھی معصوم ہونا چاہیئے۔ یہ بات تو بالکل ایسی ہے جیسے کوئی شخص عصمت نبی کا انکار کرتے ہوئے یہ کہدے کہ اگر ان کے لئے عصمت ضروری ہے۔ تو پھر تمام علماء ابرار اور والیان اخبار کو بھی معصوم ہونا چاہیئے۔ انبیاء و آئمہ کے فرائض قریب

قریبا ایک جیسے ہیں جیسا کہ قبل ازیں اس پر تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ جن بعض احادیث میں علماء اسلام کو وارثان انبیاء علیہم السلام قرار دیا گیا ہے علماء محققین کے نزدیک اُن سے مراد آئمہ دین ہیں جو حقیقی طور پر علماء دین کہلانے کے مستحق ہیں نہ وہ جن کو عرف عام میں علماء کہا جاتا ہے۔ اگر بالفرض اس سے تمام علماء مراد لئے جائیں تب بھی اس سے ہمارے مقصد پر کوئی زد نہیں پڑتی کیونکہ اس وراثت سے مراد صرف وراثت علم ہے یعنی علماء کرام بقدر وسعت ظرف انبیاء علیہم السلام کے وارث ہوتے ہیں اور بقدر وسعت عقول و افہام ان کے انوارِ علمیہ سے اپنے قلوب کو منور کرتے ہیں اس کا یہ مطلب تھوڑی ہے۔ کہ وہ انبیاء کے تمام فضائل و مدارج اور منازل و مراتب میں بھی ان کے وارث و شریک ہیں تاکہ انبیاء کی عصمت کے ادلہ ان پر منطبق ہو سکیں۔

دوسری تلوّن مزاجی جب کسی طرح بھی کام نہیں چلتا تو آخر کار یہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ عصمت خاصۂ انبیاء ہے ہم غیر انبیاء کو معصوم تسلیم نہیں کرتے مگر ہم

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی

جب ان سے عصمت کے خاصۂ انبیاء ہونے کے متعلق دلیل طلب کی جاتی ہے ھاتو برھانکم ان کنتم صادقین؟ تو ان کا جواب ان کی خاموشی ہوتی ہے ؎

ناطقہ سر بگریباں ہے کہ اسے کیا کہیئے

ہم نے جہاں تک تتبع و تفحص کیا ہے ہمیں اس قسم کی کوئی آیت یا صحیح روایت نہیں مل سکی جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ عصمت خاصۂ انبیاء ہے اگر ان مدعیان کے پیش نظر اس مسئلہ میں کوئی آیت یا روایت ہو تو براہ کرم اس کی نشاندہی کریں ہم ان کے ممنون احسان ہوں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ عصمت انبیاء حق ہے اور عقلیہ مجبور کرتے ہیں کہ انبیاء کو معصوم ہونا چاہیئے ورنہ اس سے اس قدر مفاسد لازم آئیں گے جن کا احاطہ کرنے سے قلم و زبان عاجز و حیران ہے اس کے متعلق سمعی یعنی قرآن و حدیث کی کوئی نص صریح موجود نہیں جو یہ بتلائے کہ انبیاء کو ضرور معصوم ہونا چاہیئے۔ جب یہ واضح ہو گیا کہ ادلۂ عقلیہ کی بنا پر ان کی عصمت ضروری ہے تو اصول کے مسلمہ قاعدہ کے بموجب کہ العلۃ تعمم و تخصص یعنی علت تعمیم بھی دیتی ہے اور تخصیص بھی مثلاً جب یہ کہا جاتا ہے کہ الخمر حرام لانہ مسکر یعنی شراب حرام ہے کیونکہ وہ نشہ آور ہے۔ تو جب اس کی حرمت کی علت نشہ کو قرار دیا گیا تو اس سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ جس چیز میں نشہ پایا جائے گا وہ حرام ہوگی خواہ بھنگ ہو یا چرس وغیرہ پس جب واضح ہو گیا کہ اگر انبیاء کو معصوم نہ مانا

جائے تو فلاں فلاں مفاسد لازم آئیں گے تو اب دیکھیں گے کہ جہاں جہاں وہ مفاسد لازم آئیں گے۔ وہاں وہاں عصمت کو ضروری سمجھا جائے گا یعنی جہاں بھی عصمت انبیاء کی علت موجود ہوگی وہاں عصمت ضروری ہوگی۔ یہ بات محتاج بیان نہیں کہ جن علل واسباب کی وجہ سے انبیاء کے لئے عصمت ضروری ہے۔

وہی علل واسباب آئمہ میں بھی موجود ہیں تو لامحالہ انبیاء کی طرح ان کو بھی معصوم تسلیم کرنا پڑے گا۔

بعض سنّی علماء کا اعترافِ حق

یہی وجہ ہے کہ بعض منصف مزاج علماء اہل سُنّت کو بھی یہ اقرار کرنا پڑا کہ عصمت خاصۂ انبیاء نیست

چنانچہ ملا محمد معین لاہوری اپنی کتاب دراسات اللبیب مطبوعہ لاہور ص[۱۹] پر محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ کا قول حضرت مہدیؑ کی عصمت کے متعلق نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں "نبہ الشیخ العدوۃ فی ھذا الکلام علی ان ثبوت العصمۃ لغیر الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جائز لم ینتھض دلیل من الشرع علی استحالتھا فی غیرھم ع ذالک ان تدل انیست العصمۃ من خواصھم" یعنی شیخ مقتدا (محی الدین) نے اپنے اس کلام میں اس امر پر تنبیہ کی ہے۔ کہ غیر انبیاء کے لئے عصمت کا ثابت ہونا جائز ہے کیونکہ غیر انبیاء میں عصمت کے محال اور ناممکن ہونے پر کوئی شرعی دلیل قائم نہیں ہوئی" (کچھ سطور کے بعد بطور نتیجہ کلام لکھا ہے) معلوم ہوا کہ عصمت انبیاء کے خواص میں سے نہیں ہے" الحمد للہ علے وضوح الحق والحقیقہ۔

عصمت کو خاصۂ انبیاء بتانے والوں کے دعویٰ کی حقیقت

اے کاش۔ کہ عصمت کو خاصۂ انبیاء بتانے والے کم از کم انبیاء ہی کو معصوم سمجھتے لیکن بموجب ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور" یہ حضرات کہنے کو تو کہہ دیتے ہیں کہ عصمت انبیاء کا خاصہ ہے" لیکن عملاً اس کے مخالف نظر آتے ہیں جیسے فلک بوده یہ دیکھئے۔ یہ کس کی کتابوں میں مذکور ہے۔ (۱) کہ ماکذب ابراھیم الا ثلاث کذبات " حضرت ابراہیمؑ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ مگر صرف تین مرتبہ (بخاری شریف) (۲) یہ کس مذہب کے علماء لکھتے ہیں کہ جب ملک الموت قبض روح کے لئے حضرت موسیٰؑ کے پاس آیا تو آپ نے ایک ایسا طمانچہ ان کے چہرہ پر رسید کیا کہ ان کی ایک آنکھ جاتی رہی (بخاری شریف) (۳) یہ کس مذہب کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت یوسفؑ نے زلیخا کے ساتھ ایک دفعہ زنا کا ارادہ کیا بند شلوار کھول دی۔ اس اثناء میں خدا نے حضرت

یعقوب کو ان کے سامنے پیش کیا انہوں نے کہا بیٹا! تمہارا نام تو فہرستِ انبیاء میں درج ہے اور تم زنا کرتے ہو۔ (العیاذ باللہ) تب باز آئے (قصص الانبیاء ثعلبی ص۸۳) ۵۔ نیز یہ کس مذہب کی کتب میں مذکور ہے کہ چالیس برس تک ختمی مرتبت اپنی قوم کے دین (کفر) پر تھے (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۲۸) ۶۔ یہ کس مذہب کی کتابوں میں مسطور ہے۔ کہ حضرت داؤدؑ وریا نامی شخص کی عورت کو دیکھ کر اس پر فریفتہ ہوگئے اور اس کے شوہر کو جنگی مہم پر روانہ کر دیا تاکہ اس کی عورت پر قبضہ کر سکیں۔ اعاذ اللہ (قصص الانبیاء ثعلبی ص ۱۹۰ طبع مصر) ۷۔ یہ کس مذہب کے علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد نبوی میں چند رفقاء کے ساتھ بیٹھ کر شراب نوشی کی۔ خاک بدہن قائل (جذب القلوب) ۸۔ کس مذہب سے تعلق رکھنے والے علماء نے کتاب تخطئة الانبیاء (انبیاء کی خطائیں) تحریر کی؟ آخر قاضی عبدالجبار معتزلی عالم ہی تو اس کے مؤلف ہیں اور اس منحوس کتاب کا جواب باصواب کس مذہب کے علماء نے لکھا؟ دنیا جانتی ہے کہ اس میدان میں سینہ سپر ہونے والے جناب سید مرتضیٰ علم الہدیٰؒ اور ان کے بعد دیگر علماء امامیہ ہی تھے۔ بہتر ہے کہ علماء اہل سنت اپنے اصل نظریہ کی وضاحت و صراحت کرتے ہوئے یہ اعلان کر دیں کہ انبیاء کو معصوم جاننا شیعوں کا ہی خصوصی عقیدہ ہے۔

اندکے غم دل بتو گفتیم و بدل ترسیدم
کہ آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

ایک ایراد کا جواب اس مقام پر مخالفین کی طرف سے بھی ایک اشکال پیش کیا جاتا ہے جسے ہم مع جواب حاشیہ کشف النجاۃ ص ۱۲ سے یہاں نقل کرتے ہیں "بعض مخالفین عصمت کے شرط امام ہونے کے ثبوت میں جناب امیر کا قول پیش کرتے ہیں۔ لابد للناس من امیر برّ او فاجر یعنی لوگوں کے واسطے ایک امیر نیک یا بد کا ہونا ضروری ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت امیرؑ نے ان خوارج کے مقابلہ میں یہ فرمایا جو نصب رئیس یا امیر کے منکر تھے اور معاملہ کے قائل اور جناب امیر کے معتقد تھے اس لئے بدلیل عقلی ان کی تردید فرمائی کہ ریاست و انتظام ریاست بغیر نصب رئیس کے محال ہے خواہ نیک ہو یا بد تو تم بالکلیہ امیر مقرر ہونے سے کیونکر انکار کرتے ہو۔ درحقیقت حضرت نے امامت کا جملہ حقانیت بیان نہیں فرمائی ورنہ معاویہ کی امامت کو تسلیم فرماتے اور مذمت نہ کرتے اس قدر مذمت اس کی جو فرمائی نہ فرماتے۔ وہ نیک نہیں تو فاجر امیر تو تھا اور متواتر احادیث آئمہ طاہرین عصمت پر دال ہیں جن کے مقابلہ میں یہ قول قوت معارضہ نہیں رکھتا اگر صحت اس کی ثابت ہو تو یہی معنی ہوں گے جو بیان ہوا ہے۔ اس واسطے یہاں امیر کا لفظ فرمایا نہ امام کا۔" منہ عفی عنہ

تیسری شرط شجاعت

کئی بار اس بات کا اظہار کیا جا چکا ہے کہ خلیفہ و امام کے جو فرائض و وظائف ہوتے ہیں جو اس کے منصب (نیابت رسول) کے ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کے فرائض میں بیان شریعت کے بعد جو سب سے زیادہ اہم فریضہ ہے وہ ہے کفار و مشرکین سے جہاد، ظالموں سے قصاص اور مجرموں پر شرعی حدود کا اجراء لہٰذا اسی طرح یہ چیز خلیفہ و امام کے فرائض میں بھی مرکزی حیثیت رکھتی ہے ظاہر ہے کہ یہ بات اس وقت تک پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی جب تک امام شجاع بلکہ اشجع نہ ہو. تاکہ وہ بلاخوف لومۃ لائم کفار و بغاۃ کی سرکوبی کرکے دین کا بول بالا اور بلاجھجک مجرموں کا منہ کالا کر سکے۔ اور اس کی شجاعت و دلیری مسلمانوں کے لئے نمونۂ عمل بن سکے۔ لہٰذا عقل سلیم یہ فیصلہ کرتی ہے کہ امام کو ایسا شجاع قوی القلب، ثابت الجاش اور عزم و ارادہ کا ایسا مضبوط اور کوہِ گراں جیسا ہو. اگر پوری دنیا اس کے مقابلے میں نکل آئے تو اس کے دل میں خوف و ہراس پیدا نہ ہو۔ اور بایں ہمہ اس کا جو قدم اٹھے وہ آگے کی طرف اٹھے پیچھے نہ ہٹے تاکہ اسلام و مسلمانوں کی عزت و عظمت کو چار چاند لگ جائیں

اگر ایسا نہ ہوا بلکہ امام کمزور اور بزدل ہوا تو اس سے اسلام کی شکست، مسلمانوں کی رسوائی اور امام پر جگ ہنسائی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ جس کو اسلام سے زیادہ اپنی جان عزیز ہو وہ تو اسلام کا معمولی خیر خواہ بھی نہیں ہو سکتا۔ وہ اس کا سربراہ کیونکر ہو سکتا ہے؛

جو ایسا رقیق القلب ہو کر مجرم پر حد و تعزیر جاری کرتے وقت اس کے ہاتھ کانپنے لگیں، نبضیں چھوٹنے لگیں اور آنکھیں پتھرانے لگیں وہ نظام شریعت کو کیونکر چلا سکتا ہے۔ اور مظلوم و بے کس کی دادرسی کیونکر کر سکتا ہے۔ اور اس کا عمل و کردار لوگوں کے لئے نمونہ کی حیثیت کیونکر اختیار کر سکتا ہے۔

چوتھی شرط ہاشمیت

امام کے لئے باعتبار نسب نہ صرف قریشی بلکہ ہاشمی ہونا ضروری ہے۔ امام کے لئے قریشی ہونے کی شرط پر تو تمام فرقہائے اسلام کا اتفاق ہے۔ ہاں البتہ خوارج نے اپنی عادت کے مطابق اس مسلم الثبوت شرط میں بھی اختلاف کیا ہے لیکن روایات متواترہ اور تمام مسلمانوں کے اتفاق کے مقابلہ میں ان کے اختلاف کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ بہرحال تمام صحابہ و تابعین اور جمیع مسلمین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ خلیفہ و امام قریش کے علاوہ کسی اور خاندان سے نہیں ہو سکتا۔ ہاں البتہ اگر ان کے درمیان اختلاف ہے تو صرف دو چیزوں میں ایک اس امر میں کہ آیا یہ شرط عقلاً لازم ہے یا محض تعبداً و تبرکاً ہے دوسرے

اس امر میں کہ آیا امام کے لئے خاندانِ قریش کی کسی بھی شاخ سے ہونا کافی ہے یا بالخصوص بنی ہاشم میں سے ہونا ضروری ہے؟

امر اوّل کے متعلق اکثر علماء کا یہ خیال ہے کہ یہ شرط محض تعبدی ہے لیکن حق یہ ہے کہ یہ شرط عقلی ہے جیسا کہ ابھی ذیل میں واضح ہوگا۔ دوسرے امر میں حضرات شیعہ امامیہ اور دیگر مذاہب اسلام مختلف الخیال ہیں یعنی حضرات امامیہ ہاشمی ہونے کی شرط کو عقلاً و نقلاً ضروری سمجھتے ہیں اور دوسرے مسلمان فقط قریشی ہونے کو کافی جانتے ہیں۔

اس شرط کے اثبات پر عقلی و سمعی دلائل

حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلہ میں بھی فرقۂ شیعہ حق بجانب ہے ابھی اوپر تیسری شرط کے ضمن میں ادلۂ عقلیہ و نقلیہ سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ امام کے لئے تمام امت سے بہر لحاظ افضل و اشرف ہونا لازم ہے ظاہر ہے کہ منجملہ ان امور کے جن کو کسی شخص کی فضیلت میں دخل ہے ایک نسب بھی ہے چنانچہ اگر کسی شخص میں دوسری تمام جہاتِ فضل و کمال موجود ہوں لیکن باعتبار نسب رذیل ہو، تو اس کو علی الاطلاق افضل نہیں کہا جا سکتا۔ اور جو لوگ نسب میں اس سے عالی ہیں وہ ہرگز اس کی اطاعت و پیروی کے لئے آمادہ نہیں ہوتے بلکہ اس سے اپنی طبعی نفرت و کراہت کا اظہار کرتے ہیں۔ لہٰذا اگر خدا کسی معمولی خاندان سے تعلق رکھنے والے انسان کو امام مقرر کردے۔ تو اس کے تقرر و تعیین کی جو غرض و غایت ہے وہ ضائع و برباد ہو جائے گی لہٰذا عقلِ سلیم یہ فیصلہ کرتی ہے کہ امام کو نسب کے لحاظ سے تمام لوگوں سے عالی و افضل ہونا چاہیئے۔ چنانچہ فیلسوفِ مورخین ابن خلدون اپنے مقدمہ تاریخ ص۱۹۵ طبع مصر پر دیگر شروط امام کا ذکر کرنے کے بعد اس شرط کے متعلق میں لکھتے ہیں:

"ونحن اذا بحثنا عن الحکمة فی اشتراط النسب القرشی و مقصد الشارع منه لم یقتصر فیه علی التبرک بوصلة النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما ھو فی المشھور الخ۔ (الی ان قال) واذا شرطنا و تسلم نجد ھا الا اعتبار العصبیة التی تکون بھا الحمایة والمطالبة و یرتفع الخلاف والفرقة بوجودھا لصاحب المنصب فتسکن الیه الملة واھلھا و ینتظم حبل الالفة فیھا" الخ

یعنی جب ہم نے امام کے قریشی النسب ہونے کی شرط کی حکمت اور اس سے شارع کا جو مقصد وابستہ ہے کے متعلق چھان بین کی تو معلوم ہوا کہ اس میں فقط آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رشتہ داری کے ساتھ تبرک حاصل کرنے پر اکتفا نہیں کی گئی جیسا کہ مشہور ہے (بلکہ) اس کی حکمت

کے متعلق لکھتے ہیں جب ہم نے اس میں جو حکمت ومصلحت پوشیدہ ہے اس کے معلوم کرنے کی کوشش کی تو سوائے عصبیت قومیہ کے اور کسی چیز کو نہ پایا (یہی عصبیت جس کی وجہ سے واجب الحفاظت چیزوں کی) حمایت وحفاظت کی جاتی ہے اور اپنے جائز حقوق کا) مطالبہ کیا جاتا ہے اور جب وہ صاحب منصب (امامت وغیرہ) میں پائی جائے تو لوگوں سے اختلاف وافتراق مرتفع ہو جاتا ہے (اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ) ملت واہل ملت کا اس کی طرف میلان ہو جاتا ہے اور الفت واتحاد کی رسی محکم ہو جاتی ہے ؛ (برخلاف اس کے اگر امام کسی پست قوم سے ہوا . تو نتیجہ اس کے برعکس ہوگا .

پہلی دلیل

ابن خلدون کے اس بیان بیّن البرہان سے واضح وعیاں ہوگیا کہ یہ شرط عقلاً ضروری ہے اور اس مطلب کے اثبات کے ساتھ ساتھ دوسرے مسئلہ یعنی شرط ہاشمیت کا تصفیہ بھی ہوگیا کیونکہ جب ثابت ہوگیا کہ شرافت نسبی بھی افضلیت میں دخیل ہے اور امام کے لئے ہر لحاظ سے افضل الناس ہونا ضروری ہے تو اس سے حضرات شیعہ کے نظریہ کی صحت وصداقت بھی معلوم ہوگئی کیونکہ کتب فریقین سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے . وہ یہ ہے کہ تمام روئے زمین کے شعوب وقبائل میں سے قریش افضل ہیں اور پھر قریش سے بنی ہاشم افضل واشرف ہیں نتیجہ ظاہر ہے کہ بنی ہاشم باعتبار نسب تمام اہل عالم سے افضل واعلیٰ ہیں اگر کسی کو شک ہو تو وہ صواعق محرقہ صہ۸۶ طبع مصر جدید ملاحظہ کرکے اپنے شک وشبہ کا ازالہ کر سکتا ہے مرقوم ہے .

• خرج مسلم والترمذی وغیرھما عن واثلة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ اصطفی کنانة من بنی اسماعیل واصطفی من بنی کنانة قریشا واصطفی من قریش بنی ھاشم واصطفانی من بنی ھاشم الخ یعنی مسلم وترمذی وغیرہما نے واثلہ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا . کہ خداوند عالم نے اولاد اسماعیل میں سے بنی کنانہ کو منتخب کیا . اور پھر بنی کنانہ میں سے قریش کو اور پھر قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو منتخب فرمایا . اسی کی صفحہ پر لکھا ہے

- اخرج احمد والمحاملی والمخلص والذھبی وغیرھم عن عائشة قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال جبرئیل علیہ السلام قلبت الارض مشارقها ومغاربها فلم اجد رجلا افضل من محمد صلی اللہ علیہ وسلم وقلبت الارض مشارقها ومغاربها فلم اجد بنی اب افضل من بنی ھاشم (یعنی امام احمد محاملی . مخلص

اور ذہبی وغیرہم نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے زمین کے مشارق و مغرب کو الٹ پلٹ ہے مگر کسی آدمی کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل نہیں پایا اور میں نے مشارق و مغارب کی گردش کی لیکن کسی باپ کے بیٹوں کو بنی ہاشم سے افضل نہ پایا؛

دوسری دلیل نیز ہم عنقریب نصوصِ امامت آئمہ اہلِ بیت علیہم السلام کے ضمن میں ثابت کریں گے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشہور و متفق علیہ حدیث کہ " یکون بعدی اثنا عشر ثمۃ کے بعض طرق و اسناد میں کلھم من بنی ھاشم " وارد ہوا ہے۔ پس یہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ امامت خاندانِ قریش میں سے فقط قبیلۂ بنی ہاشم میں منحصر ہے

تیسری دلیل " نہج البلاغۃ ج ۲ ص ۳۷ طبع مصر پر حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا یہ ارشاد موجود ہے فرماتے ہیں ان الائمۃ من قریش غرسوافی ھذ البطن من ھاشم لا تصلح علی سواھم ولا تصلح الولاۃ من غیرھم یعنی آئمہ علیہم السلام قریش کے اسی قبیلۂ ہاشم میں مقرر کئے گئے ہیں خلافت و امامت ان کے علاوہ کسی اور کے لئے سزاوار نہیں ہے اور نہ ان کے علاوہ کوئی شخص والی و حاکم بننے کی صلاحیت رکھتا ہے ؛ حضرت امیر علیہ السلام کے فرمان واجب الاذعان سے بھی اس امر کی تاکید اکید بلکہ تصریح صریح مل گئی۔ جب عقل و نقل کی رو سے اس شرط کا لزوم ظاہر و باہر ہوگیا۔ تو اب کسی مسلمان کو اس کے قبول کرنے میں کسی قسم تامل و تردد کی کوئی گنجائش نہیں رہتی ، اذ قضی اللہ و رسولہ امرا کان لھم الخیرۃ "

لطیفہ حضرات اہلِ سنت نے اس شرط کے انکار کا جو پہلو اختیار کیا ہے وہ قابلِ دید ہے چنانچہ شرح عقائد تفتازانی ص ۱۱۳ طبع نولکشور لکھنؤ پر مرقوم ہے ولا یشترط ان یکون ھاشمیا او علویا لما ثبت بالدلائل من خلافۃ ابی بکر و عمر و عثمان مع انھم لم یکونوا من بنی ھاشم انتہٰی یعنی امام میں یہ شرط نہیں کہ وہ ہاشمی یا علوی ہو کیونکہ دلائل سے ابوبکر، عمر اور عثمان کی خلافت ثابت ہے۔ باوجودیکہ وہ بنی ہاشم سے نہ تھے ؛ برادران اسلام کی بے بضاعتی و بے چارگی نہایت قابلِ رحم ہے وہ جب ہمارے حجج و براہین کے مقابلہ کی تاب نہیں لا سکتے تو خلافت شیخین کو سپر بنا کر منہ چڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کی یہ سپر

تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ بودی اور کمزور ہے (وان اوھن البیوت لبیت العنکبوت) اربابِ بصیرت پر مخفی نہیں کہ شیخین کی خلافت درست ہے یا نہ؟ یہ ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے درمیان محلِ کلام اور موردِ نقض و ابرام ہے اس کا صحیح ہونا ان حضرات کا دعویٰ ہے لہذا ہمارے مقابلہ میں اپنے دعویٰ کو دلیل کے طور پر پیش کرنا انکی انتہائی کمزوری اور بے مائگی کی دلیل ہے۔

اربابِ علم و اطلاع پر مخفی و مستور نہیں ہے۔ علمی اصطلاح میں اس چیز کو مصادرہ علی المطلوب کہتے ہیں جو بالاتفاق باطل ہے۔ ہم عنقریب آئندہ بیانات میں ان حضرات کی خلافت کا بطلان واضح و عیاں کریں گے جس سے ان کے اس استدلال کا بالکل قلع قمع ہو جائے گا۔ فانتظروا انی معکم من المنتظرین۔

پانچویں شرط افضلیت

امام کو تمام صفاتِ کمال میں اپنی رعیت سے افضل ہونا چاہیئے مثل دیگر صفات کے اس صفتِ جلیلہ میں بھی مسلمانوں کے درمیان اختلاف ہے تمام شیعہ امامیہ اس امر کے قائل ہیں کہ امام کے لئے عقل و دانش، علم و معرفت، عفت و عصمت، سیاست و فراست، شہامت و شجاعت، صداقت، وسخاوت اور اطاعت و عبادت تدبیر حرب و ضرب غرضیکہ تمام صفاتِ کمالیہ میں وحید عصر و فرید دہر و مقتدائے جمیع فضلائے روزگار اور دنیا کا مکمل ترین انسان ہونا لازم ہے دیگر فرقِ اسلام کے اقوال و آراء اس مسئلہ میں بہت مختلف نظر آتے ہیں۔ کبھی یہ کہتے ہیں کہ تفضیل مفضول بر فاضل و ترجیح مرجوح بر راجح (یعنی افضل کی موجودگی میں اس کو نظر انداز کرکے غیر افضل کو حاکم و امام مقرر کرنا) جائز ہے اور دلیل میں خلافت حضرت ابوبکر سے استدلال کرتے ہیں کہتے ہیں کہ خلیفہ صاحب باوجود افضل نہ ہونے کے جب خلیفہ بنا دیئے گئے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ امام میں افضلیت کی شرط ضروری نہیں کبھی ہماری موافقت کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ ترجیح مرجوح بر راجح محال و قبیح ہے۔ دلیل میں پھر اسی خلافت ابوبکر کو پیش کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جب باقی صحابہ کی موجودگی میں ان کو منتخب کیا گیا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب سے افضل تھے۔ (تفصیل بعد میں آرہی ہے)

افضلیتِ امام پر ادلۂ عقلیہ و سمعیہ

بہر حال حق اس مسئلہ میں بھی حضرات شیعہ کے ساتھ ہے اور ان کے اس نظریہ کی صحت و حقانیت پر بکثرت دلائل عقلیہ و نقلیہ موجود ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ افضل کی طرف رجوع ایسا فطری اور بدیہی مسئلہ ہے کہ یہ اپنے ثبوت میں دلائل کا محتاج نہیں جو لوگ خدا کو خدا نہیں جانتے، جو

رسول کو رسول نہیں جانتے جو حشر و نشر پر ایمان نہیں رکھتے، وہ بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ زندگی کے ہر شعبے میں ضرورت کے وقت افضل کی پیروی کرنا چاہیے۔ علاج کرانا ہو تو اچھے سے اچھے ڈاکٹر سے کرانا چاہیے۔ اور اگر مقدمہ لڑنا ہو تو اچھے سے اچھے وکیل کی خدمات حاصل کرنا چاہئیں۔ وعلیٰ ھذا القیاس جاہریں جن امور کو ہم دلائل کہہ رہے ہیں یہ درحقیقت تنبیہات ہیں جو خواب غفلت میں سوئے ہوئے لوگوں کو بیدار کرنے کے لئے پیش کی جا رہی ہیں۔ فلا تغفل

ہم ذیل میں چند مختصر دلائل پیش کرتے ہیں۔

پہلی دلیل (از عقل سلیم) تمام عقلاء کا اس امر پر اتفاق ہے "تقدیم مفضول بر فضل اور ترجیح مرجوح بر راجح" قبیح و شنیع ہے مذکورہ قاعدۂ کلیہ میں مسلمانوں کا بھی کوئی خصوصیت نہیں بلکہ تمام اعصار و امصار میں مسلمان اور کفار سب ہی کا اس قاعدہ کے مطابق عمل رہا ہے اور ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے تمام امور میں ارباب فضل و کمال ہی کو مقدم سمجھتے ہیں اور افضل داخل پر غیر افضل کی تقدیم و ترجیح کو قابل مذمت سمجھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک ایسا فطری و وجدانی امر ہے، جس پر کسی دلیل و برہان کے قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے یہ تو روزمرہ کے مشاہدہ کی بات ہے۔ کہ زندگی کے ہر شعبہ میں اس کے ماہر ترین افراد کی طرف رجوع کرنا اسی فطری تقاضا کا مظاہرہ ہے، ہم ہمیشہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ اگر کوئی بڑا باکمال شخص کسی چیز کے متعلق کوئی خبر دے اور ایک دوسرا شخص جو فضل و کمال میں اس سے کم ہے اس کے خلاف کوئی بات کہے تو تمام ارباب عقل و دانش صاحب کمال ہی کی بات کو ترجیح دیں گے۔ مزید اطمینان کے لئے اسی مطلب کو دو طبیبوں کے اختلاف تشخیص کے وقت جب کہ ان میں سے ایک ماہر حاذق طبیب ہو اور دوسرا اس سے کم اسی طرح دو اہل علم کے اختلاف فتویٰ و فیصلہ کے وقت جب کہ ان میں سے ایک علم و فضل میں دوسرے سے بڑھا ہوا ہو، معلوم کر لیں۔ یہی کیفیت چھوٹی بڑی عدالتوں کے فیصلہ کے اختلاف کے وقت رونما ہوتی ہے مزید توضیح کے لئے فرض کیجئے کہ حکومت آپ کے ضلع میں ایک ڈی سی مقرر کرنا چاہتی ہے اور اس کے لئے دو امیدوار موجود ہوں۔ ان میں سے ایک تعلیمی کوائف و قانون دانی اور دیگر مصالح و مفاسد مردم غرضیکہ جتنے صفات ایک ڈی سی میں ہونے چاہئیں ان سب میں دوسرے سے زیادہ ماہر ہو۔ اس صورت میں آپ اپنے ضمیر صافی و فطرت سلیمہ کی روشنی میں بتلائیں کہ اگر حکومت میں انصاف ہے تو وہ اس عہدہ کے لئے ان دو شخصوں میں سے کس کو نامزد کرے گی؟ اسی کو مقرر کرے گی جو علم و معرفت اور فراست و

حکمت وغیرہ میں دوسرے سے افضل ہو۔ مگر اس صورت میں ارباب بست وکشاد اس شخص کو جو ہر لحاظ سے اکمل وافضل تھا۔ چھوڑ کر دوسرے شخص کو کسی عہدہ پر فائز کر دیں تو آپ ان کو سبب انصاف "خود غرض" "رشوت خور" اور نامعلوم کن کن بُرے القاب کے ساتھ یاد کریں گے یہ سب کیوں؟ اسی لئے کہ چونکہ حکومت کا یہ فعل قبیح عقلِ سلیم اور طبع مستقیم کے مخالف ہے۔ جبھی تو قلبِ سلیم رکھنے والا اس کے اس فعل کی مذمت کرتا ہے۔ پھر جو چیز تمام عقلمند آدمیوں کے لئے قبیح ہے خالقِ عقل وعقلاء کل کس طرح اس کا ارتکاب کر سکتا ہے کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ جس چیز کو مسلمان اپنے لئے پسند نہیں کرتے اسے بڑی بے باکی سے خدا اور رسول کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ کے خطبہ میں لکھتے ہیں الحمد للہ الذی قدم المفضول علی الفاضل۔ تعریف ہے اس خدا کیلئے کہ جس نے مفضول کو فاضل پر مقدم کر دیا۔ یعنی حضرت علیؑ کو چھوڑ کر ابوبکر کو خلیفہ بنا دیا۔ لے معاذ اللہ یہ خدا کی تعریف ہے یا اس کی تنقیص!؟ لوگوں کی انہی بے انصافیوں کی وجہ سے خداوند عالم شکوہ کرتے ہوئے فرماتا ہے "ما قدروا اللہ حق قدرہ" کہ ان لوگوں نے خداوند عالم کی ایسی قدر نہیں کی جیسی کہ کرنا چاہیئے تھی۔ یہی وجہ ہے کہ خلاق عالم ہمیشہ نبوت ورسالت بلکہ خلافت وامامت کے لئے بھی افضل فرد کو منتخب فرماتا رہا۔ کیونکہ مخلوق کے متعلق تو یہ ممکن ہے۔ کہ بعض اوقات یہ اغراضِ نفسانیہ کی وجہ سے مفضول کو افضل پر ترجیح دیدیں لیکن خلاق عالم کے متعلق تو اس چیز کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ وہ تو "یوت کل ذی فضل فضلہ" وہ ہر شخص کو اس کی فضیلت کے مطابق مراتب عطا فرماتا ہے۔" دنیا کوئی بھی ایک مثال پیش کرنے سے قاصر ہے کہ خداوند عالم نے کبھی کسی زمانہ میں افضل کی موجودگی میں غیر افضل کو نبوت ورسالت اور خلافت ووصایت کے درجۂ رفیعہ کے لئے منتخب کیا ہو۔ یہ کلیہ قاعدہ سرکار خاتم الانبیاء کے وقت کیوں ٹوٹنے لگا۔؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ نہیں نہیں! ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ لن تجد لسنۃ اللہ تحویلاً

دوسری دلیل (از قرآن کریم) چونکہ یہ ایک بالکل بدیہی ووجدانی مسئلہ ہے اسی لئے خلاق عالم نے اس کے متعلق فقط تنبیہ فرمانے پر اکتفا کی ہے اور اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کی اشارۃً مذمت فرمائی ہے۔ ارشاد فرماتا ہے: "افمن یھدی الی الحق احق ان یتبع امن لا یھدی الا ان یھدی فما لکم کیف تحکمون" (کیا وہ شخص جو راہِ حق کی طرف ہدایت کرتا ہے وہ زیادہ حقدار ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے۔ یا وہ شخص

جو خود ہدایت حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کو ہدایت نہ کی جائے تمہیں کیا ہو گیا ہے کیسے (الٹے) حکم لگاتے ہو" یہ آیت اس امر پر بالکل صریح ہے کہ مفضول کو چھوڑ کر افضل کی اتباع و اقتداء واجب و لازم ہے اس کی خلاف ورزی کرنے والے خداوند عالم کے نزدیک قابل مذمت و ملامت ہیں۔ اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا ہے "هل يستوي الذين يعلمون والذين لا يعلمون انما يتذكر اولوا الالباب" آیا جاننے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں؟ (ہرگز نہیں) صاحبان عقل ہی ان باتوں کو سمجھ سکتے ہیں" اس آیہ وافی ہدایہ میں خداوند عالم نے اسی واضح امر پر تنبیہ فرمائی ہے کہ کبھی عالم و غیر عالم برابر نہیں ہو سکتے یعنی جہاں عالم اور غیر عالم کا مقابلہ و موازنہ ہو جائے تو عالم کو مقدم سمجھنا واجب ہے اور جب ایک عالم اور دوسرا اعلم ہو تو اعلم کو ترجیح دینا لازم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پیش نمازی میں اختلاف کے وقت اسلام کے ہر مکتب فکر کے نزدیک افقہ و اعلم کو ترجیح دی جاتی ہے (ملاحظہ کتاب ہدایہ وغیرہ) اسی طرح ارشاد رب العزت ہے "يا ايها الذين آمنوا اتقوا الله وكونوا مع الصادقين۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔ اور سچوں کی معیت اختیار کرو" اس آیہ کریمہ میں بھی اسی امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ صادقین کے ساتھ معیت جبھی متحقق ہو سکتی ہے جب غیر صادقین سے کنارہ کشی اختیار کی جائے کیونکہ صادق غیر صادق سے افضل ہوتا ہے لہٰذا خداوند عالم نے غیر افضل کو چھوڑ کر افضل کے دامن سے تمسک کرنے کو واجب و لازم قرار دیا ہے۔ نیز قصۂ آدم و ملائکہ اور بادشاہی طالوت کا واقعہ بھی اس سلسلہ میں نہایت روشن دلیلیں ہیں دوسرے واقعہ کی تفصیل بعد میں بیان کی جائے گی سردست قصۂ آدم و ملائکہ پر محی الدین عربی کا تبصرہ پیش کیا جاتا ہے۔ موصوف اپنی کتاب " [illegible] میں رقمطراز ہیں۔ (علی ما نقل عنه فی اسلام المسلمین) الفتوحات الالہیہ

"لما اراد الله ان يثبت الحجة لآدم عليه السلام على الملائكة واراد ان يعلمهم ان آدم احق بالخلافة منهم قال يا آدم انبئهم باسمائهم فثبت العجز على الملائكة بانهم لم يعلموا ما علمهم ايّاه وعجزوا عن علمه فجعل آدم لكونه احق بالخلافة منهم فصل علمه لمن وصل الى هذه الفضيلة فقد اختصه الله تبارك وتعالى من بين عباده وجعله افضل اهل زمانه"

یعنی جب خدا نے چاہا کہ ملائکہ پر اتمام حجت کرے اور ان کو بتلائے کہ آدم ان سے زیادہ حقدار خلافت ہیں تب فرمایا اے آدم! ان کو مخصوص اسماء بتاؤ۔ اس وقت ملائکہ کا عجز ثابت ہو گیا اور آدم کو بوجہ کثرت علم زیادہ حقدار خلافت ہونے کے سبب خلیفہ بنا دیا گیا۔ جو شخص اس مرتبہ رفیعہ تک

ترجیح جسے خدا نے اپنے تمام بندوں سے مخصوص فرما دیا ہے اور اسے تمام اہل زمانہ سے افضل و اشرف قرار دیا ہے ؟

تیسری دلیل (از حدیث سید المرسلین) کتب احادیث میں قریش کے متعلق آنحضرتؐ کا یہ ارشاد موجود ہے ابن ابی الحدید بحوالہ کتاب الفضائل امام احمد بن حنبل نقل کیا ہے نیز صواعق محرقہ میں بھی موجود ہے کہ آنحضرت نے جمعہ کے دن خطبہ ارشاد فرمایا فقال قدموا قریشا ولا تقدموها وتعلموا منها ولا تعلموها فان قوة رجل من قریش تعدل قوة رجلین من غیرهم و ان امانة رجل من قریش تعدل امانة رجلین من غیرهم الخ یعنی ہر معاملہ میں قریش کو آگے بڑھاؤ خود ان سے آگے نہ بڑھو ان سے تعلیم حاصل کرو انہیں تعلیم نہ دو (اس کی وجہ یہ ہے کہ قریش میں سے ایک آدمی کی امانت و دیانت غیر قریش کے دو آدمیوں کے برابر ہے اور قریش کے ایک شخص کی قوت و طاقت غیر قریش کے دو شخصوں کے برابر ہے) اسی طرح حدیث ثقلین کے بعض طرق و اسناد میں آنحضرتؐ کا یہ ارشاد موجود ہے " لا تقدموهم فتهلکوا ولا تعلموهم فانهم اعلم منکم : میری عترت اہل بیتؑ سے کسی معاملہ میں آگے نہ بڑھنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور ان کو تعلیم نہ دینا کیونکہ وہ تم سے زیادہ عالم ہیں : آپ کے یہ ارشادات صریحی نص ہیں کہ افضل و اشرف کے اوپر غیر افضل کو ترجیح دینا غلط اور موجب ہلاکت ہے ۔ کتب سیر و تواریخ میں مذکور ہے کہ جب آنحضرتؐ نے اپنے مرض موت میں ایک جنگ کے سلسلہ میں اسامہ بن زید کو بڑے بڑے مہاجرین و انصار کا امیر مقرر فرمایا تو انہوں نے زبان اعتراض کھولتے ہوئے کہا کہ یہ نوجوان بھلا کس طرح حاکم مقرر ہو سکتا ہے ؟ جب آنحضرتؐ کو ان حضرات کی ایسی میگوئیوں کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ایک خطبہ میں ان کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ۔

لئن طعنتم علی فی تامیری اسامة فقد طعنتم فی تامیری اباه من قبله و ایم الله انه کان لخلیقا بالامارة و ابنه من بعده لخلیق بها (الی ان قال) فانه من خیارکم

اگر آج تم نے اسامہ کو حاکم مقرر کرنے پر مجھ پر اعتراض کیا ہے تو اس سے پہلے ان کے باپ (زید) کی امارت پر بھی تم نے زبان اعتراض دراز کی تھی حالانکہ بخدا وہ (زید) اس حکومت کا سزاوار تھا اور اس کے بعد اس کا بیٹا اسامہ اس کا اہل ہے (یہاں تک کہ فرمایا) یقیناً اسامہ تم سب سے بہتر ہے " ! (ملاحظہ ہو شرح نہج البلاغہ حدیدی ج ۱ ص ۵۳)

خود صحابہ کرام کا بزعم خود حضرت اسامہ کو اپنے سے پست مرتبہ خیال کرتے ہوئے اس کی امارت پر اعتراض کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ مفضول و مرجوح کی امارت کو قبیح سمجھتے تھے اور اسی طرح آنحضرتؐ کا جواب میں حضرت اسامہ کی افضلیت کو بیان کرنے سے ان کے اس نظریہ کی تائید مزید ہوتی ہے ۔ اگر

صحابہ کا یہ نظریہ غلط ہوتا تو آنحضرتؐ بجائے اس کے کہ اسامہ کی افضلیت بیان فرماتے فقط یہی کہہ کر - کہ تمہارا یہ نظریہ صحیح نہیں ہے بلکہ افضل پر مفضول کی امارت جائز ہے ان کی زبانِ اعتراض بند کر دیتے۔ جب آنحضرتؐ نے ایسا نہیں فرمایا بلکہ ان کے پہلے زعم (کہ اسامہ کا مقام ان سے پست ہے) کی رد فرماتے ہوئے فرمایا کہ وہ تم سے افضل ہے جبھی میں نے اس کو تم پر امیر مقرر کیا ہے۔ ان حجج قاطعہ و براہین ساطعہ سے واضح و آشکار ہو گیا کہ امام کو تمام خصائلِ حمیدہ اور صفاتِ ستودہ میں تمام امت سے افضل و اشرف ہونا لازم ہے۔

اس مسئلہ میں اہل سنت کے اختلاف کا ایک نمونہ!

اس مقام پر پہنچنے کے بعد آئیے آپ کو برادرانِ اسلامی کے کتب کی اجمالی سیر کراتے جائیں تاکہ اس مسئلہ کے متعلق ان کے آراء و نظریات میں جو اختلاف و تناقض ہے وہ واضح ہو جائے۔ ہمارے برادرانِ اسلام کبھی تو ان ناقابلِ تردید دلائل و براہین کی بناء پر بڑے واشگاف لفظوں میں یہ کہہ دیتے ہیں "ان الجمهور من اصحابنا وغيرهم وان كانوا يقولون يجب تولية الافضل مع الامكان" یعنی ہمارے جمہور اصحاب اس امر کے قائل ہیں کہ حتی الامکان افضل کو حاکم بنانا واجب ہے' (منہاج السنۃ ابن تیمیہ ج ۲ ص۱۳۵ طبع مصر) پھر اسی کتاب کے ص۱۴۸ پر لکھتے ہیں "واما اهل السنة فلا يحتاجون الى منع هذه المقدمة بل الصديق عندهم افضل الامة" الخ یعنی اہل سنت اس مقدمہ (تقدیم مفضول بر افضل کی قباحت) کو ممنوع قرار دینے کے محتاج نہیں کیونکہ صدیق (ابوبکر) ان کے نزدیک افضل امت ہیں۔ (کتاب روضۃ الناظرین ص[illegible] رضی اللہ عنہ) پھر احمد ابن محمد البغدادی لکھتے ہیں "واعلم ان جماهير اهل السنة والجماعة يعتقدون ان افضل الناس بعد النبي صلى الله عليه وسلم ابوبكر ثم عمر ثم عثمان ثم علي رضي الله تعالى عنهم وان المتقدم في الخلافة هو المتقدم في الفضيلة لاستحالة تقديم المفضول على الفاضل" الخ "جاننا چاہیئے کہ جمہور اہل سنت والجماعت کا یہ اعتقاد ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد افضل الناس ابوبکر پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہم ہیں اور ان میں سے جو خلافت میں مقدم ہے وہی فضیلت میں مقدم ہے کیونکہ افضل پر غیر افضل کو ترجیح دینا محال و ناممکن ہے"۔ اسی طرح شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی قرۃ العینین ص۲۹ طبع دہلی میں لکھتے ہیں "خلافت مستتبع دلالت بر صفات کمال و احق بالخلافت اکمل مردم است در آں صفات" لیکن جب اپنے منظورِ نظر کے سیر و حالات پر نظر پڑتی ہے تو فوراً اپنے اس نظریہ سے پچھلے پاؤں واپس ہٹ جاتے ہیں اور جس چیز کو تھوڑی دیر پہلے محال و قبیح بتلا رہے تھے، اس کو جائز و مباح کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ سیرت حلبیہ ج ۳ ص ۲۹۵/۲۹۶ طبع مصر

مطبع مصطفیٰ مصر پر مذکور ہے: "ان ابابکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان یری جواز تولیۃ المفضول علی من ھو افضل منہ وھو الحق عند اھل السنۃ۔ الخ" یعنی حضرت ابوبکر کی یہ رائے تھی کہ مفضول کو افضل کے اوپر حاکم بنانا جائز ہے اور یہی نظریہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک حق ہے۔"

حضرت ابوبکر کو یہ خلافِ عقل و نقل نظریہ اختیار کرنے میں کسی حد تک معذور سمجھا جا سکتا ہے۔ کیونکہ تقریباً تیئیس ۲۳ برس سے بقول راہب جس چیز کی (حکومت) کی طمع میں مختلف تکلیفیں برداشت کر رہے تھے۔ اگر وہ یہ رائے اختیار نہ کرتے تو وہ کس طرح ہاتھ آسکتی تھی۔ کیونکہ اگر وہ کہتے کہ افضل کی موجودگی میں غیر افضل حاکم نہیں ہو سکتا۔ تو پھر فوراً لوگ ان کو مسندِ خلافت سے اتار کر حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے لئے جگہ خالی کرا دیتے۔ لیکن حضرات اہل سنت اس اعتقاد میں کسی طرح بھی معذور نہیں قرار دیئے جا سکتے کہ یہ خلاف حکم عقل و نقل نظریہ اختیار کرتے ہوئے افضل واشرف کو چھوڑ کر مفضول کو اپنا امام و مقتدیٰ قرار دیں۔ چونکہ خلفاء کی محبت ان کے دل و دماغ پر غالب آچکی ہے اس لئے ان کی اندھی تقلید میں کچھ سوچتا ہی نہیں۔ بلکہ اپنے بعض علماء کی حفظِ خلافت کے لئے انہوں نے یہاں تک لکھ دیا ہے: "قال الجمہور من اھل الاثبات واصحاب الحدیث لا ینخلع الامام بفسقہ وظلمہ وضرب الابشار وتناول النفوس المحرمۃ وتضییع الحقوق وتعطیل الحدود۔" یعنی جمہور اہل اثبات اور اہل حدیث اس امر کے قائل ہیں کہ امام فسق و فجور اور ظلم و جور کرنے سے، لوگوں کو زدوکوب کرنے، نفوسِ محترمہ کو قتل و غارت کرنے، حقوق کو ضائع و برباد کرنے اور حدودِ شرعیہ کو معطل کرنے کے باوجود عہدۂ امامت سے معزول نہیں ہو سکتا۔ (اگرچہ امت میں اس سے ہزار درجہ بہتر لوگ موجود ہوں)

(کتاب التمہید طبع مصر ص۱۸۶ تصنیف ابوبکر باقلانی)

سچ ہے۔

ع
صلاحِ وعظ کجا نغمۂ رباب کجا
ببیں تفاوتِ راہ از کجا است تا بکجا

بہت سچ ہے۔

ع
تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
بدل ہی جاتے ہیں غلامی میں قوموں کے ضمیر

مرتبۂ امامت کو پست کرنے کے نتائج

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے مرتبۂ امامت کو اس قدر پست کرنے کا ہی نتیجہ تھا کہ معاویہ کو جرأت

یوں کہ اس نے مسجد کوفہ میں بیٹھ کر حضرت علیؑ سے برأت پر بیعت لی۔ اور منبروں پر آنجناب پر سب وشتم کیا اور کرایا (النصائح الکافیہ وغیرہ) اس جذبہ جلیلہ کو اس قدر معمولی سمجھنے کا ثمرہ تھا کہ عبداللہ ابن عمر امام حسینؑ کی شہادت کے بعد اہل مدینہ کو بیعت یزید پر برقرار رہنے کی ان تھک کوششیں کیا کرتا تھا (صحیح بخاری ج ۴ ص۱۰۵ طبع مصر، صحیح مسلم ج ۲ ص۱۲۲، سنن بیہقی طبع حیدرآباد دکن ج ۸ ص $\frac{۱۵۹}{۱۹۰}$)

اسی تنزل کا نتیجہ تھا کہ جب مروان ابن حکم سے کسی شخص نے کہا کہ حضرت علی علیہ السلام تو سب لوگوں سے بڑھ کر حضرت عثمان کی مدد کرنے والے تھے پھر تم کس طرح ان کو قتل عثمان کے سلسلہ میں متہم کرتے ہو اور برسر منبر ان پر سب وشتم کرتے ہو؟ تو اس نے جواب میں کہا "لا یستقیم لنا الامر الا بذالک" بات یہ ہے کہ ایسا کرنے کے بغیر ہماری حکومت برقرار نہیں رہ سکتی۔ (صواعق محرقہ ص۳۳ طبع قدیم)

اور اسی مرتبہ امامت کو پست کرنے کا نتیجہ تھا کہ شمر ابن ذی الجوشن قاتل حضرت سید الشہداء علیہ السلام کو بھی اس سنگین جرم سے معذرت کرنے کا موقع مل گیا۔ ابو اسحاق بیان کرتا ہے کہ شمر ہمارے ساتھ نماز پڑھا کرتا تھا اور نماز کے بعد یہ کہتا تھا "اللّٰھم انک تعلم انی شریف فاغفرلی" اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں ایک شریف آدمی ہوں لہٰذا مجھے بخش دے ایک دن ابو اسحاق نے کہا۔ اے شمر! بھلا خدا تجھے کس طرح بخش سکتا ہے جب کہ تو نے فرزند رسولؐ کو قتل کیا ہے۔ شمر نے کہا "ویحک فکیف نصنع ان امرائنا ھؤلاء امرونا بامر فلم نخالفھم ولو خالفناھم کنا شرا من ھذہ الحمر الشقاۃ" افسوس ہے تجھ پر ہم کیا کرتے ہمارے ان امراء نے ہمیں حکم دیا اور ہم نے ان کی مخالفت نہ کی اگر ہم ان کی مخالفت کرتے تو ہم ان بدبخت گدھوں سے بھی بدتر ہوتے (میزان الاعتدال ذہبی ج ۱ ص۴۴۹)

امامت کبریٰ کے منصب میں انہی بے اعتدالیوں دیکھ رویوں کا نتیجہ تھا کہ آل رسولؐ کے مقدس خون سے زمین رنگین کی گئی اور مخدرات عصمت وطہارت کو قید کرکے مختلف دیار وامصار میں تشہیر کیا گیا موالیان آئمہ علیہم السلام کے خون ناحق پانی کی طرح بہائے گئے اور بالخصوص حضرت امیر المومنین علیہ السلام پر برابر کم وبیش ...... نوّے سال تک مجالس ومحافل میں برسر منبر سب وشتم کو بڑی عبادت سمجھا جاتا تھا۔ (سیرۃ النبیؐ ج ۱ ص۴۹ شبلی وغیرہ) اگر مسلمان مرتبۂ امامت کو اس کے اصل بلند مقام سے اس قدر نیچے نہ گراتے تو ہرگز یہ دینی جیالسیے کے جابر و ناکار فساق و فجار اور شرار مسند خلافت پر قدم نہ رکھ سکتے اور یقیناً یہ جانگسل واقعات منصۂ شہود پر رونما نہ ہوتے اور مسلمانوں میں یہ اختلاف و افتراق نہ ہوتا اور مسلمان ہرگز اقوام عالم کے سامنے اس طرح ذلیل ورسوا نہ ہوتے اور نہ

تنزل وانحطاط کا کبھی شکار ہوتے۔ یہ سب کچھ خود مسلمانوں کے عہدۂ خلافت کو ہلکا سمجھنے کا نتیجہ ہے، جیسا کہ مرتبۂ نبوت کو پست کر کے پیش کرنے کا نتیجہ ہے کہ آج ہر مجہول الحواس احمق و اجہل نبوت کا دعویدار نظر آتا ہے۔

چہ

اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

تنقید و تبصرہ حضرات اہل سنت تقدیم مفضول بر فاضل کے جواز کو جتانے کے لئے یہ کہا کرتے ہیں۔ کہ کبھی مفضول افضل سے بہتر تدبیر امور و اصلاح حالات کر سکتا ہے لہٰذا اس کو حاکم مقرر کرنے میں کون سی قباحت ہے۔ ارباب بصیرت پر مخفی نہیں کہ ان حضرات کا یہ عذر بارد و تاویل علیل درحقیقت افضل کا مفہوم نہ سمجھنے پر مبنی ہے۔ شاید ان حضرات کا یہ خیال ہے کہ "افضل" وہ ہوتا ہے جس کا صرف علم دوسروں سے بیشتر ہو یا جو زہد و تقویٰ میں دوسروں پر فوقیت رکھتا ہو حالانکہ ایسا شخص "اعلم الناس" اور "ازہد الناس" ہو سکتا ہے۔ لیکن ایسے شخص کو علی الاطلاق "افضل الناس" نہیں کہا جا سکتا حالانکہ ہم یہ ثابت کر چکے ہیں۔ کہ امام کو ہر لحاظ سے افضل الناس ہونا چاہیئے۔ اور یہ تب ہی متحقق ہو سکتا ہے کہ وہ ہر ممکن صفت و کمال میں تمام اُمت پر فوقیت رکھتا ہو اگر مسائل دینیہ میں افقہ ہے، تو سیاسیات ملکیہ میں البصر و اعرف ہو۔ اگر معاملات شرعیہ میں اتقیٰ ہے تو میدان جنگ میں اشجع ہو۔ اگر ضعفاء و مظلومین کے لئے اراف ہے تو ظلمہ جابرہ کے لئے اخشن ہو۔ افضل کی یہ حقیقت سمجھ لینے کے بعد ان حضرات کے عذر کی رکاکت و کمزوری واضح ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس صورت میں یہ متصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ کہ مفضول تدبیر امور اور اصلاح احوال کرنے میں افضل سے زیادہ واقف و ماہر ہو۔ اگر فی الواقع ایسا ہے تو وہ افضل درحقیقت افضل ہی نہیں ہے۔ !! معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے امام کا مفہوم یہی سمجھ رکھا ہے کہ امام وہ ہوتا ہے جو حوزۂ اسلامیہ کی حفاظت کر سکے اور امن عامہ کو بخوبی بحال رکھ سکے۔ حالانکہ یہ ایک زبردست اشتباہ ہے کیونکہ سابقہ تعریف امامت میں یہ امر محقق و مبین ہو چکا ہے کہ امامت امور دین و دنیا میں نیابۃً عن النبیؐ ایک ریاست عامہ الٰہیہ کا نام ہے۔ امام کے وہی فرائض ہیں جو ایک نبی و رسول کے ہوتے ہیں۔ امام امور دین و دنیا دونوں کی اصلاح کا کفیل ہوتا ہے۔ اسی لئے اس میں ان تمام صفات جمیلہ کا ہونا ضروری ہے جو ایک نبی کے لئے ضروری ہوتے ہیں اگر برادران اسلامی کے مفہوم امامت کو درخور اعتنا سمجھا جائے۔ تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک فاسق و فاجر بلکہ منافق و کافر شخص بھی جب ان امور کو انجام دیدے تو وہ معاذ اللہ امام ہو سکتا ہے غالباً یہی وجہ ہے۔ جس کی بناء پر ان حضرات کی تصریحات ہم اوپر نقل کر چکے ہیں کہ امام ہر قسم کے فسق و فجور و ظلم و جور کا ارتکاب

کرنے کے باوجود عہدۂ امامت سے معزول نہیں ہو سکتا جس کا بطلان ایسا واضح و عیاں ہے کہ محتاج بیان نہیں ہے ولیکن ؎

اذا لم یکن للمرء عین صحیحۃ
فلا غرو ان یرتاب والصبح مسفر

چھٹی شرط تقرر خداوندی

اس مسئلہ میں بھی شدید اختلاف ہے کہ امام بنانا خدا کے قبضۂ قدرت میں ہے یا بندوں کے اختیار میں ہے؟ چنانچہ تمام شیعہ امامیہ اس بات کے قائل ہیں کہ نبوت کی طرح عہدۂ امامت بھی خدا کے دست قدرت میں ہے وہ جسے چاہے اس عہدۂ جلیلہ پر فائز کرے۔ مگر دوسری اسلامی برادری کہتی ہے کہ امام کا انتخاب بندوں کے اختیار میں ہے اسی طرح اس کے اثبات میں بھی تھوڑے اختلاف ہے۔ شیعہ امامیہ قائل ہیں کہ اثبات امامت کے دو ہی طریق ہیں (۱) یہ کہ خود نبی حکم خدا سے امام کی امامت پر نص فرمائے۔ دوم یہ کہ سابق امام لاحق امام پر نص فرمائے۔ برادران اسلامی کو ان دو طریقوں کی صحت میں تو کوئی کلام نہیں ہے البتہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ان طریقوں کے علاوہ اثبات امامت کے دو اور طریقے بھی ہیں (۱) اجماع امت یعنی کسی شخص کی امامت پر افراد امت اجماع و اتفاق کریں تو اس کی امامت منعقد ہو جاتی ہے (۲) قہر و غلبہ یعنی اگر کوئی شخص امامت کا دعوی کرے اور پھر اپنی شوکت و طاقت یعنی قہر و غلبہ سے لوگوں کو مغلوب کر کے مسند خلافت و امامت پر قبضہ کر لے تو اس کی امامت بھی منعقد ہو جاتی ہے۔

دلچسپ و عجیب

اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے یہاں خلیفہ و امام کا تقرر ان کے کسی اصول کے تابع نہیں بلکہ ان کے اصول و قوانین تقرر خلیفہ کے تابع ہیں جس طریق سے کوئی شخص منبر رسولؐ پر متمکن ہو جاتا ہے وہی طریق ان کے یہاں اصول قرار پا جاتا ہے چنانچہ جب ان کے خلیفہ اول اجماع سے (وہ بھی ان کے زعم کے مطابق) خلیفہ بن گئے تو انہوں نے اجماع کو اصل قرار دے دیا اور جب ثانی صاحب کو پہلے صاحب کی وصیت سے مسند خلافت مل گئی تو انہوں نے وصیت کو اصل مقرر کر دیا اور جب ثالث القوم شوریٰ کی برکت سے منبر رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر بیٹھ گئے تو شوریٰ معیار خلافت بنا دیا گیا اور جب معاویہ قہر و غلبہ اور جبر و تشدد سے منبر پر قابض ہو گئے تو ان حضرات نے قہر و غلبہ کو اصول میں داخل کر لیا۔ معلوم ہوا کہ ان کے یہاں تقرر و تعیین خلیفہ ان کے کسی اصول کا مرہون منت نہیں کیونکہ تقرر سے پہلے ان کا کوئی اصول ہی نہیں جس کے لحاظ سے اس کا تقرر عمل میں لایا جائے۔

خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں کہ تقرر خلیفہ ان کے اصول کا محتاج ہے۔ یا ان کے آئین و قوانین تقرر خلیفہ کے محتاج ہیں یہاں تو دلائل و براہین کی بازی ہے جس کے دلائل و براہین قوی و متین ہوں گے۔ وہی برحق سمجھا جائے گا۔ ہم ذیل میں تمام حضرات کے دلائل ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں جس سے ان کو حق و باطل میں امتیاز میں سہولت ہو جائے گی پہلے ہم حضراتِ شیعہ کے حجج و براہین پیش کرتے ہیں، اس کے بعد دوسرے فرقِ اسلام کے دلائل بیان کریں گے۔ سو واضح ہو کہ امامیہ حضرات کے نظریہ کی صحت و صداقت پر بکثرت دلائلِ عقلیہ و نقلیہ موجود ہیں ہم یہاں چند مختصر عقلی و نقلی دلائل پیش کرتے ہیں۔

اس موضوع پر ادلۂ عقلیہ

دلیل اوّل بدلائل قاطعہ و براہین ساطعہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد وجود امام لابدی و ضروری ہے۔ اور اس کے بغیر نظام اسلام قائم نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس جلیل القدر عہدہ کے لئے جناب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت میں سے کسی شخص کو لائق سمجھتے اور اسے پہچانتے تھے یا نہیں؟ اگر یہ کہا جائے۔ کہ (معاذ اللہ) کسی ایسے شخص کو نہیں پہچانتے تھے تو یہ غلط ہے کیونکہ یہ کس طرح متصور ہو سکتا ہے کہ اعقل الناس اور مؤید من اللہ نبی اعظم تو نہ پہچانتے ہوں، لیکن عام افراد امت اسے پہچان کر انتخاب کر لیں، لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ آنحضرتؐ ضرور پہچانتے تھے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ اس کو مقرر و معین بھی فرمایا یا نہیں؟ اگر یہ کہا جائے کہ ہاں جانتے تھے اور مقرر بھی فرمایا۔ لوگوں سے اس کا تعارف کرایا تو اس صورت میں لازم آئے گا کہ آپ کے بعد امت میں جس قدر اختلافات و ضلالات رونما ہوئے، ہو رہے ہیں اور آئندہ ہوں گے ان سب کا سبب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور آپ ہی اپنی امت کو ضلالت کے گڑھے میں ڈالنے کے موجب ہیں۔ (العیاذ باللہ) اس صورت میں آپ کس طرح رحمۃ للعالمین رہ سکتے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ محبت و شفقت اور رأفت و رحمت جو اُمت کے شاملِ حال تھی کہاں جائے گی جس کی خبر خود خلاق عالم ان الفاظ میں دیتا ہے حریص علیکم و بالمومنین رؤف رحیم مسلمان ذرا ٹھنڈے دل سے سوچ کر انصاف سے بتلائیں کہ وہ نبی رحمتؐ جس نے اُمت کی خیر سگالی اور ان کو جادۂ رشد و ہدایت پر گامزن کرنے کے لئے اس قدر مصائب و آلام جھیلے کہ خود فرماتے ہیں "ما اوذی نبی کما اوذیت" کیا یہ باور کیا جا سکتا ہے۔ کہ آپ اپنا آخری رختِ سفر باندھتے وقت بغیر علمِ رشد و ہدایت گاڑے اور ہادئ خلائق

نصب کئے دبے پاؤں چلے جائیں اور اپنی امت کو قیامت تک ضلالت و غوایت کی تاریک وادیوں میں حیران و سرگرداں چھوڑ جائیں؟ بلکہ معمولی عقل و حکمت رکھنے والے انسان کی طرف بھی ایسے امر قبیح کی نسبت نہیں دی جا سکتی چہ جائیکہ وہ انسان کامل جو لوگوں کو عقل و دانش اور علم و حکمت کے درس دینے کے لئے آیا ہو، ان حقائق کی بناء پر لازم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحکم خدا اپنے نائب پر نص فرما دیں، تاکہ ہر قسم کے فتنہ و فساد کا سدباب ہو جائے۔ اور اگر کچھ عناصر اس نص و صراحت رحلت کے بعد بھی فتنہ و فساد برپا کریں۔ تو عند اللہ معذور نہ ہوں بلکہ ہر قسم کے عذاب و عقاب کے سزاوار قرار پائیں۔

دلیل دوم ثابت کیا جا چکا ہے کہ امام میں چند ملکات قدسیہ اور نفسیات خفیہ از قسم عصمت و فراست اور عفت و نزاہت کا ہونا ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ عصمت وغیرہ ان امور باطنیہ میں سے ہیں جن پر سوائے علام الغیوب کے کوئی شخص اطلاع نہیں پا سکتا ممکن ہے کہ عامۃ الناس جس شخص کو اپنے ناقص خیال میں معصوم و صالح خیال کرکے خلیفہ و امام مقرر کریں وہی بعد میں گنہگار و خائن ثابت ہو جائے کیونکہ ظاہر نگاہیں ان کا مشاہدہ کرنے سے قاصر رہتی ہیں۔ اسی لئے خلاق عالم فرماتا ہے۔ واللہ یعلم المفسد من المصلح (خدا ہی جانتا ہے کہ مفسد کون ہے اور مصلح کون ہے)۔ اگرچہ یہ حقیقت بالکل ہی واضح ہے لیکن آج کل کے جمہوری نظام حکومت نے تو اس کو اور بھی واضح تر کر دیا ہے۔ آپ نے کئی بار دیکھا ہوگا کہ اہل ملت آج ایک شخص کو اپنے لئے بہت مفید و کارآمد خیال کرتے ہوئے اس کے نام کے ساتھ "زندہ باد" کے فلک شگاف نعرے لگا کر تخت حکومت پر بٹھاتے ہیں۔ اور دوسرے دن اس کے نااہل ثابت ہونے پر "مردہ باد" کا شور مچا کر بڑی بے باکی سفاکی کے ساتھ اس سے تخت و تاج چھین لیتے ہیں۔ اور وہ صاحب ؎

بہت بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے

وردِ زبان کرتے ہوئے نہایت خفت و سبکی کے ساتھ کوچۂ سیاست کو چھوڑ کر اپنے دولت سرا کے کنج عافیت کا رخ کرتے ہیں اور اس میں جا کر پناہ لیتے ہیں۔ خدا بھلا کرے برادران اسلامی کے عقائد اختراع کرنے والے حضرات کا کہ انہوں نے اس نت نئے عزل و تقرر کا یوں خاتمہ کر دیا کہ جب ایک آدمی کو اچھا سمجھ کر امام مقرر کر دیا جائے۔ تو اس کے بعد لاکھ ظالم و جابر فاسق و فاجر اور نااہل ثابت ہو لے عہدۂ امامت سے معزول نہیں کیا جا سکتا۔ جیسا کہ ہم اوپر شرح عقائد نسفی، شرح مواقف اور کتاب التمہید وغیرہ کے حوالہ جات نقل کر چکے ہیں بہرحال لوگ اپنے محدود

وناکارہ ناقص سے ایک حقیقی مصلح ومعصوم ہستی کا انتخاب ہرگز نہیں کر سکتے ۔ ظاہر ہے کہ ناقص کا انتخاب ناقص ہی ہوگا ۔ عام لوگوں کا ذکر اس مرحلہ میں بڑے بڑے اولوا العزم نبی بھی کامیاب نہیں ہو سکے اگر شک ہو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اپنی قوم میں سے ۷۰ آدمیوں کے انتخاب کا قرآنی قصہ ملاحظہ ہو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے با ایں ہمہ عظمت وجلالت ستر ہزار افراد قوم میں سے سات سو کو منتخب کیا اور پھر انتخاب در انتخاب کر کے سات سو میں سے فقط ستر آدمی منتخب کئے جن کی خبر خلاق عالم قرآن مجید میں بایں الفاظ دیتا ہے ۔ " واختار موسیٰ قومه سبعین رجلا " کہ حضرت موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ستر آدمیوں کا انتخاب کیا ان کو بخیال خود نہایت صالح و متدین سمجھ کر میقات پروردگار کے لئے لے گئے لیکن بروقت سب کے سب کافر و منافق ثابت ہوئے جب انبیاء اولوا العزم کا ذاتی انتخاب کارگر نہ ہو سکا تو عام لوگوں کا انتخاب کس طرح قابل قبول ہو سکتا ہے ۔ لہٰذا ضروری ہے کہ خود خلاق عالم خلیفہ وامام کی تعیین فرمائے اور اپنے نبی کے ذریعے اس کا اعلان واعلام کرائے وھو المقصود

دلیل سوم

اگر اس عہدۂ جلیلہ کے لئے امام کا انتخاب ایسے لوگوں کے ہاتھ میں دے دیا جائے جو خود معصوم نہ ہوں بلکہ ہوا وہوس اور نفس امارہ ان پر مسلط ہو تو اس صورت میں علاوہ اس کے کہ وہ ایک ایسی جامع صفات کاملہ انسان کا انتخاب کرنے سے قاصر ہیں اس سے فتنہ وفساد قتل وغارت اور ہرج ومرج واقع ہوگا کیونکہ ہر شخص کا اپنی خواہش نفسانی کے مطابق کسی کی طرف رجحان ومیلان ہوگا اور دوسرا اس امر میں اس کی مزاحمت کرے گا لہٰذا مختلف انواع واقسام کے فتنہ وفساد برپا ہوں گے اور یا تو بالکل انتخاب ہی نہ ہو سکے گا ۔ یا اگر انجام پذیر ہوگا تو بالکل ناقص ۔ لوگ ایک معمولی ممبری کے لئے ایک حقیقی حقدار کا انتخاب نہیں کر سکتے جیسا کہ مشاہدہ میں ہے پھر تمام عالم کی ریاست عامہ کے لئے کس طرح ایک امام کا انتخاب کر سکتے ہیں بعض کتب میں ایک نہایت لطیف واقعہ درج ہے جو مناسبت مقام کے پیش نظر یہاں درج کیا جاتا ہے ۔ اس کا ماحصل یہ ہے کہ ایک مدرسہ میں دو مدرس تھے ایک شیعہ دوسرا سنی ایک دن ان کے درمیان مسئلہ امامت پر گفتگو شروع ہو گئی ۔ سنی کہنے لگا کہ امام کے متعلق خدا ورسول کی نص کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ خود اُمت انتخاب کر کے اسے معین ومقرر کر سکتی ہے ۔ اور اتفاق کی بات یہ ہے کہ ان دنوں یہ دونوں مدرس مدرسہ کے لئے ایک ناظم کے تعین کے متعلق غور وفکر کر رہے تھے ۔ جو بچوں کے معاملات کی نگہداشت اور ان کی دیکھ بھال کرے ۔ شیعہ مدرس نے سنی مدرس کے جواب سے پہلو تہی کرتے ہوئے کہا کہ مجھے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ناظم مدرسہ کی تعیین میں ہم غور وفکر نہ کریں بلکہ اس کو بچوں کے انتخاب پر چھوڑ دیں ۔ وہ خود اپنے لئے جسے مناسب

چنیں منتخب کریں۔ سُنّی مدرس مسئلہ امامت کی نزاع سے یکسر غافل ہو کر کہنے لگا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اس اہم کام کو بچوں کے سپرد کر دیں۔ انہیں کیا معلوم کہ کون شخص اس عہدہ کے لئے موزوں ہے! اگر ہم اس امر کو ان کے انتخاب پر چھوڑ دیں تو ممکن ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کا انتخاب کر بیٹھیں جو سارے نظام مدرسہ کو ہی مختل اور درہم برہم کر کے رکھ دے۔ شیعہ مدرس نے کہا کہ یہ انصاف کے خلاف ہے جب تم کہتے ہو کہ پورے عالم (بلکہ عالمین) کے ہادی و رہنما اور دین و دنیا کے امور کے مصلح کا انتخاب عام لوگ کر سکتے ہیں۔ تو پھر ایک معمولی سے مدرسے کے ناظر کا انتخاب یہ بچے کیوں نہیں کر سکتے! شیعہ مدرس کی یہ تقریر سن کر سُنّی مدرس لاجواب ہو کر خاموش ہو گیا۔ لہٰذا لازم ہے کہ خدائے علیم و بصیر ہی اس عہدۂ جلیلہ کے لئے ذوات قدسیہ کو نامزد فرمائے کیونکہ وہی اپنے بندوں کے ظاہری و باطنی حالات و کیفیات سے کما حقہٗ واقف و آگاہ ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے "ان اللہ بعبادہ لخبیر بصیر"

دلیل چہارم ارباب علم و اطلاع پر مخفی نہیں ہے کہ تمام انبیاء سلف کا یہ دستور تھا کہ جب تک بامر الٰہی اپنے وصی کا تعین و تقرر نہیں کر لیتے تھے اس وقت تک دنیا کو خیرباد کہہ کر عالم بالا کا سفر اختیار نہیں فرماتے تھے حضرت آدمؑ نے حضرت شیثؑ کو اپنا وصی مقرر کیا (تاریخ طبری ج ۱ ص [illegible]) حضرت نوحؑ نے سام کو (کامل ج ۱ ص [illegible]) حضرت ابراہیمؑ نے جناب اسماعیلؑ کو اسحاقؑ نے یعقوبؑ کو اور یعقوبؑ نے یوسفؑ کو (روضۃ الصفا ج ۱ ص ۱۴۲) حضرت داؤدؑ نے سلیمانؑ کو (کامل ج ۱ ص [illegible]) حضرت موسیٰؑ نے پہلے ہارونؑ کو پھر ان کے انتقال کے بعد یوشع ابن نون کو (روضۃ الصفا و تاریخ طبری ج ۱ ص [illegible]) حضرت عیسیٰؑ نے جناب شمعون کو وصی بنایا (تاریخ طبری ج ۱ ص [illegible] ملاحظہ ہو کامل ج ۱) الغرض آدمؑ سے [illegible] سلسلہ وصایت کی تکمیل [illegible]

۱؎ علامہ مسعودی اپنی کتاب تاریخ مروج الذہب و معادن الجوہر میں انبیاء علیہم السلام کے خلفاء و اوصیاء و وصیت تقرر کا تفصیلاً ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: فکانت الوصیۃ تنتقل من قرن الی قرن الی ان ادی اللہ النور الی عبد المطلب وولدہ عبد اللہ ابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھذا موضع تنازع الناس فیہ من اہل الملتمسین قال بالنص وغیرھم من اصحاب الاختیار۔ (مروج) یعنی یہ سلسلہ وصایت ایک قرن سے دوسرے قرن کی طرف منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ خداوند عالم نے آنحضرت کے دادا جناب عبدالمطلب اور ان کے بعد آنحضرتؐ کے والد جناب عبداللہ تک پہنچایا۔ یہاں پہنچنے کے بعد امت میں اختلاف رونما ہو گیا کہ آیا خلافت بالنص ہے یا باختیار امت ہے! نیز یہی علامہ مسعودی کی اسی وصیت کے موضوع پر ایک لطیف کتاب بنام اثبات الوصیۃ موجود و مطبوع ہے جس میں انہوں نے بڑے اچھے انداز میں آدمؑ سے لے کر سرکار خاتم الانبیاءؐ تک تمام انبیاء کا اپنے اوصیاء کو بامر پروردگار نامزد کرنا ثابت کیا ہے۔ مراجعہ۔ منہ عفی عنہ

بنابریں آیا کوئی عقلِ سلیم یہ باور کر سکتی ہے کہ جو چیز سابق زمانہ میں انبیاء سے متعلق تھی اور امت کو اس میں ہرگز کچھ دخل نہ تھا۔ وہی چیز حضرت سید الانبیاء علیہ و آلہ الاف التحیۃ والثناء سے سلب کر کے ان کی اُمت کو سونپ دی جائے؟ ان ھذہ اذا قسمۃ ضیزیٰ۔ نہیں ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا اصول میں کبھی تغیر و تبدل واقع نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا ہے۔ لن تجد لسنۃ اللہ تبدیلاً ولن تجد لسنۃ اللہ تحویلاً۔ لہٰذا اس سُنّۃ اللہ کے مطابق ضروری ہے کہ اس فریضہ کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بامر ایزدی انجام دے کر دنیا سے تشریف لے جائیں۔ چنانچہ آنجنابؐ نے بطریق احسن اس فریضہ کو انجام دیا جیسا کہ عنقریب اسے بڑی تفصیلِ جمیل کے ساتھ ثابت کیا جائے گا۔ انشاء اللہ

فانتظروا ان اللہ مع الصابرین

ادلۂ نقلیہ!

دلیل اوّل ارشادِ رب العالمین ہے واذ ابتلیٰ ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال لاینال عھدی الظالمین۔

اے رسول! اس وقت کو یاد کرو۔ جب خداوندِ عالم نے چند کلمات کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ کی آزمائش کی اور انہوں نے جب ان کو پورا کر دیا۔ تو خلاقِ عالم نے فرمایا اے ابراہیمؑ! میں تمہیں لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ ابراہیمؑ نے عرض کی بارالٰہا! میری ذریت سے بھی امام بنانا ارشاد ہوا۔ میرا یہ عہدِ امامت ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔ یہ آیۂ وافی ہدایہ دو طریق سے ہمارے مدعا پر دلالت کرتی ہے

اوّل:۔ یہ کہ حضرت ابراہیمؑ کا اپنی ذریت کے لئے اس عہدۂ جلیلہ کا خداوندِ عالم سے سوال کرنا اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ امام کا نصب و تقرر خداوندِ عالم ہی کے اختیار میں ہے کیونکہ اگر لوگوں کے اختیار و انتخاب سے امام کا تقرر ممکن ہوتا تو حضرت ابراہیمؑ کو یہ سوال کرنے کی ہرگز ضرورت نہ تھی، خود کسی کا انتخاب کر لیتے۔ جب حضرت ابراہیمؑ ایسے اولوالعزم نبی کو اس امر کا اختیار نہیں تو عام لوگوں کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

دوم:۔ خداوندِ عالم نے امامت کو اپنا عہد قرار دیتے ہوئے یہ فرمایا کہ ظالموں کو امام نہیں بناؤں گا۔ یہ جوابِ ایزدی بھی اس امر کی بین دلیل ہے کہ اس عہدۂ جلیلہ کے لئے عہدہ داران کا انتخاب و تقرر اسی ذاتِ ذوالجلال کے قبضۂ قدرت میں ہے کیونکہ ظاہر ہے وہ اپنا عہدہ خود ہی جسے چاہے گا اس کے سپرد کرے گا لوگ کسی شخص کا انتخاب کر کے یہ عہدہ اس کو تفویض نہیں کر سکتے۔ اگر یہ نصب و تقرر خداوندِ عالم کے متعلق نہ ہوتا بلکہ لوگوں کی رائے و انتخاب کو اس میں کچھ بھی دخل ہوتا تو خلاقِ عالم

یوں جواب نہ دیتا کہ "لاینال" الخ بلکہ یہ فرماتا اے ابراہیمؑ! اس امر کے لئے ہم سے سوال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ یہ امر میرے نصب و نص پر موقوف نہیں تم خود جسے چاہو مقرر کر دو یا آئندہ لوگ جسے مناسب سمجھیں گے امام مقرر کر لیں گے۔ جب ایسا نہیں فرمایا تو اس سے معلوم ہوا کہ روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو گیا کہ نصب و تقرر امام خداوند عالم کے ہی اختیار میں ہے۔ و ھوالمقصود

ازالہ وہم بعض متعصب حضرات اس آیہ وافی ہدایہ میں "عہدی" سے عہد نبوت مراد لیتے ہیں جو عقل و نقل، روایت و درایت اور ظاہر و باطن آیت کے اعتبار سے غلط محض ہے۔ یہ سوال و جواب حضرت خلیل الرحمٰن کے درجۂ نبوت پر فائز ہونے کے بعد ہوئے۔ کما لا یخفیٰ علیٰ من لہ ادنیٰ درایۃ ملاحظۃ الیدین بالتعصب والالزام علیٰ ھذا الکلام الصادر من بعض الحضرات الث م کما لا یخفیٰ علیٰ اولی الافہام۔

دلیل دوم خدائے علیم اپنے کلام متین میں اپنے نبی کریمؐ سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔

الم تر الی الملاء من بنی اسرائیل اذ قالوا لنبی لھم ابعث لنا ملکا نقاتل فی سبیل اللہ الخ الیٰ ان قال وقال لھم نبیھم ان اللہ قد بعث لکم طالوت ملکا قالوا انیٰ یکون لہ الملک علینا ونحن احق بالملک منہ ولم یؤت سعۃ من المال قال ان اللہ اصطفاہ علیکم وزادہ بسطۃ فی العلم والجسم واللہ یؤتی ملکہ من یشاء واللہ واسع علیم وقال لھم نبیھم ان آیۃ ملکہ ان یاتیکم التابوت فیہ سکینۃ من ربکم وبقیۃ مما ترک آل موسیٰ وآل ہارون تحملہ الملائکۃ

اے رسول! کیا تمہیں بنی اسرائیل کے گروہ کی کیفیت معلوم نہیں جنہوں نے اپنے نبی (شمویل) سے کہا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کیجئے جس کی قیادت میں ہم اللہ کے راستہ میں جہاد کریں۔ ان کے نبی نے ان سے کہا کہ خداوند عالم نے طالوت کو تمہارا حاکم مقرر کیا ہے کہنے لگے۔ اسے ہم پر کس طرح حکومت دی جا سکتی ہے حالانکہ ہم اس سے زیادہ حکومت کے حق دار ہیں کیونکہ اس کے پاس تو زیادہ مال و دولت نہیں اور ہم بڑے مالدار آدمی ہیں نبی نے کہا کہ اس میں میرا کچھ دخل نہیں۔ بلکہ خدا ہی نے اس کو تمہارے لئے منتخب کیا ہے اور علم و معرفت اور جسم و طاقت میں اس کو زیادتی عطا فرمائی ہے۔ بات یہ ہے کہ اللہ جسے چاہتا ہے اپنی حکومت اس کو دے دیتا ہے۔ اللہ بڑی وسعت رکھنے والا اور علیم ہے۔ ان کے نبی نے ان سے (یہ بھی) کہا کہ طالوت کی حکومت کی علامت یہ ہے

کہ تمہارے پاس ایک تابوت آئے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے سکینہ اور آلِ موسیٰ و آلِ ہارونؑ کے باقی ماندہ اشیاء (تبرکات) بھی ہوں گے جسے ملائکہ اٹھائے ہوں گے"

یہ آیۂ وافی ہدایہ چند وجوہ سے ہمارے مدعا کی حقانیت و صداقت پر دلالت کر رہی ہے۔

اوّلاً جب بنی اسرائیل نے ایک ایسے حاکم شرعی کی حضرت موسیٰ کی جگہ ان میں احکام شریعت نافذ کرے اور دشمنوں کے ساتھ جہاد کرے تو انہوں نے اپنے نبی سے یہ خواہش کی کہ ان کے لئے کوئی ایسا حاکم مقرر کیا جائے۔ اگر امام کا تقرر اپنے اختیار سے جائز ہوتا تو وہ ہرگز اپنے نبی سے اس امر کی خواہش نہ کرتے بلکہ خود ہی ایک امام و حاکم مقرر کر لیتے لیکن ان کا ایسا نہ کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ امام کا تقرر ان کے اختیار میں نہ تھا۔ اس سے جمہوریت کی رگِ حیات کٹ جاتی ہے ؎

بترس از طرزِ جمہوری غلامِ پختہ کارے شو
کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانے نمی آید

ثانیاً۔ ان کے نبی کا یہ کہنا کہ "خداوند عالم نے طالوت کو تمہارا حاکم مقرر کیا ہے" یہ نہیں کہا کہ میں نے اس کو تمہارا حاکم مقرر کیا ہے۔ اس فعل کی اللہ کی طرف نسبت صاف دلالت کرتی ہے کہ نبی کو بھی بذاتِ خود تعیینِ امام کا کوئی اختیار نہیں بلکہ حاکمِ دین کا مقرر کرنا محض خداوند عالم کے متعلق ہے۔ ہاں اس امر کا اعلان اور لوگوں کو اعلام بذریعہ نبی ہوتا ہے۔

ثالثاً جب ان لوگوں نے حکومتِ طالوت کو بہ نظرِ حقارت دیکھتے ہوئے اس پر اپنا استحقاق جتایا تو ان کے نبی نے ان کے جواب میں یہ فرمایا کہ خداوند عالم نے اس کو منتخب کیا ہے۔ اور علم و شجاعت میں اس کو تم پر فضیلت عطا فرمائی ہے اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ امامت اصطفاء و انتخاب الٰہی پر موقوف ہے۔ لوگوں کے اختیار و انتخاب کو اس میں کچھ دخل نہیں۔ لیکن کمال افسوس ہے کہ مسلمان ایسی روشن آیتوں کو پڑھتے ہیں اور ان جوابات پر نظر و فکر نہیں کرتے یا اگر کرتے ہیں تو پھر ان پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں: وجحدوا بها واستيقنتها انفسهم انہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کر دیا۔ حالانکہ ان کی حقیقت کا انہیں یقین ہے واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ نیز یہ آیت اس امر کی بھی قطعی دلیل ہے کہ حکومتِ الٰہیہ کا معیار افضلیت ہے اور افضلیت کا میزان زیادتی علم و شجاعت ہے۔ جس کا علم بیشتر اور شجاعت زیادہ ہوگی وہی اس عہدہ کا حقدار ہوگا نہ وہ جس کے پاس مال و دولت کی کثرت ہو۔ دنیا دار "غنی" کا انتخاب کرتے ہیں لیکن خداوند عالم بوریا نشین "سلونی قبل ان تفقدونی" کہنے والے ذواتِ قدسیہ کا انتخاب

فرماتا ہے۔ ظاہر ہے کہ خدائے تعالیٰ کا منتخب شدہ انسان خود اسی کے بیان سے ہی معلوم ہو سکتا ہے، خواہ بطور آیہ صریحہ ہو یا بتوسط نبی اس کا تعارف کروائے۔

رابعاً ان آیات میں جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان آیۃ ملکہ الخ یہ اس امر کی قطعی دلیل ہے۔ کہ جب مسئلہ امامت میں کچھ نزاع ہو تو حقیقی امام کی شناخت اظہار معجزہ پر موقوف ہے اس سے حضرات شیعہ خیر البریہ کے نظریہ کی تائید اکید ہوتی ہے جو امام کے لئے معجزہ کو ضروری سمجھتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اثبات امامت نص و برہان اور معجزہ پر موقوف ہے نہ کہ اختیار و انتخاب مردم پر۔ لقد کان فی قصصہم عبرۃ۔

توضیح مرام مخفی نہ رہے کہ بنی اسرائیل میں ملک کا مفہوم وہی ہے جو اس امت میں امام کا ہے کیونکہ امام کا تقرر اقامۂ حدود، انفاذ احکام، نشر حقائق و معارف شریعت، اخذ قصاص، تجہیز جیش کافروں باغیوں کے ساتھ جہاد کرنے کے لئے عمل میں لایا جاتا ہے بنی اسرائیل میں یہی فرائض "ملوک" کے متعلق تھے یہ ایک ایسی واضح حقیقت ہے جس کا اقرار و اعتراف صاحب تحفۂ اثنا عشریہ نے بھی بایں الفاظ کیا ہے "پس حالت امام مفترض الطاعۃ بود بعد نبی الخ" (تحفۂ اثنا عشریہ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور) یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ آیۂ وافی ہدایہ ان آیات محکمات میں سے ہے جن کا حکم اس امت میں بھی جاری و ساری ہے کیونکہ مفسرین عامہ و خاصہ میں سے کسی نے بھی یہ ذکر نہیں کیا کہ یہ آیت منسوخ ہے یا اس کا حکم فقط بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص ہے حق یہ ہے کہ اس کا حکم عمومی ہے اسی لئے خداوند عالم[*] کے طرز عمل کا ہمیں علم ہو جائے "سنۃ اللہ فی الذین خلوا ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا" خداوند عالم کا گذشتہ لوگوں میں یہی طریقہ رہا ہے اور تم طریقۂ خداوندی میں تبدیل نہیں پاؤ گے۔ فاقصص القصص لعلہم یتفکرون۔ اگر کوئی شخص اس بات کا مدعی ہے کہ یہ آیت امم سابقہ کے ساتھ مخصوص ہے تو اس پر لازم ہے کہ اپنے اس دعویٰ پر دلیل و برہان قائم کرے۔ فلا من ادعی فعلیہ اقامۃ البرہان۔

دلیل سوم قرآن میں بہت سی ایسی آیات ہیں جن میں خداوند عالم نے اس مرتبہ کے تقرر کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا ہے مثلاً ارشاد فرماتا ہے کہ "انی جاعلک للناس اماماً، انی جاعل فی الارض خلیفۃ، وجعلناہم ائمۃ یہدون بامرنا۔ الخ" اسی طرح ارشاد ایزدی ہے کہ "وربک یخلق ما یشاء و یختار ما کان لہم الخیرۃ" اے رسول تیرا پروردگار ہی جسے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے اختیار کرتا ہے ان لوگوں کو ہرگز کوئی اختیار نہیں۔

---

* پس اس کا ذکر کر دیا ہے تاکہ اس سے امم سابقہ میں اس کے طرز عمل

یہ بھی آیۃ و فی ہدایہ سے ہر قسم کے اختیار کی لوگوں سے نفی کر دی خواہ امور تکوینیہ میں ہو یا امور تشریعیہ میں۔ جس طرح مارنا و جلانا، رزق دینا بیماروں کو شفا دینا وغیرہ امور تکوینیہ خداوند عالم کے قبضۂ قدرت میں ہیں اور لوگوں کو ان میں ہرگز کسی قسم کا کچھ دخل نہیں۔ اسی طرح امور تشریعیہ میں کسی چیز کا حلال و حرام کرنا اور کسی چیز کو مقدم و مؤخر کرنا بھی خلاق عالم کے اختیار میں ہے۔ لوگوں کو ان میں ہرگز کچھ حق مداخلت نہیں یہ کہنا کہ لوگ امام کا اختیار و انتخاب کر سکتے ہیں۔ اس آیۃ وانی ہدایہ اور دیگر آیات کی رو سے بالکل غلط ہے ان آیات مبارکہ سے بعبارۃ النص واضح ہوتا ہے۔ کہ (الف) خلیفہ خدا منتخب کرتا ہے (ب) خلافت الٰہی کا مستحق وہ ہے جو افضل ہو (ج) افضلیت کا معیار علم لدنی الٰہی ہے (د) لوگ اجماع کر کے کسی کو خلیفہ نہیں بنا سکتے جب ملائکہ جیسی معصوم مخلوق کو یہ حق حاصل نہیں تو دوسری کسی مخلوق کو کیونکر یہ حق دیا جا سکتا ہے؟

ازالہ وہم — خیال کیا گیا ہے کہ چونکہ بندوں کے تمام افعال کی نسبت خداوند عالم کی طرف ہے لہٰذا لوگوں کے انتخاب کو اپنی جانب منسوب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ میں خلیفہ بناتا ہوں۔ حالانکہ واقعاً خلیفہ لوگ بناتے ہیں؟ یہ خیال باطل اور محال ہے۔ یہ وہم مسئلہ جبر پر مبنی ہے۔ جس کا بطلان مضبوط اور ناقابل رد دلائل کی روشنی میں واضح ہے تفصیل کے لئے ہماری کتاب احسن الفوائد کا مطالعہ کیا جائے۔ خداوند عالم نے اپنی حکمت بالغہ سے بندوں کو خیر یا شر کے اختیار کرنے اور بجالانے میں فاعل مختار بنایا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ انا ھدینٰہ السبیل اما شاکراً و اما کفوراً۔ لہٰذا ان کا اچھا یا برا فعل انہی کی طرف منسوب ہوگا۔ کیونکہ وہی اس کے حقیقی فاعل ہیں نہ خداوند عالم کی طرف۔ اور اگر کبھی اس کی طرف نسبت ہوئی تو من باب المجاز ہوگی۔ والاصل فی الکلام الحقیقۃ کما لا یخفیٰ علی اہل العربیۃ

دلیل چہارم — کتب سیر و تواریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائے بعثت میں بعض قبائل نے اس شرط پر اسلام قبول کرنا چاہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنی خلافت کے لئے ان کو نامزد کریں۔ لیکن آنحضرتؐ نے صاف لفظوں میں ان سے فرمایا کہ یہ تمہارے اور میرے بس کی بات نہیں بلکہ اس کا اختیار خداوند عالم کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ وہ جسے چاہے گا اس عہدۂ جلیلہ کے لئے منتخب کرے گا۔ اور میں اس کا اعلان کر دوں گا۔ اور بس چنانچہ سیرت ابن ہشام ج ۲ صـ ۳۴ الروض الانف ج ۱ صـ ۲۹۲۔ سیرت حلبیہ ج ۲ صـ ۳۔ سیرت نبویہ زینی دحلان ج ۱ صـ ۲۹۵ مطبوعہ برحاشیہ سیرت حلبیہ وغیرہ کتب میں مرقوم ہے

کہ جب آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبائل عرب کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو بنی عامر بن صعصعہ نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی "ارأیت ان نحن بایعناک علی امرک ثم اظہرک اللہ علی من خالفک ایکون لنا الامر من بعدک قال الامر الی اللہ یضعہ حیث یشاء" یعنی ہمیں یہ بتلائیے کہ اگر ہم اس امر (اسلام) میں آپ کی متابعت کریں اور پھر خداوند عالم آپ کو مخالفین پر ظفر و غلبہ عطا کر دے تو کیا آپ کے بعد امر خلافت ہمیں ملے گا؟ آنحضرتؐ نے فرمایا امر خلافت و امامت خداوند عالم کے اختیار میں ہے وہ جہاں چاہے گا اس کو مقرر کرے گا (یہ حدیث بھی ہمارے مدعا پر نص صریح ہے)

الحمد للہ ان عقلی و نقلی دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ سے کالشمس فی رابعۃ النہار واضح و آشکار ہو گیا کہ نبی و رسول کی طرح امام کا تقرر بھی خداوند علیم کے اختیار و انتخاب سے ہوتا ہے نبی کا کام فقط اس کا اعلان و اعلام ہے اس کے علاوہ جتنے طریق بیان کئے جاتے ہیں از قسم اجماع و قہر و غلبہ وغیرہ وہ سب فاسد و کاسد اور باطل و عاطل ہیں قد فصلنا الآیات لقوم یعلمون۔

غلط روش کا اعادہ

برادران اسلام سے جب ان ادلۂ قطعیہ کا کوئی جواب نہیں بن پڑتا۔ تو اپنی عادت کے مطابق اس مسئلہ میں بھی خلافت ابوبکر سے ہی سہارا لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر ان لوگوں کے اختیار و انتخاب سے امام و خلیفہ کا تقرر کرنا صحیح نہ ہو۔ تو ابوبکر کی خلافت صحیح نہیں رہتی حالانکہ ان کی خلافت صحیح ہے پس معلوم ہوا کہ لوگوں کے اجماع سے امام کا انتخاب کرنا صحیح ہے: یہ استدلال بالکل ہی مضحکۃ الطفل ہے۔ اور بوجہ مصادرہ علی المطلوب ہونے کے غلط محض ہے۔ وہی دعویٰ اور وہی دلیل ہے یہ تو وہی بات ہوئی۔ ؎ خود کوزہ خود گل کوزہ۔ و خود کوزہ گر

حالانکہ بات بالکل صاف اور سادہ ہے کہ جب سابقہ ادلۂ قاطعہ سے لوگوں کے انتخاب کا بطلان واضح و عیاں ہو گیا تو اس انتخاب سے عمل میں لائی ہوئی خلافت کس طرح صحیح ہو سکتی ہے! ہاں اگر یہ حضرات پہلے لوگوں کے انتخاب کی صحت ثابت کر دیتے۔ تب البتہ اس سے کسی کی صحت خلافت پر استدلال کر سکتے تھے۔ وانیٰ لہم ذٰلک؟

تحیر و تعجب کا مقام

کس قدر مقام تعجب ہے کہ حضرات کے وہ بڑے بڑے علماء جنہوں نے "مصادرہ" اور "دور" کا بطلان اپنی کتب فن میں مضبوط دلیل

و براہین سے واضح و عیاں کیا ہے ۔ وہی جب اس مقام پہ پہنچتے ہیں تو اپنے خلفاء کی اندھی محبت ان پر اس طرح مسلط ہو جاتی ہے کہ نورِ چشمِ بصیرت پر اس طرح پردے پڑ جاتے ہیں کہ ممکن و ممتنع میں تمیز نہیں رہتی جس امر کو بارہا ممتنع و محال بتا چکے تھے اب اسی سے استدلال کرنا شروع کر دیتے ہیں

یاللعجب العجاب ۔

ان لوگوں کے یہاں دلائل کے فقدان کا یہ عالم ہے کہ ہر ہر مسئلہ میں بس خلافتِ شیخین ہی کا سہارا لیتے ہیں جو بجائے خود تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے ۔ غور تو فرمایئے جب شیعوں نے دلائل و براہین سے ثابت کیا کہ امام کو "اعلم" ہونا چاہیے تو انہوں نے جواب میں جھٹ کہہ دیا کہ نہیں "اعلم" ہونے کی کوئی ضرورت نہیں غیر اعلم بھی امام ہو سکتا ہے اور دلیل یہ پیش کی کہ حضرت ابوبکر امام ہیں حالانکہ وہ اعلم نہ تھے ۔ اسی طرح جب حضرات شیعہ نے حجج باہرہ سے یہ واضح کر دیا کہ امام کو معصوم ہونا چاہیے تو اس وقت بھی ان حضرات نے جواب میں یہی کہا کہ امام کے لئے عصمت ضروری نہیں کیونکہ ۔

ابوبکر امام ہیں حالانکہ وہ معصوم نہیں ۔

اسی طرح جب شیعیانِ علیؑ نے براہینِ قاطعہ سے یہ محقق کر دیا کہ امام کو افضل الناس ہونا چاہیے تو ان حضرات نے کہا کہ امام کے لیے افضل ہونا ضروری نہیں کیونکہ حضرت ابوبکر امام ہیں مگر افضل نہیں اور جب شیعہ امامیہ نے ادلۂ قطعیہ سے مبرہن کر دیا کہ امام کو خاندانِ بنی ہاشم سے ہونا چاہیے، تو ان حضرات نے جواب میں کہا یہ شرط لازمی نہیں کیونکہ حضرت ابوبکر امام ہیں مگر ہاشمی نہیں ؟ اسی طرح جب شیعیانِ حیدر کرار نے دلائل و براہینِ قویہ سے یہ واضح و لائح کر دیا کہ امام کو منصوص من اللہ ہونا چاہیے ۔ تو اس مقام پر بھی ان عقلمند حضرات نے یہی جواب دیا کہ نص کا ہونا ضروری نہیں کیونکہ ابوبکر صاحب امام ہیں مگر منصوص نہیں ۔ ذالک مبلغھم من العلم ؟

ع
بہوحت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

ارباب عقل و دانش پر مخفی نہیں کہ اگر کوئی طفلِ غیر ممیز یہ بودا استدلال کرتا تو شاید محلِ تعجب نہ ہوتا ۔ مگر تعجب تو یہ ہے کہ یہاں تو وہ مدعیانِ عقل و فہم اور صنفِ و کمال جو علوم و فنون میں کسی کو اپنا ہم پلہ نہیں سمجھتے وہ یہ استدلال پیش کر رہے ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ جب آدمی صراطِ مستقیم سے بھٹک جائے ۔ تو اس کی کوئی بات قرینِ عقل و دانش نہیں ہوتی جو بات کرے گا وہی الٹی ہوگی جو

استدلال کرے گا۔ وہی ٹیڑھا ہوگا اور جو جواب دے گا وہی غلط ہوگا دراصل اثنا عشریوں کا قصور نہیں عقیدوں کا ہے ان کے پلے کچھ نہیں ہے۔

وکم قد رأینا من فروع کثیرۃ ۔
تموت اذا لم تحیہن اصول !

ان دلائل و براہین کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ لوگ ان کی بنیاد پر خلفاء ثلاثہ کی امامت و خلافت کے بطلان کا اعتراف کر لیتے۔ انہوں نے یہ کیا کہ ...

جب یہ دلائل ان کی خلافت سے ٹکرا گئے تو انہوں نے ... کی خلافت کو سنبھالنے کے لئے ان عقلی و نقلی دلائل سے ہاتھ اٹھا لیا، لیکن ... کی خلافتوں کا دامن نہ چھوڑا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

لطیفہ:- یہ تو وہی بات ہوئی کہتے ہیں ایک مرتبہ ایک عالم دین وضو کی اہمیت بیان کرتے ہوئے کہنے لگے "وضو درست بکنید کہ بے وضو نماز نمی شود" یعنی وضو درست کرو۔ کیونکہ وضو کے بغیر نماز نہیں ہو سکتی۔ بعض منچلے حاضرین نے کہا۔ "آقا چہ می فرمائی ما بارہا کردیم و شد" آقا، آپ کیا فرماتے ہیں ہم نے کئی مرتبہ وضو کے بغیر نماز پڑھی ہے اور وہ ہو گئی ہے۔ بالکل یہی حضرات بھی گویا زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ امامت کی شرائط کیا ہیں؟ ہم نے بے شرائط امام بنتے دیکھے ہیں کہ وہ مسند امامت پر بیٹھ گئے اور امام بن گئے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

باب سوم

اصحاب ثلاثہ کی خلافتوں کا ابطال

دوسرے باب میں شرائط امامت کے سلسلہ میں جو حقائق بیان کئے گئے ہیں اگرچہ خلفاء ثلاثہ کی خلافتوں کا بطلان ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کیونکہ جب ان مزعومہ خلفاء میں ان شرائط کا فقدان ہے۔ تو بموجب "اذا فات الشرط" (فات المشروط) ان کی خلافت رخصت ہو جاتی ہے تاہم ذیل میں کچھ تفصیل کے ساتھ اس موضوع پر تبصرہ کیا جاتا ہے۔

خلفاء ثلاثہ کی خلافتوں کا بطلان شرائط خلافت کی روشنی میں

اصحاب ثلاثہ میں اعلمیت کا فقدان

افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ یہ شرط جو مقصود اہم اور اعلم ہے۔ ان حضرات کے کمال کا سب سے زیادہ کمزور پہلو ہے (اعلمیت تو بجائے خود) انکی واقفیت مسائل شرعیہ میں اتنی بھی نہ تھی جتنی عام صحابہ کی تھی۔ بلکہ اتفاقات بھی ہوئے کہ فیصلہ غلط کیا اور کسی صحابی نے اعتراض کر دیا۔ فوراً فیصلہ بدل دیا۔ ابوبکر کو اپنی مختصر مدت خلافت میں ایسے بعض واقعات پیش آگئے جن میں آپ کو زحمت سے دوچار ہونا پڑا۔ اس سلسلہ میں میراث جدہ کا مسئلہ بہت مشہور ہے۔ ابن تیمیہ نے "رفع الملام عن الائمۃ الاعلام صفحہ ۲۲ طبع مصر" میں لکھا ہے کہ جب آپ سے میراث جدہ کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اس مسئلہ کا علم نہیں ہے میں لوگوں سے دریافت کروں گا۔ چنانچہ آپ نے دریافت کیا مغیرہ بن شعبہ و محمد بن مسلمہ نے بتایا کہ رسول اللہ نے اس کو سدس عطا کیا ہے ؛ (کذا فی اسد

الغابۃ ج ۲ صفحہ ۲۹۵)

آیت مبارکہ "فاکہۃ وابا" کے معنی میں ہمیشہ متحیر رہے (اتقان سیوطی ج ۱ صفحہ ۱۱۵ طبع مصر) چور کا بایاں ہاتھ کٹوا دیا فجاءۃ سلمی کو آگ میں جلوا دیا۔ علامہ قوشجی کو بھی تسلیم کرنا پڑا ہے کہ یہ آپ کی غلطی تھی ...... حضرت عمر کے دور میں ان واقعات کی بہت کثرت ہے۔

علامہ ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ ص۱۰۲ طبع مصر میں لکھا ہے ...... کہ حضرت عمر صاحب ذیل مسائل کو نہ جانتے تھے۔ صفت استئذان، میراث دیت، حکم مجوس باعتبار جزیہ، انگلیوں کے بارے میں غلط فیصلہ کیا ہے۔ معاویہ نے اپنے دور میں منسوخ کیا؟ کلالہ کے معنی کبھی آپ کی سمجھ میں نہ آئے (تفسیر در منثور ج ۲ صفحہ۲۴۹)

اس قسم کے واقعات کا نتیجہ تھا کہ مسائل شرعیہ میں آپ کے کسی حکم کا کوئی وزن عام لوگوں میں باقی نہیں رہا تھا آپ نے اعلان کیا کہ عورتوں کے مہر میں زیادتی نہ کی جائے۔ ایک عورت نے کہا کہ یہ حکم خدا کے خلاف ہے۔ آپ نے قرآن کی آیت پڑھ دی۔ تب آپ کو اعتراف کرنا پڑا۔ (ازالۃ الخفاء ص۲۴ تفسیر کشاف ج ۱ ص۳۵۷)

ابی بن کعب پر آپ نے قرآن کی کسی آیت کے بارے میں اعتراض کیا انہوں نے فوراً کہہ دیا "مجھے قرآن نے ایسا مشغول رکھا اور تمہیں بازار کے سودوں نے" (بالاسواق) میں رسول اللہ سے قرآن کا علم حاصل کرتا تھا آپ کو بازاروں میں خرید و فروخت سے فرصت نہ تھی اسی لئے آپ مختلف صحابہ سے اس سلسلہ میں مدد حاصل کرتے رہتے تھے جن میں ایک یہی ابی بن کعب ہیں اور یہاں تک کہ ابن عباس جو رسول اللہ کے زمانہ میں کم سن تھے اور انہوں نے صحابہ سے علم حاصل کیا تھا۔ حضرت عمر کے مشیر اور وزیر تھے (ملاحظہ ہو اسد الغابہ ابن اثیر جزری ج ۳ ص۱۹۲) یہ ابن عباس وہ تھے جو حضرت علی کے شاگرد تھے۔ پھر کیا تعجب ہے کہ حضرت عمر مسائل شرعیہ میں حضرت علی کی طرف رجوع کریں چنانچہ اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں ایسے ہی مواقع پر آپ کی زبان سے یہ فقرہ نکلا کرتا تھا جو زبان زد خلائق ہے "لولا علی لھلک عمر" اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔ اور "اعوذ باللہ من معضلۃ لیس لھا ابوالحسن" خدا سے پناہ مانگتا ہوں اس مشکل سے جس کے لئے ابوالحسن (علی) نہ ہوں۔ (ملاحظہ ہو تاویل مختلف الحدیث ابن قتیبہ دینوری ص۲۰۱ طبع مصر استیعاب ج ۲ ص۴۷۴ طبع حیدر آباد، اسد الغابہ جزری ج ۴ ص۲۲ طبع مصر، تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی ج ۷ ص۳۳۷ طبع حیدر آباد۔ مطالب السئول ص۱۳ شرح مواقف ص۶۳۶ طبع لکھنؤ۔ صواعق محرقہ ص۷۸ طبع مصر تاریخ الخلفاء سیوطی ص۶۶ طبع مصر ازالۃ الخفاء ص۲۶۸ وغیرہ)

مثل مشہور ہے کہ "الناس علی دین ملوکھم" بادشاہ وقت میں جتنا علمی ذوق اعلیٰ پایہ کا ہوگا۔ اتنا وہ علوم و فنون کی طرف زیادہ متوجہ ہوگا۔ لیکن دوسری صورت میں اس کے برعکس صورت پیدا ہوتا یقینی ہے۔ یہ تاریخ کی مسلم حقیقت ہے کہ حضرت عمر کے دور میں مسلمانوں کی علمی ترقی میں بہت

بڑی رکاوٹ پیدا ہوئی چنانچہ آپ نے اپنے زمانہ میں احادیث کی روایت سے ممانعت کر دی تھی اور بہت سختی کرتے تھے۔ چنانچہ اس مصیبت سے جناب ابو ہریرہ کو بھی دوچار ہونا پڑا (شرح نہج البلاغہ حدیدی ج ۲ ص ۱۳۱)

مسلم نے اپنی کتاب (صحیح مسلم) کے مقدمہ میں اس حقیقت کا اعتراف کیا "اختلفوا فی کتابۃ الحدیث فکرھہ جماعۃ منھم عمر بن الخطاب: احادیث کے قلمبند کرنے کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک جماعت نے اس کو ناپسند کیا جن میں حضرت عمر ہیں"

اور عقائدی معاملہ میں جو شبہات پیدا ہوتے تھے۔ ان کا حل علمی دلائل کے بجائے آپ کی جانب سے بزور تازیانہ کیا جاتا تھا[1] امام غزالی کی احیاء العلوم میں اس کی کافی تفصیل موجود ہے اہل انصاف فرمائیں وہ علم کس حد تک روشن کیے جانے کے قابل ہے جس میں معارف و حقائق کا چہرہ بہ وفلسفۂ الٰہیات اور علم کلام کے مسائل گوشۂ گمنامی میں پڑے رہ جائیں۔ تصنیف و تالیف کا دروازہ بند ہو۔ روایت احادیث پر پابندیاں ہوں!؟

باقی رہے حضرت عثمان۔ ان کی علمی حالت عیاں راچہ بیاں کی مصداق ہے۔ آپ کو تو اس مسئلہ کا بھی علم نہیں تھا کہ زوجہ کو اپنے شوہر کی وفات کے بعد اس مکان میں رہنا چاہیے جہاں اس نے چھوڑا تھا یہاں تک فریعہ بنت مالک (ابو سعید خدری) کی بہن نے آپ کو اس مسئلہ سے آگاہ کیا تھا! (رسائل علامہ ابن تیمیہ ص ۶۱ طبع مصر)

اصحاب ثلاثہ میں عصمت و عدالت کا فقدان

جہاں تک ان حضرات میں عصمت کے فقدان کا تعلق ہے وہ عیاں راچہ بیاں کی مصداق ہے کیونکہ کوئی مسلمان ان کی عصمت کا مدعی ہی نہیں۔ تا بقدر چہ رسد بلکہ یہ حقیقت ہے کہ وہاں عدالت بھی مفقود ہے۔ اگرچہ عام مسلمان تو بموجب "الصحابۃ کلھم عدول" ان کو عادل مانیں گے۔ مگر تحقیق کی کسوٹی پر ان کی عدالت پوری نہیں اترتی۔۔۔اگر

---

[1] کسی نے آپ سے قرآن کی کسی متشابہ آیت کے معنی دریافت کئے۔ آپ نے کوڑے لگائے اتنے کہ وہ زخمی ہوگیا۔ اور سر سے خون جاری ہوگیا (تفسیر اتقان سیوطی ص ۲۸۶ طبع دہلی) اس صورت حال میں کیا کسی مسلمان کو جرأت ہو سکتی تھی کہ وہ کسی علمی بات کا تذکرہ زبان پر لائے!؟ کیا اس طرح عقول و افکار کو زنگ آلود نہیں بنایا گیا۔ کیا خلیفۂ رسول کو یہی علمی فریضہ انجام دینا چاہیے؟! (منہ عفی عنہ)

عدالت کو عام معنی میں لیا جائے جسے کہتے ہیں کبائر سے اجتناب اور صغائر پر عدم اصرار تو قرآن و حدیث اور تاریخ "فرار عن الزحف" ہی کا وہ مرقع پیش کر دے گی جس کے سامنے دعوائے عدالت سرنگوں ہو جائے اور رسول اللہ کی زندگی کے بالکل آخری حصہ میں جیش اسامہ سے تخلف کا نقشہ سامنے آ جائے گا جس کی معافی کی سند بھی ڈھونڈنے سے دستیاب نہیں ہو سکتی لیکن جبکہ عدالت کو محدود معنوں میں مسلمانوں کے ساتھ انصاف اور اموال مسلمین منصفانہ رعایت کے ساتھ حفاظت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو "فدک" کا معاملہ سامنے آ جاتا ہے جس میں شیعہ تو شیعہ بہت سے محقق غیرہ علمائے اہل سنت بھی انگشت بدنداں نظر آتے ہیں۔ پھر حضرت عثمان کے زمانہ میں تو تقسیم اموال کی جو صورت ہوئی وہ ایسی ہے کہ تمام صحابہ فریادی نظر آتے ہیں یہ واقعات تاریخ اسلام میں تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔ طول کے اندیشہ سے ان کا تذکرہ یہاں ترک کیا جاتا ہے۔

اصحاب ثلاثہ میں شجاعت کا فقدان

یہ انتہائی مایوسی کی جگہ ہے۔ پورے اسلامی غزوات کی تاریخ میں نہ کوئی ان حضرات کے ہاتھ کا کشتہ نظر آتا ہے اور نہ یہ حضرات کسی سے کوئی زخم کھاتے نظر آتے ہیں جس جنگ میں بھی شامل ہوئے راہ فرار میں سلامتی دیکھی یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کبھی ان کو کوئی ذمہ دارانہ منصب سپرد نہیں کیا بلکہ ہمیشہ دوسروں کے ماتحت رکھا صرف جنگ خیبر میں شیخین کو پرچم اسلام سپرد کیا گیا مگر ناکام واپس آئے (تاریخ خمیس ج ۲ صفحہ ۵۳ سیرت ابن ہشام ج ۲ صفحہ ۱۲۲ برحاشیہ روض الانف) اور میدان جنگ سے واپس بھی اس طرح آئے کہ ساتھ والے ان پر بزدلی کا الزام لگاتے تھے اور آپ ساتھیوں پر۔ (تاریخ طبری ج ۳ صفحہ ۹۳) اسی طرح کسی اور اسلامی جنگ میں ان کا کوئی کارنامہ نظر نہیں آتا۔ اسلام کی سب سے پہلی لڑائی جس کا نام جنگ بدر ہے حضرت ابوبکر نے اس لڑائی میں کوئی عملی حصہ نہیں لیا، بلکہ وہیں عریش پر بیٹھے رہے (ملاحظہ تاریخ طبری ج ۱ صفحہ ۲۹ ابو الفداء ج ۱ صفحہ ۱۲۵ تاریخ خمیس ج ۱ صفحہ ۴۵۰ طبقات ابن سعد ج ۲ صفحہ ۱)

اور حضرت عثمان اس جنگ میں شامل ہی نہیں ہوئے۔ (طبری ج ۲ صفحہ ۲۹۲ ابو الفداء ج ۱ صفحہ ۱۲۸ طبقات ابن سعد ج ۲ صفحہ ۶) سنہ ۳ھ میں جنگ احد ہوئی یہ وہ عظمت و فیصلہ کن جنگ تھی، جسے قدرت کو مسلمانوں کے عزم و ثبات کی کسوٹی بنانا مقصود تھا۔ جب مسلمان بہ ہزیمت اور رو بہ

رسول اللہ ما تنہا گذاشتند" تو ایسی جگہوں میں اصحاب ثلاثہ کے نام بھی نمایاں نظر آتے ہیں۔

(فرار ابوبکر۔ تاریخ خمیس ج ۱ صفحہ ۲۸۹۔ فرار عمر۔ تفسیر جامع البیان ابن جریر ج ۴ صفحہ ۹۵ و تفسیر کبیر ج ۳ صفحہ ۴۹۔ فرار عثمان تاریخ طبری ج ۳ صفحہ ۱۲۶ استیعاب ج ۲ صفحہ ۱۷۰ تفسیر جامع البیان ج ۴ صفحہ ۹۶)

سنہ ۵ھ میں جنگ خندق واقع ہوئی۔ جب عمرو بن عبدود نے جوش و خروش کے ساتھ مبارز طلبی کی تو تاریخ کا بیان ہے "الاصحاب ساکتون کانما علی رؤسہم الطیر" اصحاب اس طرح خاموش تھے کہ گویا ان کے سروں پر طائر بیٹھا ہوا ہے؟

اور سنہ ۷ھ میں جنگ خیبر واقع ہوئی۔ اس جنگ میں ان حضرات نے اسلام کی جو خدمت انجام دی۔ اس کا تذکرہ ابھی اوپر کیا جا چکا ہے۔

سنہ ۸ھ کے اواخر میں حنین کی جنگ ہوئی۔ یہ رسول اللہ کی آخری لڑائی تھی اس میں بھی حضرات نے راہ فرار اختیار کی۔ "صحیح بخاری میں ابو قتادہ کی روایت ہے "تمام مسلمانوں نے راہ فرار اختیار کی اور میں بھی ان کے ساتھ بھاگا۔ ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ سب کے ساتھ حضرت عمر بھی ہیں میں نے کہا یہ کیا ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ کیا بتاؤں خدا کی مرضی! پھر اس کے بعد رفتہ رفتہ لوگ رسالتمآب کے پاس واپس آ گئے" (بخاری ج ۵ صفحہ ۲۰)

نوٹ:۔ ان اسلامی غزوات میں حضرت امیر المومنین علی بن ابیطالب نے کیا کیا نمایاں کارنامے انجام دیئے ان کی تفصیلات ہماری کتاب تجلیات صداقت میں اور اجمالی بیان اسی کتاب کے چھٹے باب میں ملاحظہ ہو)

اور اپنی خلافتوں کے زمانہ میں ان حضرات نے کبھی اس طرح کا موقع آنے ہی نہیں دیا کہ خود میدان جنگ میں جاتے۔ کیونکہ ہمیشہ دوسرے سپہ سالاروں کو لڑنے کے لئے بھیجا اور خود مرکز خلافت سے قدم نہیں ہٹایا۔ (ماخوذ از خلافت و امامت بادنیٰ تفاوت)

اصحاب ثلاثہ میں ہاشمیت کا فقدان

اور جہاں تک اصحاب ثلاثہ کا بنی ہاشم سے نہ ہونے کا تعلق ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ حضرت ابوبکر بنی تیم حضرت عمر بنی عدی اور حضرت عثمان بنی اُمیہ کے چشم و چراغ ہیں کما لایخفیٰ

اصحاب ثلاثہ میں افضلیت کا فقدان

باقی رہا ان حضرات میں افضلیت کا فقدان تو وہ بھی بالکل واضح و عیاں ہے ہم دوسرے باب میں محقق و مبرہن کر چکے ہیں۔ (مزید تبصرہ چوتھے باب میں کیا جائے گا) کہ افضلیت کا معیار علم و

طاقت کی برتری ہے جس کا علم اور جسمانی طاقت سب سے زیادہ ہوگی وہی افضل الناس ہوگا اور یہی سطور بالا میں واضح کیا جا چکا ہے کہ علم و طاقت میں ان حضرات کا حصہ نہ ہونے کے برابر ہے لہٰذا ان کی فضیلت کی اساس ہی نادرد ہوگی والحمد للہ

اصحاب ثلاثہ میں نص کا فقدان

اور جہاں تک اس سلسلہ کی آخری شرط یعنی نص کے فقدان کا تعلق ہے وہ روز روشن سے بھی واضح و آشکار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود اہل سنت بھی اس کا ادعا نہیں کرتے بلکہ وہ اجماع اور شوریٰ کا سہارا لیتے ہیں۔ پس ان حقائق کی روشنی میں ثابت ہو گیا کہ جب ان حضرات میں خلافت و امامت کے سنہ شرائط موجود نہیں ہیں تو ان کی خلافت عقلی و شرعی نقطہ نظر سے غلط محض اور باطل ہے وہو المقصود۔

اب ہم ذیل میں ان کے اجماع و شوریٰ کے سہارے کا ابطال پیش کرتے ہیں اور واضح کرتے ہیں کہ یہ سہارا بیت عنکبوت سے بھی زیادہ بودا اور کمزور ہے اور الگ الگ ہر سہ خلافتوں کے انعقاد کی کیفیت اور اس کے بطلان کو واضح و عیاں کیا جاتا ہے

خلافت اول کے انعقاد کی کیفیت اور اس کا بطلان

برادران اسلام کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت امت مرحومہ کے اجماع سے عمل میں آئی ہے۔ قطع نظر اجماع کی صحت و عدم صحت کے یہ حضرات جس اجماع کا دعویٰ کرتے ہیں وہ سرے سے متحقق ہی نہیں ہوا اور نہ ہی ہو سکتا ہے

اجماع میں اجماع الکل شرط ہے

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ان حضرات کے ہاں ایک حدیث نبوی مشہور ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا لا تجتمع امتی علی ضلالۃ کہ میری امت کبھی ضلالت و گمراہی پر مجتمع نہ ہوگی۔ اس کا مطلب ان کے علماء اعلام نے یہ لکھا ہے کہ تمام امت مرحومہ باطل پر اجماع نہیں کر سکتی۔ لیکن اگر امت میں سے ایک آدمی بھی مخالف ہو تو یہ اجماع متحقق نہیں ہوتا جیسا کہ کتاب مواقف مطبوعہ نولکشور ص[illegible] پر لکھا ہے۔

* ان شرط اجماع الکل وخرق الواحد مانع من انعقاد الاکثر یعنی فی جمیع انعقاد الاجماع لو خالف واحد کان مخالفہ معتبراً لا ینعقد الاجماع لان لفظ الامۃ فی قولہ علیہ السلام لا تجتمع امتی علی الضلالۃ یتناول الکل فیحتمل ان یکون الصواب مع المخالف *

یہ یع لاحد رحمہ اللہ تعالیٰ: (الی ان قال) ان بنی ہاشم اجتمعت عند بیعۃ الانصار الی علی ابن ابی طالب ومعہم الزبیر بن العوام رضی اللہ عنہ۔

حضرت سعد ابن عبادہ رئیس انصار نے بھی بیعت ابوبکر سے تخلف اختیار کیا۔ سعد نہ ان کے ساتھ نماز پڑھتے تھے نہ ان کے جمعہ میں شریک ہوتے تھے۔ اور نہ ان کے ساتھ حج کرتے تھے۔ اگر وہ (منتخب خلیفہ) کے خلاف مددگار پاتے تو یقیناً ان پر دھاوا بول دیتے اگر کوئی آدمی ان کے ساتھ جنگ کرنے پر سعد کی بیعت کر لیتا تو یقیناً ان کے ساتھ جنگ کرتے سعد اسی طرز عمل پر قائم رہے یہاں تک کہ ابوبکر وفات پا گئے۔ پھر عمر ابن الخطاب حاکم مقرر ہوئے۔ اس وقت یہ بزرگوار شام کی طرف چلے گئے۔ اور وہیں ان کا انتقال ہوا لیکن انہوں نے کسی خلیفہ کی بیعت نہیں کی ان پر خدا کی رحمت ہو۔ اور انصار کی بیعت کے وقت بنی ہاشم حضرت علی ابن ابی طالب (علیہ السلام) کے پاس جمع تھے ان کے ساتھ زبیر بن عوام بھی تھے۔ کذا فی بقیۃ الجزء الثالث فی من تاریخ ابن خلدون صفحہ ۹۲ طبع قدیم مصری

اگر جناب سعدؓ ابوبکر صاحب کی بیعت نہ کرنے اور ان کو واجب القتل جاننے کے باوجود بھی رحمت الٰہیہ کے مستحق ہیں تو بے چارے شیعوں نے کون سا جرم کیا ہے جس کی وجہ سے اہل سنت ان سے برادران یوسفؑ والا سلوک کرتے ہیں؟ اگر کوئی اور مخالف نہ بھی ہوتا تو تنہا سعدؓ کی مخالفت اجماع کے ثابت نہ ہونے کے لئے کافی دلیل تھی چہ جائیکہ سعد سے زیادہ جلیل القدر ہستیاں یہاں مخالف نظر آتی ہیں چنانچہ حضرت علی علیہ السلام اور زبیر بن العوام اور ان کے ساتھیوں کے تخلف کا تذکرہ خود حضرت عمر کی زبانی بخاری شریف میں موجود ہے

حضرت عمر نے سقیفائی حالات و کوائف کی کارروائی نقل کرتے وقت کہا کرتے تھے۔ وخالف عنا علیؓ والزبیر ومن معہما: کہ علی، زبیر اور ان کے ساتھیوں نے تخلف کیا۔ یعنی سقیفائی کارروائی میں شریک نہ ہوئے۔ (بخاری جلد ۴ صفحہ ۱۱۹ کتاب الحدود وکنز العمال ج ۳ صفحہ ۱۳۹) اسی طرح ازالۃ الخفاء ج ۲ صفحہ ۲۴۱ پر ہے۔ علی و زبیر خارج از بیعت شدند اخرجہ الحاکم؟

جس اجماع میں حضرت علیؑ شامل نہ ہوں اس پر لعنت ہے!

معلوم ہوا کہ حضرت علیؑ بھی اس اجماع میں شریک نہ تھے۔ اور جس اجماع میں حضرت علیؑ شریک نہ ہوں اس کے متعلق اہل سنت کے بہت بڑے عالم جلیل ابن حزم ظاہری کا فتویٰ بھی سن لیجئے وہ اپنی کتاب محلّٰی کے صفحہ پنجم ہفتم

الاجماع من جميع اهل الحل والعقد اذ لم يقم عليه اى على هذا الافتقار دليل من العقل والسمع بل الواحد والاثنان من اهل الحل والعقد كاف فى ثبوت الامامة ووجوب الاتباع للامام على اهل الاسلام وذلك لعلمنا ان الصحابة مع صلابتهم فى الدين اكتفوا فى عقد الامامة بذلك من العقد والاثنين كعقد عمر لابى بكر وعقد عبد الرحمن بن عوف لعثمان فلم يشترطوا فى عقدها اجتماع من فى المدينة من اهل الحل والعقد فضلاً من اجماع الامة من علماء امصار الاسلام ومجتهدى جميع اقطارها ولم ينكر عليه احد" انتہی۔

یعنی جب ثابت ہو گیا کہ امامت اختیار وبیعت سے حاصل ہو جاتی ہے تو جاننا چاہئے کہ یہ حصول، تمام اہل حل وعقد کے اجماع کا محتاج نہیں کیونکہ اس امر پر کوئی عقلی وسمعی دلیل قائم نہیں ہو سکی بلکہ اہل حل وعقد میں سے صرف ایک یا دو آدمیوں کا بیعت کر لینا ثبوت امامت اور تمام مسلمانوں پر اس امام کے وجوب اتباع کے لئے کافی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ ہمیں علم ہے کہ صحابہ نے باوجود دین میں متصلب ہونے کے امامت میں اسی طریق کار پر اکتفا کی ہے جیسے عمر نے ابوبکر اور عبدالرحمٰن ابن عوف نے عثمان کے لئے عقد بیعت کیا اور انہوں (صحابہ) نے اس عقد بیعت میں مدینہ کے تمام اہل حل وعقد تک کے اجتماع کی شرط نہیں لگائی چہ جائیکہ تمام اُمت کا اجماع یعنی تمام شہروں کے علماء اور تمام اقطار واطراف کے مجتہدین کے اجماع کی شرط لگائی جائے۔ اور ان کے اس خیال کو کسی نے ناپسند نہیں کیا۔

کجا آں شورا شوری اور کجا ایں بے نمکی

شرح مواقف کے اس بیان اور دیگر بیسیوں شواہد ودلائل سے واضح ہو گیا کہ حضرت ابوبکر کی بیعت نہ تمام امت کے اجماع سے واقع ہوئی اور نہ ہی تمام اہل حل وعقد کے اتفاق رائے سے عمل میں آئی بلکہ فقط حضرت عمر اور ان کے بعد ان کی دھینگا مشتی سے مدینہ میں سے چند لوگوں کی بیعت سے واقع ہوئی۔

سقیفائی کارروائی کا اجمالی خاکہ | تمام بنو ہاشم، نیز بہت سے اکثر مہاجرین تو سقیفہ میں حاضر ہی نہیں ہوئے اور جو موجود تھے وہاں مہاجرین وانصار سے ہر ایک فریق نے مادۂ خلافت کی مہار اپنی طرف کھینچنے کی انتہائی کوشش کی طرفین سے زوردار تقریریں کیں، اپنا اپنا استحقاق ظاہر کیا ایک دوسرے پر لوگ جھونک جنگ کی دھمکیاں بھی دیں

جب دیکھا کہ ایک فریق پر سب کا اتفاق نہیں ہوتا تو منا امیر و منکم امیر (ایک امیر ہم سے اور ایک تم سے)، کا نعرہ بلند کیا گیا۔ اس نازک صورت حال میں قریب تھا کہ سعد بن عبادہ (رئیس الانصار) کی بیعت ہو جاتی۔ مگر عرب کے مشہور جذبۂ حسد نے ابوبکر کے لیے زمین ہموار کر دی۔ ہوا یوں کہ جب بشیر بن سعد انصاری نے (جو ایک قبیلہ کا سردار تھا) نے دیکھا کہ انصار سعد کی بیعت کرنا چاہتے ہیں بشیر کی سعد سے رنجش تھی لہٰذا حسد دامنگیر ہوا کہ کہیں سعد خلیفہ نہ بن جائے۔ اس نے مہاجرین کی ہمنوائی کرتے ہوئے انصار کو بیعت ابوبکر پر آمادہ کیا۔ عمر صاحب نے موقع کی نزاکت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ابوبکر سے کہا کہ ہاتھ بڑھاؤ پھر جھٹ سے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس پر ایسی دھینگا مشتی ہوئی کہ اگرچہ بعض صحابۂ کرام کی پسلیاں ٹوٹ گئیں اور "قتلوا سعدا قتل اللہ سعد" کی آوازیں بلند ہوئیں (ذکر عمر ابن خطاب سیرت حلبیہ ج ۳ صفحہ ۳۹۱)۔ اور بعض صحابہ نے سقیفہ کے منتظم اعلیٰ کی ریش مبارک کو پکڑ کر جھنجھوڑا۔ (سیرت حلبیہ ج ۳ صفحہ ۳۹۶ طبع مصر) ان ہنگاموں، سیاسی کلابازیوں سے تخت حکومت پر ابوبکر صاحب کو بٹھا دیا گیا۔ تفصیل واقعات دیکھنے کے شائقین درج ذیل کتابوں کی طرف رجوع کریں۔
امامت و سیاست دینوری ج ۱ ص ۵ سے صفحہ ۱۰ تک۔ تاریخ ابن خلدون جلد ۲ ص ۴۲ تاریخ ابو الفداء ج ۱ ص ۱۵۶ بخاری باب فضائل اصحاب النبی تاریخ الطبری ج ۳ از ص ۱۹۹ تا ص ۲۱۲ و از ص ۲۰۷ تا ص ۲۱۱ وغیرہ

بیعت ابوبکر فلتۃ تھی

یہی وجہ ہے کہ خود حضرت عمر کہا کرتے تھے کہ "کانت بیعۃ ابی بکر فلتۃ وقی اللہ شرھا فمن عاد الی مثلھا فاقتلوہ"
بیعت ابوبکر ایک ناگہانی بیعت تھی (جو بغیر مشورہ اور غور و فکر کے عمل میں آئی تھی، اس لیے ایسی صورت میں فتنہ و فساد کا بڑا خوف تھا) لیکن خدا نے اس کے شر سے بچا لیا۔ (ملاحظہ ہو بخاری جلد ۴ صفحہ ۱۱۹ ذکر دخول صفحہ ۶۸ طبع بمبئی)

باقی رہا صاحب شرح مواقف کا یہ کہنا کہ اس اصول جانشینی کو سب صحابہ نے قبول کر لیا، اور کسی نے ناپسند نہیں کیا یہ حقائق و واقعات سے جہالت یا تجاہل عارفانہ ہے ورنہ ارباب اطلاع بخوبی جانتے ہیں کہ بہت سے جلیل القدر صحابہ نے نہ صرف اس کارروائی کو ناپسند کیا بلکہ منتخب خلیفہ سے محاسبہ کیا۔ آئندہ اس کے متعلق مفصل بیان آئے گا۔ انشاء اللہ

اجماع شرعاً حجت نہیں ہے

اب تک کے کلام کا منشا اجماع کے عدم تحقق کی طرف تھا بحمدہ تعالیٰ ناظرین کرام پر بخوبی واضح ہو گیا کہ ان حضرات نے خلافت ابوبکر میں اجماع کا دعویٰ کیا تھا وہ ہرگز واقع نہیں ہوا اب ہم بنا بر تنزل کہتے ہیں کہ اگر بالفرض محال ثبوت اجماع تسلیم بھی کر لیا جائے تاہم اس سے ان حضرات کی مقصد برآری نہیں ہو سکتی کیونکہ محققین علماء اہلسنت نے اجماع کے حجت شرعیہ ہونے کا انکار کیا ہے چنانچہ امام شوکانی نیل الاوطار ج ا ص۱۱ پر رقمطراز ہیں: "ولا یخفی علی المنصف ما فی حجیۃ الاجماع من النزاع والاشکالات التی لا مخلص عنہا" اجماع کی حجیت میں جو نزاع ہے اور اس پر جو ناقابل جواب اشکالات وارد ہوتے ہیں وہ کسی اہل انصاف پر مخفی نہیں ہیں۔ نیز اسی کتاب کے حاشیہ پر لکھتے ہیں کہ "لا یخفی علی المنصف ما ورد علی اجماع الامۃ من الایرادات التی لا یکاد ینہض معہ للحجۃ بعد تسلیم امکانہ ووقوعہ" یعنی منصف مزاج آدمی پر مخفی نہیں کہ جو اعتراضات اجماع امت پر وارد کئے گئے ہیں۔ ان کے ہوتے ہوئے اجماع حجت قرار نہیں پا سکتا اگرچہ اس کا امکان و وقوع تسلیم بھی کر لیا جائے: نواب صدیق حسن خان اپنی کتاب منہج الوصول الی اصطلاح احادیث الرسول ص۱۲ مطبوعہ شاہجہانی پر رقمطراز ہیں۔ (علی ما نقلہ فی ذیل النبع ۳) "خود حجیت اجماع باوجود آں در احکام خیلے عسیر است وہنا امام احمد بن حنبل انکار وجودش کردہ و جمعے از محققین قائل بہ حجیت آں نشدہ وہو الحق والبحث فی ذلک یطول ولیس ہذا موضعہ وانما موضعہ علم اصول" (معناً) انتہی خلاصہ مطلب یہ کہ "اجماع کا وجود بہت مشکل ہے۔ اسی لئے امام احمد نے اس کے وجود کا انکار کر دیا اور علماء محققین کی ایک جماعت اجماع کو دلیل شرعی نہیں سمجھتی۔ مؤلف فرماتے ہیں کہ حق بھی یہی ہے کہ اجماع حجت نہیں اور اس مسئلہ کی تنقیح کا مقام اصول فقہ ہے: ہمارے ان بیانات شافیہ اور تحقیقات کافیہ سے محقق و مبین ہو گیا کہ خلافت ابوبکر پر ہرگز تمام امت بلکہ تمام اہل حل و عقد بلکہ تمام اہل مدینہ کا بھی اجماع و اتفاق واقع نہیں ہوا۔ اور بالفرض تسلیم علماء اہل سنت کی تحقیق کی بنا پر اجماع حجت شرعیہ نہیں ہے لہٰذا اس سے کوئی شرعی مسئلہ بھی ثابت نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ اس سے بلا فصل ایسا اصولی مسئلہ ثابت کیا جائے؟! ودون اثباتہ خرط القتاد۔

ایک توہم فاسد کا ازالہ

اگر اس مقام پر کوئی شخص یہ توہم کرے کہ مذہب شیعہ میں تو اجماع کو حجت شرعیہ سمجھا جاتا ہے لہٰذا شیعہ کیونکر اس کی حجیت پر استدلال کر سکتے ہیں؟ اس کے متعلق گزارش ہے کہ یہ توہم چند وجوہ فاسد ہے۔

اوّلاً:- تمام علماء شیعہ کا اس کی حجیت پر اتفاق نہیں ہے کیونکہ اس مسئلہ میں حضرات محدثین و اصولیین کا اختلاف ارباب بصیرت پر مخفی نہیں۔ تمام محدثین اور بعض اصولیین اس کی حجیت کے قائل نہیں بنا بریں اس کی حجیت کو مذہب شیعہ کی طرف منسوب کرنا بہتان عظیم ہے لہٰذا برادران اسلام کا اس سے خلافت ابوبکر پر استدلال کرنا ان کی ہٹ دھرمی اور سینہ زوری یا بے حد سادگی و کمزوری کی بیّن دلیل ہے ورنہ کوئی صاحب عقل و انصاف خلافت ایسے اہم مسئلہ کے اثبات میں ایسی کمزور دلیل کے ساتھ استدلال نہیں کر سکتا۔

ثانیاً:- ہمارے جو علمائے کرام اس کی حجیت کے قائل ہیں وہ بھی اس کو اس لحاظ سے حجت سمجھتے ہیں کہ قول امام اجماع کنندگان کے اقوال کے اندر داخل ہوتا ہے لہٰذا درحقیقت اس کی حجیت کا دارو مدار قول معصوم پر ہے ہم اس موضوع پر اپنی بعض دوسری کتابوں میں کافی روشنی ڈال چکے ہیں یہاں فقط ایک عالم جلیل کی فرمائش نقل کی جاتی ہے جناب محقق حلّی اپنی کتاب "معتبر" کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"اما الاجماع فعندنا هو حجة بانضمام المعصوم فلو خلا المأة من فقهائنا من قوله ما كان حجة ولو حصل في اثنين كان قولهما حجة لا باعتبار اتفاقهما بل باعتبار قوله" یعنی اجماع ہمارے نزدیک ارشاد امام کے شامل ہونے کی وجہ سے حجت ہے لہٰذا اگر ہمارے ایک سو عالم کسی مسئلہ پر متفق ہو جائیں لیکن قول معصوم ان کے ساتھ نہ ہو تو وہ حجت نہ ہوگا۔ اور صرف دو آدمیوں میں قول امام شامل ہو تو ان کا قول حجت ہوگا ان کے اتفاق کی وجہ سے نہیں بلکہ قول امام کے سبب سے۔ معلوم ہوا کہ علمائے شیعہ کے اجماع کو حجت سمجھنے کی وجہ امام ہی کا قول ہے ظاہر ہے کہ امام کے ارشاد کی حجیت میں کسی مسلمان کو شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔ بنا بریں اجماع فی نفسہ حجت نہیں ہے بلکہ اصل حجت شرعیہ یعنی قول معصوم کے معلوم کرنے کا ایک طریق ہے۔

ثالثاً:- جس اجماع کی حجیت میں اشکال ہے وہ عام امت کا اجماع ہے ورنہ اہل بیت رسالت کے اجماع کی حجیت پر تو فریقین کے علماء محققین کا اتفاق ہے۔ بعض علماء نے

اہلِ سنت نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ اجماع عترتِ رسول ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ چنانچہ کتاب نور الانوار (حقیقی اصولِ فقہ) صفحہ ۲۲ مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ پر لکھا ہے۔

"قال بعضھم لا اجماع الّا لعترتہ صلعم ای نسلہ و اھل قرابتہ لانہ علیہ السلام قال انی ترکت فیکم ما ان تمسکتم بھما لن تضلّوا کتاب اللّٰہ و عترتی الخ"

یعنی بعض علماء نے کہا ہے کہ کوئی اجماع حجت نہیں ہے۔ سوائے عترتِ رسول کے اجماع کے کیونکہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے انی ترکت الخ میں تم میں دو ایسی چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر ان سے متمسک رہے تو ہرگز میرے بعد گمراہ نہ ہوگے ایک قرآن اور دوسری میری عترتؑ اہلِ بیتؑ؛

سابقاً ثابت کیا جا چکا ہے کہ سردار اہلِ بیتؑ حضرت امیر المومنین علیہ السلام اور اسی طرح دیگر آئمہ معصومین علیہم الصلوٰۃ والسلام اس اجماع میں شریک نہ تھے۔ بلکہ انہوں نے اس کی مخالفت فرمائی۔ حضرت امیر المومنینؑ ابوبکر کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

ان کنت بالشوریٰ ملکت امورھم
فکیف بھذا و المشیرون غیب

اے ابوبکر۔ اگر تم شوریٰ و اجماع سے خلیفہ بن بیٹھے ہو تو کیا حاصل؛ حقیقی مشیر (اہلِ بیت رسولؐ) تو غائب تھے۔ (پھر اجماع و شوریٰ کیسے متحقق ہو گیا!) (نہج البلاغہ ج ۲ صفحہ ۱۵۱ طبع مصر)

(بالفاظ) جو علمائے شیعہ اجماع کی حجیت کے قائل ہیں وہ بھی اسے فروعِ دین میں حجت سمجھتے ہیں نہ کہ اصول و عقائد میں اور ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ امامت اصولِ مذہب سے ہے پس جس طرح نبوت اجماع سے درست نہیں ہو سکتی اسی طرح امامت بھی اس سے ثابت نہیں ہو سکتی بلکہ یہ اشکال حضرات اہلِ سُنّت پر بھی وارد ہے کیونکہ جب سابقاً علمائے فریقین کی تحقیق سے واضح ہو چکا ہے کہ امامت اہمیت میں ہم مرتبۂ نبوت ہے اور وہ اصول میں سے ہے تو کیا وجہ ہے کہ ایک میں تو اجماع درست ہے اور دوسری میں ناجائز۔ اگر جائز ہے تو دونوں میں جائز ہونا چاہیئے۔ اور اگر ناجائز ہے تو بھی دونوں میں ناجائز ہونا چاہیئے یہ تفریق یعنی چہ؟ بہر حال ہمارے اس بیان سے واضح

عیاں ہوگیا کہ جمہور اہل سنت کو بھی اجماع پتیاں کا نیا ہی مدار ق ہے جو صد نکل باطل ہے۔ والحمد للہ علی وضوح الحق و الحقیقہ

تذکرہ و تبصرہ

ان بیانات و تحقیقات سے واضح ہوگیا کہ خلافت ابوبکر پر ہرگز اجماع امت متحقق نہیں ہوا۔ وعویٰ اجماع محض ایک بے اصل بے حقیقت افسانہ ہے جو ہوا خواہان ارباب سقیفہ نے تراش رکھا ہے نیز ان بیانات سے علماء اہل سنت کی اس مسئلہ میں تلون بیانی کی کہانی بھی خود انہی کی زبانی واضح ہوگئی کہ کبھی کہتے ہیں کہ اجماع میں تمام افراد امت کا اجماع ضروری ہے کبھی تعداد ارباب بست و کشاد کے اتفاق پر اکتفا کرتے ہیں اور کبھی ارباب بست و کشاد میں سے بھی فقط ایک یا دو آدمیوں کی بیعت کو کافی بتلاتے ہیں ان پر شاعر کا یہ شعر پوری طرح صادق آتا ہے۔

کبھی جھکتا ہوں ساغر پر کبھی گرتا ہوں مینا پر
میری بے ہوشیوں سے ہوش ساقی کے بکھرتے ہیں

اور اگر ابھی تک کچھ کسر باقی تھی تو بعض علماء نے اجماع کو غیر حجت قرار دے کر نکال دی سچ ہے کہ الحق یجری علی اللسان لان الحق یعلو ولا یعلیٰ علیہ

حضرات کی پلٹ اور قلابازی

یہی وجہ ہے کہ جب بعض علمائے اہل سنت جیسے ابن حزم اور ابن حجر مکی نے یہ دیکھا کہ اس اجماع سے ان کا مطلب برآری نہیں ہوتی بلکہ اس سے تو ان کی سقیفائی خلافت کی اساس ہی منہدم ہوا چاہتی ہے تو کہہ دیا کہ حضرت ابوبکر کی خلافت اجماعی نہیں بلکہ نصی ہے اور پھر بموجب "الغریق یتشبث بکل حشیش" (ڈوبتے کو تنکے کا سہارا) ادھر ادھر ہاتھ پیر مار کر بزعم خود کچھ نصوص فراہم کر کے خلافت منصوصہ کا قصر تعمیر کرنے لگے جو کہ باد ہوا اور نقش بر آب سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا

پیشنمازی ابوبکر سے استدلال اور اس کا ابطال

چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت ابوبکر کی پیشنمازی کو بھی پیش کرتے ہیں کہ حضرت سرور کائنات نے اپنے آخری ایام حیات میں حضرت ابوبکر کو حکم دیا تھا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اور اس میں اشارہ تھا کہ یہی آپ کے جانشین ہیں (صواعق ابن حجر و فصل ابن حزم وغیرہ)

ان حضرات کا یہ استدلال بچند وجوہ درجۂ اعتبار سے ساقط ہے۔

اولاً:۔ قطع نظر اس روایت کی صحت و سقم کے اس پیشنمازی سے حضرت ابوبکر کی خلافت

پر استدلال کرنا خود اجماع اہل سنت کے خلاف ہے کیونکہ جمہور علمار اہل سُنّت کے نزدیک
ان کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حضرت ابوبکر کی خلافت اجماع سے منعقد ہوئی ہے نہ نص سے ان
کا خیال ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے کسی خلیفہ پر نص نہیں فرمائی چنانچہ شرح مواقف ص۷۳۲ پر ہے
"و اما النص فلم یوجد" بہرحال نص سو وہ کسی کے متعلق نہیں پائی گئی۔ حتیٰ کہ خود ابن حجرؒ
نے صواعق محرقہ ص۱۰ پر لکھا ہے: قال جمہور اہل السنۃ والخوارج والمعتزلۃ انہ لم
ینص علی احد" یعنی جمہور اہل سُنّت خوارج اور معتزلہ اس امر کے قائل ہیں کہ آنحضرتؐ نے
کسی پر نص نہیں فرمائی۔ چنانچہ نووی نے قائل بالنص کی رد کرتے ہوئے لکھا ہے: "فی
ھذا الحدیث دلیل علی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم ینص علی خلیفۃ وھو اجماع
اھل السنۃ وغیرھم" یعنی یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ آنحضرتؐ نے کسی خلیفہ پر
نص نہیں فرمائی اسی پر تمام اہل سُنّت وغیرہ کا اجماع ہے۔" بعد ازاں مدعیان نص کی رد میں
مزید لکھا ہے "ھذہ دعاوی باطلۃ وجسارۃ علی الافتراء" یہ دعوے باطل ہیں اور افترا پردازی
پر جسارت ہے۔" (نووی شرح مسلم ج۲ ص۷۱)

سے
خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

ثانیاً:- یہ روایت بنا بر اصول روایت و درایت موضوع و مجعول ہے۔ روایۃً اس طرح
کہ اس واقعہ کے متعلق جتنی روایات بیان کی جاتی ہیں باعتبار مطلب و معنی ان میں بہت اختلاف
و اضطراب ہے جو اصل واقعہ کے بے اصل ہونے پر دلالت کرتا ہے لہٰذا بقدر ضرورت اس اجمال
کی تفصیل یہ ہے کہ ابن ابی ملیکہ از عائشہ کی روایت میں یوں وارد ہے کہ جب بلالؓ نے اذان
کہی تو آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی علیہ السلام اور فضل ابن عباس کے
کاندھوں کا سہارا لے کر مسجد میں تشریف لے گئے جب ابوبکر نے یہ محسوس کیا کہ آپ
تشریف لے آئے ہیں تو چاہا کہ مصلّٰی سے ہٹ جائیں لیکن آپ نے ان کو وہیں کھڑا رہنے دیا
اور آپ ایک طرف بیٹھ گئے آپ نے تکبیر کہنا شروع کی اور لوگ ابوبکر کی تکبیر کے ساتھ
تکبیر کہہ رہے تھے۔" یہ روایت اس قدر مجمل ہے کہ پتہ نہیں چلتا کہ آیا آنحضرتؐ امام تھے اور ابوبکر
مکبر یا بالعکس جس کا اعتراف خود علمائے اہل سنت نے بھی کیا ہے جیسا کہ عنقریب بیان ہوگا
ابن ارقم از ابن عباس کی روایت میں یوں وارد ہے کہ آپ نے پہلے ابوبکر کو امامت نماز

کا حکم دیا لیکن بعد پر مشورہ عائشہ عمر کو اس پر مامور کیا لیکن بروقت خود تشریف لے گئے اور جا کر نماز پڑھائی اور تیسری از انس ابن مالک کی روایت اس طرح ہے کہ آپ نے فرمایا کہ بلال سے کہو کہ کسی شخص سے نماز پڑھانے کے لئے کہہ دے چنانچہ بلال نے ابوبکر سے کہا اور انہوں نے نماز پڑھائی الیٰ غیر ذلک من الاختلافات الفاحشہ بعض علماء اہل سنت نے بھی اس اختلاف شدید کو تسلیم کیا ہے اور بالآخر فیصلہ یہ صادر فرمایا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھائی۔ چنانچہ امام شوکانی اپنی کتاب نیل الاوطار ج ۳ صفحہ ۱۴۴ پر تحریر فرماتے ہیں۔

"وقد اختلف فی ذلک اختلافاً شدیداً کما قال الحافظ ففی روایۃ لابی داؤد ان رسول اللہ کان المقدم بین یدی ابی بکر وفی روایۃ لابن خزیمۃ فی صحیحہ عن عائشۃ انھا قالت من الناس من یقول کان ابوبکر المقدم بین یدی رسول اللہ ومنھم من یقول کان النبی المقدم الیٰ ان قال الحافظ تضافرت الروایات عن عائشۃ بالجزم بما یدل علی ان النبی کان ھو الامام فی تلک الصلوۃ الخ الیٰ ان قال والظاھر من روایۃ حدیث الباب المتفق علیھا ان النبی کان اماما وابوبکر کان مؤتماً به لان الاقتدار المذکور اخیراً وبه قال الاکثر ویؤید ذلک روایۃ مسلم الخ"

یعنی اس (پیش نمازی ابوبکر) میں بڑا اختلاف کیا گیا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ ابی داؤد کی روایت میں یہ ہے کہ رسول خدا ابوبکر سے آگے تھے یعنی آپ امام تھے۔ اور ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں جو روایت عائشہ سے نقل کی ہے اس میں یہ ہے کہ عائشہ کہتی تھیں کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ابوبکر رسول سے آگے تھے۔ اور کچھ کہتے ہیں کہ خود آنحضرت مقدم تھے۔ الخ۔ دکچھ سطور کے بعد حافظ موصوف نے لکھا ہے۔) کہ بکثرت ایسی روایات حضرت عائشہ سے مروی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جناب عائشہ کو (بعد میں) جزم و یقین ہو گیا تھا۔ کہ اس نماز میں رسول خدا ہی امام تھے۔ الخ (اور آخر میں نتیجۂ کلام یہ بیان کیا ہے۔) کہ اس باب کی روایات سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام اور ابوبکر ماموم تھے۔ اور اس کی تائید صحیح مسلم کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ الخ ----- اسی طرح نووی نے شرح مسلم ج ۱ صفحہ ۱۷۷ پر اسی قول کو تقویت پہنچائی ہے اس اختلاف کا ذکر کرنے کے بعد پیش نمازی ابوبکر کی رد کرتے ہوئے

لکھا ہے۔ ولکن الصواب ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان ھو الامام و قد ذکرہ مسلم بعد ھذا الباب صریحاً انتہیٰ۔ یعنی صحیح یہی ہے کہ جناب رسول خدا ہی امام تھے اور اس کا ذکر مسلم نے اس باب کے بعد صراحتاً کیا ہے۔

ایک تاویل علیل کا جواب

بے خبر و اطلاع حضرات، ان روایات مختلفہ کے درمیان یوں جمع کرتے ہیں کہ یہ واقعہ کئی بار پیش آیا، کبھی آنحضرتؐ امام ہوتے تھے اور کبھی ابوبکر۔ اس کے متعلق یہ گزارش ہے کہ یہ محض ان حضرات کی خوش فہمی ہے جو حدود ظنون و اوہام سے خارج نہیں ہے (وان الظن لا یغنی من الحق شیئاً) ورنہ کسی صحیح روایت میں تعدد واقعہ کا ذکر نہیں جتنا اختلاف ہے وہ سب ایک ہی نماز کے متعلق ہے بلکہ شوکانی، قسطلانی اور نووی کی مذکورہ بالا عبارات سے ظاہر ہے اگر اس تعدد واقعہ کی کوئی حقیقت و اصلیت ہوتی تو یہ حضرات اس کی نفی فرماتے یہ نہ کہتے کہ صحیح یہی ہے کہ رسول خدا ہی پیش نماز تھے۔ معلوم ہوا کہ تعدد واقعہ کا احتمال بالکل غلط ہے۔ من ادعی ذلک فعلیہ الدلیل ولکن لیس لہ الی یوم القیامۃ من سبیل۔ رہا اس واقعہ کا درایۃً بطلان تو اس کا بیان یہ ہے کہ تمام اہل سیر و تواریخ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حضرت ابوبکر لشکر اسامہ ابن زید میں داخل تھے چنانچہ فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۷ ص۹۹ مناقب زید بن حارث میں مرقوم ہے "کان فی الجیش الذی کان علیہم اسامۃ ابی بکر و عمر" یعنی جو لشکر آنحضرتؐ نے اسامہ کی ماتحتی میں تیار کیا تھا اس میں حضرت ابوبکر و عمر بھی داخل تھے۔ (نیز ملاحظہ ہو مدارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۵۲۱ طبع کانپور۔ شرح نہج البلاغہ حدیدی ج ۱ ص۵۳)

آنحضرتؐ بار بار انہیں جلدی روانہ ہونے کی تاکید فرما رہے تھے۔ یہاں تک فرما دیا تھا کہ "لعن اللہ من تخلف عن جیش اسامۃ" جو شخص لشکر اسامہ میں شامل نہ ہو گا اس پر خدا کی لعنت ہے۔ (ملاحظہ ہو ملل و نحل شہرستانی ج ۱ ص۲ طبع مصر و حجج الکرامہ۔ نواب صدیق حسن خان)

ان حالات میں یہ کیسے متصور ہو سکتا ہے کہ آپ نے ابوبکر کو مسجد نبوی میں نماز پڑھانے پر مامور کیا تھا، بعض علماء نے لکھا ہے کہ دو تین روز تک یہ سلسلہ جاری رہا، ظاہر ہے کہ اس امر کے لئے ضروری ہے کہ ابوبکر صاحب آپؐ کے پاس موجود ہوں اور حضور مسجد سے کوئی عقلی و شرعی مانع نہ ہو حالانکہ یہاں مانع شرعی لشکر اسامہ میں شمولیت کا حکم محکم موجود تھا یعنی اس صورت میں وہ کس طرح نماز پڑھا سکتے تھے؟ "ان ھذا الا تحکم صریح" جسے کوئی

عقلِ سلیم قبول نہیں کرتی۔

ثالثاً۔ علماء اہلِ سُنّت نے لکھا ہے کہ صحابہ کرام نے آپ کی نماز جنازہ فرداً فرداً پڑھی اور باجماعت اس لئے نہیں پڑھی کہ آنحضرتؐ حینِ حیات و بعد از ممات امام تھے۔ ان کے سامنے کوئی شخص امامت نہیں کرا سکتا۔ چنانچہ ماہوار رسالہ الفاروق ملتان اشین نمبر بابت ۱۵، ۱۰ اکتوبر و یکم نومبر ۱۹۵۸ء کے صفحہ ۲۵ پر مدیر محترم لکھتے ہیں۔

"جب نبی مدینہ کے مرافعن سے صحابہ کرام فارغ ہو گئے، نمازِ جنازہ کی جانب متوجہ ہوئے تمام مہاجرین اور انصار نے حضرت ابوبکر صدیق سے عرض کی کہ آپ اس نماز میں امامت کے فرائض انجام دیں مگر آپ نے فرمایا کہ آنحضورؐ زندگی میں امام تھے۔ اب موت کے بعد بھی وہی امام ہیں کسی دوسرے امام کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔"

اس سے پہلے یہی صاحب اسی رسالہ کے صفحہ ۲۲ پر لکھ چکے ہیں۔

"کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی مرضِ وفات میں ابوبکر کے پیچھے اقتدا کر کے تین دفعہ نماز پڑھی ہے اور اس بات کا انکار وہی شخص کرے گا جو علم روایت سے غافل ہو۔"

سچ ہے کہ دروغ گو را حافظہ نباشد۔ ایک طرف تو یہ کہہ رہے ہیں کہ جب آنحضرتؐ کی نمازِ جنازہ پڑھانے کے لئے ابوبکر سے کہا گیا تو انہوں نے یہ کہہ کر کہ آپ زندگی میں بھی امام تھے اور موت کے بعد بھی امام ہیں، امامت سے انکار کیا۔ اور دوسری طرف یہ کہہ رہے ہیں کہ آنحضرتؐ نے اپنے حینِ حیات میں تین دفعہ ابوبکر کے پیچھے اقتدا کر کے نماز پڑھی ہے۔ یہ ہے وہ کھلم کھلا تناقض و تباین، جس کا اقرار وہی شخص کر سکتا ہے کہ جو روایت و درایت کا جاہل ہونے کے ساتھ ساتھ عقل و فہم سے بھی بالکل عاری ہو۔ کما لا یخفیٰ۔

رابعاً۔ اب تک جو کچھ ہم نے لکھا ہے وہ محض اس واقعہ کے بے اصل و بے حقیقت ہونے کے متعلق تھا۔ جو بحمد اللہ بدایت و درایت کی رو سے واضح و لائح ہو گیا۔ اب ہم اس کی دلالت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر بفرضِ محال چند لمحوں کے لئے اس واقعہ کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے۔ جب بھی اس کو ان حضرات کے مقصد کے ساتھ کوئی ربط و تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ حضرات اہلِ سُنّت کا مسلّمہ اصول ہے بلکہ ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر صفحہ ۹۱ طبع دہلی سے میں اس امر کو علاماتِ اہلِ سُنّت میں سے قرار دیا ہے۔ "من علامات اهل السنة الصلوة خلف کل بر و فاجر" کہ ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔" تو ان

ہے اس اصول کی بنا پر کسی شخص کی پیش نمازی سے اس کی ہرگز کوئی فضیلت بھی ثابت نہیں ہوتی چہ جائیکہ اس سے اس کی خلافت و امامت ثابت کی جائے۔ "ان ھذا الا اختلاق"

خامساً۔ کتب سیر و تاریخ شاہد ہیں کہ آنحضرتؐ کا یہ دستور تھا کہ آپ جب کسی غزوہ پر تشریف لے جاتے تھے، تو مدینہ میں کسی نہ کسی شخص کو اپنا نائب بنا جاتے تھے۔ جو پیش نمازی وغیرہ کے فرائض انجام دیتا تھا۔ اسی طرح جب کسی جنگ میں آپ بنفس نفیس تشریف نہیں لے جاتے تھے، تو آپ کے حکم سے رئیس لشکر ہی امامت نماز کے فرائض انجام دیتا تھا۔ لہذا اگر آنحضرتؐ کا کسی شخص کو امامت نماز کا حکم دے دینا اس کی خلافت کی دلیل ہے تو یہ سب حضرات خلفاء رسول قرار پائیں گے۔ اگر یہ کہا جائے کہ جب تک خود آنحضرتؐ کسی کے پیچھے نماز نہ پڑھیں فقط دوسروں کو نماز پڑھانے کا حکم دینا دلیل خلافت نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کتب اہل سنت میں مذکور ہے کہ آنحضرتؐ نے عبدالرحمٰن ابن عوف اور عبداللہ ابن ام مکتوم کی اقتدا میں نماز پڑھی ہے (موطا امام مالک وغیرہ)

پس آنحضرتؐ کا کسی کے پیچھے نماز پڑھنا اس کی خلافت و امامت کی دلیل ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اہل سنت عبدالرحمٰن اور عبداللہ کو خلیفۂ رسول نہیں سمجھتے؟

سادساً۔ اگر اس واقعہ کی کوئی حقیقت ہوتی یا اس واقعہ کو مسئلہ خلافت سے کوئی ادنیٰ تعلق ہوتا تو سب سے پہلے خود خلیفہ صاحب۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں مہاجرین و انصار کے اختلاف کے وقت اس سے استدلال کرتے۔ لیکن کسی ضعیف سے ضعیف روایت میں بھی اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ ان کا اس واقعہ کے ساتھ تمسک نہ کرنا اس امر کی بین دلیل ہے کہ یہ ایک افسانہ ہے اور اس سے ان کی خلافت پر استدلال کرنا۔ "مدعی سست و گواہ چست" والا معاملہ ہے۔ ہمارے اس بیان بنیز البرہان سے روز روشن کی طرح واضح و عیاں ہو گیا کہ اس واقعہ سے حضرت ابوبکر کی خلافت پر استدلال کرنا حضرات مستدلین کی انتہائی علمی بے بضاعتی و کمزوری یا ظلم کشی اور حقائق سے چشم پوشی پر مبنی ہے ورنہ کوئی صاحب عقل سلیم و طبع مستقیم ایسی بودی دلیل سے استدلال نہیں کر سکتا۔ جس سے سوائے جگ ہنسائی اور رسوائی کے کچھ حاصل نہ ہو۔

واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

روایت اقتدوا بالذین بعدی الخ کے ساتھ تمسک کا جواب

جب یہ حضرات دیکھتے ہیں کہ پیش نما[ز]

والا حربہ بھی کارآمد نہیں ہوا تو ایک اور گھڑی ہوئی حدیث پیش کرتے ہیں جو ان کے ترکش دلائل کا آخری تیر ہے اور وہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا "اقتدوا باللذین من بعدی ابی بکر و عمر" میرے بعد دو شخصوں کی یعنی ابوبکر و عمر کی اقتدا کرنا۔ ان لوگوں کا اس بے سروپا روایت کے ساتھ استدلال کرنا بچند وجہ درست نہیں ہے۔

اوّلاً۔ یہ روایت پہلی روایت کی طرح بعض اہلسنّت کے متفردات میں سے ہے یعنی اسے صرف اہلسنّت نے نقل کیا ہے ظاہر ہے کہ ان کی روایت صحیح ہی کیوں نہ ہو، اصول مناظرہ کے مطابق ہمارے برخلاف حجت نہیں ہو سکتی۔ کما لا یخفی علی من لہ ادنی معرفۃ للقواعد المناظرۃ

ثانیاً۔ خود اہلسنّت کے حفاظ کبار اور نقاد اخبار نے اس حدیث کو موضوع و مصنوع قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ مناوی نے فیض القدیر شرح جامع صغیر میں اسی حدیث کے ذیل میں لکھا ہے "واعلہ ابو حاتم وقال البزار کابن حزم لا یصح لان عبد الملک لم یسمعہ من ربعی وربعی لم یسمع من حذیفۃ" یعنی ابو حاتم نے اس حدیث کو معلل قرار دیا ہے۔ اور بزار نے ابن حزم کی طرح (ساف لفظوں میں کہا ہے۔) کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ عبد الملک (راوی روایت) نے اسے ربعی سے نہیں سنا اور ربعی نے اسے حذیفہ سے سماعت نہیں کیا" یہ روایت مدلس و معلل ہونے کی وجہ سے ناقابل اعتماد و اعتبار ہے

شیخ محمد بن عمر عقیلی نے جو حفاظ کبار اہل سنّت میں سے ہیں اپنی کتاب ضعفاء میں اس حدیث کو بالکل بے اصل قرار دیا ہے چنانچہ ابن حجر عسقلانی نے لسان المیزان ج ۵ ص ۲۳۷ طبع حیدرآباد دکن میں محمد بن عبد اللہ بن عمر بن عدی عمری کے حالات میں اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے "ذکرہ العقیلی وقال لا یصح حدیثہ ولا یعرف بنقل الحدیث الا نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما مرفوعاً اقتدوا باللذین الخ فہذا لا اصل لہ" یعنی ابن عبد اللہ کی حدیث صحیح نہیں ہوتی۔ اور وہ نقل حدیث میں غیر مشہور ہے اس نے نافع سے اور نافع نے ابن عمر سے اقتدوا باللذین الخ والی روایت نقل کی ہے اور یہ روایت بالکل بے اصل ہے۔ اس کے بعد لکھا ہے "قال العقیلی بعد تخریجہ ہذا حدیث منکر لا اصل لہ" یعنی عقیلی نے اس حدیث کو درج کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے اس کی کوئی اصلیت

نہیں ہے : پھر دار قطنی کا قول نقل کیا ہے کہ "لا یثبت والعمری ضعیف" یعنی یہ حدیث ثابت نہیں ہے اور عمری ضعیف ہے" اسی طرح لسان المیزان ج ۵ ص ۲۳۷ طبع حیدرآباد دکن پر ابن حبان کا قول درج کیا ہے کہ "لا یجوز الاحتجاج بہ" یعنی اس روایت سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے"

اسی طرح شمس الدین محمد ابن احمد ذہبی نے (جو اہل سُنت کے نزدیک محک الرجال مانے جاتے ہیں) اپنی کتاب میزان الاعتدال میں کئی مقامات پر اس حدیث کی تضعیف بلکہ تغلیط کی ہے بذیل ترجمہ احمد ابن صلیح ذوالنون بصری از مالک از نافع از ابن عمر یہی حدیث اقتدوا بالذین بعدی الخ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے "وھذا غلط و احمد لا یعتمد علیہ" یہ روایت غلط ہے اور احمد ناقابل اعتماد ہے" (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۱۴۲ طبع مصر)

اسی طرح اور متعدد مقامات پر مثلاً محمد بن عبداللہ بن عمر عمری عدی وغیرہ کے حالات میں عسقلانی اور دارقطنی کی بعینہ مذکورہ بالا تحقیقات کو نقل کیا ہے نیز اسی ذہبی نے تلخیص المستدرک میں اس روایت کو بسند ابن مسعود درج کرنے کے بعد آخر میں لکھا ہے "قلت سندہ واہٍ جداً" یعنی میرے نزدیک اس حدیث کی سند بہت ہی کمزور اور واہیات ہے" ابو محمد علی ابن حزم ظاہری معروف بہ ابن حزم نے جو اہل سُنت کے بزرگ ترین محققین و سترگ ترین ناقدین سے شمار کئے جاتے ہیں اور ابن حجر مکی کی طرح خلافت ابوبکر کو منصوص سمجھتے ہیں۔ بصراحت تمام اس حدیث کو غلط اور ناقابل استدلال قرار دیا ہے وہ اپنی کتاب فصل ج ۴ ص ۸۸ طبع مصر طبع اوّل میں بذیل بحث استخلاف ابی بکر اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں "قال ابو محمد ولو اننا نستجیز التدلیس والامر الذی لو ظفر بہ خصومنا طاروا بہ فرحا او ابلسوا اسفا لاحتججنا بما روی اقتدوا باللذین من بعدی ابی بکر و عمر قال ابو محمد ولکنہ لم یصح ویعیذنا اللہ من الاحتجاج بما لا یصح" "ابو محمد (مولف کتاب) کہتے ہیں کہ اگر ہم تدلیس و تلبیس (دھوکا بازی) کو اور ایسے امر کو جسے اگر ہمارے حریف (شیعہ) دیکھ لیں تو فرحت و انبساط سے اٹھنے لگیں، جائز سمجھتے تو یقیناً ہم روایت اقتدوا باللذین بعدی ابی بکر و عمر کے ساتھ استدلال کرتے۔ ابو محمد کہتے ہیں لیکن یہ روایت صحیح نہیں ہے اور خدا ہمیں اس سے محفوظ رکھے کہ ہم ایسی چیزوں سے استدلال کریں جو صحیح نہ ہوں"

نوٹ :- ابن حزم کے اس کلام سے چند امور واضح ہو جاتے ہیں۔

"باوجودیکہ جمہور اہلِ سنّت کی مخالفت کرکے ابن حزم حضرت ابوبکر کی خلافت کو بانصّ ثابت کرنے کی کوشش میں منہمک ہے، اور اس سلسلہ میں بہت سی ضعیف بلکہ موضوع روایات کے ساتھ تمسک بھی کیا ہے۔ لیکن یہ روایت اس کی نظر میں اس قدر بیہودہ ہے کہ اس نے اسے ناقابلِ احتجاج قرار دیا ہے"

(۲) ان کا یہ کہنا کہ اگر تدلیس و تلبیس جائز ہوتی تو وہ اس روایت سے استدلال کرتے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ جو حضرات مثل ابن حجر کی وغیرہ اس روایت سے استدلال کرتے ہیں وہ درحقیقت تلبیس ابلیس کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

(۳) ابن حزم کے نزدیک یہ حدیث درجۂ حجیت سے اس قدر ساقط ہے کہ اس سے احتجاج کرنے کو عظیم گناہ سمجھتے ہوئے اس سے خدا کی پناہ مانگ رہے ہیں (نفحات الازہار)

اگرچہ اس حدیث کے موضوع و مکذوب ہونے کے متعلق اور بھی بہت سے علماء کی شہادتیں سامنے پیش نظر ہیں مگر انہی چار علمائے کبار کی شہادتوں پر اکتفاء کی جاتی ہے۔ امید کامل ہے کہ ارباب عدل و انصاف کو ان معتبر شہادتوں کے بعد اس روایت کے موضوع و مصنوع ہونے کے متعلق بقدر سر سوزن بھی شک و شبہ باقی نہیں رہ جائے گا۔

ثالثاً: یہاں تک ہم نے قانون روایت کے اعتبار سے اس حدیث پر گفتگو کی ہے جس سے بحمداللہ اس کا مکذوب و موضوع ہونا بالکل واضح و لائح ہو گیا اب آئیے درایت اور متن الفاظ کے اعتبار سے بھی اس کا جائزہ لیں۔ اگر اقتداء تامہ سے مراد یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد ہر لحاظ سے اقتداء انہی دو شخصیتوں ابوبکر و عمر میں منحصر ہے۔ تو اس سے حضرت علیؑ و عثمان نیز دیگر خلفاء کی خلافت و امامت ختم ہو جائے گی اور اگر اس اقتداء سے مراد فی الجملہ بعض امور میں اقتداء کرنا ہے تو پھر ممکن ہے کہ ان بعض امور کا مسئلہ خلافت و امامت سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ لہذا اس صورت میں کسی طرح اس حدیث کو نصِ خلافت سمجھا جا سکتا ہے؟ (اذا قام الاحتمال بطل الاستدلال)

رابعاً: ان حضرات کے یہاں ایک حدیث مشہور ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اهتدیتم (میرے اصحاب مثل آسمانی ستاروں کے ہیں جس کی اقتداء کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔) اس میں تمام صحابۂ رسول کے ساتھ اقتداء کا حکم دیا گیا ہے اور سب کی اقتداء کو موجب رشد و ہدایت قرار دیا گیا ہے لیکن سابقہ حدیث (اقتدوا بالذین من بعدی)

سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت کے بعد اقتدار انہی دو شخصوں میں منحصر ہے۔ لہٰذا اس طرح ان
حدیثوں کے درمیان تعارض واقع ہو جائے گا اس لئے ان میں سے ایک کو لامحالہ غلط ماننا پڑے
گا اب ان حضرات کو اختیار ہے جسے چاہیں موضوع قرار دیں۔ بہر صورت ہمارا مقصد حاصل ہے

خامساً۔ اس سلسلہ میں آخری اور فیصلہ کن بات یہ ہے کہ اگر اس حدیث کی کوئی
حقیقت و واقعیت ہوتی تو سب سے پیشتر حضرت ابوبکر سقیفہ بنی ساعدہ میں اسے پیش فرماتے
کیونکہ وہاں اس قسم کی احادیث کی بڑی سخت ضرورت تھی مگر جب انہوں نے پیش نہیں
کی تو اس سے واضح ہو گیا کہ یہ حدیث بالکل وضعی و جعلی ہے اور بنابر ثبوت اس کو مسئلہ
خلافت و امامت سے کوئی ربط و تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا کوئی عقل و فہم اور علم و دانش رکھنے والا ان
ایسی خانہ ساز حدیث سے استدلال و احتجاج نہیں کر سکتا

ایضاح ابن حجر وغیرہ نے خلافت ابوبکر کے بالنص اثبات میں اپنے نامۂ اعمال
کی طرح کتاب کے متعدد اوراق سیاہ کئے ہیں جن میں بزعم خویش بہت
سی آیات و روایات ذکر کی ہیں۔ لیکن ان حضرات کی عمدہ دلیلیں یہی دو تھیں جن کو ہم نے
ہباءً منثوراً کر دیا۔ باقی روایات و آیات محتاج جواب نہیں ہیں کیونکہ آیات ایسی ہیں
جنہیں ان کے مقصد سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں اور روایات بعض بالکل بے ربط اور
بعض بالکل موضوع و مذکوب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جمہور اہل سنت نے (جس کا اعتراف
خود ابن حجر مکی کو بھی ہے) ان ناقابل استدلال نصوص سے اعراض کر کے خلافت ابوبکر کو
اجماعی قرار دیا ہے۔ اگر ان دلائل و نصوص کی کوئی حقیقت ہوتی تو جمہور اہل سنت ہرگز ان سے
عدول کر کے اجماع کے ساتھ تمسک نہ کرتے۔ جو خود "غرق من الغرق و تمسک بحشیش" کا مصداق ہے۔ یعنی ان رکیک دلائل سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ جیسا کہ اس کی وضاحت
کی جا چکی ہے۔ بہرحال خلافت ابوبکر کے اثبات کے دو ہی طریق تھے (۱) اجماع یا (۲) نص
اور بحمد بعونہٖ تعالیٰ یہ دونوں راستے غلط ثابت ہو گئے۔ تو اس سے مسلمانوں کی خلافت اولیٰ
کی اساس بھی بالکل منہدم ہو گئی والحمد للّٰہ علی احسانہ

طریفہ انہی وجوہ کی بنا پر خود حضرت ابوبکر کو بھی اپنے خلیفہ ہونے کا یقین نہ تھا۔
بلکہ وہ اپنے کو خالفہ سمجھتے تھے۔ نہ خلیفہ (چنانچہ نہایہ ابن اثیر ج ۱ طبع ایران
پر مرقوم ہے کہ جاء اعرابی فقال لہ انت خلیفۃ رسول اللّٰہ صلعم قال لا قال

عنایات تعالیٰ ماثقالطہ بعد ابی حضرت ابوبکرؓ کے پاس ایک اعرابی آیا اور کہا کیا آپ ہی خلیفۂ رسولؐ ہیں؟ حضرت ابوبکر نے کہا نہیں! اعرابی نے کہا تو پھر آپ کون ہیں؟ کہا میں تو آپؐ کے بعد خالفہ ہوں! (ھکذا فی مجمع البحار مطبوعہ نولکشور ج ۱ صفحہ ۳۶۳) اس مقام پر خلیفہ اور خالفہ کے معنی یہ تحریر کئے ہیں۔ الخلیفۃ من یقوم مقام الذاہب ویسد مسدہ والخالفۃ من لاغناء عندہ ولاخیر فیہ یعنی خلیفہ وہ ہوتا ہے جو جانے والے کا قائم مقام ہو اور اس کی کمی کو پورا کر سکے اور خالفہ وہ ہوتا ہے جو بالکل بیکار ہو اور اس میں کوئی خیر و خوبی نہ ہو۔ اور قاموس ج ۳ صفحہ ۱۴۴ طبع مصر میں اس کے معانی میں ایک معنی احمق بھی لکھے ہیں۔ ابن اثیر نے یہ واقعہ لکھنے کے بعد لکھا ہے۔ "قالہ ھضماً من نفسہ" کہ آپ نے کسر نفسی سے کام لے کر ایسا کہا۔ ان سے کوئی پوچھے کہ کسر نفسی بھی اپنے موقع و محل پر اچھی ہوتی ہے اس بات کا کیا تک ہے کہ ایک سائل کسی غرض کے تحت بارگاہ خلافت میں حاضر ہوتا ہے اور ناواقفی کی بنا پر صاحب مسند سے دریافت کرتا ہے کیا آپ خلیفۂ رسولؐ ہیں؟ اور وہ جواب میں فرماتے ہیں نہیں میں تو ایک احمق ہوں۔ یہ کسر نفسی نہیں بلکہ واقعہ حقیقت سے تعبیر۔ الحق یجری علی اللسان کا مظاہرہ ہے جب رسولؐ نے ان کو اپنا خلیفہ مقرر نہیں کیا تو پھر وہ کیونکر خلیفۂ رسولؐ ہو سکتے ہیں! اس لئے خدا نے ان سے حق کا اقرار کرا دیا "ان فی ذلک لآیات لقوم یعقلون"۔

خلافتِ ثانیہ کے انعقاد کی کیفیت اور اس کا بطلان

سابقہ بیان حقائق ترجمان سے جہاں خلافتِ اولیٰ کا بطلان واضح و عیاں ہو گیا وہاں اس سلسلہ کی خلافتِ ثانیہ کا حجر اساسی بھی گر گیا۔ جس سے قصر خلافت عمری کا منہدم ہو جانا قطعی و یقینی امر ہے۔ کیونکہ ان کی خلافت خلیفۂ اول کی وصیت سے عمل میں آئی تھی اور جب خلیفۂ اول کی خلافت باطل ہو گئی تو ان کی وصیت سے منعقد شدہ خلافت کا بطلان ضروری و بدیہی ہے اس لئے اس سلسلہ میں ہم مزید خامہ فرسائی کی چنداں ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ فقط اجمالاً چند جملے اس کے متعلق عرض کئے دیتے ہیں جس سے ناظرین کرام پر حضرت عمر کی خلافت کے انعقاد کی کیفیت واضح و عیاں ہو جائے گی سابقہ تحقیقات سے محقق و مبرہن ہو چکا ہے کہ خلافت ابوبکر جناب عمر کی کوششوں کی مرہون منت تھی اگر آنجناب کی ان تھک کوششیں نہ ہوتیں تو پہلے خلافت مآب کو ہرگز مسند اقتدار نصیب نہیں ہو سکتی تھی۔ ڈھائی سال کی مدت کوئی مدت نہیں کل کی بات ہے کہ حضرت عمر نے ان کو

منبر رسولؐ پر متمکن کیا۔ لہٰذا حضرت ابوبکر جناب عمر کے اس احسان و امتنان کو کب بھول سکتے
تھے۔ ھل جزاء الاحسان الا الاحسان۔ اگرچہ وہ اپنی خلافت کے دوران میں بھی گاہ بگاہ
ان کے مشورے کرتے رہتے تھے۔ لیکن اس کا عمدہ مظاہرہ اپنی وفات کے قریب کیا۔
جس کی پیش گوئی حضرت امیر المومنینؑ خلافت اولیٰ کے انعقاد کے وقت فرما چکے تھے چنانچہ جب
حضرت ابوبکر کا وقت وفات قریب آیا تو انہوں نے وصیت نامہ تحریر کرنے کے لئے حضرت
عثمان کو بلایا۔ کانوں کان بعض اکابر صحابۂ رسول کو بھی پتہ چل گیا کہ وہ عمر کو اپنا خلیفہ مقرر کرنا
چاہتے ہیں انہوں نے خلافت عمر پر ناراضگی کا اظہار مختلف الفاظ میں کیا کسی نے کہا "ما
تقول لربک۔ اذا لقیتہ غداً و استخلفت علینا عمر" اے ابوبکر! تم کل فردائے قیامت اپنے
اللہ کو کیا جواب دوگے جبکہ تم عمر ابن خطاب ایسے شخص کو خلیفہ مقرر کرکے جارہے ہو (کنز
العمال ج ۳ ص۱۳۵ طبع حیدرآباد دکن) بعض حضرات نے تو اس کے متعلق یہاں تک کہا "استخلفت
علینا عمر فظاً غلیظاً فلو قد ولیت کان افظ و اغلظ" اے ابوبکر! آپ نے ہم پر عمر ایسے سخت
تند مزاج اور درشت خو آدمی کو ہمارے اوپر خلیفہ مقرر کر دیا ہے (ازالۃ الخفاء و کنز العمال ج ۳
ص۱۳۶ ج ۳ ص۱۴۲) صحابہ کی ان تمام داد و فریاد کے باوجود حضرت ابوبکر نے ان کی ایک نہ
سنی اور عثمان سے کہا لکھو "اما بعد۔ استخلفت علیکم" اور بعض روایات میں بجائے "استخلفت"
الی عہدت الی فلاں ہے" ...... "این سخن را گفت و بیہوش شد و عثمان آنچہ
را گفتہ بود بعض آں ورد از پیش خود نوشت کہ عمر ابن الخطاب را خلیفہ ساختم"

"اما بعد میں نے تمہارے اوپر خلیفہ مقرر کیا (ابھی تک خلیفے کا نام نہیں لیا تھا) کہ
بیہوش ہوگئے۔ (عثمان نے ان کی منشا کے مطابق عمر بن خطاب کا نام لکھ دیا" یعنی عمر کو۔
جب ہوش میں آئے، تو عثمان سے دریافت کیا کہ تم نے کیا لکھا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ جو کچھ
انہوں نے لکھوایا تھا۔ وہ لکھ دیا ہے اور اپنی طرف سے حضرت عمر کا نام بھی لکھ دیا ہے حضرت
ابوبکر نے اس اضافہ کو پسند کیا۔ (ازالۃ الخفاء ج ۔ ص۔ و کنز العمال ج ۳ ص۱۳۶)

مقام عبرت و افسوس

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ پیغمبر اسلام نے آخری وقت ہدایت امت کے لئے کچھ لکھنے کے متعلق قلم دوات طلب فرمائی تو ان پر بے ہوشی اور ہذیان کا بہتان باندھ کر کچھ نہ لکھنے دیا۔ نہ قلم دوات حاضر کی گئی لیکن جب خلیفۂ اول نے اس امر کا اظہار کیا تو باوجودیکہ ان پر غشی کے دورے پڑ رہے

تھے۔ لیکن کسی نے یہ اعتراض نہ کیا کہ ان کا دماغی توازن درست نہیں۔ بلکہ فوراً سب کچھ مہیا کر دیا گیا۔ قلم دوات بھی حاضر ہو گئی کاتب بھی آ گیا وصیت بھی لکھوائی گئی اسے معتبر بھی سمجھ لیا گیا اور حضرت صاحب اسی تحریر کی برکت سے مسند آرائے حکومت بھی ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا!

مقام تعجب ہے کہ آج عمر صاحب تمام صحابۂ کرام اور تمام عالم اسلام کی رضامندی و خوشنودی حاصل کئے بغیر (بلکہ باوجود ان کے اعتراض کرنے کے) حضرت ابوبکر کی وصیت کرنے سے اپنے استخلاف پر کس طرح رضامند ہو گئے حالانکہ اس سے قبل کل ہی صاحب حضرت ابوبکر عیینہ بن حصین اور اقرع بن حابس کو کچھ زمین دے دینے پر معترض نظر آتے تھے کہ تمہیں کس چیز نے آمادہ کیا کہ دوسرے مسلمانوں کو چھوڑ کر فقط ان دو آدمیوں کو یہ زمین دے دی؟

"ابوبکرؓ میں نے اپنے گرد بیٹھنے والے مسلمانوں سے اس امر میں مشورہ کیا۔ جب انہوں نے رضامندی ظاہر کی تب میں نے ان کو یہ زمین دی!

"عمرؓ اس میں تو تمام مسلمانوں کی رضامندی لازمی ہے فقط چند حاشیہ نشینوں کی خوشنودی سے تمام مسلمانوں کی رضامندی کس طرح معلوم ہو سکتی ہے!

"ابوبکرؓ میں نے پہلے روز سقیفہ بنی ساعدہ میں ہی تم سے کہہ دیا تھا کہ تم اس امر خلافت کے لئے مجھ سے زیادہ مضبوط ہو۔ لیکن تم نے مجبوراً مجھے بنا دیا اور اب مجھ پر زبان طعن دراز کرتے ہو! (یعنی خود کردہ را علاجے نیست)

حضرت عمر نے اس گفتگو سے پیشتر ان آدمیوں سے الاٹمنٹ والا کاغذ لے کر اسے تھوک سے محو کر ڈالا تھا۔ (در منثور ج ۲ صفحہ ۲۵۲ بحوالہ ابن ابی شیبہ و بخاری در تاریخ و یعقوب ابن سفیان و بیہقی و ابن عساکر) اللہ اللہ!! معمولی امور میں تو اس قدر اہتمام کہ تمام مسلمانوں کی رضامندی نہ حاصل ہونے کی وجہ سے خلیفۂ وقت کے پروانہ کو تھوک سے محو کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ کم از کم اس میں حاضرین بزم کی رضامندی تو حاصل کر لی گئی تھی لیکن آج خلافت جیسے اہم امر میں حضرت ابوبکر کی وصیت کر دینے پر باوجودیکہ اکابر صحابہ معترض ہیں لیکن حضرت کی زبان پر مہر سکوت لگی ہوئی ہے معلوم ہوا کہ جس طرح بقول حضرت عمر خلافت اولیٰ "فلتہ" (اچانک بغیر مشورہ وغیرہ) عمل میں آئی تھی جس سے آپ ہمیشہ لوگوں کو ڈراتے رہتے

تھے۔ خود آپ کی خلافت بھی "فلتۃ" ہی واقع ہوئی غالباً یہی وجہ ہے کہ خود حضرت عمر کہا کرتے تھے کہ "واللّٰہ ما ادری اخلیفۃ انا ام ملک۔ خدا کی قسم مجھے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ آیا میں خلیفہ ہوں یا بادشاہ ہوں! (ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۱۴۲ و تاریخ الخلفاء مطبوعہ لاہور ص ۱۳۹) مسلمانو! خدارا کچھ تو سوچو جس شخص کو خود اپنی خلافت کا جزم و یقین نہیں تم کس طرح اسے "خلیفہ رسول" کہہ سکتے ہو؟ کیا یہ مدعی سست گواہ چست والا معاملہ نہیں ہے؟؟ تم کس منہ سے ان کی خلافت کے منکرین پر کفر و شرک کے فتوے لگاتے ہو

شرم تم کو مگر نہیں آتی!

الحمد للہ خلافت عمریہ کا بطلان بھی واضح ہو گیا۔ اور اس کے بطلان کے ساتھ ساتھ خلافت ثالثہ یعنی خلافت عثمانیہ کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اگرچہ خلافت اولیٰ کے بطلان سے یہ سب خلافتیں باطل ہو جاتی ہیں کیونکہ خلافت اولیٰ ہی ان تمام خلافتوں کی اصل و اساس ہے ظاہر ہے کہ بطلان اصل مستلزم بطلان فرع ہے اور اس کا انہدام در و دیوار کے انہدام کا موجب اگرچہ خلافت ثالثہ کا بطلان محتاج بیان نہیں رہا لیکن تاہم اس کے متعلق چند جملے ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں جن سے کیفیت انعقاد خلافت عثمانیہ قدرے اجاگر ہو جائے گی۔

خلافت ثالثہ کے انعقاد کی کیفیت اور اس کا بطلان

ہمارے برادران اسلامی کی تیسری اصل جس سے کسی شخص کی خلافت و امامت ثابت کرتے ہیں "شوریٰ" ہے حضرت عمر نے بوقت رحلت چھ اشخاص یعنی حضرت علیؑ، عثمان، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص اور عبد الرحمٰن ابن عوف کے درمیان مسئلہ خلافت کو شوریٰ قرار دیا جناب عمر کے ایسا کرنے میں اگرچہ بظاہر دیانتداری کا ملمع چڑھا ہوا ہے لیکن در حقیقت حضرت علیؑ کو

حضرت علیؑ کو اقتدار سے محروم کرنے کی شورائی تدبیریں

اس سے محروم رکھنے اور جناب عثمان کو بر سر کار لانے کے لئے وہ "لطائف الحیل" عمل میں لائے گئے کہ انہیں دیکھ کر انسانیت شرما جاتی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) اس شوریٰ سے باقی تمام مہاجرین و انصار کو خارج کر کے فقط چھ آدمیوں میں اسے منحصر کیا گیا ہے حالانکہ باقی صحابۂ رسولؐ میں ایسی ہستیاں بھی موجود تھیں جو سوائے حضرت علیؑ باقی ارباب شوریٰ سے بدرجہا بہتر و افضل تھیں؟

(۱) ان چھ شخصیتوں میں عبدالرحمٰن ابن عوف کو میر مجلس قرار دیا گیا کنز العمال ج ۲ ص ۱۶۱ پر حضرت عمر کا یہ قول موجود ہے کہ انہوں نے ارکان شوریٰ کو فہمائش کی بالعین الحس۔ یبیع لہ عبدالرحمٰن ابن عوف۔ فمن ابیٰ فاضربوا عنقہ: کہ جس کی عبدالرحمٰن ابن عوف بیعت کریں تم بھی اس کی بیعت کرنا اور جو شخص اس سے انکار کرے اس کی گردن اُڑا دینا! عبدالرحمٰن کا جھکاؤ کس طرف تھا! کس کی مخالفت کا اندیشہ تھا، اس حکم میں کیا راز مضمر تھا! یہ حقائق ارباب علم و اطلاع پر مخفی نہیں ہیں!

تجھ سے پہلے مانند آں رانسے کرد ساز دھیا

(۲) شوریٰ کی ساخت و پرداخت ہی بتاتی ہے کہ یہ جناب امیر علیہ السلام کو حق خلافت سے محروم کرنے کی سیاست تھی اور یہ سب کارروائی صرف ظاہرداری کی خاطر تھی عبدالرحمٰن بن عوف۔ عثمان کے قریبی رشتہ دار تھے عبدالرحمٰن کی بیوی ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط عثمان کی مادری ہمشیرہ تھی۔ سعد بن ابی وقاص عبدالرحمٰن کے نزدیکی رشتہ دار تھے نیز سعد ماں کی طرف سے اموی تھا اس کی ماں حمنہ بنت امیہ بن عبدالشمس تھی۔ علاوہ کو حضرت علی سے پرانی عداوت تھی وہ تیمی تھے اور ابوبکر کے ابن عم۔ بہ سبب۔ تو حضرت علی کے خلاف تھے باقی رہے زبیر وہ ابوبکر کے داماد تھے اور اُن کی والدہ صفیہ بنت عبدالمطلب تھیں۔ گویا وہ ادھر بھی تھے اُدھر بھی پہلے حضرت امیرؑ کی طرف میلان ظاہر کیا مگر جب دیکھا کہ عبدالرحمٰن عثمان کے لئے کوشاں ہے تو اُن کے ساتھ ہو گئے۔ ان حالات کے پیش نظر یہ چیز کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ یہ تمام کارروائی حضرت امیرؑ کو ان کے حق سے محروم کرنے کے لئے عمل میں لائی گئی تھی۔

(۳) سب مذکورہ بالا تنقیح کی روشنی میں حضرت عمر کے اس حکم کا جو مقصد ہے کہ اس کی بیعت کرنا جس کی بیعت عبدالرحمٰن ابن عوف کرے اور جو اس کی مخالفت کرے اسے قتل کر دینا۔ عمر صاحب اچھی طرح جانتے تھے۔ کہ عبدالرحمٰن اور دیگر ممبران کی اکثریت عثمان کے ساتھ ہو گی۔ اگر اندیشہ تھا تو جناب امیر علیہ السلام کی مخالفت کا لہٰذا ان کا یہ حکم کہ مخالف کو قتل کر دینا۔ درحقیقت حضرت علی کے قتل کا فتویٰ دینا ہے۔ ورنہ بتایا جائے کہ عبدالرحمٰن میں وہ کون سی ایسی خصوصیت تھی جس کی بنا پر حضرت عمر نے یہ کہا تھا کہ خلیفہ وہی ہو گا۔ جس کی بیعت عبدالرحمٰن کریں گے؟ پیغمبر خدا تو یہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ حق ادھر ہو گا۔ جدھر حیدرؑ کبھی ہوں گے (منصب امامت مترجم ادیبؔ)

(۵) بعض آثار سے یہ بھی واضح و آشکار ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے اپنے بیٹے عبداللہ کو بھی سرپنچ بنایا تھا اور اسے حکم دیا تھا کہ "یا عبداللہ ان اختلف القوم فکن مع الاکثر فان تساووا فکن مع الحزب الذی فیہ عبدالرحمٰن بن عوف": اگر ارکان شوریٰ میں اختلاف رونما ہو تو تم اکثریت کا ساتھ دینا اور اگر برابر برابر ہوں تو پھر اس گروہ کا ساتھ دینا جس میں عبدالرحمٰن بن عوف ہوں۔ (تاریخ طبری ج ۵ ص۳۵ کامل ابن اثیر ج ۳ ص۳۱) اب اس میں جو راز مضمر ہے وہ دیدۂ بینا رکھنے والوں کے لئے کوئی راز نہیں ہے۔

کے اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

(۶) اگر دیانت داری سے اس معاملہ کو طے کرنا مقصود تھا تو حضرت عمر کے اس سے پہلے اس اعلان کے کیا معنی ہیں؟ کہ میرے بعد عثمان خلیفہ ہوگا۔ چنانچہ کنز العمال ج ۳ ص۱۵۹ حصہ ۱۱ دکن پر حذیفہ سے روایت ہے "قال قیل لعمر ابن الخطاب وھو بالمدینۃ یا امیرالمؤمنین من الخلیفۃ بعدک قال عثمان ابن عفان" جناب حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر سے کہا گیا جب کہ دن خلیفہ حضرت عثمان ہی کو بنانا چاہتے تھے۔ اور اس کے متعلق انہوں نے ایک منظم سازش کر رکھی تھی۔ فقط ظاہر داری کے طور پر یہ شوریٰ قرار دیا گیا تھا۔

(۷) سیرت شیخین کے اتباع کی شرط مقرر کر دی گئی تھی جس کے متعلق انہیں یقین تھا کہ حضرت علی علیہ السلام اسے ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب عبدالرحمٰن نے "(جو اس سکیم کے تحت ہی) کتاب و سنت کے ساتھ اتباع سیرت شیخین کی شرط پر خلافت کو حضرت علیؑ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے سیرت شیخین پر چلنے سے انکار فرما دیا (شرح فقہ اکبر مطبوعہ مجیدی لاہور ص۸۲ پر ہے۔ "ابی علی ان یقلدھما: "حضرت علیؑ نے سیرت شیخین کے اتباع سے انکار کر دیا۔" پھر جب اسی شرط پر جناب عثمان کو اس کی پیش کش کی گئی تو انہوں نے بعد شکریہ اسے قبول کر لیا اور عبدالرحمٰن ابن عوف نے فوراً ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا (کذا فی التاریخ طبری والکامل ج ۳ ص۶۷ و ابن خلدون لقیہ الجزء الثانی ص۱۲۱ وغیرہ) اس منظم سازش کا نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہیئے تھا یعنی حضرت عثمان خلیفہ بن بیٹھے اور حضرت علی علیہ السلام آزردہ خاطر ہو کر یہ فرماتے ہوئے باہر تشریف لائے۔ کہ "لیس ہذا اول یوم تظاہرتم علینا من دفعنا عن حقنا و الاستئثار علینا۔ فصبر جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون": یہ پہلا دن نہیں ہے کہ

تم نے ہمیں اپنے حق سے ہٹانے اور دوسرے دیگر کو ہم پر ترجیح دینے میں ہمارے خلاف
سازشیں کیں۔ (بلکہ اس سے پہلے دو موقعے اور بھی گذر چکے ہیں جن میں اسی طرح ہماری
حق تلفی کا مظاہرہ کیا جا چکا ہے، پھر آیت نصر جمیل تلاوت فرمائی۔ (شرح نہج البلاغۃ ابن ابی
الحدید معتزلی ج ۲ صلا طبع مصر تاریخ الوانشاد ج، ص ۱۶۳)
یہ سارا پر درد شکوں کا ازالہ صاف معلوم ہوتا ہے
کتاب مستطاب فلک النجات میں موجود ہے جسے ہم من و عن

پہلا شبہ مع جواب | یہاں نقل کئے دیتے ہیں۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ خدا کا حکم ہے
وشاورھم فی الامر لہٰذا مشورہ سے خلیفہ ثابت ہو گئے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ہر امر میں مشورہ
کا حکم ہے۔ مورد حرب وغیرہ میں اگر ہر امر میں حکم ہو تو لازم آتا ہے کہ کبھی نبی بھی مشورہ
سے بتا دینا چاہئے یا نبی کی تصدیق کے لئے امت مشورہ کرے اگر پاس کرے تو اس کو نبی
ماننا چاہئے بے فائدہ ہم پر ایک وریاست، تمام کرے گا پابندی احکام سے مقید کرے گا
وصف حکم مشورہ کے پہ عمل انکار نبوت ہے، حالانکہ صحیح نہیں اور صدہا دوام بغیر مشورہ
کیونکر ہی ہو گئے۔ حالانکہ اس روایت کے خلاف مقرر ہے حقیقت میں اس مشورہ
کا حکم امور جنگ اور دنیاوی امور کے لئے ہے نہ امامت کبریٰ جیسے امور دینیہ میں جس
کے لئے باطنی علوم و صفائی کی ضرورت ہے جس کو خدا کے بغیر کوئی نہیں جانتا یا جیسے نبوت
اسی طرح ہے۔ دیکھو تفسیر کبیر ج ۲ صفحہ ۱۱ (طبع اسلامبول) بذیل آیت۔ وشاورھم فی الامر
قال الکلبی وکثیر من العلماء ھذا الامر مخصوص بالمشاورۃ فی الحروب۔ یعنی
کلبی اور بہت علماء اس کے قائل ہیں کہ یہ امر مشورہ جنگ کے کاموں سے مخصوص ہے پھر لکھا
اس مشورہ سے نبی کو کسی سے رائے و علم لینے کی فی الحقیقت ضرورت نہ تھی، اور نہ آپ کو
اس کی احتیاج تھی فقط تالیف قلوب کے لئے یہ حکم تھا جیسے کہ تفسیر ابن جریر طبری ج ۴ صفحہ
طبع مصر میں مرقوم ہے کہ سب کو مشورہ میں شامل کرنے سے ہر ایک اپنا کام سمجھے گا۔ دل و جان
سے جنگ کریں گے یہ نہ سمجھیں کہ ہم کو کبھی تو شمار میں لیتے نہیں ہم کیا سر کٹاتے پھریں۔ پھر
فخر الدین رازی اسی کبیر ج ۲ صفحہ ۱۲ میں اس حکم کے مشاورتھم ابوبکر و عمر کا قول بیان کر کے
اس کی تردید کرتا ہے۔ (از مترجم)
علاوہ بریں ظاہر ہے کہ شاورھم فی الامر کا خطاب اولاً و بالذات سرکار ختمی مرتبت

کرے۔ اگر مشورہ میں عمومیت ہوتی جیسا کہ بعض اہل تسنن کا خیال ہے کہ آنحضرتؐ کو حکم تھا کہ تمام امور میں صحابہ سے مشورہ کریں۔ تو پھر لازم تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک اجتماع کرکے اپنے خلیفہ کے بارے میں ان سے مشورہ لیتے لیکن کتب سیر و تواریخ اور احادیث اس سلسلہ میں خاموش ہیں۔ کسی کتاب میں یہ نہیں ملتا کہ آنحضرتؐ نے کوئی جلسہ منعقد کرکے ایسا مشورہ کیا ہو۔ اس صورت میں لازم آئے گا۔ کہ معاذ اللہ رسولؐ خدا نے ایک واجبی حکم کی مخالفت کی۔ حالانکہ کوئی کلمہ گو اس کو تسلیم نہیں کرسکتا لہٰذا ماننا پڑے گا۔ کہ مشورہ کا یہ حکم خلافت و امامت ایسے امور کے متعلق نہیں ہے جن کا تعلق نص خداوندی سے ہے۔ وھوالمراد۔ یہ ایک ایسی مسلّم حقیقت ہے کہ جس پر فخر الدین اتفاق و اجماع کا دعویٰ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ المسئلۃ الثالثۃ اتفقوا علی ان کل مانزل فیہ وحی من اللہ لم یجز للرسول ان یشاور الامۃ لانہ اذا جاء النص بطل الرای والقیاس (تفسیر کبیر ج ۲ ص۱۱۱) یعنی سب علماء کا اتفاق ہے کہ جن امور کا تعلق وحی سے ہے۔ ان امور میں رسولؐ کے لئے امت سے مشورہ کرنا جائز نہیں ہے۔ بنابریں جب خلافت نصی ہے جیسا کہ قبل ازیں اسے ثابت کیا جا چکا ہے اور اس موضوع پر متعدد نصوص مثل یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک الخ اور انما ولیکم اللہ و رسولہ الایۃ وغیرہ موجود ہیں تو پھر اس مسئلہ میں مشورہ کرنے کا کیا مقام و محل ہے؟؟

اس شبہ کی جوابی تقریر سے ایک اور شبہ کا بھی ازالہ ہو گیا۔ جو بعض حضرات آیت "وامرھم شوریٰ بینھم" سے پیش کرتے ہیں۔ کیونکہ اس سے مراد بھی عام دنیاوی امور ہیں۔ یہ مومنین کی صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ باہمی مشورہ سے ان امور میں اقدام کرتے ہیں نہ یہ کہ خلافت و امامت ایسے خالص دینی مسائل کو بھی شامل ہو ورنہ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ اپنے باہمی مشورہ سے امور دینیہ میں مداخلت کرکے احکام شریعت بھی از خود معین کر لیں۔ جو کہ بالبداہت باطل ہے علاوہ بریں کتب تفاسیر کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ آیت انصار کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ تفسیر بیضاوی ج ۲ ص۲۱۲ طبع استنبول اور مدارک ج ۴ ص۸۳ پر لکھا ہے۔ والذین استجابوا لربھم و اقاموا الصلوٰۃ و امرھم شوریٰ بینھم و مما رزقنٰھم ینفقون وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب کے پیغام کو قبول کیا اور نماز قائم کی اور اپنے معاملات کو باہمی صلاح و مشورہ سے طے کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے

ان کو دیا ہے اس سے تخریج کرتے ہیں نزلت فی الانصار دعاھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الی الایمان فاستجابوا لہ۔ یہ آیت انصار کے حق میں نازل ہوئی ہے جب ان کو آنحضورؐ نے دعوتِ ایمان دی تو انہوں نے اسے قبول کر لیا۔ ایسا ہی تفسیر جلالین کے حاشیہ پر مرقوم ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ آیت انصار کے حق میں نازل ہوئی۔ کہ وہ آنحضرتؐ کی تشریف آوری سے پہلے اپنے امور مشورہ سے طے کر لیا کرتے تھے۔ طرفہ تماشا یہ ہے کہ یہ آیت تو انصار کے حق میں نازل ہوئی اور حکومت پر قابض ہو گئے مہاجرین! آج انہیں کی اثباتِ خلافت کے لئے اس آیت کو پیش کیا جاتا ہے اور جن کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی تھی ان کو حکومت کا کچھ حصہ بھی نہ ملا اگرچہ وہ منا امیر و منکم امیر کی گردان کرتے رہ گئے فاعتبروا یا اولی الابصار!

دوسرا شبہ! حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے کلام معجز نظام مندرجہ نہج البلاغہ ج ۲ ص۸ طبع مصر کہ انہ بایعنی القوم الذین بایعوا ابا بکر و عمر و عثمان علی ما بایعوھم علیہ (الی ان قال) وانما الشوریٰ للمہاجرین والانصار فان اجتمعوا علی رجل وسموہ اماما کان ذلک للہ رضیً (معاویہ! تم لکھتے ہو کہ میری بیعت انہی لوگوں نے کی ہے جنہوں نے ابوبکر و عمر کی بیعت کی تھی اور اسی امر (خلافت) پر کی ہے جس پر ان کی کی تھی۔ اور مشورہ کا حق صرف مہاجرین و انصار کو حاصل ہے اگر وہ کسی پر متفق ہو کر اس کو امام بنا دیں تو اس میں خداوند عالم کی رضامندی ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ نے کس وضاحت و صراحت سے شوریٰ کی حقانیت کو بیان فرمایا ہے اور نیز اس سے شیخین کی خلافت کی حقانیت پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے!

اس شبہ کا بچند وجہ جواب دیا جا سکتا ہے

اولاً: آنحضرتؑ کا یہ کلام الزامی ہے نہ تحقیقی جیسا کہ فن جدل و مناظرہ سے معمولی واقفیت رکھنے والے حضرات پر مخفی و مستور نہیں ہے آنجناب کا مقصد یہ ہے کہ اے معاویہ! تمہارا یہ خیال ہے کہ مہاجرین و انصار کے شوریٰ سے خلافت منعقد ہو سکتی ہے اسی بنا پر تم اپنے خلفاء ثلاثہ کی خلافت کو صحیح سمجھتے ہو پھر کیا وجہ ہے کہ تم مجھے خلیفہ رسول نہیں سمجھتے حالانکہ تمہارے اس مقرر کردہ معیار پر میں پورا اترتا ہوں کیونکہ میری بیعت بھی انہی لوگوں نے کی ہے جنہوں نے شیخین کی کی تھی۔ اور اسی خلافت پر کی ہے جس پر ان کی کی تھی لہذا اب تیرے سامنے دو

ہی رہتے ہیں۔ یا تو میری بیعت میں داخل ہو جا یا پھر پہلے تینوں خلفاء کی خلافتوں کا بھی انکار کرنا پڑے گا۔ ان دو شقوں میں سے جس کو چاہے اختیار کر۔

آنجناب اور معاویہ کی خط و کتابت کا یہ سلسلہ بہت طولانی ہے جو کتب تواریخ میں مذکور ہے جس سے اس جواب کے الزامی ہونے پر کافی روشنی پڑتی ہے کتاب عقد فرید ج ۲ صفحہ ۲۳۲ مطبوعہ مصر طبع اول میں مذکور ہے۔

"وکتب علی الی معاویة بعد وقعة الجمل سلام علیك اما بعد فان بیعتی بالمدینة لزمتك وانت بالشام لانه بایعنی الذین بایعوا ابابکر وعمر وعثمان علی ما بویعوا علیه" یعنی حضرت علی نے جنگ جمل کے بعد معاویہ کو یہ خط لکھا۔ امابعد! سلام علیک۔ اے معاویہ! میری بیعت جو مدینہ میں واقع ہوئی ہے تم پر لازم ہوئی ہے حالانکہ تم شام میں ہو۔ کیونکہ میری بیعت انہی لوگوں نے کی ہے جنہوں نے ابوبکر و عمر و عثمان کی بیعت کی تھی۔

چونکہ اس مکتوب میں لزوم کا لفظ بھی موجود ہے جس سے اس کا الزامی دلیل ہونا واضح ہو جاتا ہے یہی وجہ تھی کہ معاویہ بھی اس لزوم کو مسترد نہ کر سکا۔ اور فرار کی ایک الگ راہ اختیار کی اسی العقد الفرید ج ۲ صفحہ ۲۳۳ پر معاویہ کا جواب مذکور ہے۔

"فکتب الیه معاویة سلام علیك اما بعد فلعمری لو بایعك الذین ذکرت وانت بریٔ من دم عثمان لکنت کابی بکر وعمر وعثمان ولکنك اغریت بدم عثمان الخ۔ یعنی معاویہ نے حضرت علیؑ کو (جواباً) یہ خط لکھا سلام علیک! (اے علیؑ!) مجھے اپنی زندگی کی قسم اگر وہ لوگ جن کا آپ نے ذکر کیا ہے۔ (یعنی مہاجرین و انصار) آپ کی بیعت کر لیتے اور آپ خون عثمان سے بری الذمہ ہوتے تو یقیناً آپ (بیعت کے معاملہ میں) ابوبکر، عمر اور عثمان کی طرح ہوتے لیکن آپ نے لوگوں کو قتل عثمان پر برانگیختہ کیا الخ بعد ازیں حضرت علیؑ کا جواب الجواب بھی اس کتاب کے اسی صفحہ پر مرقوم ہے۔ بخوف طوالت ہم اسے نقل کرنے سے معذور ہیں شائقین کتاب مذکور کی طرف رجوع فرما سکتے ہیں۔ بہرحال اس خط و کتابت سے روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو گیا کہ آنجناب کا یہ کلام الزامی ہے اور معاویہ اس جواب سے لاجواب بھی ہو گیا تھا۔ لیکن چونکہ اسے بیعت نہ کرنی تھی نہ کی۔ اور خون عثمان کا شاخسانہ کھڑا کر کے اور بہتان تراشی سے کام لے کر اپنی گلو خلاصی کرائی۔ آنجناب کا حقیقی نظریہ اس مسئلہ کے متعلق دیکھنا ہو تو نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۶ ملاحظہ ہو جس میں آپ آیہ مبارکہ فان تنازعتم فی

شیئ فردوہ الی اللہ والرسول، جب کسی چیز میں تنازعہ ہو جائے تو اسے خدا و رسول کی طرف لوٹاؤ) کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں" فردہ الی اللہ ان نحکم بکتابہ وردہ الی الرسول ان ناخذ بسنتہ فاذا حکم بالصدق فی کتاب اللہ فنحن احق الناس بہ وان حکم بسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ فنحن اولاھم" یعنی خداوند عالم کی طرف رجوع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم کتاب کے مطابق عمل کریں اور رسول کی طرف رجوع کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ہم ان کی سُنت پر عمل کریں لہٰذا اگر کتاب سماوی سے سچائی کے ساتھ فیصلہ کیا جائے تو ہم تمام لوگوں سے زیادہ حقدار خلافت و امامت ہیں اور اگر سُنتِ رسولؐ کے مطابق حکم کیا جائے تو بھی ہم سب لوگوں سے اس کے زیادہ لائق ہیں" مطلب یہ کہ لوگ اجماع و شوریٰ کرکے جس کو چاہیں مسند اقتدار پر بٹھادیں مگر اس مسئلہ کا تعلق قرآن و سُنت یعنی نص سے ہے۔ اور اس کے اعتبار سے ہم ہی اس کے حقدار ہیں:

ثانیاً:- تمام امت خواہ مہاجرین ہوں یا انصار سب کو اتباعِ ثقلین کا حکم ہے لہٰذا اگر مہاجرین و انصار باہم دیانتداری سے مشورہ کرکے کسی شخص کا انتخاب کریں گے تو لامحالہ انتخاب اہل بیتؑ نبوی ہی کے کسی فرد کا ہوگا کیونکہ ان کی موجودگی میں کسی دوسرے کو مطاع و مقتدا قرار دینا حدیث ثقلین اور دیگر ان متعدد سمعیات کی صریحی مخالفت ہوگی جن میں تمام لوگوں کو عترتِ نبویہ کی اقتدا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ اس طریقہ سے بھی آنجنابؑ کا مقصود اپنی احقیت بالخلافت ثابت کرنا ہے و بس

ثالثاً:- اگر حقیقتاً تمام مہاجرین و انصار کسی امر پر اتفاق کریں تو لامحالہ اہلبیتِ رسولؐ بھی ان میں شامل ہوں گے۔ لہٰذا ان لوگوں کا اجماع حجت ہوگا۔ تو وہ عترتِ رسولؐ کی شمولیت کی برکت سے ہم اوپر اہلبیتِ رسولؐ کے اجماع کی حجت کو ثابت کرچکے ہیں ایسے اجماع سے تمسک کرنا دراصل شرعی حجت و دلیل یعنی الحقیقت عترت و قرآن کے ساتھ تمسک کرنا ہے (لا نخرج مع القرآن والقرآن معھم) جس کی حجیت میں کسی مسلمان کو کلام نہیں ہوسکتا۔ لیکن اس سے اس کلام سے استدلال کرنے والے حضرات کو کچھ فائدہ نہیں پہنچتا۔ کیونکہ ہم اوپر خلافتِ ابوبکر کے انعقاد کی کیفیت کے ضمن میں ثابت کر آئے ہیں کہ حقیقی مشیر اس اجماع میں شریک نہیں ہوئے۔ اور اگر خلافتِ ثالثہ کے وقت موجود بھی تھے۔ تو وہ اس خلافت پر رضامند نہ تھے۔ جیسا کہ ابھی اوپر انعقادِ خلافت شورائی کے ضمن میں واضح کیا جا چکا ہے۔

رابعاً:۔ اگر آنجناب کے اس کلام کو نقضی و الزامی قرار نہ دیا جائے۔ بلکہ اسے حقیقت پر محمول کیا جائے۔ تو اس سے مسلمانوں کی تینوں خلافتوں کا قلع قمع ہو جائے گا کیونکہ واضح ہے کہ ... کی بناء پر انعقادِ خلافت کا انحصار تمام مہاجرین و انصار کے اجماع و شوریٰ پر ہے حالانکہ برعکس ... حقیقت ہے کہ ایسا اجماع و اتفاق تینوں خلافتوں میں سے ایک پر بھی واقع نہیں ہوا۔ کیونکہ خلافتِ اولیٰ فقط حضرت عمرؓ اور ان کی وعینگا مشتی سے چند دیگر افراد کی بیعت کرنے سے عمل میں آئی۔ اور خلافتِ ثانیہ فقط خلیفۂ اول کی وصیت سے منعقد ہوئی اور خلافتِ ثالثہ بظاہر چھ شماس اور درحقیقت فقط عبدالرحمٰن ابن عوف کی بیعت کرنے سے بروئے کار آئی: جیسا کہ ان کی تفصیلات سابقہ بیان میں مذکور ہیں۔ بہرنوع ان حقائق کی روشنی میں آنجنابؑ کے اس کلام کو الزام پر محمول کرنا پڑے گا۔ ورنہ بصورتِ دیگر خلفائے ثلاثہ کی خلافتوں کا قصر منہدم ہو جائے گا۔ جس سے ہمارے استدلال کنندگان حضرات کو بجائے نفع کے الٹا نقصان ہوگا۔

چوتھا طریق اثباتِ خلافت قہر و غلبہ اور اس کا بطلان

برادران اسلامی کے نزدیک اثباتِ خلافت کا چوتھا طریقہ قہر و غلبہ ہے۔ اربابِ دانش و بینش پر مخفی و محتجب نہیں ہے۔ کہ یہ تسلط و غلبہ قطعاً کوئی شرعی بلکہ عقلی دلیل بھی نہیں ہے۔ خواہ مخواہ سحابہ پرست گروہ نے اسے اپنے اصول میں داخل کر رکھا ہے حقیقت امر یہ ہے جس کی طرف اوپر بھی اشارہ کیا جا چکا ہے۔ کہ ان حضرات کے اصول تقرر خلفاء کے تابع ہیں یعنی جس طریقہ سے کوئی صاحب مسندِ خلافت پر متمکن ہو گیا وہی طریقہ ان کے اصول میں داخل ہو گیا ایسا نہیں کہ تقرر خلفاء ان کے کسی قاعدہ و قانون کا ممنونِ احسان ہو اتفاق سے چونکہ ان کے خلفاء کا تقرر انہی چار طریقوں سے عمل میں آیا لہٰذا یہ طرق اربعہ ان کے اصول قرار پا گئے اس چوتھے طریق میں تو انہوں نے افراتفری کی حد کر دی دوسرے سہ طرق میں عصمت، اعلمیت اور افضلیت نہ سہی۔ کم از کم عدالت قرشیت اور حریت (آزاد ہونے) کو تو خلیفہ کے لئے ضروری سمجھا گیا تھا۔ لیکن اس مقام پر پہنچ کر تو یہ شروط بھی ختم کر دی گئیں۔ اور بڑے واشگاف لفظوں میں کہہ دیا گیا کہ اگر کوئی غلام ہونے کے علاوہ فاسق و فاجر بھی ہو لیکن لاٹھی کے زور سے منبرِ رسولؐ پر بیٹھ جائے۔ تو اس کی خلافت وامامت منعقد ہو جاتی ہے۔ اور سب لوگوں پر اس کی اطاعت واجب اور مخالفت حرام قرار پاتی ہے۔ چنانچہ ترمذی شریف ج ۲ مطبوعہ مجتبائی دہلی کے حاشیہ پر مجمع البحار سے نقل کیا گیا ہے۔

قیل شروطہ الاسلام والحریۃ والقرشیۃ وسلامۃ الاعضاء قلت نعم لو انعقد باھل الحل والعقد اما من استولی بالغلبۃ تحرم مخالفتہ وتنفذ احکامہ ولو کان عبداً او فاسقاً مسلماً"

یعنی کہا گیا ہے کہ خلیفہ کے لئے شرط ہے کہ وہ مسلمان، آزاد، قریشی اور سلیم الاعضاء ہو۔ میں کہتا ہوں، ہاں! یہ شرطیں ضروری ہیں مگر اس وقت جب کہ خلافت اہل حل وعقد کے ذریعے سے منعقد ہو لیکن جب کوئی شخص قہر وغلبہ سے مسند ہو جائے۔ تو اس کی مخالفت حرام ہو جاتی ہے اور اس کے احکام نافذ سمجھے جاتے ہیں۔ اگرچہ وہ غلام اور فاسق وفاجر مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح شرح مقاصد ج ۲ ص ۲۷۲ طبع استنبول میں ہے "واذا مات الامام وتصدی للامامۃ من یستجمع شرائطھا من غیر بیعۃ واستخلاف وقھر الناس بشوکتہ انعقدت الخلافۃ لہ وکذا اذا کان فاسقاً او جاھلاً علی الاظھر" یعنی جب ایسا شخص امامت حاصل کرنے کی کوشش کرے، جس میں شرائط امامت موجود ہوں۔ لیکن نہ ارباب بست وکشاد نے اس کی بیعت کی ہو اور نہ خلیفہ نے اسے منتخب کیا ہو۔ بلکہ خود اپنے دبدبہ سے لوگوں کو مقہور ومغلوب کر دے۔ تو امام بن جائے گا۔ اور اظہر قول یہی ہے کہ وہ غالب آنے والا اگر فاسق وفاجر اور جاہل ہو تو اس کا حکم بھی یہی ہے کہ وہ اس طرح خلیفہ بن جائے گا۔

لطیفہ طریفہ

شرح مقاصد میں مذکورہ بالا عبارت کے بعد مرقوم ہے۔ "واذا ثبت الامام بالقھر والغلبۃ ثم جاء آخر فقھرہ انعزل وصار القاھر اماماً"

یعنی جب ایک شخص کی امامت قہر وغلبہ کے ساتھ ثابت ہو جائے۔ اور پھر ایک دوسرا شخص آکر اس کو مقہور ومغلوب کر دے۔ تو اب پہلا غالب شخص جو اب مغلوب ہو چکا ہے۔ عہدۂ امامت سے معزول ہو جائے گا۔ اور دوسرا شخص جو اب قاہر ہے امام بن جائے گا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار!

اہل عقل وانصاف فرمائیں کہ اس طریقۂ کار کا بطلان بھی کسی دلیل وبرہان کا محتاج ہے؟ لا واللہ!

سبحان اللہ! مسلمانوں نے عہدۂ جلیلہ امامت کبریٰ کو اس قدر پست کر دیا کہ امامت ہر قمار باز و غدار کے دروازہ پر ٹھوکریں کھاتی پھرتی ہے۔ اسے کہتے ہیں جس کی لاٹھی اس کی بھینس اور اسی کو کہتے ہیں لعبۃ الصبیان یعنی بازیچۂ اطفال۔ یعنی یہ امامت نہ ہوئی بلکہ بچوں کا کھلونا

ہوگیا۔ (معاذ اللہ) مرتبۂ امامت کو اس قدر پست کرنے سے جو بُرے نتائج برآمد ہوئے اور جن مصائب و شدائد سے اخیار و ابرار امت کو دوچار ہونا پڑا ان کا ایک شمہ ہم اوپر افضلیت امام کے ذیل میں ذکر کر آئے ہیں

خلافت یزید مسلمانوں کے گلے کا پھندا ہے!

برادران اسلامی کی اس بے احتیاطی اور افراط و تفریط کا ثمرہ ہے کہ یزید ابن معاویہ کی خلافت ان کے لئے گلے کا پھندا بن کر رہ گئی ہے نہ تو اس کا انکار کر سکتے ہیں کیونکہ مذکورہ بالا نابکار اصول اربعہ جو باقی خلفاء میں فرداً فرداً پائے جاتے تھے۔ اس میں اجتماعی طور پر موجود ہیں یہاں نام نہاد اجماع نص شوریٰ اور قہر و غلبہ سب موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر علماء اہل سنت نے اس کو چھٹا خلیفہ شمار کیا ہے۔ جیسا کہ "تاریخ الخلفاء" طبع مصر جدید شرح فقہ اکبر صفحہ ۸۳ طبع دہلی وغیرہ کتب میں مذکور ہے ابن حجر مکی نے تو غزالی وغیرہ کے حوالہ سے اس کی محبت میں یہاں تک لکھ دیا ہے۔ کہ "لا یجوز لعن یزید ولا تکفیرہ فانہ من جملۃ المومنین" یعنی یزید پر لعنت بھیجنا اور اس کو کافر کہنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ مومنوں میں داخل ہے (صواعق محرقہ صفحہ ۲۲۲ طبع جدید) اور نہ ہی عوامی سطح پر کھل کر اس کا اقرار کر سکتے ہیں کیونکہ اس طرح ان کے دعوائے محبت اہلبیتؑ بلکہ دعوائے اسلام کا بھانڈا پورا بے پردہ پھوٹتا ہے۔ بلکہ بعض منصف مزاج علماء اہلسنت نے تو اس شقی بدبخت کے ظلم و استبداد اور فتنہ و فساد بلکہ کفر و ارتداد پر نظر کرکے اپنے اصولوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے صاف صاف لکھ دیا کہ "فنحن لا نتوقف فی شانہ بل فی ایمانہ، لعنۃ اللہ علیہ، وعلی انصارہ واعوانہ" (شرح عقائد تفتازانی صفحہ ۱۱۸ طبع استنبول) یہ ہے خلفاء اہلسنت کے تقرر کے اصولوں کی اجمالی کہانی جو انہی کی زبانی ہم نے نہایت اختصار کے ساتھ بیان کر دی ہے ؎

حکایت بود طولانی بہ خاموشی ادا کردم

ان فی ذلک لآیات لقوم یعقلون

بابِ چہارم

حضرت امیر المومنینؑ کی امامت کا اثبات

سابقہ ابواب میں محقق و مبرہن کیا جا چکا ہے کہ خلافت و امامت مثل نبوت نصی ہے۔ نہ انتخابی و شورائی وغیرہ یعنی نبی کی طرح امام کا تقرر بھی خدا کرتا ہے۔ اب البتہ مقام اثبات میں لیکن اگر یہ معلوم نہ ہو کہ خدا نے منصب خلافت و امامت کے لئے کس شخص کو مقرر و معین فرمایا ہے؟ تو بحکم عقل و استقراء اس کے چار طریق ہیں۔

۱۔ عقل سلیم ۲۔ کلام رب العالمین ۳۔ احادیث سید المرسلینؐ ۴۔ مسلم الثبوت امام سابق کی تصریح

ان طرق اربعہ میں سے ہر ایک طریق کسی خلیفہ و امام کی خلافت و امامت ثابت کرنے کے لئے کافی و وافی ہے چہ جائیکہ جب کسی شخص کی اثبات امامت پر یہ سب طرق اربعہ جمع ہو جائیں۔ جیسا کہ حضرت امیر المومنینؑ کی امامت حقہ و وصایت مطلقہ اور بلا فصل خلافت عظمیٰ پر جمع ہیں تو اس کی امامت کو چار چاند لگ جائیں گے۔ اور وہ اہل نظر کے لئے روز روشن سے بھی زیادہ واضح و آشکار ہو جائے گی

الا علی اکمہ لا یبصر القمرا

اثبات امامت جناب امیر المومنینؑ عقل سلیم کی روشنی میں

اس طریق سے بچند وجہ استدلال کیا جا سکتا ہے؟

وجہ اوّل:۔ جب کسی چیز کا حقدار ہونے میں دو شخصوں کے درمیان نزاع ہو جائے اور یہ معلوم ہو کہ کوئی تیسرا شخص اس میں دخیل نہیں حق انہی دو میں سے کسی ایک کا ہے۔ پھر ان دو میں سے کسی ایک کے دعویٰ کے بطلان پر ناقابل رد دلیل و برہان قائم ہو جائے تو اس سے عقلاً دوسرے شخص کا حق بجانب ہونا خود بخود واضح ہو جاتا ہے اور مزید کسی دلیل و برہان کے قائم کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ ایک ایسا عقلی مسئلہ ہے جس میں کسی بھی صاحب عقل کو کسی

قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں ہو سکتا۔ دنیا بھر میں لوگوں کے تمام باہمی تنازعات کا فیصلہ عموماً اسی طریقہ پر کیا جاتا ہے بنا بریں حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے بعد مسئلہ خلافت وامامت کی نزاع دو شخصوں یعنی حضرت علیؑ وابوبکر کے درمیان دائر ہے۔ حضرات اہل تسنن اس مقام رفیع کے لئے حضرت ابوبکر کو نامزد کرتے ہیں۔ اور حضرات اہل تشیع حضرت امیر المومنینؑ کی خلافت الہٰیہ کے قائل ہیں۔ بالاتفاق حق خلافت ووصایت انہی دو حضرات کے درمیان منحصر ہے لیکن چونکہ باب سوم میں خلافت ابوبکر کا بطلان قطعی دلائل وبراہین سے واضح وعیاں کر دیا گیا ہے تو اس کے بطلان کے ساتھ خود بخود حضرت امیر المومنینؑ کی خلافت وامامت ثابت ہو جائے گی اور اس کے ساتھ ہی دیگر آئمہ طاہرین کی امامت ووصایت بھی واضح ولائح ہو جائے گی۔ کما لایخفی علی اولی الابصار فضلاً عن العلماء الکبار!!

وجۂ دوم:- جب کسی شخص میں وہ تمام صفات جلیلہ وجمیلہ موجود ہوں جو ایک حقیقی خلیفہ وامام میں ہونا چاہئیں (جن کا تفصیلی تذکرہ دوسرے باب میں کیا جا چکا ہے۔) پھر وہ شخص دعوائے امامت کرے اور مزید برآں عند الضرورۃ اپنے دعویٰ کی صداقت پر معجزہ بھی پیش کر دے تو اس صورت میں ہر عقل سلیم اور طبع مستقیم اس کی امامت حقہ کا جزم ویقین کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے یہ وجہ بھی مثل وجۂ اول ایسی محکم ومضبوط ہے جس کی صحت وصداقت میں کوئی بھی عقلمند کلام نہیں کر سکتا۔ اگرچہ حضرت امیرؑ کا علم وفضل، عصمت و طہارت، شجاعت وشہادت اور افضلیت واکملیت اتنی روشن حقیقتیں ہیں کہ ان کے متعلق کچھ خامہ فرسائی کرنے کی ضرورت نہیں، تاہم مزید اطمینان قلب اور اتمام حجت کی خاطر ہم ذیل میں بڑے اختصار کے ساتھ ثابت کرتے ہیں کہ حضرت امیر المومنینؑ اس معیار پر پورے اترتے ہیں یعنی جس قدر صفات جلیلہ کسی شخص کی امامت کے لئے لازم ہوتے ہیں وہ سب ان میں بطریق اتم واکمل پائے جاتے ہیں نیز انہوں نے بھی امامت کا ادعا بھی فرمایا ہے اور عند الضرورۃ معجزات بھی پیش فرمائے ہیں اس مرحلہ کے طے ہو جانے کے بعد کسی بھی صاحب عقل و سلیم ومزاج مستقیم کو آنجناب کی امامت مطلقہ وخلافت حقہ کا اقرار واعتراف کرنے میں ہرگز کسی قسم کا پس وپیش نہیں ہوگا۔ فاستمع لما یتلیٰ علیک ولا تکن من الجاحدین۔

اعلمیت امیر المومنینؑ قرآن کریم کی روشنی میں

دوسرے باب میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ امام کے لئے اعلم اُمت ہونا عقلاً و شرعاً ضروری ہے حضرت امیر المومنینؑ اس معیار پر پورے اُترتے ہیں تمام امت مرحومہ سے آپ کی اعلمیت قرآن، حدیث، اقوالِ صحابہ اور خود آنجناب کی زبانِ حق ترجمان کی رو سے مسلّم الثبوت ہے، قرآن مجید میں بکثرت ایسی آیات موجود ہیں جو آنجناب کی اعلمیت پر دلالت کرتی ہیں اس مختصر کتاب میں اتنی گنجائش نہیں کہ ان کا عشرِ عشیر بھی بیان کیا جا سکے۔ یہاں فقط دو تین آیات وافی ہدایات پیش کرنے پر اکتفا کی جاتی ہے

(۱) ارشاد ہوتا ہے کہ قل کفی باللّٰہ شہیدا بینی و بینکم ومن عندہ علم الکتاب (پ ۱۳ سورہ رعد) اے رسول! کفار و مشرکین سے کہہ دو کہ میری نبوت کی گواہی کے لئے ایک خداوند عالم اور دوسرا وہ شخص کافی ہے جس کے پاس تمام کتاب کا علم ہے۔ تمام محقق مفسرین عامہ و خاصہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ "الکتاب" سے مراد قرآن مجید ہے جس کا دعویٰ ہے کہ "لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین، اور تبیاناً لکل شیئی کی مصداق ہے اہل سنت کے علماء محققین کے نزدیک بھی من عندہ علم الکتاب سے مراد حضرت امیر المومنین علیہ السلام ہیں (ملاحظہ ہو ینابیع المودۃ باب ۲۰ صفحہ ۱۰۳ اور ارجح المطالب باب ۲ صفحہ ۱۱ وغیرہ۔

لہذا اس سے بصراحت معلوم ہو گیا کہ آنجنابؑ کے پاس تمام قرآن کا علم ہے اور یہ ایسی بڑی فضیلت ہے جس میں سوائے حضرت ختمی مرتبت اور ان کی اولاد طاہرین کے اور کوئی شخص ان کا شریک و سہیم نہیں ہے پھر جب کہ قرآن مجید جو دین و دنیا کے بارے میں تمام احکام و ہدایات کا جامع اور انفس و آفاق کے تمام علوم پر حاوی ہے تو جو شخص اس کے علوم و معارف کا عالم و عارف ہو گا وہ سب سے بڑا عالم ہو گا اور چونکہ حضرت امیر المومنینؑ اس کے کل و جزو کے عالم ہیں اس لئے ساری امت سے ان کی اعلمیت ایک ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) ارشاد قدرت ہے۔ فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون (پ ۱۴ س نحل ع ۶) اے مسلمانو! جس بات کا تمہیں علم نہیں وہ اہل ذکر سے پوچھو۔ ظاہر ہے کہ جن کو سوال کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے ان کا علم کم اور جن سے سوال کرنے کا حکم ہے ان کا علم زیادہ ہو گا حضرت امیر المومنین

فرماتے ہیں۔ "نحن اھل الذکر" وہ اہلِ ذکر جن سے لوگوں کو پوچھنے کا حکم دیا گیا ہے ہم ہیں۔ (ارجح المطالب باب ۲ ص۳۱ وغیرہ) اس آیت سے بھی آنجنابؑ کی اعلمیت روزِ روشن کی طرح واضح و آشکار ہے۔

(۳) ارشادِ رب العزت ہے "ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا" (۲۲ پ س فاطر ع۴) پھر ہم نے قرآن کا وارث اپنے ان خاص بندوں کو بنایا ہے جن کو ہم نے تمام لوگوں سے منتخب کیا ہے" ینابیع المودۃ ص۳۲ پر مذکور ہے: "المراد بہ علی الحق اطائرۃ" خدا کے ان منتخب روزگار بندوں سے مراد حضرت رسولؐ ہے جن کے پہلے مصداق جناب امیر علیہ السلام ہیں، جو اس کتاب کے علم کے وارث ہیں جس میں تمام علوم اولین و آخرین درج ہیں اس لئے ان کو تمام اُمّت سے اعلم تسلیم کرنا پڑے گا۔ وہو المطلوب۔

اعلمیت امیر المومنینؑ احادیث سیّد المرسلینؐ کی روشنی میں

اس سلسلہ میں احادیث اس قدر ہیں کہ ان سب کا احصار اگرنا ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے یہاں صرف چند احادیث شریفہ درج کی جاتی ہیں۔

(۱) جناب رسول کریمؐ کی صحیح اور متفق علیہ حدیث ہے فرمایا "انا مدینۃ العلم وعلی بابھا" میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کے دروازے ہیں۔ تمام حفاظ و آئمۂ حدیث نے اس حدیث شریف کو مثل ارسال مسلمات اپنی اپنی کتب میں درج کیا ہے (ملاحظہ ہو مناقب احمد ابن حنبل، مطالب السئول، صحیح ترمذی، ذخائر العقبیٰ، مناقب خوارزمی، طبرانی در اوسط، حاکم در مستدرک ج ۳ ص۱۲۶، ابونعیم اصفہانی در معرفۃ الصحاب ریاض نضرہ ج ۲ ص۱۹۳ باب حیوۃ الحیوان دمیری ج ۱ ص۵۵، صواعق محرقہ ص۷۳ باب ۹ کنز العمال ج ۲ ص۴۰۱ و ص۱۵۶ خطیب بغدادی در تاریخ بغداد، ابن حجر مکی در فتاویٰ حدیثیہ ص۱۲۶ استیعاب ابن عبد البر ج ۲ ص۴۶۱ ص۳۵۰ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ج ۴ ص۶۱۹ اسعاف الراغبین برحاشیہ نور الابصار ص۱۳۶ المشرف المؤبد ص۱۱۱ وغیرہ)

سرکار علامہ سیّد حامد حسین صاحب قبلہ لکھنوی نے عبقات الانوار کی جلد پنجم راجع بحدیث مدینۃ العلم میں اس حدیث شریف کو ایک سو بیالیس کتب اہلِ سنت سے نقل کیا ہے۔ یہ حدیث اگرچہ بظاہر دو جملوں پر مشتمل ہے لیکن مطالب و معانی کے بحارِ بے کنار اس کے اندر موجزن ہیں اور بالکل "بحر در سبو" والا معاملہ ہے شرح و بسط کی یہاں گنجائش نہیں اجمالاً اتنا لکھ دینا

کافی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ارشاد باسداد کے ذریعہ حضرت امیر علیہ السلام کو علم ومعرفت میں اپنا شریک وسہیم قرار دیا ہے جن جن علوم ومعارف سے خود آپ آگاہ تھے ان سب مراتب ومدارج علمیہ کو حضرت علی علیہ السلام کے لئے بھی ثابت فرمایا ہے اور ان کو اپنے شہر علم کا دروازہ کہہ کر کنایۃً طالبان علم نبوی کی راہبری فرمائی ہے مقصد یہ ہے کہ اگر میرے علوم ومعارف حاصل کرنا چاہو تو حضرت علی کے در اقدس پر حاضر ہو گوہر مقصود ہاتھ آجائے گا بعض طرق حدیث میں اس امر کی تصریح بھی موجود ہے فرمایا "فمن اراد العلم فلیأت من الباب" جو میرا علم حاصل کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ اس دروازہ پر آئے۔ ظاہر ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام امت سے اعلم ہیں تو جو ان کا شریک علم ہوگا اور ان کے شہر علم کا دروازہ ہوگا وہ بھی تمام امت سے اعلم ہوگا۔ نیز اس فرمان نبوت سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اگر بفرض محال پوری امت میں حضرت علیؑ سے اعلم تو کجا ان کے برابر بھی کوئی اور تھا، تو معاذ اللہ آنحضرتؐ کے دامن عصمت پر جانبداری کا الزام عائد ہوگا کہ جو علم میں حضرت امیرؑ کے مساوی تھا اسے نظر انداز کرکے آنحضرتؐ نے آنجنابؑ کو مدینۃ العلم کا باب کیوں قرار دیا؟ لہذا آنحضرتؐ کی عصمت وعدالت اسی صورت میں بچ سکتی ہے کہ حضرت امیرؑ کو اعلم الامۃ تسلیم کیا جائے، وہو المقصود۔

(۲) ینابیع المودۃ باب ۱۴ صفحہ ۷۰ مطالب السئول ج ۱ صفحہ ۶۳ وغیرہ میں ابن عباس سے مروی ہے آنحضرتؐ نے فرمایا "قسمت الحکمۃ عشرۃ اجزاء فاعطی علی تسعۃ اجزاء وھو اعلم بالعشر الباقی" یعنی حکمت کو دس حصوں پر تقسیم کیا گیا ہے اور ان میں سے نو حصے حضرت علیؑ کو دیئے گئے ہیں اور دسواں حصہ باقی لوگوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور اس حصے میں بھی حضرت علیؑ شریک غالب ہیں۔

اسی مضمون کی ایک روایت استیعاب ابن عبدالبر ج ۲ صفحہ ۴۶۲ طبع حیدر آباد میں ابن عباس سے یوں مروی ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: "واللہ اعطی علیؑ تسعۃ اعشار العلم وایم اللہ لقد شارکہم فی العشر العاشر" خدا کی قسم حضرت علیؑ کو علم کے ۹/۱۰ حصے دیئے گئے ہیں۔ اور بخدا وہ دسویں حصہ میں بھی تمہارے ساتھ شریک ہیں۔ اس حدیث سے جس طرح حضرت امیرؑ کی اعلمیت پر تیز روشنی پڑتی ہے وہ کسی تشریح کی محتاج نہیں رہتی۔

(۳) آنحضرتؐ فرماتے ہیں "اقضی امتی علی بن ابی طالب" میری امت میں سب سے بہتر

فیصلہ کرنے والے حضرت علیؑ ہیں (ینابیع باب ۱۴ صفحہ ۸۰ فصول مہمہ مالکی صفحہ ۱۷ فصل الکفایۃ الطالب صفحہ ۱۰۵ وغیرہا) ظاہر ہے کہ فیصلہ کی عمدگی و بہتری کثرت علم وعقل پر موقوف ہے تو سب سے بہتر فیصلہ اسی کا ہوگا جس کا علم وعقل سب سے زیادہ ہوگا۔

(۴) اگر اس سے بھی زیادہ وضاحت وصراحت درکار ہو تو آنحضرتؐ کا یہ ارشاد ملاحظہ ہو فرماتے ہیں: "اعلم امتی علی" میری تمام امت میں سب سے بڑے عالم حضرت علیؑ ہیں۔ (مناقب خوارزمی اور شرح رسالہ فتح مبین از محمد ابن علی الحکیم الترمذی۔ فرائد السمطین حموینی باب ۱۸) پس ان فرمائشات نبویہ سے حضرت امیر علیہ السلام کی اعلمیت کالشمس فی رابعۃ النہار واضح و آشکار ہوگئی۔ ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدیٰ نولہ ما تولی ونصلہ جہنم وساءت مصیراً

اعلمیت امیر المومنین علیہ السلام اصحاب رسول کریمؐ کے اقوال کی روشنی میں

اس کے متعلق بہت سے اخبار و آثار کتب سیر و تواریخ میں مذکور ہیں۔ حضرت ابن عباس کا یہ قول مشہور ہے "ما علمی وعلم اصحاب محمد فی علم علی الا کقطرۃ فی سبعۃ ابحر" میرے اور سب اصحاب رسولؐ کے علم کو حضرت علیؑ کے علم کے ساتھ وہی نسبت ہے جو ایک قطرہ کو سات سمندروں سے ہوتی ہے! (کتاب الشرف المؤبد طبع مصر صفحہ ۵۸ ینابیع المودۃ صفحہ ۸۰) زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں مزید اطمینان کے لئے صواعق محرقہ صفحہ ۷۶ طبع جدید پر حضرت عمر کا یہ قول ملاحظہ کیجئے: قال عمر ابن الخطاب علیٌ اقضانا (یعنی حضرت علیؑ ہم سب سے زیادہ عمدہ اور بہتر فیصلہ کرنے والے ہیں)

علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء ص ۱۲۱ پر متعدد طرق واسناد سے اسی اثر کو نقل کیا ہے (والفضل ما شہدت بہ الاعداء)

ارباب بصیرت پر مخفی نہیں کہ مسند خلافت پر متمکن ہونے کے لئے بہت سے علوم بالخصوص علوم شرعیہ میں مہارت رکھنا ضروری ہے تو جب حضرت علیؑ اقضی الامت ہیں تو سب علوم میں بھی اعلم الامۃ ہوں گے۔ علاوہ بریں مسائل مشکلہ اور قضایائے معضلہ میں بڑے بڑے صحابہ کرام بالخصوص جناب عمر کا آپؑ کی طرف رجوع کرنا اور حضرت امیرؑ کی عقدہ کشائی کرنے پر "لولا علی لھلک عمر" کا نعرہ بلند کرنا جو کہ زبان زد خلائق ہے (شرح مواقف تفسیر کشاف واستیعاب ج ۲، صفحہ ۴۶۴ ریاض نضرہ ج ۲ صفحہ ۱۹۴ باب ۴۔ مطالب السئول صفحہ ۲۹ فصل سادس وغیرہا)

لیکن جناب امیرؑ کا کسی مسئلہ میں کسی کی طرف رجوع نہ کرنا آپ کی اعلمیت اور امام الکل ہونے کی نہایت بیّن اور واضح دلیل ہے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم — چشمۂ آفتاب را چہ گناہ؟!

اعلمیت امیرالمومنینؑ خود اقوال امیرالمومنینؑ کی روشنی میں

باقی رہا خود آنجنابؑ کا ادعائے اعلمیت کرنا تو کتب سیر و تواریخ پر نظر رکھنے والوں پر پوشیدہ نہیں ہے کہ آنجنابؑ نے مختلف پیرایوں میں اس حقیقت کا اظہار فرمایا ہے کبھی فرمایا۔ لو شئت لاوقرت سبعين بعيراً من تفسير فاتحة الكتاب: اگر میں چاہوں تو صرف سورۂ فاتحہ کی تفسیر سے ستر اونٹ کا بار بن جائے! (تفسیر اتقان سیوطی ج ۲ ص... و تفسیر صفیر ص... طبع مصر میزان الکبریٰ ج ۱ ص... طبع مصر) اور کبھی یوں فرمایا لو ثنيت لی الوسادة وجلست عليها لافتيت اهل التوراة بتوراتهم واهل الانجيل بانجيلهم واهل الزبور بزبورهم واهل القرآن بقرآنهم حتى ينطق كل كتاب من كتب الله فيقول صدق علی لقد افتاكم بما انزل الله فی، اگر میرے لئے مسند قضا بچھا دی جائے، اور میں اس پر بیٹھ جاؤں تو اہل تورات کو ان کی تورات سے، اہل انجیل کو ان کی انجیل سے اہل زبور کو ان کی زبور سے اور اہل قرآن کو ان کے قرآن سے (ایسا مطابق واقع) فتویٰ دوں گا کہ ہر کتاب (زبان حال سے) کہہ اٹھے گی کہ علیؑ نے سچ کہا۔ انہوں نے تمہیں وہی فتویٰ دیا ہے۔ جو خداوند عالم نے مجھ میں نازل کیا ہے۔ (ینابیع المودۃ ص... طبع بمبئی ارجح المطالب ص۱۳۰ وغیرہ) اور کبھی آپ نے اپنی قرآن ہمہ دانی کا اعلان اس طرح فرمایا۔ ما من آية فی كتاب الله الا وانا اعلم بها بالليل نزلت ام بنهار فی سهل ام فی جبل! "مجھے قرآن کی ہر ہر آیت کے متعلق علم ہے کہ رات کو نازل ہوئی یا دن کو، مکہ میں اتری یا مدینہ میں، سفر میں نازل ہوئی یا حضر میں، ناسخ ہے یا منسوخ، محکم ہے یا متشابہ" (صواعق محرقہ ص۱۲۹ طبع جدید ینابیع المودۃ ص... طبع بمبئی۔ تاریخ الخلفاء ص۱۲۹۔ کنز العمال ج ۲ ص... تفسیر اتقان ج ۲ ص... استیعاب ج ۲ ص...) علاوہ بریں حضرت کا وہ فرمان جو زبان زد خلائق ہے۔ آپ کے ادعائے اعلمیت اور اس کے مبنی بر حقیقت ہونے کی بہترین و کامل ترین دلیل ہے جو آپ عموماً فرمایا کرتے تھے۔ "سلونی سلونی قبل ان تفقدونی" "جو چاہو مجھ سے پوچھ لو قبل اس کے کہ مجھے نہ پاؤ۔" (کنز العمال ج ۷ ص۲۲۹ شرح مواہب ص... فرائد السمطین ج ۱ ص...)

ارجح المطالب صفحہ ۱۳۱، استیعاب ج ۲ صفحہ ۵۰۹، کنز العمال ج ۶ صفحہ ۴۲۹، الریاض النضرۃ ج ۲ صفحہ ۱۹۸، باب ۴، طبقات کبریٰ ج ۲ صفحہ ۱۰۱ ق ۲ وغیرہ)

آنجناب کا یہ وہ دعویٰ ہے جس کے متعلق ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۵ میں لکھا ہے:
"لم یکن احد من الصحابۃ یقول سلونی غیر علی" یعنی صحابہ رسول میں سوائے حضرت امیر کے اور کوئی ایسا شخص نہ تھا جو سلونی قبل ان تفقدونی کا دعویٰ کرتا ہو ایسے ہی استیعاب ابن عبدالبر ج ۲ صفحہ ۴۶۲ میں مذکور ہے۔ بلکہ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو حضرت علی کا یہ وہ بلند پایہ دعویٰ ہے جس کی نظیر سوائے ختم المرسلین کے باقی انبیاء کے حالات میں بھی ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔ ہاں آنجناب کے بعد بعض اعداء علی نے اس بلند دعویٰ میں آنجناب کی ہمسری کرنے کی مذموم کوشش ضرور کی مگر تاریخ گواہ ہے کہ ان کو بروقت ایسا قدرتی تازیانہ عبرت لگا کہ اپنا سامنہ لے کر رہ گئے اور دوسروں کے لئے سامان عبرت بن گئے۔ اگر خوف طوالت مانع نہ ہوتا تو تفریح طبع ناظرین کے لئے ایسے واقعات لکھے جاتے لیکن اختصار مانع ہے۔ دیکھنے کے شائقین حضرت علامہ امینی مرحوم کی "الغدیر" کا مطالعہ فرمائیں۔ بفضلہ تعالیٰ ان مسلمہ حقائق کی روشنی میں حضرت امیر المومنین اول الائمۃ الطاہرین کی اعلمیت ثابت ہو گئی۔ والحمد للہ علی احسانہ

عصمت حضرت امیرالمومنین

واضح ہو کہ امیر المومنین کی عصمت وطہارت اور قداست ونزاہت پر دلائل وافرہ و براہین متکاثرہ قائم ہیں۔ ان تمام کا احصاء و شمار کرنا علاوہ مشکل ہونے کے وضع کتاب کے بھی منافی ہے لہذا بموجب "مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ" ذیل میں قرآن و حدیث سے ماخوذ صرف چند دلائل پیش کئے جاتے ہیں!

عصمت امیرالمومنین از روئے قرآن کریم!

اس سلسلہ میں اگرچہ قرآن مجید کی آیات کثیرہ پیش کی جا سکتی ہیں۔ لیکن بنظر اختصار یہاں فقط ایک آیت کے بیان پر اکتفا کی جاتی ہے: "انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا (پ ۲۲ س ۲۲) اہل بیت رسول! اللہ کا یہ ارادہ ہے کہ ہر قسم کے رجس کو تم سے دور رکھے اور تمہیں ایسا پاک و پاکیزہ رکھے جیسا پاک رکھنے کا حق ہے۔"

تقریب استدلال!

خلاق عالم نے اس آیہ مبارکہ میں اہل بیت نبوت سے ہر قسم کے رجس کے اذہاب کا تذکرہ فرمایا ہے اب غور طلب

دیکھنا یہ ہے کہ رجس کے معنی کیا ہیں اور اس کے دامن میں کس قدر گہرائی و گیرائی ہے چونکہ یہ لفظ عربی زبان کا ہے لہٰذا اس کا مطلب و مفہوم سمجھنے کے لئے علمائے لغتِ عرب کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ وہ جو کچھ لکھیں گے اس کو اس سلسلہ میں اصل مقصد تک پہنچنے کے لئے مشعلِ راہ بنایا جائے گا۔ کتبِ لغت میں اس لفظ کے مندرجہ ذیل معانی بیان کئے گئے ہیں۔

رجس کے معانی

(۱) قذر (ناپاکی) (۲) عقاب (۳) غضب (۴) حرام (۵) فعلِ قبیح (۶) لعنت (۷) کفر (۸) نتن (بدبودار شے) (۹) موجبِ عذاب عمل (۱۰) شک

(ملک عشرۃ کاملۃ)

چنانچہ جوہری نے صحاح میں لکھا ہے۔ "الرجس القذر وقال فراء فی قولہ تعالیٰ ویجعل اللہ الرجس علی الذین لا یعقلون انہ العقاب والغضب" یعنی رجس کے معنی ہیں "قذر" اور فراء نحوی نے قول خدا "ویجعل الرجس" میں کہا ہے کہ اس سے مراد عقاب و غضب ہے (۱) ابن اثیر جزری نے نہایہ میں لکھا ہے کہ "الرجس القذر وقد یعبر بہ عن الحرام والفعل القبیح والعذاب و اللعنۃ والکفر" یعنی رجس کے معنی قذر کے ہیں اور کبھی اس سے فعل حرام، فعل قبیح، عذاب لعنت اور کفر مراد لیا جاتا ہے (۲) فیومی نے مصباح منیر میں لکھا ہے۔ "الرجس النتن وقال الفارابی کل شیئی یستقذر فھو رجس والرجس النجس" یعنی رجس کے معنی ہیں نتن، اور فارابی نے کہا ہے کہ ہر وہ چیز جو قابل نفرت ہو اُسے رجس کہا جاتا ہے اور رجس کے معنی نجس بھی ہیں (۳) صاحب اقرب الموارد نے اس لفظ کے معنی عمل قبیح، قذر، ماثم (گناہ) اور ہر عمل جو مؤدی الی العذاب ہو۔ شک، عقاب اور غضب لکھے ہیں۔

اہل لغت کی ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ لفظ "رجس" کا استعمال نجاست و قذارت عذاب و عقاب، شک و شبہ، فعل قبیح حرام اور گناہ و عصیاں میں ہوتا ہے خلاصہ یہ کہ جو بھی جسمانی یا روحانی۔ ظاہری و باطنی کوئی ناپسندیدہ صفت و کیفیت متصور ہو سکتی ہے ان سب کو لفظ "رجس" اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے اور جب یہی "رجس" عترت طاہرہ سے جن کے فرد اوّل و اکمل جناب امیر المومنین ہیں مسلوب ہے اور ان سے دور کر دیا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان ذوات مقدسہ کا دامن تمام نقائص و عیوب جسمانی و روحانی سے منزہ و مبرّہ ہے ظاہر ہے کہ انہی عیوب و معاصی سے پاک و پاکیزہ ہونے کا دوسرا نام "عصمت" ہے۔ اگرچہ اہل عقل و نقل

کے لئے یہی بیانِ حقیقت ترجمان قلبی اطمینان حاصل کرنے کے لئے کافی ہے مگر ہم مزید تسلی وتشفی کے لئے چند مفسرین اسلام کی تحقیقات متینہ پیش کئے دیتے ہیں۔

(۱) مفسر کبیر ابن جریر اپنی تفسیر جامع البیان ج ۲۲ ص۵ طبع مصر میں بذیل آیہ تطہیر رقمطراز ہیں: "انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس الخ۔ السوء والفحشاء یا اہل بیت محمد ویطھرکم من الدنس الذی یکون فی اھل معاصی اللہ" خدا نے اہل بیت محمدؐ اطہار کا یہ ارادہ ہے کہ تم سے رجس یعنی ہر برائی اور فحش بات کو دور رکھے اور تمہیں ہر ایسی گندگی سے پاک رکھے جو گنہگاروں میں پائی جاتی ہے:

(۲) مفسر نیشاپوری اپنی تفسیر غرائب القرآن معروف بہ تفسیر نیشاپوری مطبوعہ برحاشیہ تفسیر ابن جریر ج ۲۲ ص۱۰ پر لکھتے ہیں "فاستعار للذنوب الرجس وللتقوی الطھر" یعنی خداوند عالم نے "گناہوں کے لئے لفظ رجس اور تقویٰ کے لئے لفظ طہر کو بطور استعارہ استعمال فرمایا ہے خلاصہ یہ کہ اہل بیت رسولؐ سب گناہوں سے پاک ہیں؟ اور درجۂ رفیعہ تقویٰ و طہارت پر فائز ہیں:"

(۳) بعینہٖ اسی طرح علامہ زمخشری نے اپنی تفسیر کشاف ج ۲ ص۲۱۲ پر افادہ فرمایا ہے۔ نیز

(۴) کتاب اسعاف الراغبین مطبوعہ برحاشیہ نورالابصار ص۱۰۶ پر ہے "المراد من الرجس الذنب ومن التطھیر۔ التطھیر من المعاصی" یعنی رجس سے مراد گناہ ہیں اور تطہیر سے مراد گناہوں سے پاک کرنا ہے: بحمدہ تعالیٰ ان علماء اہل سنت کی پیش کردہ تحقیقات سے بھی تمام آئمہ طاہرین کی عصمت بالعموم اور حضرت امیرالمومنینؑ کی عصمت وطہارت بالخصوص واضح ولائح ہو گئی۔ اگر خدانخواستہ کسی کو کسی قلبی مرض کی وجہ سے تاحال اطمینانِ قلب کی دولت حاصل نہ ہوئی ہو، تو آیئے حقیقی مبین و مفسر قرآن یعنی جناب پیغمبر اسلام علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کی بیان کردہ تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی تفسیر در منثور میں بحوالہ حکیم ترمذی و مردویہ وابونعیم وبیہقی باسناد خود ابن عباس سے ایک بہت طولانی حدیث شریف اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں نقل فرمائی ہے جس کے ضمن میں مذکور ہے کہ سرکار ختمی مرتبت نے اس آیہ مبارکہ کی تلاوت کرنے کے بعد فرمایا:

"انا واھل بیتی مطھرون من الذنوب" یعنی میں اور میرے اہل بیتؑ سب گناہوں سے مطہر و معصوم ہیں: لیجئے اب تو پیغمبر اسلام کی تصریح صریح بھی اہلبیتؑ کی عصمت

طہارت کے متعلق مل گئی! غالباً اب تو کسی اسلام کے کلمہ گو کے لئے اس امر میں کسی قسم کی چون وچرا کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے فماذا بعد الحق الا الضلال یمن شاء علیؤمن ومن شاء فلیکفر. واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ باقی رہا یہ امر کہ اہل بیتؑ کا مصداق کون ہیں؟ ہم اپنی کتاب "تحقیقات الفریقین" میں ادلۂ قطعیہ کے ساتھ ثابت کر چکے ہیں کہ یہ آیت مبارکہ جناب علی مرتضیٰؑ فاطمۃ الزہراؑ اور شہزادگان کونین حضرت امام حسنؑ و امام حسینؑ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ شائقین تفصیل اس کتاب کی طرف رجوع کریں[۱] ویسے برادران اسلامی کی صحاح ستہ میں بھی اس امر کے کئی شواہد موجود ہیں ظاہر ہے کہ اس خانوادۂ عصمت و طہارت کے راس و رئیس حضرت امیر المومنین علیہ السلام ہیں۔

آیہ تطہیر کی اس تفسیر پر چند شبہات کے جوابات!

اس آیت کی دلالت نہایت قطعی ہے لیکن ارباب زیغ و ضلال کی چیرہ دستیوں سے محفوظ و مصون نہ رہ سکی انہوں نے اس پر چند اعتراضات وارد کئے ہیں جو عند التحقیق تار عنکبوت سے بھی زیادہ بودے اور کمزور ہیں۔

اگرچہ مذکورہ بالا بیان حقیقت ترجمان کے بعد ان شبہات کے دفعیہ کی چنداں ضرورت تو نہیں رہتی لیکن محض اس خیال کے پیش نظر کہ شاید کوئی سادہ لوح انسان ان شبہات کو دیکھ کر دھوکا کھا جائے ان کا مختصراً دفعیہ مناسب خیال کیا گیا۔

پہلا شبہ:- اگر لفظ "رجس" کو بیک وقت ان تمام معانی میں استعمال کیا جائے تو لازم آئے گا کہ ایک لفظ بیک وقت چند معنوں میں استعمال ہو جو صحیح نہیں ہے۔

الجواب بفضل اللہ التواب یہ شبہ بعدۂ وجہ در جۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ اولاً اس لئے کہ جب کسی لفظ میں عمومیت پائی جائے۔

---

[۱] ہماری تازہ علمی پیشکش "تجلیات صداقت" میں اسی موضوع پر اور بھی تفصیل کے ساتھ تبصرہ کیا گیا ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے

منہ [illegible]

اور وہ چند معانی پر مشتمل ہو تو اس سے بیک وقت وہ معانی مراد لینے سے ہرگز کسی قسم کا محذور لازم نہیں آتا۔ بالخصوص جبکہ وہ معانی باہم متناقض نہ ہوں۔ یہاں ایسا ہی ہے کیونکہ "رجس" کے اوپر جو "الف لام" ہے یا تو وہ "جنسی" ہے یا "استغراقی" صورت اولیٰ میں مطلب یہ ہوگا۔ کہ جنس "رجس" اہلبیت سے مسلوب ہے ظاہر ہے کہ انتفاء جنس مستلزم انتفائے جمیع افراد ہے اور صورت ثانیہ میں مطلب یہ ہوگا۔ کہ "تمام افراد رجس" ان حضرات سے دور کر دیئے گئے ہیں۔ یہ اتنی واضح چیز ہے جس کا اقرار ابن تیمیہ ایسے متعصب سنی عالم نے بھی کر لیا ہے چنانچہ منہاج السنۃ ج ۲ ص ۱۱۷ پر لکھتے ہیں۔ "ولفظ رجس عام یقتضی ان اللّٰہ یذھب جمیع الرجس فان النبی صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم دعا بذلک" الخ یعنی لفظ رجس عام ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ خداوند عالم نے ہر قسم کا رجس ان سے دور کر دیا ہے کیونکہ پیغمبر اسلام نے اسی کی دعا کی تھی۔"

ثانیاً: اگر اس پر بھی کسی صاحب کو اس استعمال کے عدم جواز پر اصرار ہو تو بعض روایات کی رو سے کہا جا سکتا ہے کہ اس آیہ مبارکہ میں "رجس" سے مراد گناہ ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ خداوند عالم نے ان سے ہر قسم کے گناہ و عصیان کو دور کر دیا ہے اس کے بعد بھی ہمارے مطلب کو کوئی ٹھیس نہیں لگتی کیونکہ مقصد اثبات عصمت جناب امیرؑ ہے جو بہر حال ثابت ہے۔ والحمد للّٰہ

دوسرا شبہ ابن تیمیہ حرانی نے یہ شبہ پیدا کیا ہے کہ اگرچہ اس آیت کے نزول کے بعد ان حضرات کی عصمت و طہارت تسلیم بھی کر لی جائے تب بھی اس کے نزول سے پہلے ان کی طہارت کی کیا دلیل ہے کیونکہ یہ آیت تو آنحضرتؐ کی دعا کا نتیجہ ہے کہ آپ نے اصحاب کساء کو زیر عبا لے کر یہ دعا کی: "اللھم ھؤلاء اھل بیتی فاذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا" خلاق عالم نے ان کی دعا مستجاب فرمائی اور یہ آیہ نازل کی۔

الجواب بعون اللّٰہ الملک الوھاب

یہ شبہ بھی چند وجہ باطل ہے۔

اولاً: یہ مسلم نہیں کہ آنحضرتؐ نے پہلے دعا فرمائی اور بعد میں آیہ مبارکہ نازل ہوئی بلکہ بہت سے مفسرین نے لکھا ہے کہ پہلے آیہ مبارکہ نازل ہوئی اس کے بعد آنحضرتؐ نے دعا فرمائی چنانچہ ابوالقاسم حسکانی نے باسناد جابر لکھا ہے۔

"قال نزلت ھذہ الآیۃ علی النبی ولیس فی البیت الا فاطمۃؑ والحسنؑ والحسینؑ و علیؑ انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت الآیۃ۔

نقال لیدی اللّٰھم ھؤلاء اھلی"

یعنی جب یہ آیہ مبارکہ آنحضرتؐ پر نازل ہوئی اس وقت گھر میں سوائے حضرت فاطمہؑ اور امام حسنؑ وحسینؑ اور جناب امیرؑ کے اور کوئی نہ تھا اس وقت آنحضرتؐ نے یہ عرض کیا ہے پروردگارا یہ ہیں میرے اہلبیتؑ ۱۴؎

اسی طرح جاری تفاسیر مجمع البیان، منہج الصادقین، وغیرہ میں بعض آثار واخبار سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے دعا بعد میں کی یہاں اگر یہ کہا جائے کہ جب آیت تطہیر نازل ہو چکی اعلان تطہیر ہو گیا تو پھر دعا کرنے کے کیا معنی ہیں۔ تو اس کے متعلق گذارش ہے کہ جس طرح دعا حصول مطلب کے لئے کی جاتی ہے اسی طرح مطلوب کے دوام واستقرار کے لئے بھی کی جاتی ہے مقصد یہ ہوگا کہ اے پروردگار عالم جس طرح تو نے ان حضرات کو عصمت وطہارت عطا فرمائی ہے اس کو استقرار ودوام بھی مرحمت کرنا۔

ثانیاً:۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ آنحضرتؐ نے پہلے دعا کی اور بعد میں یہ آیہ نازل ہوئی جیسا کہ مشہور ومنصور ہے۔ جب بھی ہمارے مدعا کو اس سے کچھ صدمہ نہیں پہنچتا کیونکہ ابھی اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ دعا ہمیشہ غیر حاصل شدہ مطلب ہی کے لئے نہیں کی جاتی بلکہ بعض اوقات حاصل شدہ چیز کے دوام واستقرار کے لئے بھی کی جاتی ہے جیسا کہ عام دعائیہ فقرات جیسے عافاکم اللّٰہ، "سلمکم اللّٰہ"، "حفظکم اللّٰہ" وغیرہ جو کہ صحیح وسلامت اشخاص کے حق میں استعمال کیے جاتے ہیں اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ مخاطب پہلے لامحالہ مریض ہونا چاہیئے تاکہ اس کی صحت وعافیت کی دعا کی جائے۔ بلکہ جس طرح مریض کے لئے یہ جملے استعمال کئے جاتے ہیں ویسے ہی ایک صحیح وسالم شخص کے حق میں بھی ان کا استعمال صحیح ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ اگر مریض کے حق میں ان کو استعمال کیا جائے تو مقصود ازالۂ مرض ہوتا ہے اور اگر صحیح وتندرست کے حق میں استعمال کئے جائیں تو مقصود بقاء ودوام صحت وسلامتی ہوتا ہے۔ اسی طرح سورۂ الحمد میں دعائیہ جملہ۔ اھدنا الصراط المستقیم کے متعلق علمائے اعلام نے ذکر کیا ہے کہ اگر غیر ہدایت یافتہ آدمی اسے پڑھے تو اس سے مقصود ہوتا ہے "ارشاد ارشدنا" یعنی بارالہا ہمیں سیدھا راستہ دکھا اور اگر ایک ہدایت یافتہ شخص پڑھے تو اس کا مطلب ہوتا ہے "ثبتنا" اے اللہ، ہمیں سیدھے راستے پر ثابت قدم رکھ اور اگر ثابت قدم پڑھے تو مطلب یہ ہوگا کہ بارالہا میرے مدارج ہدایت میں مزید ترقی عطا فرما۔ (تفسیر اتقان سیوطیؒ)

اس بیان سے یہ بھی واضح ہوا۔ کہ جو حضرات ہمیشہ "اھدنا الصراط المستقیم" کے معنی "اے اللہ! ہمیں سیدھا راستہ دکھا" قرار دیتے ہیں وہ غیر شعوری طور پر ابھی تک اپنے کو غیر ہدایت یافتہ تصور کرتے ہیں۔ ورنہ ہر جگہ یہ معنی ہرگز مراد نہ لیجئے۔ بنا بریں یہاں مقصود و مدلول یہی دوسرے معنی ہیں۔

بہرحال آنحضرتؐ کو علم تھا کہ یہ بزرگوار درجۂ عصمت پر تو پہلے ہی سے فائز ہیں اس لئے یہ دعا فقط دوام و ثبات کے لئے اور عصمت کے درجات کی بلندی کے متعلق تھی جسے خداوند عالم نے قبول فرماتے ہوئے یہ آیت نازل کرکے ان بزرگوں کی عصمت و طہارت پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مہر ثبت فرما دی، اس میں کوئی محلِ تعجب نہیں کیونکہ خود آنحضرتؐ بھی باوجود درجۂ عصمت پر فائز ہونے کے اپنے لئے گناہوں سے بچنے کی ہمیشہ دعا فرمایا کرتے تھے جیسا کہ اربابِ اطلاع پر مخفی و مستور نہیں ہے۔ اگر کسی دشمن اہلبیتؑ کو نزولِ آیت سے پہلے عصمتِ اہلبیتؑ میں کلام ہے تو وہ اس سے قبل ان کا کوئی گناہ ثابت کرے نیز یہ بھی ملحوظ رہے۔ کہ شہزادگانِ کونین جناب امام حسنؑ و امام حسینؑ تو ویسے بھی اس وقت صغیر السن بچے تھے۔ اس لئے وہاں تو اذہابِ رجس سے سوائے دوام و بقاءِ عصمت کے اور کوئی معنی مراد ہی نہیں ہو سکتے کما لا یخفیٰ۔

تیسرا شبہ!

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تحفہ اثنا عشریہ میں مفاد آیت پر یہ شبہ پیش کیا ہے کہ اگر آیت تطہیر اہلبیت کی عصمت و طہارت پر دال ہے تو پھر آیت "ویذھب عنکم رجز الشیطان" جو کہ اہل بدر کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس سے استدلال کرکے اہل بدر کو کیوں نہ معصوم و مطہر سمجھا جائے؟!

الجواب واللہ المعین علیٰ نیل الصواب

تفسیر بیضاوی ج ۲، صفحہ [illegible] طبع [illegible] وکشاف ج ۲، صفحہ ۲۹۱ طبع قدیم مصر وغیرہ میں اس آیت کی شانِ نزول یہ لکھی ہے کہ جنگ بدر میں بعض صحابہ کو احتلام ہو گیا، اتفاق سے ان کے پاس غسل کے لئے پانی موجود نہ تھا۔ خداوند عالم کی طرف سے ایک موسلادھار بارش ہوئی جس سے ان حضرات نے غسل کیا خداوند عالم اس آیۂ مبارکہ میں اپنے اس خصوصی احسان کا ذکر فرما رہا ہے یہ ہے اس آیت کی حقیقت جس کو مخالفین آیۂ تطہیر کے مقابلہ میں پیش کرکے اپنی کم باطنی کا ثبوت دیتے ہیں۔ قطع نظر تفسیری ثبوت کے خود اس آیت کا صدر مطلب مذکور پر بطور نص دلالت کرتا ہے ارشاد ہوتا ہے وینزل علیکم من السماء ماءً لیطہرکم

لغزش و خطاء سے منزہ و مبرہ اور درجہ رفیعہ عصمت و طہارت پر فائز ہو۔

(۲) مخبر صادقؐ نے خبر دی ہے کہ قرآن و عترت قیامت تک ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے اس عدم جدائی کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ بزرگوار ہر قول و فعل میں قرآن کے ساتھ ہوں گے۔ اور قرآن ان کے ساتھ ہوگا۔ اگر عمداً یا سہواً ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو لازم آئے گا۔ کہ یہ قرآن سے جُدا ہو جائیں۔ حالانکہ یہ امر مستلزم تکذیب رسولؐ ہے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ یہ بزرگوار من لمبدائی اللحد ہر کبیرہ و صغیرہ گناہ سے ہر حالت میں منزہ و مبرہ ہیں یہی معنی ہیں اُن کے معصوم و مطہر ہونے کے۔

(ج) اسی حدیث شریف کے بعض طرق و اسانید میں مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا انھم لن یدخلوکم باب ضلالۃ و لم یخرجوکم من باب ھدی" یعنی یہ بزرگوار تم کو ہرگز ضلالت و گمراہی میں داخل نہیں کریں گے اور کبھی تمہیں رشد و ہدایت سے خارج نہیں کریں گے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص اپنے پیروؤں کو کبھی اور کسی حال میں جادۂ مستقیم سے نہ ہٹائے اور کبھی انہیں وادیٔ ضلالت میں نہ ڈالے وہ معصوم ہی ہو سکتا ہے۔ اسی حدیث شریف سے دیگر آئمہ اہلبیتؑ کے علاوہ جناب امیرالمومنینؑ کی عصمت و طہارت واضح ہو گئی۔

(د) بہت سے محدثین جیسے ابن عقدہ، شریف سمہودی، ابن حجر مکی، سلیمان قندوزی، دارقطنی بزاز، ابن ابراہیم حمّی وغیرہ نے حدیث ثقلین کے ذیل میں یہ تتمہ درج کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے امیرالمومنینؑ کا ہاتھ پکڑ کے فرمایا: "ھذا علی مع القرآن و القرآن مع علی لا یفترقان حتی یردا علی الحوض" اس ارشاد میں صاف موجود ہے کہ حضرت امیرالمومنینؑ اور قرآن کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ساتھ ہے۔ ظاہر ہے کہ مخبر صادقؐ کی یہ پیشگوئی غلط نہیں ہو سکتی۔ کھلی ہوئی بات ہے۔ کہ قرآن کے ساتھ ہمیشہ وہی رہ سکتا ہے۔ جس کے قول و فعل میں غلطی کا امکان نہ ہو۔ خطاکار انسان کا اور قرآن کا دائمی ساتھ محال و ممتنع ہے۔

(۳) صواعق محرقہ ینابیع المودہ اور دیگر کتب اہلسنت میں آنحضرتؐ کا یہ ارشاد موجود ہے۔ "علی مع الحق و الحق مع علی اللھم ادر الحق حیث ما دار علی" ارباب عربیت کو معلوم ہے آنحضرتؐ نے یہاں جملہ اسمیہ خبریہ استعمال فرمایا ہے جو دوام و استمرار پر دلالت کرتا ہے اس کے معنی یہ ہوں گے۔ کہ امیرالمومنینؑ اور حق کے درمیان کبھی جدائی نہیں ہو سکتی اس کے علاوہ آنحضرتؐ کی امیرالمومنینؑ کے حق میں دعا بھی قابل لحاظ ہے زبانِ رسالت سے نکلی ہوئی دعا

ناممکن ہے کہ قبول نہ ہو۔ آنحضرتؐ نے دعا کی جو یقیناً قبول ہوئی نتیجہ صاف ہے کہ اس کے بعد امیر المومنینؑ کا ہر قول و فعل حق کے ساتھ بلکہ عین حق قرار پاجاتا ہے۔ اور ایسے ہی شخص کو معصوم کہا جاتا ہے۔

(۲) اگر ان قطعی دلائل سے بھی کسی شخص کی تشفی نہ ہو تو پیغمبر اسلامؐ کی تصریح ملاحظہ فرمائیں۔
فرائد السمطین ج ۲ باب ۳۱ اور ینابیع المودۃ باب ۷۶ میں ابن عباس سے روایت کرتے ہیں:
قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول انا وعلی والحسن والحسین وتسعۃ من ولد الحسین مطھرون معصومون۔ "ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے پیغمبر اسلامؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں، علیؑ، حسنؑ، حسینؑ اور حسینؑ کے نو فرزند (از امام زین العابدینؑ تا حضرت حجۃؑ) سب کے سب مطہر و معصوم ہیں۔" اس قدر صراحت کے بعد بھی وضاحت کا کوئی اور درجہ باقی رہ جاتا ہے؟ اگر بایں ہمہ کوئی متشکک و مرتاب شکوک و شبہات کی وادیوں میں چکر لگاتا ہے اور ان دلائل و براہین کی روشنی میں اپنی چشم بصیرت کو جلا دے کر اپنے قلب کو نور ایمان سے منور نہ کرے تو یہ اس کی خیرہ چشمی کی بین دلیل ہے۔ سچ ہے من لم یجعل اللّٰہ لہ نوراً فمالہ من نور۔

حضرت امیر المومنینؑ اشجع الناس ہیں

دنیا میں بڑے بڑے بہادر رہے ہیں سب سے اپنے اپنے کارنامے پیش کیے مگر ایسا بہادر جو کسی جنگ میں کسی حالت میں نہ گھبرایا ہو۔ اور نہ کبھی پیچھے قدم ہٹایا ہو ناممکن ہے کہ تاریخ پیش کر سکے یہ خصوصیت صرف علیؑ کو حاصل تھی آپ کی ساری زندگی میدان جنگ میں گزری لیکن کبھی کوئی حرکت و سکون ایسا سرزد نہیں ہوا جس میں شجاعت کے خلاف کا شائبہ بھی پایا جائے۔ آپ نہ کسی مقابلہ میں خائف ہوئے۔ اور نہ آپ کبھی کثرت سپاہ کو نگاہ میں لائے۔ تن تنہا ہزاروں کا مقابلہ کیا اور فتح یاب رہے۔ ابن ابی الحدید معتزلی شرح نہج البلاغۃ ج ۱ صفحہ ۵ و ۶ پر حضرت امیر المومنینؑ کے فضائل و کمالات کا تذکرہ کرتے ہوئے اور یہ ثابت کرتے ہوئے کہ تمام اسلامی علوم و فنون کی بازگشت آپؑ کی ذات والا صفات کی طرف ہے صفحہ ۶ پر آپ کی خداداد شجاعت و شہامت کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"اما الشجاعۃ فانہ انسی الناس فیھا ذکر من کان قبلہ ومحی اسم من یأتی بعدہ ومقاماتہ فی الحرب مشھورۃ یضرب بھا الامثال الی یوم القیامۃ وھو

الشجاع الذی ما فرقط ولا ارتاع من کتیبۃ ولا بارز احداً الا قتلہ ولا ضرب ضربۃ فتحتاج الی الثانیۃ (الی ان قال) وکانت العرب تفتخر بوقوفہا فی الحرب فی مقابلتہ فاما قتلاہ فافتخار رھطھم بانہ علیہ السلام قتلھم اظھر واکثر قالت اخت عمرو بن عبدود ترثیہ۔

— لو کان قاتل عمرو غیر قاتلہ ۔۔۔ بکیتہ ابداً مادمت فی الابد

لکن قاتلہ من لا نظیر لہ ۔۔۔ وکان یدعی ابوہ بیضۃ البلد

(الی ان قال) وجملۃ الامران کل شجاع فی الدنیا الیہ ینتھی وباسمہ ینادی فی مشارق الارض ومغاربھا ؂

یعنی جہاں تک آپ کی شجاعت کا تعلق ہے آپ وہ بہادر ہیں جس نے بہادری میں پہلے بہادروں کا ذکر بھلا دیا۔ اور آنے والے بہادروں کے ناموں کو (بہادری کی فہرست سے) مٹا دیا۔ آپ کے جنگی کارنامے مشہور ہیں جو قیامت تک ضرب المثل رہیں گے آپ وہ بہادر ہیں جو نہ کبھی جنگ سے بھاگتے تھے اور نہ کبھی کثرت سپاہ سے گھبراتے تھے۔ جب بھی کوئی شخص آپ کے مقابلے میں آیا آپ نے اسے قتل کر دیا آپ میدان جنگ میں شجاعت کے وہ یکہ تاز بہادر ہیں کہ آپ نے کبھی ایک ضرب لگانے کے بعد دوسری ضرب کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ عرب آپ کے بالمقابل آنے پر فخر و مباہات کرتے تھے اور مقتولین کے وارث اس بات پر فخر کرتے کہ ان کا مقتول آپ کے ہاتھ سے قتل ہوا ہے چنانچہ عمرو بن عبدود کی بہن بھائی کے مرثیہ میں کہتی ہے۔ "اگر عمرو کا قاتل اس کے قاتل (حضرت علیؑ) کے علاوہ کوئی اور ہوتا تو میں زندگی بھر اس پر گریہ و بکا کرتی لیکن اس کا قاتل وہ جنگجو ہے جس کی کوئی نظیر نہیں۔ اور اس کا والد ماجد بھی سردار شہر پکارا جاتا تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ خلاصۂ کلام یہ کہ دنیا کا ہر بہادر آپ ہی کی ذات تک منتہی ہوتا ہے اور مشرق و مغرب میں آپ ہی کے نام کے نعرے لگائے جاتے ہیں (نعرہ حیدری۔ یا علیؑ) اللھم صل علی محمد وآل محمد۔

غرض کہ زمانہ رسولؐ کی جنگیں ہوں یا زمانۂ مابعد والی ان کے جس قدر حالات کتب سیر و تواریخ میں مرقوم ہیں ہر ہر واقعہ آپ کی شجاعت پر شاہد عادل ہے اس سے بھی بڑھ کر آپ کی شجاعت کا شاہکار یہ ہے کہ تین خلافتوں کے دور میں اپنا حق غصب ہوتا دیکھتے ہیں۔ بنت رسولؐ کو مصائب امت میں گرفتار دیکھتے ہیں۔ مگر یہ شجاعت محض اسلام کی خیرخواہی

اور وصیت رسالت پناہی کے پیش نظر تلوار کو میان سے باہر نہیں کھینچتے۔ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ مقام فضیلت میں آپ کے مقابلہ میں ان لوگوں کا نام لیا جاتا ہے جن کے متعلق مورخین لکھتے ہیں کہ "ما ضرب ولا ضرب قط" نہ کبھی کسی کو کوئی ضرب لگائی تھی اور نہ کبھی کسی سے کوئی چوٹ کھائی تھی۔ آیا ان حقائق کی روشنی میں حضرت امیر علیہ السلام کے "اشجع الناس" ہونے میں کوئی شک وشبہ باقی رہ جاتا ہے؟ الا والیہ اھدی۔

افضلیت امیر المومنین علیہ السلام

مسئلہ تفضیل حضرت امیر المومنین بر شیخین (وغیرھما) یا تفضیل شیخین برعلی قدیم الایام سے مسلمانوں کے سیلی معرکۃ الآرا چلا آرہا ہے۔

اس سلسلہ میں اختلاف آراء کا نمونہ!

تمام شیعہ امامیہ اور محققین اہل سنت اس امر کے قائل ہیں کہ حضرت ختمی مرتبتؐ کے بعد نفس الناس حضرت امیر علیہ السلام ہیں لیکن جمہور اہلسنت افضلیت ابوبکر اور ان کے بعد عمر کے قائل ہیں لیکن حضرت علیؑ و عثمان کے متعلق ان کے درمیان پھر اختلاف ہے اکثر حضرات عثمان کو افضل بتاتے ہیں۔ اور بعض جنابؑ کو افضل قرار دیتے ہیں اور بعض لوگ جو بزعم خود محتاط ہیں وہ اس امر میں توقف کرتے ہیں بہرحال شریعت مقدسہ اسلامی کا وہ کونسا مسئلہ ہے جو مسلمانوں کی چیرہ دستیوں اور اختلاف آرائیوں سے محفوظ رہا ہو۔ اور ان کے باہمی اختلافات کی آماجگاہ نہ بنا ہو۔ اس تلخ حقیقت کے ثبوت میں ایک دو نہیں سینکڑوں شواہد پیش کیے جا سکتے ہیں۔ دور جانے کی ضرورت نہیں ہے، خود اسی مسئلہ افضلیت کو لے لیجئے باوجودیکہ یہ مسئلہ عقل سلیم، قرآن کریم اور حدیث سرکار سید المرسلین کی روشنی میں ایسا واضح ہے کہ کوئی دانا و بینا اور ناقد خبیر فضیلت حضرت میں سر مو شک وشبہ نہیں کر سکتا۔ لیکن بایں ہمہ اس میں جو اختلافات ہیں ان کی ایک اجمالی فہرست کی روشنی میں اس مسئلہ کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔ قبل اس کے کہ اصل مسئلہ میں وارد ہوں اور دلائل افضلیت کا بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

معیار و میزان افضلیت کیا ہے؟

جب دو یا اس سے زیادہ شخصوں میں سے کسی شخص کی فضیلت معلوم کرنا ہو تو اس کے کئی طریقے ہو سکتے ہیں۔ لیکن علمائے محققین نے اس سلسلہ میں دو طریقے بیان کیے ہیں۔

(۱) کثرت ثواب ربانی (جو کہ "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" کا مفاد ہے)

ملاحظہ ہو ... معیار افضلیت کا بیان الخ

(۱) کثرتِ فضائل نفسانی (یعنی جس شخص کا عند اللہ ثواب زیادہ ہو یا جس کے فضائل نفسانیہ زیادہ ہوں، اس کو افضل سمجھا جائے گا۔ (جو کہ ان اللہ اصطفٰہ علیکم وزادہٗ بسطۃً فی العلم والجسم کا مفاد ہے۔ (شرح عقائد نسفی وغیرہ)

یہ مقدمہ ذہن نشین کر لینے کے بعد اب ہم ذیل میں اسی معیار و میزان کی رو سے عقل و قرآن اور حدیث کی روشنی میں حضرت امیر علیہ السلام کی افضلیت کو ثابت کرتے ہیں۔

افضلیت حضرت امیرؑ عقل کی روشنی میں

ابھی بیان ہو چکا ہے کہ معیارِ افضلیت کثرتِ ثواب یا کثرتِ فضائل و مناقب ہے جو شخص اس میدان میں پیش پیش ہوگا۔ عقلِ سلیم اس کی افضلیت کا حکم لگانے میں ہرگز تامل نہیں کرے گی اب صرف یہ دیکھنا ہے کہ اس میزان میں کس کا پلہ بھاری ہے اور اس میدان میں گوئے سبقت کس کے ہاتھ میں ہے؟ اگر چشمِ بصیرت سے تعصب و عناد کی عینک اتار کر نظرِ غائر سے حقائق کو دیکھا جائے تو ان دونوں باتوں میں حضرت امیر المومنینؑ سب سے پیش پیش نظر آتے ہیں۔ کوئی دوسرا شخص ان کی ہمسری و برابری تو درکنار اُن کی گردِ پا کو بھی نہیں چھو سکتا۔

ظاہر ہے کہ جس قدر عبادت گرانقدر ہوگی۔ اسی قدر اس کا ثواب بھی بیشتر ہوگا۔ کیونکہ اس کے علاوہ کثرتِ ثواب معلوم کرنے کا اور کوئی طریقہ ہے ہی نہیں۔ بنابریں جس شخص کی عبادت کی یہ کیفیت ہو کہ اس کی ایک ضربت کو دیکھ کر جو کہ عمرو بن عبدود کے سر پر لگی۔ پیغمبر اسلامؐ کہہ اٹھے "ضربۃ علی یوم الخندق افضل من عبادۃ الثقلین" علی کی ایک ضربت جنگِ خندق کے دن جن و انس کی عبادت سے افضل ہے (حیوۃ الحیوان تفسیر کبیر ج ۲ اربعین رازی وغیرہا)

اس کے باقی عبادات کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ حضرت امیرؑ کی اس ضربت کو معمولی نہ سمجھنا چاہیئے۔ اس کی قدر و منزلت دیکھنا ہو تو پیغمبر اسلامؐ کی زبان حق ترجمان سے نکلے ہوئے الفاظ پر غور کیجئے یا ان لوگوں کے کلام کو دیکھئے جنہوں نے تاریخ اسلام کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا ہے ایک ایسا ہی شاعر کہتا ہے۔

اسلام کے دامن میں اور اس کے سوا کیا ہے؟
اک ضربِ ید اللہیؑ اک سجدۂ شبیریؑ (وقار انبالوی)

بعد ازیں آنحضرتؑ کے باقی عبادات یعنی کثرتِ صوم و صلوٰۃ اور حج و زکوٰۃ وغیرہ کا ذکر کرنا چنداں فائدہ نہیں رکھتا جن کے ذکر و مدح سے قرآن مجید اور احادیث بھرے ہوئے ہیں۔ العاقل تکفیہ الاشارہ

اس کے بالمقابل جب فریق ثانی کے کارناموں پر نظر کی جاتی ہے تو نتیجہ صفر نظر آتا ہے رہی فضائل ومناقب کی کثرت تو قسام ازل نے جس قدر فضائل و فواضل حضرت امیرالمومنینؑ کی ذات والاصفات کو عنایت فرمائے ہیں سوائے سرکار ختمی مرتبت کے باقی کسی ذات کو مرحمت نہیں فرمائے جاری کیا مطلب ہے کہ ان فضائل کا عشر عشیر بلکہ ہزارواں حصہ بھی بیان کر سکیں خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما گئے ہیں۔ "لو کان الریاض اقلاما والبحر مدادا والجن حسابا والانس کتابا ما احصوا فضائل علی ابن ابی طالب" اگر تمام درخت قلم بن جائیں تمام سمندر سیاہی بن جائیں تمام جن حساب کرنے بیٹھ جائیں اور انسان لکھنا شروع کر دیں تو بھی حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے فضائل ومناقب کا احصاء وشمار نہیں کر سکیں گے۔ (مناقب خوارزمی ص۲ طبع ایران وکفایۃ الطالب شیخ محمد ابن طلحہ گنجی الشافعی ص۲۲ طبع نجف اشرف)

نیز آنحضرتؐ سے مروی ہے۔ فرمایا "ان اللہ جعل لاخی علی فضائل لا تحصی کثرۃ" یعنی خداوند عالم نے میرے بھائی علیؑ ابن ابی طالبؑ کو اس قدر فضائل عطا فرمائے ہیں۔ جن کا بہ سبب کثرت احصار بھی نہیں ہو سکتا۔ (ینابیع المودۃ)

امام احمد بن حنبل، اسماعیل قاضی اور ابو علی کا قول ہے کہ "لم یرد فی فضائل احد من الصحابۃ بالاسانید الحسان ما یروی فی فضائل علی بن ابی طالب" یعنی صحابہ کرام میں سے کسی کے متعلق بہ اسانید حسن اس قدر فضائل وارد نہیں ہوئے۔ جس قدر حضرت علیؑ ابن ابی طالب کے فضائل وارد ہوئے ہیں۔ (ملاحظہ ہو تاریخ الخلفاء سیوطی طبع مصر ص۱۶۸ مستدرک حاکم طبع حیدرآباد دکن ج ۳ ص۱۰۷ ریاض نضرہ ج ۲ ص۲۸۲ مسند امام احمد ج ۱ ص۱۸۹ نور الابصار ص۷۳ استیعاب ص۱۷۸ صواعق محرقہ ص۷۲)

ابن حجر مکی جیسے متعصب سنی عالم نے صواعق محرقہ میں صراحتاً اقرار کیا ہے۔ کہ "مناقب علی وفضائلہ اکثر من ان تحصی" یعنی حضرت علیؑ کے مناقب وفضائل اس سے کہیں زیادہ ہیں کہ ان کا احصاء کیا جائے۔ (صواعق محرقہ ص۷۳ طبع مصر جدید)

ان حقائق کی روشنی میں روز روشن کی طرح واضح وآشکار ہو گیا کہ کثرت ثواب وکثرت فضائل کے اعتبار سے حضرت امیرالمومنینؑ کا پلہ سب لوگوں سے بھاری ہے۔ بعد ازیں عقل سلیم کو جناب کی افضلیت کا فیصلہ صادر کرنے میں ہرگز کوئی ایسی دقت نہیں ہوتی وہ جانتی ہے آنجنابؑ کی افضلیت کا فیصلہ کرتی ہے؟

افضلیت حضرت امیرؑ کتاب اللہ کی روشنی میں

قرآن مجید میں بہت سی ایسی آیات ہیں جو حضرت امیرالمومنینؑ کی افضلیت پر دلالت

فقط امتِ محمدیہ سے افضلیت کا تذکرہ ہم محض تنزل کے طور پر اور یہی موضوعِ بحث ہونے کی وجہ سے کرتے ہیں ورنہ دراصل آیت میں اس سے کہیں زیادہ وسعت ہے کیونکہ افضلیتِ رسول فقط آپ کی امت تک ہی محدود نہیں بلکہ تمام انبیاء کرام اور ان کی امم کو شامل ہے تو بنا بریں جو شخص اس افضلیت میں شریکِ رسولؐ ہوگا وہ بجز آپ کے باقی تمام انبیاء و امم سے افضل ہوگا۔ فتدبر ولا تکن من الجاحدین؟

دوسری آیت ۔ ان الذین آمنوا وعملوا الصٰلحٰت اولئک ھم خیر البریۃ۔ جو لوگ ایمان لائے اور اس کے بعد اعمالِ صالحہ بجا لائے وہی سب لوگوں سے افضل ہیں؟ تفسیر درِ منثور سیوطی ج ۶ ص ۳۷۹ باسناد ابن عساکر جابر ابن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں

قال کنا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاقبل علی فقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والذی نفسی بیدہ ان ھذا و شیعتہ ھم الفائزون یوم القیٰمۃ ونزلت ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات اولئک ھم خیر البریۃ فکان اصحاب النبی اذا اقبل علی قالوا جاء خیر البریۃ ۔ (وکذا فی تفسیر الطبری ج ۳۰ ص ۱۷۱)

یعنی جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اے علیؑ خیر البریہ تم ہو اور تمہارے شیعہ ہیں۔ یہی تفسیر باختلاف یسیر مناقب خوارزمی ص ۱۸۸ و ص ۱۸۸ پر بحوالہ مناقب ابن مردویہ اور فصول مہمہ ص ۱۲۲ ابن صباغ مالکی صواعق محرقہ ص ۹۶ طبع جدید بذیل آیۂ ۱۱ بحوالہ حافظ جمال الدین زرندی باسناد ابن عباس اسی طرح نور الابصار شبلنجی ص ۷۰ پر مذکور ہے۔ و ہکذا فی کفایۃ الطالب ص ۱۱۹ طبع نجف ان کتب میں اس آیہ کی تفسیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ علی خیر البریہ ۔ یعنی سب لوگوں سے بہتر حضرت علیؑ ہیں چنانچہ آنحضرتؐ کی زبان وحی ترجمان سے نکلا ہوا حضرت امیرؑ کا یہ لقب مبارک اس قدر مشہور و معروف ہوگیا تھا کہ جب جنابؑ کا کسی بزمِ صحابہ میں نزولِ اجلال ہوتا تھا تو وہ کہہ اٹھتے تھے۔ جاء خیر البریۃ جاء خیر البریۃ[1]

---

[1] ینابیع المودۃ ص ۶۲ باب ۱۴ پر مرقوم ہے کہ جب حضرت علیؑ نے بر سرِ منبر دعویٰ سلونی فرمایا تو ابن کوا نے کھڑے ہو کر اس آیہ خیر البریہ کے متعلق استفسار کیا آپ نے فرمایا۔ اولئک تم اور تمہارا گروہ ہم اور ہمارے پیرو ہیں۔ منہ عفی عنہ

بلکہ آثار و اخبار سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنجناب کا یہ لقب مبارک قرن اوّل میں اس قدر شہرت اختیار کر چکا تھا کہ معاویہ ایسے آپ کے سخت دشمن بھی اس کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکے۔ وہ اپنے ایک مشہور خصوصی مشاعرہ میں (جس کے شرکاء معاویہ، یزید اور عمرو بن عاص تھے) کہہ گئے ہیں۔

خیر البریۃ بعد احمد حیدر

الناس ارض والوصی سماء

یعنی احمد مجتبیٰؐ کے بعد تمام لوگوں سے افضل حیدر کرارؑ ہیں۔ تمام لوگ (از روئے پستی) بمنزلہ زمین اور وصی رسول (حضرت علیؑ از روئے رفعت شان) بمنزلہ آسمان ہیں (تاریخ اسلام مولفہ سید محمد ہاشم وغیرہ)

الحمد للہ اس آیہ مبارکہ نے نہایت صراحت کے ساتھ افضلیت حضرت امیرؑ پر مہر ثبت کر دی ہے

افضلیت حضرت امیرؑ احادیث نبویہ کی روشنی میں

اس سلسلہ میں اس قدر احادیث موجود ہیں جن کا احصار نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ اہل ولا کی چشم بصیرت کو جلاء اور اہل عناد کے قلوب کو کباب کرنے کے لئے فقط چند احادیث معتبرہ پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) کتاب، ذخائر العقبیٰ صفحہ طبع مصر، مناقب خوارزمی، فرائد السمطین، مناقب ابن مغازلی، مطالب السؤل، فصول مہمہ ابن صباغ مالکی، سنن بیہقی، ینابیع المودۃ باب ۴۰ صفحہ ۲۱ طبع بمبئی، شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید، مسند امام احمد بن حنبل، کفایۃ الطالب، مودۃ القربیٰ، الریاض النضرۃ ج ۲ صفحہ ۲۱۸ باب ۴ اربعین رازی وغیرہا میں معمولی اختلاف الفاظ کے ساتھ یہ حدیث شریف مذکور ہے کہ پیغمبر اسلام نے فرمایا۔ "من اراد ان ینظر الی آدم فی علمہ والی نوح فی فہمہ والی ابراھیم فی حلمہ وفی خلتہ، والی موسیٰ فی بطشہ والی یحیی ابن زکریا فی زھدہ فلینظر الی علی ابن ابی طالب" جو شخص حضرت آدمؑ کا علم و عرفان، حضرت نوحؑ کا فہم و ذکا، حضرت ابراہیمؑ کا ضبط و حلم (نیز ان کی نبوت و خلت)، حضرت موسیٰؑ کا رعب و دبدبہ اور حضرت یحییٰؑ کا زہد و تقویٰ دیکھنا چاہیے، وہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو دیکھ لے کیونکہ ان کے دیکھنے سے تمام انبیاء ماسلف کے انفرادی کمالات مجموعی طور پر آنجنابؑ میں مل جائیں گے۔ ولقد اجاد من قال

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

یعنی خداوند عالم کی قدرت سے یہ امر بعید نہیں ہے کہ تمام عالم کو ایک ذات میں جمع کر دے

اس مفہوم کو فارسی زبان کے ایک شاعر نے اس طرح ادا کیا ہے۔

ع حسن یوسفؑ، دم عیسٰیؑ، ید بیضا داری   آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

یہ حدیث شریف بھی منجملہ ان ادلہ و براہین کے ہے جو بجز سرکار ختمی مرتبت باقی سب انبیاء پر حضرت علیؑ کی افضلیت پر دلالت کرتے ہیں۔ کیونکہ اس حدیث شریف میں چند اولوالعزم انبیاء کے نمایاں کمالات کو مجموعی طور پر حضرت امیر علیہ السلام کے لئے ثابت کیا گیا ہے ظاہر ہے کہ جو شخص مجموعۂ کمالاتِ انبیاء ہوگا وہ فرداً فرداً ہر نبی سے افضل ہوگا۔ خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا جو نوکِ قلم سے نکل گیا۔ کیونکہ سردست ہمارا موضوع بحث تفضیل للآئمہ علی الانبیاء نہیں بلکہ علی الامۃ المحمدیہ ہے لہٰذا ہم بنا بر تنزل کہتے ہیں کہ اس حدیث شریف سے اس قدر تو ثابت ہو ہی گیا۔ کہ حضرت علیؑ انبیاء سابقین کے مساوی ہیں اور تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام عام افرادِ امت محمدی سے جن میں صحابہ کرام بھی شامل ہیں افضل ہیں۔ لہٰذا جو شخص افضل کا مساوی و ہم پلہ ہوگا وہ بھی ان سے افضل ہوگا۔

(۲) اگر مذکورہ بالا بیان حق ترجمان سے کما حقہٗ اطمینان حاصل نہ ہوا ہو تو آئیے اس امر کی تصریح پیغمبر اسلام کی زبان فصیح البیان سے سن لیجئے۔ باسناد جناب جابر و حذیفہ و عائشہ مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: "علی خیر البشر من شک فیہ فقد کفر" بے شک علیؑ خیر البشر ہیں۔ جو اس میں شک کرے گا۔ کافر ہو جائے گا۔ (ینابیع المودۃ ص۲۰۱ طبع بمبئی مودۃ القربیٰ ص۱۵ مناقب ابن مردویہ۔ کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق للمناوی مطبوعہ برحاشیہ جامع الصغیر سیوطی ج ۲ ص۱۶ طبعہٗ رابعہ مصر کنز العمال ج ۶ ص۱۵۹) نیز اسی صفحہ پر بایں الفاظ یہ بھی مذکور ہے: "من لم یقل علی خیر الناس فقد کفر" بحوالہ خطیب باسناد ابن مسعود از علیؑ۔ اسی طرح کفایۃ الطالب ص۱۱۸ طبع نجف اشرف پر یہ حدیث طرق متعددہ سے نقل کی گئی ہے۔ حتیٰ کہ ایک شیعہ عالم شیخ ابو محمد جعفر ابن احمد ابن علی قمی نے ایک کتاب مسمی بہ "نوادر الاثر فی کون علی خیر البشر" اس حدیث کے طرق و اسناد کے متعلق تالیف کی ہے جس میں انہوں نے تقریباً پچہتر طرق و اسانید سے اس حدیث شریف کو نقل کیا ہے۔ کتاب مذکور سنہ ۱۳۶۹ھ میں طہران میں طبع ہو چکی ہے۔ شائقین تفصیل اس کی طرف رجوع کریں ظاہر ہے کہ متکلم ایسے مقامات پر خارج ہو کرتا ہے بنا بریں اس حدیث شریف کا صاف و صریح مطلب یہ ہوگا۔ کہ سوائے سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے باقی تمام نوع بشر سے حضرت امیر علیہ السلام افضل واشرف الانواع ہیں اور نوع بشر اشرف الانواع ہے اس طرح وہ سوائے سرکار رسالت کے باقی تمام کائنات سے افضل ہیں۔

ع بعد از مصطفٰیؐ در کل عالم   نہ بود فاضل تر و بہتر ز حیدرؑ

عقلاً بھی اس بات کی شدید ضرورت تھی کہ خاتم الانبیاء کا جانشین سابقہ انبیاء کے کمالات کا جامع ہو تاکہ ان کے مشن کو نہ صرف جاری رکھ سکے بلکہ اس کو مزید ترقی بھی دے سکے :
احادیث میں سے اسی قلیل مقدار پر اکتفا کی جاتی ہے۔ دفیہ کفایتہ لمن لہ ادنیٰ درایتہ
ودرستہ۔

سفینہ چاہیئے اس بحر بیکراں کے لئے

کس کی کیا مجال ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ کے فضائل و مناقب کا احصار کر سکے۔ جب کہ خود حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما چکے ہیں۔ "ان اللہ جعل لاخی علی فضائل لا تحصی کثرۃً" (خداوند عالم نے میرے بھائی علیؑ کو اس قدر فضائل عطا کئے ہیں۔ جن کی کثرت کی وجہ سے احصار نہیں ہو سکتا۔) (مطالب السئول) و لنعم ما قیل۔

فضائل علیؑ بہ گفتگو ممکن نیست ۔۔۔ گنجائش بحر در سبو ممکن نیست

افضلیت جناب حضرت امیرؑ خود اپنے کلام کی روشنی میں

اس خیال کے پیش نظر کہ شاید کوئی کوتاہ نظر ہمیں یہ طعنہ دے کہ تم تو حضرت امیر المومنینؑ کو افضل الامۃ قرار دیتے ہو۔ کبھی خود حضرت امیرؑ نے بھی اپنی افضلیت کا دعویٰ کیا تھا؟ اس لئے یہ مناسب سمجھا کہ آنجنابؑ کا ادعائے افضلیت بھی نقل کر دیا جائے تاکہ واضح ہو جائے۔ کہ آنجنابؑ نے دعویٰ افضلیت کیا اور خدا و رسولؐ نے بھی ان کی تائید و تصدیق فرمائی لیکن جو معاندین بایں ہمہ اپنے عناد سے باز نہیں آتے ان کی سرکوبی کے لئے شیعیان حیدرؑ کرار اپنے سنانِ قلم کو حرکت دیتے ہیں۔ بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغہ۔

زمیران تا بہ مرداں ہی پرانند کہ سادو سرا فرق ہے جیسا کہ ہم عنقریب ثابت کریں گے۔ انشاء اللہ

بہرحال آنجنابؑ کے دعوائے افضلیت سے کتب فریقین کے بطون مملو و مشحون ہیں۔ بطور نمونہ مشتے از خروارے۔ ذیل میں آنجنابؑ کے چند اشعار آبدار نقل کئے جاتے ہیں۔ ابن حجر مکی اپنی کتاب صواعق محرقہ ص ۱۳۰ طبع جدید پر رقمطراز ہیں۔ "لما وصل الیہ فخر من معاویۃ قال لغلامہ اکتب الیہ ثم املا علیہ :

محمد النبیؐ اخی و صھری	و حمزۃ سید الشھداء عمی
و جعفر الذی یمسی و یضحی	یطیر مع الملائکۃ ابن امی
و بنت محمد سکنی و عرسی	منوط لحمھا بدمی و لحمی

وسبط احمد ابنای منہا   فایکم لہ سہم کسہمی

سبقتکم الی الاسلام طرّاً   غلاماً ما بلغت اوان حلمی

یعنی جب حضرت امیر المومنینؑ کو یہ خبر پہنچی کہ معاویہ نے آپ کے اوپر کچھ فخر و مباہات کیا ہے تو آنجنابؑ نے اپنے غلام سے فرمایا معاویہ کی طرف لکھو پھر آپ نے یہ اشعار املا فرمائے جن کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ میرے بھائی اور خسر ہیں اور حضرت حمزہ سید الشہداء میرے چچا ہیں جعفر طیار جو کہ صبح و شام جنت میں ملائکہ کے ساتھ اڑتے ہیں وہ میرے بھائی ہیں بنت رسولؐ فاطمہ بتولؑ میری زوجہ ہیں اور حضرت احمد مجتبےٰؐ کے دونوں نواسے یعنی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے میرے بیٹے ہیں تم میں سے کون ہے (کہ جس کا حصہ فضائل و مناقب میں) میرے حصے کے برابر ہو میں نے تم سب سے اظہار اسلام میں اس وقت سبقت کی جب کہ میں ابھی سن بلوغ کو بھی نہیں پہنچا تھا۔

آپ کے آخری ارشاد سے سبقت اسلام والا مسئلہ بھی واضح ہو جاتا ہے۔ آنجنابؑ کے دیوان شعر میں مذکورہ بالا اشعار درج کرنے کے بعد ابن حجر نے علامہ بیہقی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "ان ھذا الشعر یجب علی کل متوان فی علی حفظہ لیعلم مفاخرہ فی الاسلام الخ" ہر وہ شخص جو حضرت علی علیہ السلام کے حق میں کوتاہی کرتا ہے اس کے اوپر واجب ہے کہ ان اشعار کو حفظ کرے تاکہ حضرت علیؑ کے اسلامی مفاخر و مناقب معلوم ہو جائیں۔ بعد ازاں خود ابن حجر لکھتے ہیں "مناقب علی و فضائلہ اکثر من ان تحصی" کہ حضرت علیؑ کے فضائل و مناقب احصاء و شمار سے باہر ہیں۔ بعونہ تعالیٰ حضرت امیرؑ کے کلام حق ترجمان کلام ملک منان احادیث سید الانس والجان اور عقل و خرد انسانی کی رو سے حضرت امیر مومنان علیہ صلوٰت الرحمٰن کا تمام امت سے افضل ہونا ہر منصف مزاج مسلمان پر اس طرح واضح ہو گیا جس طرح زمین پر بلندی آسمان۔

مقام تحیر یا مقام تعجب

جب ایک طرف سیرت حضرت امیر المومنینؑ اور دوسری طرف سیرت شیخین پر نگاہ کی جاتی ہے اور جمہور مسلمانوں کے نظریہ (تفضیل شیخین) بر امیر مومنین پر نظر پڑتی ہے تو تعجب کی کوئی حد نہیں رہتی آخر ان اللہ کے بندوں سے کوئی پوچھے تو سہی کہ آیا یونہی زبانی کسی کو افضل کہہ دینے سے افضل بن جاتا ہے یا اس کا کوئی میزان و معیار بھی ہے؟ یقیناً ہر صاحب دانش و بینش جواب میں اسی آخری شق کو ہی اختیار کرے گا۔ اہم دوبارہ استفسار کرتے ہیں کہ وہ میزان و معیار افضلیت کیا ہے؟ خود تمہارا ہی فیصلہ ہے کہ معیار فضیلت کثرت

[illegible]

علم و عمل اور کثرتِ فضائل نفسانیہ ہے جس کا ثمرہ کثرتِ ثواب ہے۔ (شرح مواقف وغیرہ) اس مقام پر ہم سرِ بارہ یہ دریافت کرتے ہیں کہ جب تم یہ تسلیم کرتے ہو کہ معیار و میزانِ افضلیت کثرتِ ثواب اور کثرتِ فضائل و مناقب ہے تو خدارا ہمیں یہ بتاؤ کہ حضرات شیخین نے وہ کون سی عبادت کی ہے جس کی بناء پر تم ان کے ثواب کو حضرت امیر المومنینؑ کے ثواب سے بیشتر سمجھتے ہو یا فضائل و کمالات میں وہ کون سی صفتِ کمال ہے جس میں تمہارے شیخین امام الثقلین پر تفوق رکھتے ہیں؟ خدا شاہد ہے ہم نے اس سلسلہ میں نہایت دیانت داری اور غیر جانبداری کے ساتھ غور و تامل کیا ہے مگر معاملہ بالعکس دیکھا ہے یعنی جس عبادت پر نظر پڑتی ہے۔ خواہ صوم ہو یا صلوٰۃ، حج ہو یا زکوٰۃ، خمس ہو یا جہاد سب میں جناب حیدرِ کرارؑ کا پلہ بھاری نظر آتا ہے اور تمام فضائل و مناقب میں اور مدائح و محامد میں خواہ علم ہو یا حلم، ایمان ہو یا ایقان۔ زہد ہو یا تقویٰ شجاعت ہو یا شہامت انصاف ہو یا عدالت سیادت ہو یا نجابت غرضیکہ تمام صفات کمالیہ میں آنجنابؑ سب پر فوقیت رکھتے ہیں اور ہر صفت کے مرحلہ میں پیش پیش نظر آتے ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے (اگرچہ وہ بہت ہی تلخ ہے) والحق مر کہ حضرت امیر المومنینؑ کے اوصافِ جمیلہ کا خلفائے ثلاثہ کے اوصاف کے ساتھ موازنہ کرتے ہوئے اور ان کو ان پر فضیلت دیتے ہوئے جہالت دامنگیر ہوتی ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ مفضل (جس کو فضیلت دی جائے۔ اور مفضل علیہ (جس پر فضیلت دی جائے) کا اس فضیلت میں اشتراک ہونا ضروری ہے۔ مثلاً جب یہ کہا جائے کہ زید عمر سے زیادہ عالم ہے۔ تو یہ اس وقت صحیح ہو سکتا ہے کہ جب زید و عمر اصل عالم ہونے میں شریک ہوں۔ لیکن زید کا جنبۂ علمیہ بھاری ہو۔ اب اگر عمرو علم سے بالکل ہی بے بہرہ ہو تو اس صورت میں یہ کہنا کہ زید، عمر سے زیادہ عالم ہے غلط ہوگا۔ اسی طرح یہ کہنا کہ زید بکر سے زیادہ بہادر ہے اس وقت صحیح ہوگا۔ جب دونوں بہادر ہونے میں باہم شریک ہوں، ہاں البتہ زید کی بہادری کا پلہ بھاری ہو لیکن اگر صورتِ حال یہ ہو۔ کہ بکر میں بہادری کا نام ہی نہ ہو۔ تو پھر یہ کہنا کہ زید بکر سے بڑا بہادر ہے درست نہیں ہو سکتا!

ہمارے موضوعِ بحث میں بھی ہوئے اتفاق سے کچھ یہی صورتِ حال ہے کیونکہ حضرت امیر المومنینؑ کے مقابلہ میں جو حضرات پیش کئے جاتے ہیں۔ ان میں سرے سے ان صفات کا فقدان ہے۔ جو حضرت امیر المومنینؑ کے لئے مایۂ امتیاز ہیں اگر ہمارے اس بیان سے اطمینان نہ ہو تو آئیے ہم اس تلخ حقیقت کا ایک مختصر سا نقشہ آپ کے سامنے پیش کئے دیتے ہیں۔ تاکہ بعد ازیں آپ کو ہمارے بیان کی تائید و تصدیق کرنے میں کوئی چیز سدِ راہ نہ ہو سکے۔ اور منکرین پر اتمامِ حجت میں کوئی کمی نہ رہ جائے!

مختصر موازنہ صفات جناب امیرؑ با صفات شیخین!

حضرت امیرؑ کا فطری اسلام

حضرت علیؑ کے متعلق اہل سیر و تواریخ کا اتفاق ہے کہ لمحہ یکمن باللہ طرفۃ عین کہ آنجنابؑ نے ایک لمحہ کے لیئے بھی کفر و شرک اختیار نہیں کیا چنانچہ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ ص۱۸۰ پر آنجنابؑ کے اسم گرامی کے ساتھ "کرم اللہ وجہہ" کہنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ "لانہ لم یعبد لصنم قط" کہ انہوں نے کبھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا تھا کیونکہ وہ فطری اور پیدائشی مسلمان کامل تھے:

شیخین کی بت پرستی

ان کے مقابل دوسری طرف کم و بیش پینتیس پینتیس چالیس چالیس سال تک اصنام کی بت پرستی جاری رہتی ہے

ایمان علوی کا بیان

جناب امیر علیہ السلام کے ایمان کا یہ عالم ہے کہ جنگ خندق میں عمرو ابن عبدود کے مقابلہ میں حضرت امیرؑ کو تشریف لے جاتے ہوئے دیکھ کر حضرت رسول اکرمؐ فرماتے ہیں: "برز الایمان کلہ الی الکفر کلہ" کہ کل کا کل ایمان کل کے کل کفر کے مقابلہ میں جا رہا ہے۔ (حیوٰۃ الحیوان ج۱ ص ۲۴۲ - ۲۴۹ مطبوعہ مصر) عن عمر بن الخطاب قال اشہد علی رسول اللہ سمعتہ یقول ان السموات السبع والارضین السبع وضعت فی کفۃ ووضع ایمان علیؑ فی کفۃ لرجح ایمان علیؑ (الریاض النضرۃ ج ۲ ص۲۲۶ باب ۴ کنز العمال ج ۲ ص۱۹۹ حدیث ۲۹۵ وغیرہ) جناب عمر بیان کرتے ہیں کہ میں جناب رسولؐ خدا پر گواہی دیتا ہوں کہ میں نے آنحضرتؐ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اگر سات آسمان اور سات زمینیں (عدل و انصاف کے ترازو کے) ایک پلڑے میں رکھ دیئے جائیں اور علیؑ کا ایمان دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے۔ تو یقیناً علیؑ کا ایمان ہی وہ بھاری ہوگا۔ نیز آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ جب خداوند قدیر نے مجھے شرف معراج بخشا تو میں نے سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک ملائکہ کی آواز سنی جو کہہ رہے تھے "علی امیر المومنین" (اصابہ ج ۲ ص۲۴۲ بذیل ترجمہ عبداللہ بن سعد)

شیخین کا شرک و نفاق

دوسری طرف یہ عالم کہ ایک صاحب کے متعلق آنحضرتؐ فرماتے ہیں یا ابا بکر الشرک فیکم اخفیٰ من دبیب النملۃ اے ابوبکر! تم میں شرک چیونٹی کی رفتار سے بھی زیادہ مخفی چلتا ہے۔ (منتخب کنز العمال ج۱ ص۲۲۷ و تفسیر ابن کثیر بر حاشیہ مسند امام احمد)

حاشیہ تفسیر فتح البیان طبع مصر ج ۵ ص۱۳ تفسیر در منثور ج ۴ ص۱۹۲) اور جناب ثانی اپنی زبان سے اقرار کر رہے ہیں کہ "یا حذیفہ بااللہ انا من منافقین" اے حذیفہ! بخدا میں منافقوں میں سے ہوں (میزان الاعتدال ذہبی ج ۱ ص۲۹۵)

جناب امیرالمومنین کا ایقان

جناب امیر علیہ السلام کے یقین کا یہ عالم ہے کہ خود ارشاد فرماتے ہیں "لو کشف الغطاء لما ازددت یقینا" اگر واجب اور ممکن کے درمیانی حجاب اٹھا دیئے جائیں۔ تو بھی میرے یقین و معرفت میں کوئی زیادتی نہ ہوگی (شرح فقہ اکبر مطبوعہ گلزار محمدی لاہور ص۹۰)

شیخین کی کمزوری یقین

دوسری طرف ضعف یقین کی یہ حالت ہے کہ ایک صاحب سے پیغمبر خدا فرماتے ہیں "ولا ادری ما تحدثون بعدی" مجھے کیا معلوم ہے کہ میرے بعد تم کیا کیا احداث و بدعات پھیلاؤ گے؟ (موطاء مالک ص۱۷۴ جلد بہ بعد) ارشاد رسول بابی بکر۔ اور دوسرے صاحب صلح حدیبیہ کے موقع پر فرماتے ہیں "ما شککت منذ اسلمت الا یومئذ" میں جب سے اسلام لایا ہوں کبھی شک نہیں کیا مگر اس دن (تفسیر در منثور ج ۲ ص۷۷)

علم علوی کا تذکرہ

حضرت امیر علیہ السلام کے علم و عرفان کی یہ حالت ہے کہ سرکار رسالت فرماتے ہیں "انا مدینۃ العلم و علی بابها" (حدیث نبوی متفق علیہ) اسی مدینہ علم نبوی ہونے کا نتیجہ تھا کہ ببانگ دہل ارشاد ہو رہا ہے "سلونی سلونی قبل ان تفقدونی۔ جو چاہو مجھ سے پوچھو قبل اس کے کہ مجھے نہ پاؤ۔ (کنز العمال ج ۷ ص۱۵۲ صواعق محرقہ ص۱۲۷ وغیرہ)

جناب رسول خدا فرماتے ہیں علم و حکمت کو دس حصوں پر تقسیم کیا گیا ہے جس میں سے ۹ حصے تو تنہا علیؑ کو دے دیئے گئے ہیں "وهو اعلم بالعشر الباقی" اور دسویں حصہ میں بھی وہ شریک غالب ہیں (مطالب السئول ص۲۱ ینابیع المودۃ ص۸۰ باب ۱۴) اسی وجہ سے جناب امیرؑ فرمایا کرتے تھے کہ میں قرآن کی ہر ہر آیت کے متعلق جانتا ہوں کہ وہ رات کی تاریکی میں اتری ہے یا دن کے اُجالے میں پہاڑوں کی بلندیوں پر اتری ہے یا زمین کی پستیوں پر۔ مکہ میں اُتری ہے یا مدینہ میں، سفر میں یا حضر میں، محکم ہے یا متشابہ۔ (صواعق محرقہ۔ ص۷۶ تاریخ الخلفا ص۱۲۴ وغیرہ)

شیخین کی علمی حالت

دوسری طرف یہ عالم ہے کہ خلیفہ اول سے "فاکہۃ و ابا" کے معنی پوچھے جاتے ہیں تو اپنی لاعلمی کا اظہار کرتے ہیں (تفسیر اتقان ج ۲ ص۱۱۴)۔ دادی اگر خلیفہ صاحب سے اپنے پوتے کی وراثت کا مسئلہ دریافت کرتی ہے۔ تو فرماتے ہیں "لیس

صہ ۴/۳ تاریخ کامل ج ۲ صہ ۱۲۱ کنز العمال ج ۲ صہ ۱۳۰) اور بعض کتب میں یہ الفاظ موجود ہیں: "اقیلونی فلست بخیرکم و علی فیکم" " اسے لوگو! مجھے چھوڑ دو میں تم سے افضل نہیں ہوں۔ حالانکہ تمہارے درمیان علی موجود ہیں (یعنی حضرت علی مجھ سے افضل ہیں لہٰذا ان کی موجودگی میں تم مجھے کیوں خلیفہ مقرر کرتے ہو۔) (شرح نہج البلاغہ حدیدی ج ۲ صہ ۱۹ و تذکرہ خواص الامہ سبط ابن جوزی صہ ۲۰۳) اسی طرح حضرت خلیفہ ثانی کا مسائل مشکلہ میں بارہا حلال مشکلات کی طرف رجوع کرنا اور بار بار "لولا علی لہلک عمر" کہنا بھی صریحاً اپنی مفضولیت اور آنجناب کی افضلیت کا اقرار کرنے کے مترادف ہے۔ (استیعاب ابن عبدالبر ج ۳ صہ ۳۹ نور الابصار صہ ۷۳ مطالب السؤل ج ۱ صہ ۲۹ وغیرہ) خلیفہ صاحبان کے دعویٰ اور خلیفہ زادوں کے دعویٰ میں جو نمایاں فرق ہے وہ کسی شخص پر مخفی و مستور نہیں۔ یہ ہمارے برادران اسلام ہی کی کرشمہ سازیاں ہیں کہ

ع خرد کا نام جنوں رکھ دیا اور جنوں کا خرد

ہم اس مقام پر بپاس ادب و پاس خاطر صرف یہی عرض کر سکتے ہیں کہ

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

بہر حال اب دونوں دعوے ناظرین کے پیش نظر ہیں جس کو چاہیں اختیار کر لیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ اگر خلیفہ صاحب کو اپنے دعویٰ میں سچا تسلیم کیا گیا تو ان کے پیر زادوں کی تکذیب لازمی ہے۔ اور اگر مریدوں کے دعویٰ کو صحیح مانا گیا تو خود پیر صاحبان کی تکذیب ضروری ہے (ومن المشہد عدد تعجبات) بہر حال مسلمانوں کی بد ذوقی دیکھ کر مجبوراً یہ کہنا پڑتا ہے۔

ع ز بیتابی کہ علی را دیدۂ   زیں سبب غیرے برو بگزیدۂ

ملہ مسلمانو! خدارا اپنے حال پر رحم کرو اور خدا اور رسول کے مقابلہ میں ہٹ دھرمی چھوڑ دو۔ جب کہ عقل سلیم، قرآن کریم، احادیث سید المرسلین اور اقوال صحابہ و تابعین کی روشنی میں حضرت امیر المومنین کی افضلیت ثابت ہو گئی تو تم اس کے قبول کرنے میں کیوں پس و پیش کرتے ہو؟ آؤ ہم تم گلے لگ جائیں۔ اور حضرت امیر علیہ السلام کی افضلیت کا جشن مسرت منائیں اگر اس سے گھبراتے ہو کہ یہ مسئلہ ہمارے مختصات میں سے ہے تو یہ تمہارا خیال غلط ہے۔ کیونکہ بقول خود تمہارے محققین علماء کے صحابہ و تابعین کی ایک بڑی جماعت آنجناب کی افضلیت کی قائل تھی۔

چنانچہ علامہ وحید الزمان اہلحدیث ... صہ ۱۰ پر تحریر فرماتے ہیں "ایک جماعت صحابہ و تابعین سے ابن عبدالبر نے نقل کیا ہے کہ وہ حضرت علی کو تمام صحابہ سے افضل جانتے تھے۔ اس لئے اگر کوئی حضرت امیر کو ان سے افضل

سکے تو اس پر کوئی طعن نہیں ہو سکتا، اور کو مدعی ہی کہہ سکتے ہیں۔ جیسے بعض متعصب سنیوں نے قرار دیا ہے کہ وہ تعلیمیہ کہ مدعی کہتے ہیں۔ ان حقائق کو دیکھنے کے بعد یہ حقیقت بالکل بے حجاب ہو جاتی ہے کہ

پیمبر از مصطفیٰ مدعا کی علم — حیدر عاقل تو مہتر رسید

قل هذه سبيلي ادعوا الى الله على بصيرة انا ومن اتبعني — ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله

حضرت امیر المومنین بنی ہاشم کے چشم و چراغ ہیں

منجملہ شرائط امام کے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ خاندانی اعتبار سے بنی ہاشم میں سے ہو جیسا کہ دوسرے باب میں اس پر تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ حضرت امیر المومنین کا بنی ہاشم سے بلکہ سردار بنی ہاشم ہونا۔

آنچہ عیاں است چہ حاجت بیان است

کا مصداق ہے کسی دلیل کا محتاج نہیں۔ آپ والد اور والدہ ہر دو کی طرف سے ہاشمی ہیں آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم علی بن فاطمہ بنت اسد بن ہاشم ۔

شرف تابع کا بوعت کابیر

کا نور مع انبو با حق اضوب

حضرت امیر المومنین منصوص من اللہ والرسول ہیں

منجملہ شرائط امامت کے ایک اہم شرط یہ بھی ہے کہ خلیفہ و امام کا انتخاب خدا کرتا ہے اور اعلان رسول۔ ہم عنقریب دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ سے جو آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے ماخوذ و مستنبط ہیں۔ محقق و مبرہن کریں گے کہ حضرت امیر المومنین منصوص من اللہ والرسول ہیں جس کے بعد کسی صاحب عقل و انصاف کو ہرگز کسی قسم کی چون و چرا اور لیت و لعل کی گنجائش نہیں رہے گی۔ ان شاء اللہ العزیز۔

حضرت امیر المومنین اپنی خلافت و امامت کے مدعی ہیں

چونکہ ہم عقلی دلیل سے جناب امیر علیہ السلام کی امامت کو ثابت کر رہے ہیں۔ اسی لئے ہم نے صدر مسئلہ میں یہ بیان کیا تھا کہ جس شخص میں امامت کے تمام لازمی صفات موجود ہوں۔ اس کے بعد وہ شخص دعوائے امامت بھی کرے اور اپنے دعوے کے ثبوت میں معجزہ بھی پیش کرے تو عقل سلیم اس کی حقیقت امامت میں ہرگز شک و شبہ نہیں کرتی اور اس کی تصدیق و تائید کو اپنا فرض اولین سمجھتی ہے۔ اور ہم نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ حضرت امیر

علیہ السلام اس معیار پر کامل العیار اترتے ہیں۔

اب تک اس باب میں ہم نے قرآن و حدیث کی روشنی میں جو کچھ لکھا ہے اس سے بفضلہ تعالیٰ یہ بات روز روشن کی طرح آشکار ہو گئی ہے کہ حضرت امیر المومنین کی ذات والا صفات میں تمام وہ صفات جلیلہ جو ایک امام کے لئے ضروری ہیں۔ بدرجہ اتم و اکمل پائی جاتی ہیں۔ اب فقط دو مرحلے باقی ہیں۔

ایک یہ کہ آنجناب نے دعوائے امامت کیا؟

دوسرے یہ کہ اگر دعویٰ کیا تو اپنے دعویٰ کے ثبوت میں کوئی معجزہ بھی پیش کیا؟

پہلے مرحلے کے متعلق گزارش ہے کہ اگرچہ بعض بے خبر و بے بصیرت حضرات یہ کہا کرتے ہیں کہ حضرت امیر المومنینؑ نے خلفائے ثلاثہ کے عہد میں اپنی خلافت و امامت کا کبھی دعویٰ نہیں فرمایا تھا۔ لیکن ارباب اطلاع پر مخفی نہیں ہے کہ ان حضرات کا کہنا ان کی جہالت یا تجاہل پر مبنی ہے۔ جس سے وہ بے چارے سادہ لوح مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول ڈال کر ان کو جہالت و ضلالت کی تاریک وادیوں میں سرگرداں و حیران باقی رکھنا چاہتے ہیں کیونکہ ان رہزنان دین مبین کی دنیوی خیر سگالی اسی میں مضمر ہے۔ ورنہ کتب فریقین آنجناب کے دعوائے امامت و خلافت کے ذکر سے مملو ہیں۔ آنجناب کے دعوائے خلافت کی تفصیل تو ہم بعد میں نصوص قرآنیہ و نبویہ سے آنجناب کی امامت و خلافت بلا فصل ثابت کرنے کے بعد اس پر وارد شدہ شبہات کی رد کے ضمن میں بیان کریں گے یہاں فقط چند کتابوں کے حوالہ پر اکتفا کی جاتی ہے۔ جن میں آنجناب کا خلفائے ثلاثہ کے دور میں اپنی خلافت بلا فصل و امامت حقہ کا دعویٰ کرنا مذکور ہے۔ اس امر کے لئے کتب ذیل ملاحظہ ہوں۔

(۱) کتاب الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ دینوری طبع مصر ص ۱۹ (۲) صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۱ (۳) صحیح بخاری ج ۳ ص ۳۵ (۴) تاریخ طبری طبع مصر طبع اول ج ۳ ص ۲۰۲ (۵) استیعاب ابن عبد البر مطبوعہ بر حاشیہ اصابہ طبع مصر ج ۱ ص ۲۶۵۔ حرف الراء ذیل ترجمہ رافع بن رافع" وغیرہا)

حضرت امیر المومنینؑ صاحب معجزات ہیں

دوسرے مرحلے کے متعلق واضح ہو کہ حضرت امیر علیہ السلام کا صاحب معجزات ہونا ایک ایسی کھلی حقیقت ہے۔ کہ جس کا کوئی باانصاف و با اطلاع مسلمان انکار کرنے کی جرأت و جسارت نہیں کر سکتا۔ قبل اس کے کہ ہم یہاں آنجناب کے دو چار معجزات بیان کریں۔

یہاں معجزہ کی تعریف بیان کردینا مناسب ہے۔ معجزہ کی تعریف علمائے متکلمین نے یہ کی ہے: "هو الامر الخارق للعادة المطابق للدعوى المقرون بالتحدي المتعذر على الخلق الاتيان بمثله" یعنی خدا اور مدعی کا وہ خارق عادت فعل جس کا مثل لانے سے تمام لوگ عاجز ہوں جسے وہ اپنے نبی یا امام کی صداقت ظاہر کرنے کے لئے اس کے ہاتھ پر ظاہر کرتا ہے۔ بشرطیکہ وہ دعوائے نبوت یا امامت کے ساتھ مقرون ہو۔ حضرت امیر المومنین کے معجزات کی فہرست اس قدر طویل ہے جس کے لئے کئی دفتر درکار ہیں۔ ہمارے علمائے اعلام نے اس باب میں مبسوط کتابیں تالیف کی ہیں اور کسی حد تک ان کے یکجا کرنے میں کامیاب بھی ہوئے ہیں۔ لیکن آج تک کسی عالم نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اس نے آپ کے تمام معجزات کا احصا کر دیا ہے بھلا کوئی شخص یہ ادعا کر ہی کیسے سکتا ہے۔ جب کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا ہے: "اگر تمام درخت قلمیں بن جائیں اور تمام سمندر سیاہی ہو جائیں اور تمام جن حساب کرنے والے اور تمام انسان لکھنے بیٹھ جائیں تو حضرت امیر المومنین کے فضائل و کمالات اور معجزات باہرات کا احصا نہیں کر سکتے۔" اس موضوع کے متعلق کتاب نفائیہ موسوم بکتاب مدینۃ المعاجز جو مؤلفہ سید جلیل و عالم نبیل سید ہاشم بحرانی قدس سرہ اور مناقب شہر ابن آشوب علیہ الرحمہ خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ شائقین تفصیل ان کی طرف رجوع فرما کر اپنی پیاس بجھا سکتے ہیں۔ اس مختصر کتاب میں یہ گنجائش کہاں ہے کہ ان معجزات کا ہزارواں حصہ بھی ان میں ذکر کیا جائے لہٰذا تیمناً و تبرکاً حضرت امیر المومنین کے چند نمایاں معجزات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

پہلا معجزہ ردّ الشمس

آنجناب کا یہ معجزہ آپ کے ان معجزات مشہورہ بلکہ متواترہ میں سے ہے۔ جن کے متعلق علمائے فریقین نے صحیح حدیثیں اپنی کتب میں درج کرنے پر اکتفا نہیں کی بلکہ اس کے متعلق مستقل کتب تالیف فرمائی ہیں۔ مثلاً "کشف اللبس عن حدیث ردّ الشمس" للسیوطی، "تصحیح ردّ الشمس و ترغیم النواصب" لابی القاسم الحسکانی وغیرہ۔ ہاں البتہ جن علماء پر ناصبیت کا غلبہ ہے ان سے بعید نہیں کہ وہ اس معجزہ کا انکار کریں چنانچہ ابن جوزی نے اپنی کتاب موضوعات میں حدیث ردّ شمس کو درج کر کے اپنی ناصبیت و عداوت کا ثبوت بہم پہنچایا ہے لیکن خدا بھلا کرے ابن حجر مکی کا کہ انہوں نے اپنی کتاب الصواعق المحرقہ ص ۷۶ طبع مصر پر حدیث معجزہ ردّ الشمس کو ثابت کرنے کے بعد ابن جوزی کی اس حرکت شنیعہ پر ان الفاظ میں تبصرہ کیا ہے: "ولا عبرة بما ذكره ابن الجوزي من طعن الحديث في الموضوعات فقد اطبق العلماء على ان ابن الجوزي في كتاب الموضوعات حكم بوضع كثير من الاحاديث الصحيحة" یعنی ابن جوزی کے اس حدیث کو موضوعات میں شمار کرنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیونکہ تمام علماء نے اتفاق کیا ہے کہ ابن جوزی نے کتاب موضوعات میں بسا اوقات انگیزی اور کتاہی سے کام لیا ہے حتیٰ کہ اس نے

بہت سی صحیح السند احادیث کو بھی اس میں درج کر دیا ہے۔ اردو داں طبقہ اس موضوع کے متعلق رسالہ "کشف اللبس عن معجزہ رد الشمس" مؤلفہ مولانا خواجہ عابد حسین سہارنپوری مرحوم کی طرف رجوع کر کے اپنی تسلی و تشفی کر سکتے ہیں۔

دوسرا معجزہ قلع باب خیبر

جس کو باختلاف روایات چالیس یا ستر تنومند آدمی کھولتے اور بند کرتے تھے ابن ابی الحدید نے اپنے قصیدہ عینیہ میں آنجناب کے اس معجزہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے ؎

یا قالع الباب الذی عن ہزہ
عجزت اکف اربعون واربع !

اے اس دروازہ کے اکھاڑنے والے جس کے حرکت دینے سے چالیس آدمی عاجز تھے۔" خود حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرمایا کرتے تھے۔ ما قلعت باب خیبر بقوۃ جسمانیۃ بل بقوۃ ربانیۃ "میں نے باب خیبر کو قوت بشریہ سے نہیں بلکہ طاقت ربانیہ سے اکھاڑا ہے" (ارجح المطالب وغیرہ) ظاہر ہے کہ معجزہ اسی فارق عادت فعل کو کہا جاتا ہے جس کو خداوند عالم اپنی خاص قوت سے اپنے کسی نبی یا وصی کے ذریعہ ظاہر فرماتا ہے۔ کما تقدم۔

تیسرا معجزہ اطلاع بر مغیبات

منجملہ آپ کے معجزات کے بعض آنے والے واقعات کی باعلام الٰہی و رسول خبر دینا اور پھر ان واقعات کا اسی طرح وقوع پذیر ہونا بھی ہے۔ جیسے اپنے قاتل کا نام و نشان بتلانا حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت عظمیٰ کا تذکرہ کرنا سلطنت بنی عباس اور بنی امیہ اور ان کی مدت سلطنت اور اس کے اہم واقعات کی پیشگوئی کرنا جیسا کتب تاریخ عالم میں مذکور ہے۔ اسی طرح جنگ نہروان میں خوارج کے متعلق آپ کا یہ فرمانا کہ مصرعہم دون النطفۃ واللہ لا یفلت منہم عشرۃ ولا یہلک منکم عشرۃ (ان کی موت نہر کے اس طرف واقع ہو گی بخدا ان میں سے دس آدمی نہیں بچیں گے اور تمہارے دس آدمی شہید نہیں ہوں گے) چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جنگ کے بعد شمار کرنے پر معلوم ہوا کہ خوارج کے صرف نو آدمی بچے ہیں۔ اور آپ کے آٹھ آدمی شہید ہوئے ہیں۔ جیسا کہ کتاب کامل مبرد باب الخوارج صفحہ ۱ جلد ۲ اور نہج البلاغہ ج ۱، صفحہ ۱ شرح شیخ محمد عبدہ طبع مصر پر مذکور ہے۔

چوتھا معجزہ فرات کے سیلاب کا روکنا

ایک مرتبہ دریائے فرات میں عظیم سیلاب آیا اہل کوفہ آنجناب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اگر یہی کیفیت رہی تو ہم سب غرق ہو جائیں گے حضرت امیر علیہ السلام نے وضو کیا۔ نماز پڑھی اس کے بعد فرات کے پاس تشریف لے گئے پانی پر عصا مارا اور فرمایا حکم خدا سے تھم جا۔ فوراً پانی کا وہ جوش و خروش ختم ہو گیا اور سیلاب فرو ہو گیا۔ (مطالب السئول ج ۱ صفحہ ۱۳۵ طبع نجف)

پانچواں معجزہ آپکی بددعا سے بعض لوگوں کا مجذوم ہو جانا

حضرت امیر علیہ السلام نے تیسری خلافت کے انعقاد کے وقت جب اپنی خلافت بلافصل پر حدیث غدیر سے استدلال کیا تو کچھ لوگ جو اس واقعہ کے گواہ تھے طلب کئے حضرت نے انس بن مالک کا نام لیا جو اس وقت وہیں موجود تھے انس نے کہا یا علی۔ میں بہت بوڑھا ہوگیا اب کچھ یاد نہیں رہتا اس لئے مجھے تو یہ واقعہ یاد نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا اگر تم جھوٹ کہہ رہے ہو تو تم کوڑھی ہو جاؤ۔ راویانِ اخبار کا بیان ہے کہ اسی دن انس کوڑھ کی بیماری میں مبتلا ہو گئے بعد ازاں کپڑوں میں منہ چھپا کر باہر نکلا کرتے تھے۔ (حلیۃ الاولیاء از حافظ ابو نعیم اصفہانی وغیرہ)

بعونہٖ تعالیٰ ان بیاناتِ شافیہ و تحقیقاتِ کافیہ سے دلیلِ عقلی کے تمام مقدمات محقق و مبرہن ہو گئے اور واضح ہو گیا کہ جناب امیرؑ میں وہ سب صفات بوجہ اتم و اکمل موجود تھے۔ جو ایک خلیفہ و امام میں ہونا ضروری ہیں اور یہ کہ آنجنابؑ نے دعوائے امامت و خلافت بھی کیا اور وقتاً فوقتاً معجزات بھی دکھلائے اب ہرگز کوئی عقلِ سلیم و طبعِ قویم اس ذاتِ والا صفات کی معرفتِ عقلی و امامتِ کبریٰ کے بلافصل و برحق ہونے میں ہرگز تامل و تردد نہیں کرتی بلکہ نہایت استقلال و استحکام کے ساتھ ان کی خلافتِ مطلقہ کی حقانیت کا حکم لگاتی ہے۔ مگر بفرضِ محال ہمارے پاس اس سلسلہ میں کوئی نص نہ بھی ہوتی تو عقلِ سلیم آنجنابؑ کی خلافت و امامت تسلیم کرنے پر مجبور ہوتی کیونکہ سطورِ بالا میں واضح کیا جا چکا ہے کہ یہ بزرگوار تمام صفاتِ کمالیہ میں تمام خلق پر بالعموم اور مدعیانِ خلافت پر بالخصوص فوقیت رکھتے ہیں یہ امر شرائطِ امامت میں اور پر ثابت کیا جا چکا ہے کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی امامت و امامت کو عقل قبیح سمجھتی ہے صاحب کتاب مسامرۃ (در عقائدِ حنفیہ) طبع بولاق مصر نے ص ۱۲۵ پر اسی بدیہی امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے "واذا وجدت الشروط فی جماعۃ فالاولیٰ افضلھم" یعنی "جب چند اشخاص میں شرائطِ امامت پائی جائیں۔ تو ان میں سے جو افضل ہو اس کو امام بنانا اولیٰ ہے" لیکن جب صورتِ حال یہ ہو کہ ان مدعیانِ امامت میں سے بعض میں تو وہ صفات بطور اکمل پائے جاتے ہوں اور دوسروں میں ان کا بالکل ہی فقدان ہو تو اس صورت میں عقلِ سلیم کو صاحبِ صفات کو مستحقِ امامت و خلافت اور فاقدِ شرائط کو نااہل قرار دینے میں ہرگز کچھ تامل و تردد نہ ہوگا ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ ہمارے محلِ نزاع میں بالکل یہی صورتِ حال پیش ہے جناب امیرؑ میں یہ شرائط بوجہ اتم و اکمل پائی جاتی ہیں اور ان کے مدمقابل افراد میں ان صفاتِ جمیلہ اور شرائطِ جلیلہ کا بالکل فقدان ہے لہٰذا ان حالات میں حضرت امیرؑ کو ہی حقیقی خلیفہ و وصی رسول ماننا مقتضائے عقلِ سلیم ہے

فطرت مستقیم کی جو حکم ہے۔ یہ سب تقریب استدلال تو اس وقت تھی جب کہ اس مسئلہ کے متعلق کوئی نص موجود نہ ہوتی۔ بحمدہ ہم نے ثابت کر دیا کہ اس صورت میں بھی جناب امیرؑ کی امامت و خلافت کی حقانیت نہایت واضح و لائح ہے۔ چہ جائیکہ اس مسئلہ کے متعلق بیسیوں نصوص قرآنیہ و نبویہ موجود ہیں۔ ذیل میں اب ہم ادلہ سمعیہ یعنی آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ کا ایک شمہ بطور نمونہ پیش کرتے ہیں تاکہ عقل و نقل کے مطابق سے یہ مسئلہ ارباب دانش و بینش کے لئے روز روشن سے بھی زیادہ واضح و آشکار ہو جائے۔ لیھلک من ھلک عن بینۃ و یحییٰ من حی عن بینۃ۔

وجہ سوم

عقل سلیم شاہد ہے کہ خلافت اتصاف باوصاف، تخلق باخلاق، تادب بآداب اور توارث صفات کا نام ہے اور خلیفہ اپنے مستخلف کا آئینہ ہوتا ہے جس میں مستخلف کے تمام صفات کا عکس نظر آتا ہے۔ سو پیغمبر کا جانشین وہی ہو گا۔ جو جملہ صفات و کمالات نبوی کا نمونہ و آئینہ ہو گا جس میں پیغمبر کی ہر فضیلت کا عکس نظر آئے اور جس کا چہرہ پیغمبر کے جمال و کمال کا مظہر ہو۔ وہ عقل و فہم، علم و حلم، قدرت و عزم، شجاعت و سخاوت، حسب و نسب و تحمل و تجمل، صبر و استقلال، رضا و اطمینان، لطف و کرم، رافت و رحمت اور عصمت و طہارت میں مثل پیغمبر ہو۔ اگر نبی صاحب آیات بینات ہو تو یہ بھی صاحب معجزات و کرامات ہو۔ اگر اس کا علم موہبتی ہے تو اس کا علم بھی لدنی ہو۔ اگر وہ مدینۃ العلم ہو تو یہ باب العلم۔ اگر وہ صاحب خلق عظیم ہے تو یہ بھی خلق مجسم۔ اگر وہ شجاع ہے تو یہ بھی شیر بیشہ ہیجا۔ اگر وہ نور کبریا ہے تو یہ شمع ہدیٰ۔ اگر وہ آفتاب ہدایت و رسالت ہے تو یہ بھی ماہتاب صداقت و سداد۔ اگر وہ روح عالم ہے تو یہ بھی نفس ناطقہ بنی آدم۔ اگر وہ عالی الحسب والنسب ہے تو یہ بھی فخر قبائل عجم و عرب۔ اگر وہ اول المسلمین ہے تو یہ اول المومنین۔ اگر وہ سید المرسلین ہے۔ تو یہ سید الوصیین اگر وہ سید الانبیاء ہے تو یہ سید الاوصیاء۔ اگر وہ صادق و امین ہے تو یہ لسان صدق فی الآخرین۔ اگر وہ افضل المعصومین ہے تو یہ ابو الائمۃ الطاہرین اگر وہ حامی روز محشر ہے۔ تو یہ ساقی حوض کوثر۔ اگر وہ صاحب مقام محمود ہے تو یہ حامل لوائے حمد یوم المشہود۔

اب چشم بصیرت رکھنے والے انسان کے لئے یہ معلوم کرنے میں ذرا بھی دقت نہیں ہو سکتی۔ کہ پیغمبر خاتم النبیین کا بلافصل خلیفہ و جانشین سوائے سید الوصیین سر اللہ فی العالمین امیر المومنین حضرت علی ابن ابیطالب علیہ افضل التحیۃ والتسلیم اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہی بزرگوار جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے صفات جمیلہ و کمالات جلیلہ کے آئینہ بردار نظر آتے ہیں ذیل میں اس امر کی قدرے توضیح کی جاتی ہے

۱۔ صفات علوی و خلافت نبوی

یہ حقیقت ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ سوائے مرتبہ نبوت اور اس کے خصائص کے دیگر تمام صفات و کمالات

ہر علیؑ بربر کے شریک بھی نظر آتے ہیں۔ ذیل میں اس کی چند جھلکیاں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) نبی نورِ خدا ہیں تو علیؑ بھی نورِ خدا ہیں

قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین تمہارے پاس خدا کی طرف سے ایک نور اور کتاب مبین آئی ہے جناب رسولِ[1] خدا فرماتے ہیں انا وعلی من نور واحد۔ میں اور علیؑ ایک ہی نور کے دو ٹکڑے ہیں ایک اصل کے دو شاخے اور ایک صدف کے دو موتی ہیں

(۳) نبی اول المسلمین ہیں

قال اللہ سبحانہ: قل انی امرت ان اکون اول من اسلم (س انعام پ ۷ ع ۲) کہہ دو اے پیغمبر! میں مامور ہوں کہ اول المسلمین بنوں وانا اول المسلمین۔

(۴) علیؑ اول المومنین ہیں

پیغمبر اسلام فرماتے ہیں: یا علی انت اول من آمن بی وانت اول من یصافحنی یوم القیامۃ الخ اے علیؑ! تو ہی وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے مجھ پر ایمان لایا اور تو ہی سب سے پہلے روزِ قیامت مجھ سے مصافحہ کرے گا نیز فرمایا: انت اول من آمن بی وصدقنی تو ہی پہلا شخص ہے جو مجھ پر ایمان لایا اور میری تصدیق کی (فرائد السمطین حموینی ینابیع المودۃ۔ ارجح المطالب وغیرہ)

(۵) نبی خیر الانام ہیں

اس بات پر تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ پیغمبر اسلام نہ صرف یہ کہ خیر الانام ہیں بلکہ افضل مخلوقات واشرف کائنات ہیں۔ اور سہ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

کے مصداق جو بہر لحاظ سے آپ کی ہمسری کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے۔

(۶) علیؑ خیر البریہ ہیں

قال اللہ سبحانہ: ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات اولئک ہم خیر البریۃ (س بینۃ) بے شک جو لوگ ایمان لائے اور تمام نیک اعمال کئے وہی بہترین مخلوقات ہیں۔ پیغمبر اسلام فرماتے ہیں یا علی انت وشیعتک خیر البریۃ اے علیؑ! تم اور تمہارے شیعہ خیر البریہ ہیں (صواعق محرقہ صفحہ ۹۶ طبع مصر جدید) اس وقت سے صحابہ رسول کی یہ عادت تھی کہ جب حضرت علیؑ آتے سب کہتے "قد جاء خیر البریۃ" بہترین مخلوق آیا (تفسیر در منثور ج ۶ صفحہ ۳۷۹ طبع مصر) نیز آنحضرتؐ فرماتے ہیں: علی خیر البشر من ابی فقد کفر۔ علیؑ خیر البشر

---

[1] جناب رسول خدا اور ائمہ ہدیٰ کس معنی میں نور ہیں۔ اس کی حقیقت سمجھنے کے لئے ہماری کتاب اصول الشریعہ کی طرف رجوع کیا جائے۔ محمد حسین عفی عنہ۔

ہے جس نے انکار کیا۔ وہ کافر ہے۔ (ینابیع المودۃ ص۸۲ طبع بمبئی کنز العمال ج ۲ ص۱۵۳ طبع حیدر آباد)

۷ نبیؐ مدینۃ العلم ہیں تو علیؑ باب العلم

قال رسول اللہ علیہ و آلہ وسلم انا مدینۃ العلم وعلی بابھا من اراد لمدینۃ علیؑ ت من بابھا۔ میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے۔ جو شخص شہر علم میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ وہ دروازے سے آئے۔ نیز فرمایا۔ انا دار الحکمۃ وعلیؑ بابھا من راد الحکمۃ فلیات من بابہ۔ میں خانۂ حکمت ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے پس جو شخص چاہتا ہے کہ حکمت حاصل کرے وہ دروازے سے آئے اور علیؑ سے لے۔ (حدیث نبوی متفق علیہ)

۸ نبیؐ رسول مبین ہیں تو علیؑ امام مبین

نبیؐ کا رسول مبین ہونا تو عیاں را چہ بیان کا مصداق ہے حضرت امیرؑ کے متعلق ارشاد رب العباد ہے۔ وکل شئی احصیناہ فی امام مبین۔ ہر ایک شئی کو ہم نے امام مبین میں انحصار کر دیا ہے۔

۹ نبیؐ رؤف و رحیم ہیں تو علیؑ رحیم

خدا نے اپنے رسولؐ کو رؤف و رحیم فرمایا ہے " حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم " تو علیؑ کو بھی اس صفت سے متصف فرمایا ہے۔ " محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم " محمدؐ پیغمبر خدا ہیں۔ اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں وہ کفار کے لئے سخت ہیں اور آپس میں ایک دوسرے پر رحیم و مہربان ہیں

۱۰ نبیؐ صاحب فرقان ہیں

" قال سبحانہ تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا " وہ ذات بزرگ و برتر ہے جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے تمام عوالم پر نذیر ہو۔

۱۱ علیؑ فاروق امت ہیں

روی ابوذر عن رسول اللہ انہ قال یا علی انت الصدیق الاکبر وانت الفاروق الذی یفرق بین الحق والباطل و انت یعسوب المومنین۔ اے علیؑ! تو صدیق اکبر ہے اور تو فاروق امت ہے جو حق و باطل میں تفریق کرے گا۔ اور تو ہی بادشاہ مومنین ہے۔ (ینابیع المودۃ ص۸۲ باب ۱۶ طبع اسلامبول استیعاب ابن عبدالبر ج ۲ ص۶۵۷ الریاض النضرۃ ج ۲ ص۱۵۵ باب ۴ فصل ۶ وغیرہ) حضرت امیر المومنینؑ فرمایا کرتے تھے انا الصدیق الاکبر وانا الفاروق الاعظم سبقت قبل صلوتہم (ینابیع المودۃ ص۱۵۱ باب ۱ مستدرک حاکم ج ۳ ص۱۱۲)

۱۲۔ نبیؐ ولی خدا ہیں تو علیؑ بھی ولی خدا

خدا نے جس نے اپنے نبیؐ کو ولی قرار دیا ہے وہاں علیؑ کو بھی ولی فرمایا ہے۔ فقال عز وجل انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون۔ سوائے اس کے نہیں کہ تمہارا ولی خدا ہے اور اس کا رسول، اور وہ اہل ایمان جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں: باتفاق مفسرین اس سے مراد علی بن ابی طالب ہیں۔ اور باتفاق اہل اسلام علی ولی اللہ ہیں۔

۱۳۔ نبیؐ مبعوث بحق ہیں

قال اللہ تبارک وتعالیٰ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون (س توبہ پ۱۰)

خداوند عالم ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام ادیان پر غلبہ عطا فرمائے اگرچہ مشرکین کو ناگوار گزرے۔ نیز ارشاد فرماتا ہے: "انا ارسلناک بالحق" ہم نے تجھ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔

۱۴۔ علیؑ مع الحق ہیں

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی مع الحق والحق مع علی لا یفترقان۔ علیؑ حق کے ساتھ ہے اور حق علیؑ کے ساتھ یہ دونوں جدا نہ ہوں گے (منصب امامت مترجم ص۳۰۵ ینابیع المودۃ ص...) نیز فرمایا۔ علی مع القرآن والقرآن مع علی لا یفترقان حتی یردا علی الحوض: علیؑ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علیؑ کے ساتھ یہ دونوں جدا نہ ہوں گے، تاآنکہ حوض کوثر پر میرے پاس نہ پہنچ جائیں (منصب امامت ص۳۰۶)

۱۵۔ نبیؐ صاحب شق القمر ہیں تو علیؑ صاحب رجعۃ الشمس

اگر خدا نے اپنے پیغمبر الزمان کے لیے شق القمر کا معجزہ ظاہر کیا۔ تو وصی کے لیے ڈوبے ہوئے سورج کو پلٹایا (السیرۃ النبویۃ لزینی دحلان ج۲ ص۲۲۸ وغیرہ)

۱۶۔ نبیؐ صراط مستقیم پر ہیں تو علیؑ صراط مستقیم

سہ ردت الشمس لہ ثم دنت من افق ولئن حبت با راکدۃ ثم تغب

خداوند عالم نے اپنے رسولؐ کو صراط مستقیم پر قرار دیا ہے: یٰسین والقرآن الحکیم انک لمن المرسلین علی صراط مستقیم۔ تو اپنے ولی کو بھی صراط مستقیم پر بلکہ نفس صراط مستقیم قرار دیا ہے۔ فرمایا اھدنا الصراط المستقیم۔ فتدبر

۱۷ نبیؐ مطاع خلق ہیں تو علیؑ بھی مطاع خلق

اگر خداوند عالم نے اپنے رسولؐ کی اطاعت تمام مخلوق پر فرض کی ہے تو وصی کی اطاعت بھی واجب قرار دی ہے فقال سبحانہٗ و تعالیٰ "یاایہا الذین آمنوا اطیعوا اللّٰہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم۔ اے ایمان والو اطاعت کرو خدا کی۔ اور اطاعت کرو اس کے رسول کی اور ان کے بعد جو ولی امر ہیں۔

۱۸ نبیؐ صاحب مقام محمود ہیں

قال اللہ سبحانہٗ عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً قریب ہے کہ خدا تجھ کو مقام محمود پر پہنچائے اکثر مفسرین کی تحقیق یہ ہے کہ مقام محمود مقام شفاعت کبریٰ ہے۔ ولا یملکون الشفاعۃ الا من اتخذ عند الرحمٰن عہداً۔

۱۹ علیؑ حامل لواء الحمد ہیں

فریقین کی روایات میں وارد ہے کہ خداوند عالم قیامت کے دن جناب رسولؐ خدا کو لواء الحمد عطا فرمائے گا اور تمام مخلوقات اس کے سایہ کی محتاج ہو گی۔ آدم اور غیر آدم سب اس جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ اس جھنڈے کے مالک نبیؐ ہوں گے مگر اس کے اٹھانے والے حضرت علیؑ ہوں گے (کنز العمال ج ۶ ص ۱۵۵ الریاض النضرۃ ج ۲ ص ۱۱ النضل ۶)

۲۰ نبیؐ مالک کوثر ہیں

قال عز من قائل۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم انا اعطینک الکوثر۔ فصل لربک و انحر ان شانئک ہو الابتر۔ اے حبیب ہم نے تجھے کوثر بخش دیا اور عطا کیا پس تو اپنے پروردگار کی نماز ادا کر بیشک تیرا دشمن ہی منقطع النسل ہے!

۲۱ علیؑ ساقی کوثر ہیں

روایات کثیرہ دال ہیں کہ اس حوض کوثر کے مالک جناب پیغمبر خدا ہیں مگر باتفاق علماء محققین اس چشمۂ فیض سے شراب طہور پلانے والے اور اہل ایمان کو سیراب کرنے والے حیدر کرارؑ ہوں گے۔

پیغمبرؐ نے فرمایا! اے علیؑ! تم اور تمہارے دوست حوض کوثر پر سیر و سیراب اور نورانی صورت ہوں گے اور تمہارے دشمن پیاسے اور سیاہ رنگ ہوں گے۔ (ینابیع المودۃ ص ۱۸۲ باب ۵۶ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۳۸ تذکرہ سبط ابن جوزی ص ۱۴ وغیرہ)

۲۲ نبیؐ مولائے کل ہیں تو علیؑ بھی مولی المومنین ہیں

باتفاق جمیع اہل اسلام جناب رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مولائے مومنین بلکہ

مولائے کل کائنات ہیں۔ النبی اولیٰ بالمومنین من انفسہم نبی مومنین کی جانوں کا خود ان سے زیادہ مالک ہے سچ ہے

وہ دانائے سبل ہادی کل ختم الرسل جس نے — غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا

اسی طرح وصی نبی بھی مولی المومنین بلکہ مولائے کل ہیں۔ پیغمبر اسلام فرماتے ہیں۔ من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ جس کا میں مولا ہوں یہ علیؑ بھی اس کا مولی ہے۔ ؎

عبث در معنی من کنت مولاہ می روی ہر سو — علیؑ مولا بایں معنی کہ پیغمبر بود مولی

اسی مقدار پر اکتفا کی جاتی ہے۔ جو اہل بصیرت کے لئے کافی ہے ؎

سفینہ چاہیئے اس بحر بے کراں کے لئے

ان حقائق کی روشنی میں عقل سلیم یہ فیصلہ صادر کرنے میں ذرا بھی جھجک محسوس نہیں کرتی کہ جناب امیرالمومنینؑ ہی خاتم النبیینؐ کے صحیح جانشین ہیں کیونکہ وہی ان کے صفات کا مظہر۔ اور کمالات فاضلہ کا آئینہ ہیں۔ وہو المقصود وقد حصل بفضل اللہ الودود۔

اثبات امامت جناب امیرالمومنینؑ بنصوص قرآن کریم

آنجنابؑ کی خلافت ووصایت کے متعلق اس قدر آیات قرآنیہ موجود ہیں جن کے ثبت وضبط اور شرح وبسط کے لئے کئی مجلدات درکار ہیں۔ صواعق محرقہ صفحہ [illegible] وتاریخ الخلفاء صفحہ [illegible] طبع جدید میں باسناد ابن عساکر جناب ابن عباس سے مروی ہے کہ "نزلت فی علی ثلث مائۃ آیۃ" یعنی حضرت امیرالمومنینؑ کے حق میں قرآن مجید کی تین سو آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ (وکذا فی سیرۃ النبویۃ مفتی زینی دحلان مطبوعہ علی حاشیہ سیرۃ الحلبیۃ ج ۲ صفحہ [illegible] المطبوع مصر) جن میں سے بعض صرف آپ کی فضائل ومناقب سے متعلق ہیں اور بعض کا تعلق آپ کی خلافت بلافصل کے ساتھ ہے تاریخ الخلفاء سیوطی صفحہ [illegible] طبع مصر جدید میں حضرت علیؑ کے حالات میں طبرانی وابی حاتم کے حوالے سے۔ جناب ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ "ما انزل اللہ یا ایھا الذین آمنوا الا وعلیؑ امیرھا وشریفھا ولقد عاتب اللہ اصحاب محمدؐ فی غیر مکان وما ذکر علیاً الا بخیر" یعنی قرآن مجید کی کوئی ایسی آیت نہیں ہے۔ جس کا عنوان "یا ایھا الذین آمنوا" ہو کہ حضرت علی علیہ السلام اس گروہ کے قائد وامیر اور اس کے شریف ہیں۔ خداوند عالم نے کئی مقامات پر اصحاب نبیؐ کو عتاب کیا ہے لیکن حضرت امیرالمومنینؑ علی ابن ابیطالب کا جب بھی ذکر فرمایا۔ تو خیر وخوبی کے ساتھ (وکذا فی الصواعق باب [illegible] نور الابصار صفحہ [illegible] مطالب السؤول ج ۱ صفحہ [illegible] وغیرہ)۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے علمائے اعلام کثر اللہ امثالہم فی الاسلام نے ہمیشہ ظروف وحالات کی وسعت وگنجائش کے مطابق اس

بحر بے کنار میں غوطہ زنی کر کے قدہائے شہوار سے اپنے دامن مراد کو پر کیا ہے اور ہمیشہ بقدر ضرورت ومقتضائے وقت اس آب زلال سے جام بھر بھر کر تشنگانِ معارفِ امامت کو سیراب کیا ہے۔ علامہ حلی علیہ الرحمتہ نے کتاب کشف الحق و نہج الصدق میں چوراسی آیت کریمہ سے آنجناب کی خلافت و امامت پر استدلال کیا ہے اور حضرت مولانا مفتی محمد عباس لکھنوی نے اپنی کتاب مستطاب روائح القرآن میں ان کے اوپر سینتیس آیات کا اضافہ فرما کر ان کی تعداد کو ایک سو اکیس تک پہنچا دیا ہے۔ ہمارا مقصد چونکہ اختصار کے ساتھ ان مراحل ومسائل کو حیطہ کتابت میں لانا ہے جیسا کہ ہم کئی بار اس امر کا اظہار کر چکے ہیں لہٰذا ہم ان تمام آیات مبارکہ سے قطع نظر کرتے ہوئے فقط تین چار آیتوں پر اکتفا کریں گے۔ و اللّٰہ الموفق والمعین وبہ نستعین۔

پہلی آیت مبارکہ

"انما ولیکم اللّٰہ تبارک وتعالیٰ اسماؤ ولیکم اللّٰہ ورسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوۃ ویؤتون الزکوۃ وھم راکعون" بس تمہارا ولی، سید اور سرپرست ایک معبود عالم ہے۔ دوسرا اس کا رسول اور تیسرے وہ لوگ جو ایمان لائے اور نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔ (پ س المائدہ ع) واضح ہو کہ تمام محقق مفسرین ومحدثین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ یہ آیہ مبارکہ حضرت امیر المومنینؑ کے حق میں نازل ہوئی۔

شان نزول

چنانچہ اہل سُنّت کے امام المفسرین ثعلبی اپنی تفسیر میں باسناد خود حضرت ابوذر غفاری علیہ رضوان الباری سے روایت کرتے ہیں "قال انا فی صلیت مع رسول اللّٰہ صلعم یوماً من الایام الظہر فسأل سائل فی المسجد فلم یعطہ احد شیئاً فرفع السائل یدیہ الی السماء وقال اللھم اشھد انی سألت فی مسجد نبیک محمد صلعم فلم یعطنی احدٌ شیئاً وکان علیؑ رضی اللّٰہ عنہ فی الصلوۃ راکعاً فاوما الیہ بخنصرہ الیمنیٰ وفیہ خاتم فاقبل السائل فاخذ الخاتم من خنصرہ وذلک بمرائی من النبی صلعم وھو فی المسجد فرفع رسول اللّٰہ صلعم طرفہ الی السماء وقال اللھم ان اخی موسیٰ سألک فقال رب اشرح لی صدری ویسّر لی امری واحلل عقدۃً من لسانی یفقھوا قولی واجعل لی وزیراً من اھلی ھارون اخی اشدد بہ ازری و اشرکہ فی امری فانزلت علیہ قرآناً سنشد عضدک باخیک ونجعل لکما سلطاناً فلا یصلون الیکما اللھم وانی محمد نبیک وصفیک اللھم اشرح لی صدری و یسّر لی امری واجعل لی وزیراً من اھلی علیاً اشدد بہ ازری قال ابوذر رضی اللّٰہ

ثم فما استتم دعائه حتی نزل جبرئیل علیہ السلام من عند اللہ عزوجل وقال یا محمد اقرأ انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا الآیۃ۔

* جناب ابوذر غفاریؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ آنحضرتؐ کے ساتھ نماز ظہر پڑھی ایک سائل نے سوال کیا مگر جب کسی نے اسے کچھ نہ دیا تو سائل نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کرکے کہا یا اللہ تو گواہ رہنا میں نے تیرے نبیؐ کی مسجد میں سوال کیا۔ مگر مجھے کسی نے کچھ نہیں دیا۔ اس وقت حضرت علیؑ حالت رکوع میں تھے۔ آپ نے اپنے داہنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے جس میں انگوٹھی تھی اشارہ کیا۔ سائل آیا اور اس نے انگوٹھی اتار لی۔ یہ منظر جناب رسولؐ خدا دیکھ رہے تھے۔ آپ نے آسمان کی طرف نگاہ بلند کی اور کہا۔ یا اللہ! میرے بھائی موسیٰؑ نے تیری بارگاہ میں عرض کیا تھا پروردگار میرا سینہ کھول دے میرا معاملہ آسان کردے اور زبان کی گرہ کو کھول دے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور میرے ہی اہل بیتؑ میں سے یعنی میرے بھائی ہارون کو میرا جانشین بنا۔ اس کے ذریعہ میری پشت کو مضبوط بنا۔ اور میرے کار نبوت میں اسے میرا شریک قرار دے تو نے ان کی دعا کو قبول فرماتے ہوئے فرمایا تھا۔ ہم تمہیں تمہارے بھائی کے ذریعے تقویت دیں گے اور تم کو غلبہ دیں گے۔ تاکہ کفار تمہیں کوئی گزند نہ پہنچا سکیں۔ میں تیرا نبی وصفی محمد ہوں۔ میں بھی کہتا ہوں کہ میرا سینہ کھول دے۔ میرے معاملہ کو آسان کر اور میرے بھائی علیؑ بن ابی طالب کو میرا وزیر و وصی بنا اور اس کے ذریعے مجھے تقویت دے۔ جناب ابوذر کہتے ہیں۔ ابھی آنحضرتؐ کی دعا ختم نہ ہونے پائی تھی کہ جناب جبرئیل یہ آیت مبارکہ لے کر نازل ہوئے۔ انما ولیکم اللہ ورسولہ الخ

تقریب استدلال

اس آیۂ مبارکہ سے خلافت حضرت امیرؑ پر استدلال دو ضروری مقدموں پر مبنی ہے۔ فن نحو کے علماء کی تصریحات کے مطابق کلمۂ "انما" کلمۂ حصر ہے یعنی جب کسی چیز کو کسی چیز میں منحصر کرنا ہو تو اس مقام پر یہ کلمہ استعمال کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کلمہ کا ترجمہ فارسی زبان میں "جز ایں نیست" اور اردو میں "بس" "صرف" "محض" کیا جاتا ہے۔

(۲) یہ کہ لفظ "ولی" کلام عرب میں چند معنوں میں استعمال ہوتا ہے منجملہ ان کے ایک معنی "اولیٰ بالتصرف" یعنی حاکم بھی ہیں۔ بغیر قرینہ عموماً اس لفظ سے انہی معنی کا تبادر ہوتا ہے۔ (جو کہ علامت حقیقت ہے اسی طرح "محب" اور "ناصر" وغیرہ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے جب یہ دو مقدمے ذہن نشین ہوگئے تو ہم کہتے ہیں کہ عقلی و نقلی دلیل و برہان سے ثابت ہوتا ہے کہ اس مقام پر لفظ "ولی" سے مراد "اولیٰ بالتصرف" اور حاکم علی الاطلاق ہے نہ معنی دیگر۔

دلیل عقل

ہم ابھی اوپر مقدمہ اولی میں بیان کر چکے ہیں کہ کلمۂ "انما" حصر کے لئے استعمال ہوتا ہے لہٰذا اگر یہاں لفظ "ولی" سے مراد "اولی بالتصرف" نہ ہو تو یہ حصر لغو اور مہمل ہو جائے گا کیونکہ اگر اس سے "محب" یا "ناصر" مراد لیا جائے۔ تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ عام مومنین ایک دوسرے کے "محب" "ناصر" نہ ہوں، حالانکہ یہ وجدان اور صریح قرآن کے خلاف ہے ارشاد باری ہے "والمومنون بعضھم اولیاء بعض" مومنین بعض بعض کے دوست و مددگار ہیں۔ جو مطلب صریح قرآن کے مخالف ہو۔ وہ یقیناً باطل ہوگا۔ علاوہ بریں بموجب "القرآن یفسر بعضہ بعضاً" اس آیت میں چونکہ تین ولایتوں کا تذکرہ موجود ہے جو ایک طرح کی ہیں منجملہ ان تین ولایتوں کے ولایت رسول بھی ہے آنحضرتؐ کی ولایت میں اس مقام پر اگر قدرے اجمال بھی تھا تو دوسری آیت مبارکہ نے اس آیہ کے چہرے سے نقاب کشائی کر کے اس کو بالکل ظاہر و باہر کر دیا۔ "النبی اولی بالمومنین" یعنی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مومنین کے جان و مال میں خود مومنین سے زیادہ تصرف کا حق رکھتے ہیں" جب ولایت رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحیح مفہوم قرآن ہی سے معلوم ہو گیا تو اس سے اس کی ساتھ والی دو ولایتوں کا حقیقی مفہوم بھی واضح ہو گیا کہ ان سے مراد بھی اولویت بالتصرف ہے۔ ورنہ نظم قرآن میں خلل پیدا ہو جائے گا۔ تعالیٰ اللہ عن ذالک علواً کبیرا۔

دلیل نقل

شان نزول میں بیان کردہ روایت نہایت وضاحت و صراحت کے ساتھ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اس آیۂ مبارکہ میں لفظ ولی سے مراد "اولیٰ بالتصرف" ہی ہے نہ معنی دیگر وجہ دلالت، بالکل واضح ہے ہم اس کی تفصیل میں پڑ کر اپنے اور قارئین کرام کے قیمتی وقت کو ضائع نہیں کرنا چاہتے فقط اشارہ کئے دیتے ہیں ؎ عاقلاں را اشارتے کافی ست

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت موسیٰ کے بارگاہ ایزدی میں وزارت ہارون کے متعلق سوال کرنے اور خدا کے اسے قبول کرنے کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت علی علیہ السلام کی بابت اپنا وزیر مقرر کئے جانے کی بارگاہ خدا میں استدعا کرنا اور اس کے نتیجہ میں اس آیۂ مبارکہ کا نازل ہونا اس امر کی قطعی و یقینی دلیل ہے کہ اس ولایت سے مراد یہاں یہی وزارت و وصایت اور بالفاظ دیگر "اولویت بالتصرف" اور حکومت الٰہیہ ہے جو آپ کو بحیثیت خلیفہ و جانشین ہونے کے منجانب اللہ حاصل ہے۔ جب کلمۂ حصر کے ذریعہ تمام اغیار کی ولایت کی نفی کر دی گئی تو اس سے حضرت امیر علیہ السلام کی خلافت بلافصل واضح ہو گئی۔ اگر سلسلۂ نبوت ختم نہ ہو گیا ہوتا تو حضرت علی منجانب

اوروں کی طرح نبی بھی ہوتے۔ لیکن چونکہ یہ سلسلہ اب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند ہو چکا ہے اس لئے آپ کو وصی و امام ماننا پڑے گا۔ و ہو المطلوب و قد حصل بفضل اللّٰہ الودود

اس آیہ مبارکہ پر عائد کردہ چند شبہات اور ان کے جوابات!

حضرات اہلسنت نے اپنی عادت قدیمہ کے مطابق اپنی گلو خلاصی کرانے کے لئے اس آیہ مبارکہ میں کچھ رخنہ اندازیاں کی ہیں اس وقت ہمارے سامنے "الصواقع الالٰہیۃ فی ترجمہ التحفۃ الاثنا عشریہ" جسے آلوسی بغدادی نے لباس عربیت پہنا کر عربوں کے لئے سامان گمراہی مہیا کیا ہے، اور صواعق محرقہ وغیرہ موجود ہیں جن کے مؤلفین نے ایڑی چوٹی کا زور صرف کرکے اس آیۂ مبارکہ پر چند ایرادات کرکے اس کو درجہ حجیت و اعتبار سے ساقط کرنے کی مذموم کوشش کی ہے۔ ذیل میں ہم ان شبہات کا قلع قمع کرتے ہیں۔ تاکہ بعد ازیں یہ آیت بالکل بے غبار اور اس کی دلالت مزید واضح و آشکار ہو جائے۔

پہلا شبہ! اس کی حصر سے مراد حصر حقیقی ہے یا اضافی۔ اگر حصر حقیقی مراد لیا جائے تو اس سے جس طرح حضرت علیؑ سے پہلے خلفاء کی خلافت باطل ہوتی ہے اسی طرح آپ سے بعد والے ائمہ و خلفاء کی خلافت بھی ختم ہو جائے گی۔ اور اگر حصر اضافی مراد لی جائے تو یہ الفاظ آیت کے عموم کے منافی ہے!

الجواب و باللّٰہ التوفیق شبہ میں پیش کردہ دو شقوں میں سے ہر ایک شق کو اختیار کرکے جواب دیا جا سکتا ہے۔ اگر حصر سے حقیقی مراد لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ خدا و رسول کی ولایت کے بعد اصالتاً ولایت مطلقہ حضرت امیر المومنینؑ میں منحصر ہے لہٰذا اگر کوئی اور ولی ہوگا تو وہ آپ کی نیابت میں ہوگا۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ بعد والے آئمہ طاہرینؑ آپ کے توسط سے خلفاء سید المرسلین سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن آپ سے سابقہ اصلی خلفاء ہیں چونکہ آپ کی نیابت کا سلسلہ مفقود ہے۔ لہٰذا ان کی خلافت باطل اور آپ کے بعد والے آئمہ طاہرینؑ کی خلافت برحق ہے اور اگر اس حصر سے حصر اضافی مراد لیا جائے تو پھر مطلب اور بھی واضح ہے کہ زمانۂ امیر المومنینؑ میں ان کے سوا تمام مدعیان خلافت و ولایت کی خلافت کا بطلان مقصود ہے رہ گیا یہ کہنا کہ یہ عموم الفاظ آیت کے منافی ہے تو اس کا جواب عنقریب پانچویں شبہ کے ذیل میں آتا ہے۔ فانتظر

دوسرا شبہ! لفظ ولی چند معنوں میں مشترک ہے مثلاً محب، ناصر، اولیٰ بالتصرف وغیرہ قاعدہ یہ ہے کہ جب تک کوئی قرینہ خارجیہ موجود نہ ہو۔ لفظ مشترک سے کسی

خاص معنی کو مراد نہیں لیا جا سکتا۔

الجواب واللہ الموفق لنیل الصواب! یہ شبہ بدو وجہ مندفع ہے
اوّلاً یہ مسلّم نہیں کہ یہ لفظ مذکورہ بالا سب معانی میں مشترک ہے بلکہ یہ لفظ ایک معنی یعنی (اولیٰ بالتصرف) میں حقیقت ہے۔ ان دوسرے معانی میں بطور مجاز استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ جب اس لفظ کو مطلقاً استعمال کیا جائے۔ تو اس سے بلا قرینہ جو معنی فوراً ذہن میں آتے ہیں وہ یہی (اولیٰ بالتصرف) ہیں۔ ارباب علم جانتے ہیں کہ یہ تبادر علامت حقیقت ہوا کرتا ہے لہٰذا اس آیت میں اس کے یہی حقیقی معنی مراد ہوں گے۔

ثانیاً اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ لفظ ان سب معنی میں مشترک ہے۔ (کما ھو المشھور) تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ قاعدہ درست ہے کہ لفظ مشترک سے کسی خاص معنی کو مراد نہیں لیا جا سکتا جب تک کوئی قرینہ خارجیہ کسی معنی کی تعیین پر موجود نہ ہو لیکن ہم جو یہاں یہ معنی (اولیٰ بالتصرف) مراد لیتے ہیں تو قرینہ خارجیہ کی بنا پر جس کی تفصیل مقدمہ بالا تقریب استدلال میں اوپر بیان ہو چکی ہے وہاں رجوع کیا جائے

تیسرا شبہ! یہ مسلّم نہیں ہے کہ یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کے حق میں نازل ہوئی۔ اللؤلؤ جنہوں نے حق ابی طالب وروایۃ قصۃ السائل وتصدقہ بالخاتم علیہ فی حالۃ الرکوع انما ھو الثعلبی فقط وھو منفرد بھا یعنی اس آیت کے حضرت علیؑ کے حق میں نازل ہونے اور سائل کے سوال کرنے اور حضرت علیؑ کے حالت رکوع میں اس کو انگوٹھی دینے کا واقعہ فقط ثعلبی نے نقل کیا، اور وہ اس نقل میں منفرد و تنہا ہے (تحفۂ اثنا عشریہ مترجم صلا) اس کے ساتھ ثعلبی بد عقیدہ ہے کہ اس کی روایات قابل سند و اعتماد نہیں ہیں۔

الجواب بعون اللہ الوہاب! یہ شبہ بھی بدو وجہ باطل ہے۔
اوّلاً ثعلبی پر تعرض کرنا اور اس کی نقل کردہ روایات کو ناقابل اعتبار قرار دینا خود علمائے اہل سنت کی تصریحات کے خلاف ہے محققین اہل سیر و تواریخ نے ثعلبی کو ایک بہت مستند، متبحر، متدین، معتبر مفسر و محدث تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ کتاب معجم الادباء ج ۱۱ صفحہ ۶۲ طبع مصر ابو الحسن علی ابن احمد واحدی لکھا ہے۔ وکان حبیر العلماء بل بحرھم ونجم الفضلاء بل بدرھم وزین الائمۃ بل فخرھم واوحد الامۃ بل صدرھم ولہ التفسیر الملقب بالکشف والبیان عن تفسیر القرآن الذی رفعت بہ المطایا فی السہل والاوعار وسارت بہ الفلک فی البحار وھبت ھبوب الریح فی الاقطار ۔۔

فسار مسیر الشمس فی کل بلدۃ   وھب ھبوب الریح فی البر والبحر

واصفقت علیہ کافۃ الامۃ علی اختلاف نحلھم واقروا لہ بالفضیلۃ فی تصنیفہ مالم یسبق الیہ فمن ادرکہ وصاحبہ علم انہ منقطع القرین ومن لم یدرکہ فلینظر فی مصنفاتہ یستدل بھا علی انہ کان بحرا لا ینزف وغمرا لا یسبر انتہی بقدر الحاجۃ۔

خلاصہ مطلب اینکہ یہ۔ بزرگوار ثعلبی افخر علماء بلکہ بحر العلماء، نجم الفضلاء بلکہ بدر العلماء اوحد زمانہ یگانہ عصر علامۃ الامت تھے۔ ان کی تفسیر موسوم بہ "الکشف والبیان عن تفسیر القرآن" شہرت وعظمت کے اس مرتبہ پر فائز ہے کہ اسے سواؤں ہموار اور غیر ہموار زمین میں کشتیاں سمندروں میں لئے پھرتی ہیں اور ہوا کی طرح تمام اطراف و جوانب تک پہنچ گئی ہے۔ وہ تمام دیار و امصار بحر و بر میں آفتاب عالمتاب کی مانند موجود ہے۔ تمام لوگ باوجود اپنے مذہبی اختلافات کے ثعلبی کی علو عظمت وجلالت پر متفق ہیں اور اس بات کا اقرار کرتے ہیں، کہ ثعلبی نے ایسی تفسیر لکھی ہے جس کی پہلے نظیر نہیں ملتی جس شخص نے بھی ثعلبی کو دیکھا ہے اور اس کی مصاحبت کی ہے وہ جانتا ہے کہ وہ شخص بے نظیر ہے اور جس نے اس کو نہیں دیکھا وہ اس کی جمیل القدر کتابیں دیکھے تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ وہ علم کا بحر بے کنار ہے۔

اس تحقیق سے واضح ہو گا کہ ثعلبی مفسرین اہل سنت میں بہت بڑے درجہ پر فائز ہیں، نقل روایات میں نہایت قابل وثوق و اعتبار اور ان کی تفسیر نہایت معتبر و مستند ہے، لہذا اگر اس آیت کے شان نزول کی روایت کسی اور کتاب میں درج نہ ہوتی، اور ثعلبی اس کے نقل کرنے میں منفرد ہوتے تو بھی اس کی حجیت و اعتبار میں خدشہ کرنا بے جا ہوتا، چہ جائیکہ جب یہ روایت دوسری کتب تفسیر و حدیث میں بھی مذکور ہے۔ جیسا کہ ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

"ثانیا اس آیت کے حضرت علی کے حق میں نازل ہونے، سائل کے سوال کرنے اور حضرت علی کے حالت رکوع میں اسے انگشتری عطا کرنے کے واقعہ کو   فقط ثعلبی کی طرف نسبت دینا جہالت و ضلالت یا تجاہل و کتمان کی بدترین مثال ہے اس آیت کے حضرت علی علیہ السلام کے حق میں نازل ہونے پر تمام مفسرین و محقق علماء کا اتفاق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب علامہ حلی نے کتاب کشف الحق میں اس کے نزول کے متعلق یہ دعویٰ کیا کہ "اجمعوا علی نزولھا فی علی" یعنی مفسرین کا اس امر پر اتفاق ہے۔ کہ یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کے حق میں نازل ہوئی ہے، تو فضل ابن روزبہان نے اپنی کتاب "ابطال الباطل" میں کہ جو بہ تعصب و عناد علامہ حلی کے دعاوی کے ابطال کے لئے لکھی ہے۔ ہرگز کوئی مناقشہ نہیں کیا، بلکہ اپنا تمام زور تقریب و تقریر استدلال، و دلالت کا اشتراک ثابت

کرنے میں صرف کیا ہے جس کی مذمت ہم ابھی اوپر کر چکے ہیں۔ الغرض اس کے شان نزول کی روایت ثعلبی کی طرح اور دوسرے بے شمار مفسرین، محدثین، مورخین اور متکلمین نے اپنی کتابوں میں بھی درج کی ہے۔ ہم ذیل میں چند مستند کتب تفسیر و حدیث وغیرہ کی نشاندہی کرتے ہیں تاکہ معترض کا کذب واضح و ظاہر ہو جائے۔

ان کتابوں کے نام جن میں اس آیت کا بحق علیؑ نازل ہونا مذکور ہے!

(۱) تفسیر طبری ج ۶ صفحہ ۱۶۵ (۲) تفسیر کبیر فخر الدین رازی ج ۳ صفحہ ۴۳۱ (۳) تفسیر خازن ج ۱ صفحہ ۴۹۶ (۴) تفسیر روح المعانی للآلوسی البغدادی ج ۲ صفحہ ۳۲۹ (۵) تفسیر نیشاپوری ج ۳ صفحہ ۴۶۱ (۶) تفسیر ابو البرکات ج ۱ صفحہ ۴۹۶ (۷) تفسیر ابن کثیر ج ۲ صفحہ ۷۱ (۸) تفسیر در منثور ج ۲ صفحہ ۲۹۳ (۹) اسباب النزول واحدی (۱۰) فصول مہمہ ابن صباغ مالکی صفحہ ۱۲۳ (۱۱) مطالب السئول ابن طلحہ شافعی صفحہ ۳۱ (۱۲) تذکرہ ابن جوزی صفحہ ۹ (۱۳) کفایۃ الطالب گنجی الشافعی صفحہ ۱۰۶ (۱۴) مناقب خوارزمی صفحہ ۱۸۷ (۱۵) فرائد السمطین ج ۱ باب ۳۹ (۱۶) شرح مواقف قاضی عضد الدین ایجی ج ۸ صفحہ ۳۶۰ (۱۷) الریاض النضرہ محب الدین طبری ج ۲ صفحہ ۲۲۷ (۱۸) ذخائر العقبیٰ صفحہ ۱۰۲ (۱۹) البدایہ والنہایہ ابن اثیر ج ۷ صفحہ ۳۵۷ (۲۰) کنز العمال ج ۶ صفحہ ۳۹۱ (۲۱) صواعق محرقہ ابن حجر صفحہ ۲۵ (۲۲) نور الابصار شبلنجی صفحہ ۷۷ وغیرہا۔

ان سب کتابوں میں باختلاف الفاظ و تعبیرات اس آیت کے شان نزول کا قصہ اور اس آیت کا حضرت علیؑ کے حق میں نازل ہونا بالتصریح مذکور ہے۔ بلکہ ان میں سے اکثر نے تو حدیث ابوذر کو جو تفسیر ثعلبی میں موجود ہے بعینہٖ انہی الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔ لہٰذا واضح ہوا کہ اس آیت کا حضرت امیر المومنینؑ کے حق میں نازل ہونا اجماعی و اتفاقی ہے ابن حجر مکی وغیرہ نے اس کے علاوہ جو چند اقوال نقل کئے ہیں، وہ شاذ و نادر ہونے کی وجہ سے درجۂ حجیت و اعتبار سے ساقط ہیں اور کوئی صاحب عقل و انصاف ایسے اقوال کو مشہور بلکہ متفق علیہ بین الفریقین قول کے مقابلہ میں بطور معارضہ پیش نہیں کر سکتا۔

چوتھا شبہ! ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ولایت بالفعل حاصل ہے لیکن اگر اس سے حضرت علیؑ کی امامت مراد لی جائے۔ تو یہ فعلیت درست نہیں رہتی کیونکہ آپ کی امامت حضرت رسولؐ کے بعد ہے۔ خدا و رسولؐ کی ولایت بالفعل ہو اور حضرت علیؑ کی ولایت زمانہ مستقبل میں ہو یہ سیاق آیت کے خلاف ہے۔

الجواب بتائید اللہ الوہاب یہ شبہ بھی بچند وجہ غلط ہے۔

اولاً: اس آیہ مبارکہ میں فقط تین ولایتوں کا ذکر کیا گیا ہے، اس

کا کہیں ذکر نہیں کہ یہ تینوں ولائتیں یک دوسرے کے عرض میں یعنی بیک وقت ہیں یا ایک دوسرے کے طول میں یعنی یکے بعد دیگرے ہیں اس امر کو ادلّۂ خارجیہ کی روشنی میں معلوم کرنا چاہیے جب ہم ادلہ کو دیکھتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ خدا و رسول کی ولایت یعنی حکومت و تصرف فعلی حالیہ اور حضرت علیؑ کی حکومت و امامت استقبالی ہے اس صورت میں نظم آیت میں کسی قسم کا خلل پیدا نہیں ہوتا۔

ثانیاً ہم نے وجہ اول میں جو کچھ بیان کیا وہ اس کو تسلیم کرتے ہوئے تھا کہ حضرت علیؑ کی ولایت حضرت ختمی مرتبتؐ کی وفات کے بعد ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ حضرت سید کائناتؐ کے عین حیات میں حضرت امیر المومنینؑ ولائت مطلقہ کے درجہ رفیعہ پر فائز تھے۔ اور آپ کے عین حیات ہی واجب الطاعت وجائز التصرف تھے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ وہ آنحضرت کے پاس ادب کی وجہ سے اکثر و بیشتر ساکت رہتے تھے۔ جس طرح کہ ہر دوسرا امام پہلے امام کی زندگی میں ساکت رہتا ہے حضرت امام حسن علیہ السلام حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی میں ساکت اور حضرت امام حسین علیہ السلام حضرت امام حسن علیہ السلام کے عین حیات صامت وساکت تھے۔ حضرت امیر المومنینؑ کی ولایت کے بالفعل ہونے پر حدیث منزلت " یا علی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی " کافی ووافی دلیل ہے۔ کیونکہ اس حدیث شریف میں سوائے مرتبۂ نبوت کے دیگر تمام مراتب ومنازل ہارونی کا حضرت علی علیہ السلام کے لئے اثبات کیا گیا ہے ظاہر ہے کہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ کے عین حیات درجہ ولایت پر فائز تھے۔ اسی طرح حضرت امیر المومنینؑ بھی حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عین حیات درجۂ ولائت کبریٰ پر فائز ہوں گے۔

پانچواں شبہ! آیت مبارکہ میں سب جمع کے صیغے ہیں جیسے " الذین " اور " آمنو " " یقیمون " صیغہ ہائے جمع سے ایک شخص کو مراد لینا ظاہر آیت کے خلاف ہے۔

الجواب ومن اللہ التوفیق فی المبدء والمآب! یہ شبہ وہی شخص کر سکتا ہے جو اصطلاحات قرآن اور محاورات لغت عرب سے بالکل جاہل ہو ورنہ ارباب علم پر مخفی نہیں ہے۔ کہ قرآن مجید میں متعدد جگہ صیغہ ہائے جمع سے ایک ذات کو مراد لیا گیا ہے۔ ارشاد باری ہوتا ہے۔ " انا نحن نزلنا الذکر " ہم نے قرآن کو نازل کیا اور " انا نحن نحی ونمیت " ہم مارتے اور جلاتے ہیں حالانکہ ہر دو آیت میں مراد فقط خداوند عالم ہے۔ نیز ارشاد قدرت ہے۔

اذ قالت الملائکۃ یامریم ان اللہ اصطفاک الخ فرشتوں نے کہا اے مریم! خدا نے تمہیں منتخب کیا ہے، حالانکہ یہاں ملائکہ سے مراد فقط حضرت جبرئیل ہیں جیسا کہ تفسیر کبیر وغیرہ میں مذکور ہے۔ قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم۔ مفسرین نے بیان کیا ہے کہ پہلے "الناس" سے مراد نعیم ابن مسعود اور دوسرے "الناس" سے مراد ابوسفیان ہیں حالانکہ لفظ "ناس" عموم کے صیغوں میں سے ہے معلوم ہوا کہ تعظیم و تکریم یا کسی کارِ خیر کی تحریص و ترغیب دلانے وا قع ہو کر صاحب کشاف نے یہی جواب دیا ہے) یا دیگر بعض مصالح و حکم کی بنا پر صیغہ جمع سے ایک شخص کو مراد لیا جا سکتا ہے۔ اور یہ امر لغت عرب میں کثیر الوقوع ہے چنانچہ کتاب فقہ اللغت و سر العربیۃ صفحہ طبع جدید مصر میں بذیل عنوان "فی جمع یراد بہ الواحد" لکھا ہے: من سنن العرب الاتیان بذلک کما قال تعالیٰ ماکان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ و انما اراد مسجد الحرام الخ: یعنی عربوں کی عادت ہے کہ مشرکین کے لیے جائز نہیں کہ وہ "مسجدوں" کی تعمیر کریں۔ لفظ "مساجد" جمع ہے لیکن اس سے مراد فقط مسجد الحرام ہے الخ۔ معلوم ہو گیا کہ یہ شبہ محض جہالت و ضلالت کا مظاہرہ ہے اور ارباب بصیرت کے نزدیک بالکل بے وقعت ہے۔ اور یہ استبعاد بالکل بے محل ہے اگر با محل بھی ہوتا تو غیر مسموع تھا۔ کیونکہ نصوص قطعیہ کے مقابلہ میں ایسے استبعاد قابل سماعت نہیں سمجھے جاتے۔ علاوہ بریں ممکن ہے کہ یہ صیغہ ہائے جمع اپنے عمومی معنی پر باقی ہوں اور ان میں دیگر آئمہ طاہرین بھی بالاصالۃ داخل ہوں کیونکہ بعض روایات میں وارد ہے کہ یہ فعل حسن (اعطاء خاتم بحالتِ رکوع) سب آئمہ معصومین علیہم السلام سے وقوع پذیر ہوا ہے۔ واللہ العالم۔ ان حقائق کی روشنی میں ثابت ہو گیا کہ یہ آیت مبارکہ حضرت امیر علیہ السلام کی خلافت بلافصل پر وہ نص صریح ہے کہ اس میں کسی قسم کی تاویل و توجیہ اور چون و چرا کی ہرگز کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ومن لم یجعل اللہ لہ نوراً فما لہ من نور۔

دوسری آیت

قال اللہ تبارک و تعالیٰ فمن حاجک فیہ من بعد ما جاءک من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا و ابناءکم و نساءنا و نساءکم و انفسنا و انفسکم ثم نبتھل فنجعل لعنت اللہ علی الکاذبین (پ ۳۔ آل عمران) اے رسول! تمہارے پاس علم آ جانے کے بعد بھی جو شخص تمہارے ساتھ (حدیث عیسیٰ کے بارے میں) جھگڑا کرے تو تم ان (نصارائے نجران) سے کہہ دو کہ ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ۔ ہم اپنی عورتوں کو بلاتے ہیں تم اپنی عورتوں کو بلاؤ۔ ہم اپنے نفسوں کو بلاتے ہیں تم اپنے نفسوں کو بلاؤ۔ پھر ہم مباہلہ کریں اور جھوٹے پر خداوند عالم کی لعنت بھیجیں۔ واضح ہو کہ تمام مستند مفسرین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اس

آیت مبارکہ میں لفظ "ابنا" سے حضرت امام حسن و حسین علیہما السلام، "نساء" سے حضرت فاطمہ زہرا اور "انفسنا" سے حضرت امیر المومنین علیہ السلام مراد ہیں چنانچہ علامہ زمخشری اپنی تفسیر کشاف ج ۱ صفحہ ۔ طبع مصر قدیم میں اس آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں۔ فاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد غدا محتضنا الحسین آخذا بید الحسن وفاطمۃ تمشی خلفہ وعلی خلفہا وھو یقول اذا انا دعوت فامنوا فقال اسقف نجران یا معشر النصاری انی لاری وجوھا لو شاء اللہ ان یزیل جبلا من مکانہ لازالہ بہا فلا تباھلوا فتھلکوا ولا یبقی علی وجہ الارض نصرانی الی یوم القیامۃ: یعنی نصاریٰ نجران رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شان کے ساتھ اپنے بیت الشرف سے برآمد ہوئے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو گود میں لئے ہوئے، حضرت امام حسن کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے فاطمہ زہرا پیچھے تھیں اور حضرت علی علیہ السلام ان کے بھی پیچھے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے فرماتے جاتے تھے، کہ جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا۔ آنحضرت کو اس شان کے ساتھ تشریف لاتے ہوئے دیکھ کر، نصارائے نجران کے اسقف (لاٹ پادری) نے ان سے کہا۔ اے گروہ نصاریٰ میں کچھ چہرے ایسے دیکھ رہا ہوں کہ اگر خداوند عالم ان کی برکت سے پہاڑ کو اپنے مقام سے ہٹانا چاہے تو ہٹا دے۔ خبردار! ان سے مباہلہ نہ کرو، ورنہ قیامت تک روئے زمین پر کوئی نصرانی نہیں رہے گا۔ الیٰ آخرہ۔ تفسیر کبیر ج ۲ صفحہ ۶۹۹ طبع مصر قدیم میں وارد ہے لیکن اس میں اسقف نجران کی تقریر کا ابتدائی حصہ یوں ہے " انی لاری وجوھا لو سئلوا اللہ ان یزیل جبلا من مکانہ لازالہ بھا۔ میں کچھ ایسے مقدس چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ خدا سے سوال کریں کہ پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا دے تو وہ ہٹا دے گا۔ چنانچہ نصاریٰ نے جزیہ دینا منظور کر لیا، لیکن مباہلہ کے لئے تیار نہ ہوئے۔ امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر کبیر ج ۲ صفحہ ۔ طبع مصر میں یہ مذکورہ بالا واقعہ مباہلہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "واعلم ان ھذہ الروایۃ کالمتفق علی صحتہا بین اہل التفسیر والحدیث" اس روایت کی صحت پر قریباً قریباً تمام مفسرین و محدثین کا اتفاق ہے اس سلسلہ میں یہ کتابیں بھی دیکھی جا سکتی ہیں تفسیر در منثور ج ۲ صفحہ ۔ کشاف ج ۱ صفحہ ۔ تفسیر کبیر ج ۲ صفحہ ۔ صحیح مسلم مع شرح نووی ج ۲ صفحہ ۔ مستدرک حاکم ج ۳ صفحہ ۔ صواعق محرقہ صفحہ ۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس آیت و روایت کی روشنی میں چند اہم امور کا بیان

اس آیۂ مبارکہ اور روایت شریفہ میں غور و تامل کرنے سے مندرجہ ذیل امور منکشف

ہوتے ہیں۔

اوّل:۔ اس آیۂ مبارکہ میں امام حسنؑ و امام حسینؑ، حضرت علیؑ اور والدہ ماجدہ حسنینؑ ہی مقصودِ خدا ہیں
اگر ان کے علاوہ کوئی اور شخصیت بھی مراد ہوتی تو ضرور آنحضرتؐ اس کو بھی اپنے ہمراہ لے جاتے لیکن
باوجود الفاظ میں گنجائش ہونے کے آنحضرتؐ کا کسی اور کو اپنے ہمراہ نہ لے جانا انہی حضرات کے مقصودِ
خدا ہونے کی قطعی دلیل ہے۔

دوم:۔ قطع نظر دیگر دلائل و براہین کے خود آیۂ مبارکہ اس امر پر نص ہے کہ حضرت امام حسنؑ و حسینؑ فرزندانِ
رسولؐ ہیں اور ان کو ابنائے رسولؐ کہنا خلافِ شرع نہیں بلکہ قرآن و حدیث کے عین مطابق ہے لہٰذا وہ لوگ
جو ان حضرات کو فرزندِ رسولؐ کہنے سے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہیں انہیں اس آیت مبارکہ کی روشنی میں اپنے نظریہ
پر نظرِ ثانی کرنی چاہیے۔[1] علاوہ بریں اس آیت و روایت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرات حسنینؑ کی شان

---

[1] چنانچہ انہی حقائق کے پیشِ نظر علامہ فخر الدین رازی یہ اقرار کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ حضرت حسنین شریفین فرزندانِ
رسولِ مقبول ہیں چنانچہ وہ اپنی تفسیر کبیر ج ۲ صفحہ ۴۸۸ مطبوعہ مصر میں لکھتے ہیں: "هذه الآية دالة على ان الحسن والحسين عليهما
السلام كانا ابني رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم وعد ان يدعو ابناءه فدعا الحسن والحسين فوجب ان يكونا ابنيه ومما يؤكد هذا قوله تعالى
في سورة الانعام ومن ذريته داود وسليمان الى قوله وزكريا ويحيى وعيسى ومعلوم ان عيسى عليه السلام انما انتسب
الى ابراهيم عليه السلام بالام لا بالاب فثبت ان ابن البنت قد يسمى ابنا" یعنی یہ آیۂ مباہلہ اس امر پر دلالت
کرتی ہے کہ حضرت حسن و حسین علیہما السلام فرزندانِ رسولؐ ہیں کیونکہ آنحضرتؐ کو اپنے بیٹے لانے کا حکم دیا گیا اور پیغمبرِ اسلام حضرت حسنینؑ
کو اپنے ہمراہ لے گئے لہٰذا ضروری ہے کہ حسنینِ شریفین حضرت رسولِ خدا کے بیٹے ہوں اس امر کی تائید سورۂ انعام کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے
جس میں خداوند عالم فرماتا ہے کہ ابراہیمؑ کی ذریت میں سے داؤدؑ، سلیمانؑ، زکریاؑ، یحییٰؑ اور عیسیٰؑ بھی تھے واضح ہے کہ حضرت عیسیٰؑ
صرف ماں کی طرف سے حضرت ابراہیمؑ کی طرف منسوب تھے نہ کہ باپ کی طرف سے اس سے ثابت ہوا کہ نواسہ کو بھی اپنا بیٹا کہا جا سکتا ہے
اہل سنت کے بعض منصف مزاج علماء نے اس امر کو خصائص اہل بیتؑ سے شمار کیا ہے چنانچہ فاضل نبہانی اپنی کتاب
شرف مؤبد کے صفحہ ۴۸ پر تحریر کرتے ہیں: من خصائصهم رضي الله عنهم ان اولاد ابنته فاطمة ينسبون اليه
النبي صلى الله عليه وسلم نسبة صحيحة. اخرج الطبراني قوله صلى الله عليه وسلم ان الله عز وجل
جعل ذرية كل نبي في صلبه وجعل ذريتي في صلب علي بن ابي طالب وقوله عليه الصلوٰة
والسلام كل بني ام ينتمون الى عصبة الا ولد فاطمة فانا وليهم وانا عصبتهم۔ یعنی اہل بیتؑ کے خصائص
میں سے ایک یہ امر بھی ہے کہ باوجودیکہ وہ آنحضرتؐ کی دختر کی اولاد ہیں لیکن وہ خود آنحضرتؐ کے فرزند کہلاتے ہیں اور آپ
باقی بر صفحہ

حضرت یحیٰی ابن زکریا اور حضرت عیسیٰؑ علی نبینا وآلہ وعلیہما السلام کی سی ہے بلکہ ان کی عظمت و بزرگی ان کی عظمت
سے بڑھی ہوئی نظر آتی ہے حضرت عیسیٰؑ کا صغر سنی میں شہادت دینا فقط اپنی مادرِ گرامی کا دامنِ عفت محفوظ
رکھنے تک ہی محدود تھا لیکن فرزندانِ رسولؐ کی صغر سنی والی شہادت کا دائرہ اس سے کہیں وسیع تر ہے کیوں
کہ اس سے دو عظیم امتوں کی اصلاح اور ملتِ اسلامیہ کا بول بالا کرنا مقصود تھا جس میں وہ بطریق احسن
کامیاب ہوئے۔

سوم:- اس آیت میں سیدہ عالم سلام اللہ علیہا کی بہت بڑی فضیلت مضمر ہے کیونکہ خلاقِ عالم
کا تمام نساء عالم کو نظر انداز فرما کر فقط اسی مخدرۂ عصمت و طہارت کو اس اہم کام کی انجام دہی کے
لئے شریکِ رسالت قرار دینا اور ان کے حق میں بغرض تعظیم و تکریم صیغۂ جمع استعمال کرنا اس امر کی کھلی ہوئی
دلیل ہے کہ صنفِ نازک میں سے جو ہستی پر جناب سیدہؑ کی کوئی نظیر نہیں ہے صنف نازک کی قید مرسلے
رسمیں تحریر لگائی ہے ورنہ پیغمبرِ اسلامؐ کے قول سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ کی ذات
گرامی صفات نہ ہوتی تو حضرت فاطمہؑ کا صنفِ ذکور میں بھی کوئی کفو میسر نہ تھا خواہ انبیاء ہوں یا غیر
انبیاء۔ آنحضرتؐ فرماتے ہیں۔ "لولا علی لما کان لابنتی فاطمۃ کفو آدم ومن دونہ"۔ اگر حضرت
علیؑ نہ ہوتے تو میری بیٹی فاطمہؑ کا کوئی کفو نہ تھا نہ آدمؑ اور نہ کوئی اور

چہارم:- یہ آیت مبارکہ اس امر پر نص صریح ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نفسِ رسولؐ ہیں
کیونکہ یہ یقینی امر ہے کہ حضرت سرورِ کائناتؐ میدانِ مباہلہ میں ان کو اپنے ہمراہ لے گئے تھے لیکن
جب الفاظِ آیت پر نظر کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ لفظ "ابناء" میں ان کو داخل نہیں کیا جا سکتا
اور نہ لفظ "نساء" میں ان کو شامل کرنے کی گنجائش ہے لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپ لفظ "انفسنا"
ہی میں داخل ہیں بلکہ اس سے مراد ہی آپ ہیں۔ سابقاً بیان کیا جا چکا ہے کہ ان کے نفسِ رسولؐ ہونے کا
مقصد اتحادِ نفسی و شخصی نہیں ہے کیونکہ دو شخصوں کا مل کر ایک ہو جانا عقلاً محال و ممتنع ہے بلکہ اس سے

ملہ ۱۵۲ صفحہ پر ملاحظہ کریں۔

بقیہ حاشیہ [illegible] کی طرف صحیح نسبت کے ساتھ منسوب ہوتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرتؐ کا یہ ارشاد منقول
ہے کہ خداوند عالم نے ہر شخص کی ذریت کو اس کے صلب میں قرار دیا ہے لیکن میری ذریت کو علی
ابن ابی طالب کے صلب میں قرار دیا ہے۔ نیز آپ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ لوگوں کے بیٹے اپنے قبیلے
والوں سے منسوب ہوتے ہیں سوائے فاطمہ کے فرزندوں کے۔ کہ میں ان کا سرپرست ہوں اور ان کا
باپ ہوں۔ (منہ عفی عنہ)

ان اللہ تعالیٰ یقول قل تعالوا ندع الخ فکیف یکون اصحابہ مثل نفسہ؟ کہ اصحابِ رسولؐ میں افضل کون ہے؟ محدث موصوف نے جواب میں کہا ابوبکر و عمر و عثمان! سائل نے کہا علی ابن ابی طالبؑ کیا ہوئے؟ ابن عائشہ نے جواب دیا کہ تو اصحابِ رسولؐ کے بارے میں سوال کرتا ہے یا نفسِ رسولؐ کے بارے میں؟ سائل نے کہا اصحاب کے بارے میں۔ ابن عائشہ نے آیتِ مباہلہ پڑھ کر کہا اصحابِ رسولؐ نفسِ رسولؐ کی مانند کیونکر ہو سکتے ہیں؟

ایں زمیں را آسمانے دیگر است

پنجم:۔ جنابِ رسولِ خداؐ کا ذواتِ مقدسہ سے یہ فرمانا کہ جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا۔ ان حضرات کی انتہائی عظمت و شان و رفعتِ مکان کی واضح ترین دلیل اور روشن برہان ہے۔ آنحضرتؐ کی اس روش میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اپنے مقاصد و مطالبِ شرعیہ کی انجام دہی میں بعض صلحاء و اتقیاء امت سے بمقام وسیلہ میں استمداد و استشفاع نہ صرف جائز ہے بلکہ سنتِ نبوی ہے لہٰذا جو مدعیانِ توحید اس عمل کو شرک بتاتے ہیں۔ انہیں آنحضرتؐ کے اس اسوۂ حسنہ کی روشنی میں اپنے اس خود ساختہ عقیدہ کا جائزہ لینا چاہیے۔ پس ان حقائق کی روشنی میں واضح ہوا کہ حضرت شیعہ کا اپنے مقاصد و مطالب میں آلِ بیتؑ سے توسل حاصل کرنا عین سنتِ نبوی کا اتباع ہے۔ والحمد للہ علی احسانہ۔

ششم:۔ نصارائے نجران کے لاٹ پادری کا ان حضرات کی عظمت و جلالت کا ان الفاظ میں ذکر کرنا "انی لاری وجوھا لو سالوا اللہ ان یزیل جبلا من مکانہ لازالہ بھا" (میں کچھ ایسے مقدس چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر وہ بارگاہِ ایزدی میں دعا کریں کہ وہ پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا دے تو وہ ضرور ان کی برکت سے ہٹا دے گا) ان بزرگواروں کی ہمہ گیر عظمت و بزرگی کی زبردست دلیل ہے۔

والفضل ما شھدت بہ الاعداء

چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ ان لوگوں نے جزیہ دینا قبول کر لیا لیکن ان ذواتِ قدسیہ سے مباہلہ کرنے کی جرأت نہ کی۔

برسبیلِ تذکرہ! ان حضرات کے میدانِ مباہلہ میں جانے اور اسقفِ نجران کے ان کی عظمت و جلالت کا اعتراف کرتے ہوئے اہلِ نجران کو ان سے مباہلہ نہ کرنے کا مشورہ دینے اور ان لوگوں کے مباہلہ نہ کرنے کا واقعہ لکھتے وقت ہماری آنکھوں کے سامنے ایک اور المناک واقعہ کا نقشہ کھنچ جاتا ہے۔ وہ یہ کہ آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ان کا جو استقبال ہوا بانوئے قیامت کے دعوائے فدک اور جوانانِ جنت کے سرداروں کی شہادتوں کو ٹھکرا کر ان کی جو

[illegible]

عزت افزائی فرمائی اس کی تفصیل جو ہر گونہ داستان سے کتب حدیث اور سیر و تواریخ بھری پڑی ہیں ولنعم ما قیل

ہیچ کافر نکند آنچہ مسلماں کردند ؎

تلک الایام نداولہا بین الناس ؎

اے فلک آل احمد ایں انتہائے اہل بیت

بہرحال یہ ایک جملہ معترضہ تھا جو دردِ دل سے مجبور ہو کر عرض کر دیا گیا۔ مقصد اس آیت و روایت سے استنباط شدہ مطالب کا بیان کرنا تھا۔ ان بیانات کی روشنی میں واضح ہوا کہ اس آیت مبارکہ میں فضائل اصحاب کساء کے دریا موجزن ہیں اور بنص خدا و رسولؐ ثابت ہوتا ہے کہ جناب امیر و فاطمہ اور حسن و حسین علیہم السلام پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات بابرکات کے سوا باقی تمام مخلوقات سے افضل و اشرف اور پیغمبرؐ کے نزدیک سب سے زیادہ عزیز و محترم ہیں۔ غالباً اسی وجہ کی بنا پر صاحب کشاف نے لکھا ہے کہ "فیہ دلیل لا شیء اقوی منہ علی فضل اصحاب الکساء علیہم السلام" اس آیت مبارکہ میں اصحاب کساء (خمسہ نجباء) کی فضیلت پر وہ زبردست دلیل موجود ہے کہ جس سے بڑھ کر اور کوئی دلیل متصور نہیں ہو سکتی" (تفسیر کشاف ج ۱ ص ۳۶۸ طبع مصر)

ششم: اس میں آنحضرتؐ کی نبوت و رسالت کی صحت پر قوی ترین دلیل موجود ہے کیونکہ اگر آپ کو اپنی نبوت کا یقین کامل نہ ہوتا تو ہرگز اپنے اعزۂ و اقارب و افلاذ فواد کو معرض ہلاکت میں نہ ڈالتے اور ہرگز ایسا اقدام نہ کرتے اور نہ ہی نصارائے نجران مباہلہ سے پہلو تہی کرتے۔ لیکن آپ کا یہ اقدام اور ان لوگوں کا یہ احجام آپ کی نبوت کا قطعی برہان ہے۔ اسی طرف صاحب کشاف نے اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے "و فیہ برہان واضح علی صحۃ نبوۃ النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لانہ لم یرو احد من موافق ولا مخالف انہم اجابوا الی ذلک" (ج ۱ ص ۳۶۸ طبع مصر)

ہفتم: اس واقعہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ فاضل کی موجودگی میں مفضول کا انتخاب کرنا سنت خدا و رسولؐ کے خلاف ہے بلکہ افضل ہی کا مقدم کرنا لازم ہے۔

ہشتم: حقیقی خلافتوں کے سربراہوں سے حضرت امیر المومنینؑ خدا و رسولؐ کی نظر میں افضل و

؎ اس واقعہ ہائلہ کی تفصیلات دیکھنے کے شائقین ہماری تازہ علمی پیشکش "تجلیات صداقت" جواب "آفتاب ہدایت" کا مطالعہ کریں۔ مذہب حق کی صداقت و حقانیت کے دلائل قاہرہ و براہین باہرہ کی تجلیوں سے دل نور ایمان سے منور ہو جائیں گے۔ انشاء اللہ منہ عفی عنہ۔

اشرف تھے۔ لہذا آنحضرتؐ ان کو نظر انداز کرکے ان کو اپنے ہمراہ نہ لے جاتے۔

دھم:۔ کارِ رسالت و نبوت میں حضرت علی علیہ السلام اور ان کے اہل خانوادہ ہی شریک و سہیم ہیں۔ بنا بریں خلافت و وصایت پیغمبر اسلام علیہ و آلہ السلام کے حقدار ہیں نہ کوئی اور۔ وھوالمطلوب

تقریبِ استدلال:

یہ آیہ مبارکہ تین طریقوں سے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی خلافت بلافصل پر دلالت کرتی ہے

طریق اول

ہم ابھی وجہ امرِ چہارم میں ثابت کر چکے ہیں کہ لفظ "انفسنا" سے مراد حضرت امیر المومنینؑ کی ذات والا صفات ہے اور یہ کہ اس سے سوائے مقام و منصب نبوت کے دیگر فضائل و کمالات میں پیغمبر اسلام کے ساتھ آپ کی مساوات مقصود ہے اور یہ کہ اس سے حضرت علی کی تمام اُمت بلکہ تمام کائنات پر افضلیت واضح ہوتی ہے لہٰذا جب اس آیت کی روشنی میں یہ ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت امیر مومنینؑ بعد نبیؐ افضل الناس ہیں تو اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ آپ ہی آنحضرت کے خلیفہ بلا فصل ہیں کیونکہ جو افضل ہوگا وہی آنحضرتؐ کا جانشین ہوگا۔ مگر ان کی موجودگی میں جو افضل ہیں کسی اور کو خلیفہ بنا دیا گیا۔ تو تقدیم مفضول بر فاضل لازم آئے گی جسے ہم باب دوم میں بعض شرائط امام بطور و دلائل عقلیہ و نقلیہ امام کا افضل الناس ہونا ثابت کر چکے ہیں

طریق دوم

جب اس آیہ مبارکہ سے حضرت امیر المومنینؑ کا نفسِ رسولؐ ہونا واضح ہو گیا۔ تو اس صورت میں اگر کوئی شخص آنجناب کو چھوڑ کر کسی اور کو ان پر مقدم کرتے ہوئے خلیفہ بنا دے تو لازم آئے گا۔ کہ نفسِ رسولؐ مؤخر ہو جائے اور غیر مقدم یہ ایک فعل قبیح ہے جسے کوئی صاحب عقل و معرفت گوارا نہیں کر سکتا۔ لہٰذا ماننا پڑے گا۔ کہ ہر معاملہ میں بالعموم اور مسئلہ خلافت میں بالخصوص نفسِ رسولؐ کو ہی سب سے مقدم ہونا چاہیئے۔ وھوالمطلوب۔

طریق سوم

عقلائے روزگار کے یہاں یہ امر مسلّم ہے کہ جب انسان کی کوئی نہایت محبوب و پسندیدہ خاطر چیز اس کے ہاتھ سے چلی جائے۔ تو وہ کوشش کرتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح وہ شیٔ حاصل کرے جو فوائد و منافع میں پہلی شیٔ کے مساوی ہو۔ یہ ایک مسلّم فطری کلیہ ہے جس پر ہمیشہ ہر زمانہ میں عمل ہوتا رہا ہے اور رہے گا۔ کوئی شخص اس میں کسی قسم کا خدشہ وارد نہیں کر سکتا۔ بنا بریں جب پیغمبر اسلام ایسی نعمت عظمیٰ ہمارے ہاتھوں سے چلی گئی تو اب ہماری عقل سلیم یہ حکم لگاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مسندِ خلافت پر ایک ایسے شخص کو بیٹھنا چاہیئے، جو فضائل و کمالات میں آپ کا مساوی اور فوائد و منافع کے اعتبار سے آپ کا ہم پلہ ہو تاکہ جن امور میں

آنحضرتؐ کے حین حیات ہم ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اب بھی امور میں جن کی طرف رجوع کر کے اپنے دامنِ مراد کو پُر کر سکیں۔ اب ہمیں فقط ایسے شخص کی تلاش کرنا چاہیے جو ان مراتب و مدارج میں نفسِ رسولؐ ہو لہٰذا اس معاملہ میں جب ہم نے کتابِ خداوندی کی طرف رجوع کی تو اس نے بموجب "ان هذا القرآن یهدی للتی هی اقوم" ہماری رہبری کی اور زبانِ حال سے یہ کہا کہ ادھر ادھر بھٹکنے کی ضرورت نہیں۔ آیۂ مباہلہ کی تلاوت کرو، پتہ چل جائے گا کہ نفسِ رسولؐ کون ہے قرآن کی حسب الامر جب ہم نے اس آیت کی طرف رجوع کی تو کالشمس فی رابعة النهار واضح و آشکار ہو گیا کہ نفسِ رسولؐ سے مراد حضرت امیر المومنینؑ کی ذاتِ قدسی صفات ہے۔ اب تمام عقدے حل ہو گئے اور عقل و نقل کی روشنی سے واضح ہو گیا کہ حضرت سید المرسلینؐ کے خلیفہ بلافصل حضرت امیر المومنینؑ صلوات اللہ وسلامہ علیہ وآلہ اجمعین ہی ہیں۔ اہلِ تعصب و عناد کا یہ کہنا کہ "لا ریب لامیر المومنین فی هذه الآیة فضیلة عظیمة وهی مسلمة ولکن لا تصیر دالة علی نص بامامته" یعنی اس میں کوئی شک نہیں کہ اس آیت میں حضرت امیر المومنینؑ کی عظیم القدر فضیلت بیان کی گئی ہے جو مسلم ہے لیکن یہ آیت آپ کی امامت پر بطور نص دلالت نہیں کرتی (فضل ابن روزبہان)، غلط محض ہے۔ حقائقِ قرآنیہ و دلائلِ فرقانیہ سے جہالت یا تجاہل کی کوئی حد ہے؟ ہمارا مذکورہ بالا بیان حقیقت ترجمان ملاحظہ کرنے کے بعد کسی بھی صاحبِ عقل و انصاف انسان کو اس امر میں ذرہ بھر شک و شبہ باقی نہیں رہ جاتا۔ کہ یہ آیت بطور نصِ صریح حضرت امیر علیہ السلام کی خلافتِ بلافصل پر دلالت کر رہی ہے۔ واللہ یهدی من یشاء الی صراط

ایک اشکال کہا جاتا ہے کہ "انفسنا" سے مراد خود ذاتِ رسولؐ ہے یعنی مطلب یہ ہے کہ اے نصاریٰ! تم بھی اپنے آپ کو بلاؤ اور ہم بھی اپنے آپ کو بلائیں گے؟

الجواب بتسدید اللہ الوہاب، یہ اشکال بچند وجہ ایک امرِ محال ہے۔

اولاً اس لیے کہ اپنے آپ کو بلانا بالکل ایک مہمل اور غیر معقول بات ہے کیونکہ داعی و مدعو میں مغایرت ہونا چاہیئے۔ ایک ہی شخص داعی بھی ہو اور مدعو بھی یہ محال ہے۔

ثانیاً اس لئے کہ اگر "انفسنا" سے خود حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد لیے جائیں تو پھر حضرت امیر المومنینؑ کو میدان مباہلہ میں ہمراہ لے جانے کی کوئی ممکن صورت نظر نہیں آتی کیونکہ آیتِ مبارکہ کے اور کسی لفظ میں آنجنابؑ کے داخل کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں حالانکہ ہم سابقاً علمائے اسلام کا اتفاق نقل کر چکے ہیں کہ حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب

امیر علیہ السلام کو ہمراہ لے گئے۔ معلوم ہوا کہ انفسنا سے مراد حضرت امیرالمومنین علیہ افضل التحیۃ والتسلیم ہی ہیں۔

ازالۂ وہم اگر اس مقام پر یہ کہا جائے کہ اگر انفسنا سے حضرت علی کو مراد نہ لینے کی صورت میں جس طرح ان کے ہمراہ لینے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی اسی طرح اگر اس سے مراد حضرت سرور کائنات کو نہ لیا جائے تو ان کی جانے کی بھی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کیونکہ ان کو کسی اور لفظ کے دامن میں داخل نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے متعلق یہ گزارش ہے کہ یہ ٹھیک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے سوائے لفظ انفسنا کے کسی اور لفظ کے دامن میں گنجائش نہیں ملتی ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ آنحضرت ہی صیغہ ندع (بلائیں) ونبتہل (مباہلہ کریں) کے ساتھ تکلم فرمانے والے مباہلہ کا ارادہ کرنے والے اور اس کے سربراہ ہیں لہذا آپ یقیناً اس میں داخل ہیں بخلاف حضرت امیرالمومنین کے کہ اگر ان کو مقصود انفسنا قرار نہ دیا جائے تو ان کے لئے اور کسی لفظ کے دامن میں وسعت نہیں ہے۔

تیسری آیت قال اللہ تبارک وتعالیٰ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس

اے رسول اس امر کو لوگوں تک پہنچا دو جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اور یاد رکھو اگر تم نے اس امر کی تبلیغ نہ کی تو یوں سمجھو کہ تم نے خدا کا کوئی کار رسالت انجام دیا ہی نہیں اور (مخالف سے ہراساں نہ ہو) خداوند عالم تمہیں لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

اسلام کا کوئی مسئلہ مسلمانوں کے اختلاف سے محفوظ نہیں شریعت مقدسہ اسلامیہ کا کوئی ایک گوشہ نہیں جو مسلمانوں کے اختلافات کی آماجگاہ نہ بنا ہو۔ خواہ تفسیر ہو یا حدیث فقہ ہو یا اصول غرضیکہ جس زاویہ پر نظر ڈالی جائے وہیں معرکۃ الآراء نظر آتا ہے ان پر روایات ہے کہ ان اقوال و آراء میں سے کسی قول و رائے کو اکثریت کی تائید و تقویت حاصل ہوتی ہے اور بعض کو قلیل کی بعض کی تائید اخبار و آثار سے ہوتی ہے اور بعض علمی تحقیق کے بل بوتے پر زندہ ہوتے ہیں لہذا ان حالات میں کسی مسئلہ کے متعلق مطلقاً یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس پر اس طرح تمام علمائے اسلام کا اجماع و اتفاق ہے کہ اس مسئلہ میں دوسرا کوئی قول ہی نہیں۔ ہم جہاں یہ کہتے ہیں کہ فلاں آیہ کے فلاں معنی ہیں یا فلاں روایت کی صحت پر مفسرین و محدثین کا اتفاق ہے تو اس سے ہماری مراد یہ ہوتی ہے کہ اس تفسیر و حدیث

کی صحت پر اکثر معتبر مفسرین و محدثین کا اتفاق ہے۔ اور یہ کہ اس قول کو اخبار و آثار صحیحہ کی تائید حاصل ہے۔ اور اس کے بالمقابل جو دوسرا قول یا دوسرے اقوال ہیں وہ قائلین کی ندرت و قلت اور اخبار و آثار صحیحہ سے ان کی تائید نہ ہونے کی وجہ سے قابلِ رد اور درجہ حجیت و اعتبار سے ساقط ہیں۔

اس آیت کا شانِ نزول

اس مختصر تمہید کے بعد عرض ہے کہ عالم اسلام کے سب مستند و معتبر مفسرین و محدثین اور مورخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ یہ آیہ وافی ہدایہ ۱۸ ذوالحجہ سنہ ۱۰ھ کو بمقام غدیر خم سرکار سید المرسلین پر جناب امیر المومنینؑ کے بارے میں نازل ہوئی جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری حج سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ علامہ جلال الدین سیوطی اپنی تفسیر درمنثور ج ۲ صفحہ ۲۹۸ طبع مصر میں باسناد ابن ابی حاتم و ابن عساکر و ابن مردویہ ابی سعید خدری سے اور باسناد ابن مردویہ ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ ان دو اصحابِ رسولؐ کا بیان ہے کہ "کنا نقرء علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم. یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ان علیاً مولی المومنین" ہم عہد رسالت مآب میں اس آیت کو یوں پڑھا کرتے تھے۔ اے رسول! جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے کہ علیؑ مومنوں کے مولیٰ ہیں" سب پہنچا دو۔ ایسا ہی تفسیر مظہری ص ۲۹۸ اور فتح البیان ج ۳ ص ۶۹ جیب السیر ص ۲۳ ارجح المطالب ص ۶۸ وغیرہ میں مذکور ہے۔ واحدی نے اسباب النزول ص ۱۵۰ پر باسناد خود ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ "نزلت ہذہ الآیۃ یوم غدیر خم فی علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ" یعنی یہ آیہ مبارکہ غدیر خم کے دن حضرت علیؑ کے حق میں نازل ہوئی"۔ اسی طرح فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر ج ۳ ص ۴۳۶ پر ذیل وجہ دہم بیان کیا ہے کہ "نزلت ہذہ الآیۃ فی فضل علی ابن ابیطالب" یعنی یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی اور اسے ابن عباس و براء بن عازب و محمد بن علی کا قول قرار دیا ہے۔

تقریب استدلال

وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو واجب تو درکنار مستحبی اوامر کے امتثال میں بھی ذرہ بھر تقصیر و کوتاہی نہیں فرمایا کرتے تھے۔ وہ بھلے تہدید آمیز واجبی حکم کے امتثال میں کس طرح سہل انگاری کر سکتے تھے۔ جس کی عدم بجا آوری سے تمام کار رسالت کے ضائع ہونے کا فقط شدید خطرہ ہی نہیں بلکہ یقین تھا یہی وجہ ہے کہ جب مقام غدیر خم میں اس آیہ مبارکہ کا نزول ہوا تو باوجودیکہ گرمی کی بڑی شدت تھی سایہ کا کوئی انتظام نہ تھا۔ عام لوگ ظاہری شدت گرما سے بلکہ کچھ لوگ اس سے بڑھ کر آتش حسد کی حدت سے کباب ہوئے جاتے تھے لیکن آنحضرتؐ نے ان امور کی پروا نہ کی۔ اور خود وہیں رحل اقامت ڈال دیا اور پالانوں کا منبر تیار کر کے اس فریضہ کی تبلیغ شروع کی۔ مورخین و محدثین

نے اس وقت کا نقشہ ان الفاظ کھینچا ہے کہ "انہ کان یوما صائفاً حتی ان الرجل یضع رداءہ
تحت قدمیہ وعلی راسہ الرمضاء یتقی بحرارتہ ثم جمع الرحال والاقتاب واقتاب الجمال
ووضع علیہا وقال مخاطباً یا معاشر المسلمین الست اولی بکم من انفسکم الخ (وہ مطالب ذی
الاسنیہ) کا دن سخت گرمی کا دن تھا یہاں تک کہ آدمی اپنی چادریں زیر پا بچھاتے تھے اور سروں
پر شدید گرمی پڑ رہی تھی لوگ اپنی سواریوں کے سایہ میں پناہ لے رہے تھے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے وہیں ڈیرہ ڈال دیا، اور سامان سفر اور اونٹوں کے پالان جمع کرکے ایک منبر تیار
کیا، اس پر تشریف لے جاکر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ الست اولی بکم من
انفسکم، قالوا بلی قال من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من
عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ۔ "اے مسلمانو! کیا میں تمہارے نفسوں سے زیادہ
تم پر حق حکومت و تصرف نہیں رکھتا؟ سب نے کہا ہاں یا رسول اللہ! بے شک ایسا ہی ہے۔ فرمایا جس
کا میں حاکم و سردار ہوں اس کا علیؑ بھی حاکم و سردار ہے"۔ اس فریضہ کی انجام دہی کے بعد خالق اکبر
کی طرف متوجہ ہوئے اور یوں دعا کی، بار الہا! جو شخص علی سے دوستی رکھے تو اسے دوست رکھ
اور جو ان سے دشمنی کرے تو اس سے دشمنی کر جو ان کی نصرت کرے تو ان کی نصرت کر اور جو ان کی نصرت
نہ کرے تو بھی اس کی نصرت نہ کر۔"

یہ واقعہ مع ابتداً تمام بہرہ کتب کے علاوہ باختلاف یسیر کتاب ارجح المطالب ص۲۲۴ پر بحوالہ حافظ ابونعیم
حلیۃ الاولیاء و ثعلبی در تفسیر خود اور منکۃ پر بحوالہ ابن مغازلی در مناقب اور ابراہیم نطنزی در خصائص اور شہاب
الدین احمد در توضیح الدلائل میں بھی موجود ہے اور اسی طرح تفسیر در منثور ج ۲ ص۲۵۹ پر مرقوم ہے کہ جب آنحضرت
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس اہم فریضہ سے سبکدوش ہو چکے تو فوراً جبرئیل امین یہ آیہ مبارکہ لے کر نازل ہوئے "الیوم
اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا" آج کے دن میں
نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت کو تم پر تمام کر دیا اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا (در منثور ج
۲ ص۲۵۹ طبع مصر، تذکرہ سبط ابن جوزی ص۱۸ طبع ایران، تفسیر ابن کثیر ج۲ ص۱۴ طبع مصر) ۔

خدا کرد دین محمد امروز کامل — کہ در عید الیوم اکملت نازل
بشان علی منزلیہ غدیر خم — نبی شد بہ من کنت مولاہ قائل

اس وقت سرکار سرور کائنات نے فرمایا صوت با آواز بلند فرمایا "اللہ اکبر علی اکمال الدین واتمام النعمۃ
ورضی الرب برسالتی والولایۃ لعلی ابن ابی طالب" میں اللہ کی عظمت و بزرگی بیان کرتا ہوں تکمیل

اور حدیث یا علی حبک ایمان و بغضک کفر و نفاق اور حدیث "من احب علیا فقد احبنی - الی غیر ذالک من الاحادیث الکثیرۃ" ماننا پڑے گا کہ آں ایک ایسے نئے اور اہم کام کے انجام دینے کا حکم دیا گیا ہے جس میں کوتاہی کرنے سے سب کار رسالت ضائع ہو رہا ہے وہ کام بجز اعلان خلافت و امامت حضرت امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی ہے۔

چوتھا قرینہ حارث ابن نعمان فہری کا واقعہ بھی اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ یہاں مولا سے مراد اولیٰ بالتصرف ہے اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ جب آنحضرتؐ نے یہ اعلان فرمایا تو رفتہ رفتہ یہ خبر اطراف و اکناف میں پہنچ گئی چنانچہ جب ایک بدبخت حارث ابن نعمان فہری نامی شخص کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو وہ آپے سے باہر ہو گیا۔ فوراً ناقہ پر سوار ہو کر مدینہ میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یوں جسارت آمیز لفظوں میں کہنے لگا۔ اے محمدؐ تم نے ہمیں یہ حکم دیا کہ خدا ایک ہے اور تم اس کے رسول ہو۔ ہم نے اس کی تصدیق کی! تم نے ہمیں پانچ نمازوں کا حکم دیا ہم نے اسے قبول کیا تم نے زکوٰۃ کا حکم دیا ہم نے مانا۔ تم نے ہمیں ماہ رمضان کے روزہ رکھنے کا امر کیا ہم نے اسے بھی تسلیم کیا تم نے حج کا حکم دیا اسے بھی ہم نے قبول کیا لیکن تم نے ان امور پر اکتفا نہ کی۔ اور اب اپنے ابن عم علی بن ابی طالبؑ کو بلند کرنے لگے۔ اور کھلم کھلا ان کو ہم پر فضیلت دیتے ہوئے صاف لفظوں میں کہہ دیا۔ من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ مجھے تم یہ بتاؤ کہ تم نے اپنی طرف سے ایسا کیا ہے یا خدا کی طرف سے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے سوا اور کوئی خدا نہیں میں نے خداوند عالم کے حکم سے ہی ایسا کیا ہے اے سن کر حارث پیٹھ پھیر کر اپنی ناقہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اور اسی اثناء میں بارگاہ ایزدی میں اپنی عقیدت کا یوں اظہار کیا اللھم ان کان مایقول محمد حقاً فامطر علینا حجارۃ من السماء او ائتنا بعذاب الیم بار الٰہا! جو کچھ محمدؐ نے کہا ہے اگر یہ سچ ہے تو میرے اوپر آسمان سے کوئی پتھر نازل کر یا کوئی دردناک عذاب بھیج: راویان اخبار کا بیان ہے کہ ابھی نعمان ناقہ تک نہیں پہنچا تھا کہ خداوند عالم نے ایک پتھر نازل کیا جس نے اس کے سر و بدن کو دو نیم کر دیا۔ نعمان اسی وقت واصل جہنم ہو گیا اس کے بعد خداوند عالم نے یہ آیت نازل کی۔ سئل سائل بعذاب واقع للکافرین لیس لہ دافع من اللہ ذی المعارج (ملاحظہ ہو تفسیر ثعلبی بذیل آیت سئل سائل، مودۃ القربیٰ، تفسیر قرطبی ج ۱۸ صفحہ ۲۷۸ طبع مصر بذیل آیہ ہذا تذکرہ سبط ابن جوزی صفحہ ۱۹، تفسیر سراج منیر ج ۴ صفحہ ۳۶۴ فرائد السمطین حموینی ج ۱ باب ۱۳، فیض القدیر ج ۶ صفحہ ۲۱۸ سیرت حلبیہ اور جواہر العقدین سمہودی وغیرہ) یہ واقعہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ حارث ابن نعمان نے اس لفظ سے یہی معنی (اولیٰ بالتصرف) سمجھے تھے جیسا

کہ ان کے قول و فعل سے ظاہر ہے ورنہ اگر یہ لفظ معنی "ناصر و محب" ہوتا تو اس کے اس قدر آتش زیر پا ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ اس کے علاوہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سکوت بھی اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ جو معنی اس نے سمجھے تھے وہ ٹھیک تھے ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم از راہِ شفقت فرما دیتے کہ اے نعمان! اس حدیث میں کوئی ایسا امر نہیں ہے جو تمہاری ناراضگی کا باعث ہو یقیناً تم غلط سمجھے ہو میں نے کب علیؑ کو تم پر فضیلت دی ہے اور کب ان کو تمہارا حاکم مقرر کیا ہے۔ بلکہ میرا مقصد تو یہ ہے کہ جس کا میں دوست ہوں اس کا علیؑ بھی دوست ہے لیکن آپ کا یہ نہ فرمانا دلیل ہے کہ حدیث کا صحیح مفہوم وہی تھا جو اس نے سمجھا تھا کہ اس میں حضرت علیؑ کی فضیلت و حاکمیت کا اعلان ہے۔

پانچواں قرینہ! ابھی ہم اوپر تفسیر کبیر و تاریخ بغداد و تفسیر ابن جریر وغیرہ کے حوالہ جات لکھ چکے ہیں کہ آنحضرتؐ کے اس اعلان کے بعد حضرت عمر وغیرہ نے ان الفاظ کے ساتھ امیر المومنین کو اگر مبارکبادی دی "بخٍ بخٍ لک یا ابن ابی طالب لقد اصبحت مولای ومولیٰ کل مومن ومومنۃ" یہ مبارکباد بھی اس امر کی روشن دلیل ہے کہ اس لفظ سے یہاں مراد "اولیٰ بالتصرف" ہی ہے ورنہ اگر وہی محض معنی اخوت و محبت مراد ہوتے تو اس مبارکبادی کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی۔[1]

---

[1] صواعق محرقہ صفحہ ۲۶ مطبوعہ مطبع میمنیہ مصریہ ابن حجر مکی نے لفظ مولیٰ کے معنی اولیٰ بالتصرف کی صحت کو تسلیم کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے: بل هو الواقع ان ابی بکر و عمر ناهیک بهما من الحدیث و نحو لما سمعاه قالا له امسیت یا ابن ابی طالب مولیٰ کل مومن و مومنة اخرجه الدار قطنی واخرج ایضاً انه قیل لعمر انک تصنع بعلی شیئاً لا تصنع باحد من اصحاب النبی فقال انه مولای۔ واقع درحقیقت یہ ہے کہ حدیث مذکورہ میں لفظ مولیٰ بمعنی اولیٰ ہے کیونکہ یہی معنی حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ بھی سمجھے تھے جب انہوں نے اس کو سنا تو کہا اے ابن ابی طالبؑ تم ہر مومن و مومنہ کے مولیٰ ہو گئے ہو۔ اسے دار قطنی نے تخریج کیا ہے۔ نیز وہ یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر سے کہا گیا کہ تم حضرت علیؑ کے ساتھ وہ سلوک کرتے ہو جو کسی اور صحابی کے ساتھ نہیں کرتے تو کہا اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ میرے مولیٰ ہیں۔ الحاصل زوال اقرار تو کر رہے ہیں لیکن مقام عمل میں ان سے جو رویہ اختیار کیا وہ عیاں را چہ بیاں کا مصداق ہے۔ اس اجمال کی تفصیل بموقع ضرورت تفصیل کیفیت بیعت حضرت امیر علیہ السلام میں آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

منہ عفی عنہ

ؓ ابوبکر و عمر [illegible]

چھٹا قرینہ!

شرح تجرید قوشجی اور شرح مقاصد و شرح مواقف ملا ۲۷ میں مذکور ہے کہ یہ اور بات ہے کہ حسب عادت مولفین نے اپنے خود ساختہ گڑ لینے کی کوشش کی ہے کہ حضرت سرور عالم نے اس اعلان غدیر کے بعد صحابہ کرام سے فرمایا سلموا علی علیؑ بامرۃ المومنین یعنی حضرت علیؑ کو امیر المومنین کہہ کر سلام کرو، چنانچہ آنحضرتؐ کے حکم سے آپ کے لئے ایک علیحدہ خیمہ نصب کیا گیا اور صحابہ نے حاضر ہو کر تہنیت و مبارک باد پیش کی آنحضرتؐ کی یہ کارروائی اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ حدیث ولایت سے مراد آنجنابؐ کی خلافت عظمیٰ و ریاست کبریٰ ہی ہے۔

(ملاحظہ ہو حبیب السیر ج ۱ صفحہ ۴ مدارج النبوۃ رکن ۴ باب ۳ صفحہ ۲۲۰ کنز العمال ج ۸ صفحہ ۶ وغیرہ)

ساتواں قرینہ

اخبار و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام نے جو اہل زبان ہونے کے علاوہ واقعہ پر موجود بھی تھے یہی معنی سمجھے تھے چنانچہ آنحضرتؐ کے دربار شاعر حسان ابن ثابتؓ نے اسی وقت اس واقعہ کو تبلیغ اشعار کے قالب میں ڈھال دیا تھا۔ اور ان کے اشعار کتاب تذکرہ سبط ابن جوزی ص ۲۰ کتاب مطالب السئول اور نظم درر السمطین و ینابیع المودۃ و مدارج المطالب ص ۱۰ وغیرہ میں مذکور ہیں۔ منجملہ ان اشعار آبدار کے ایک شعر یہ ہے۔

فقال له قم یا علی فاننی ۔۔۔ رضیتک من بعدی اماما و هادیا

(حضرت رسولؐ نے فرمایا اے علیؑ! اٹھو کیونکہ میں نے تمہیں اپنے بعد لوگوں کا امام و ہادی منتخب کیا ہے)
دوسرے اشعار یہ ہیں

ینادیهم یوم الغدیر نبیهم ۔۔۔ بخم و اسمع بالرسول منادیا

وقال فمن مولاکم و ولیکم ۔۔۔ فقالوا ولم یبدوا هناک التعامیا

الهک مولانا وانت ولینا ۔۔۔ ولن تجدن منا لک الیوم عاصیا

فقال له قم یا علی فاننی ۔۔۔ رضیتک من بعدی اماما و هادیا

فمن کنت مولاه فهذا ولیه ۔۔۔ فکونوا له انصار صدق موالیا

هناک دعا اللهم وال ولیه ۔۔۔ وکن للذی عادی علیا معادیا

فخص بها دون البریة کلها ۔۔۔ علیا وسماه الوزیر المواخیا

آٹھواں قرینہ!

آیہ اعلان واجب الاذعان کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا دوستوں کے حق میں دعا اور مخالفین کے لئے بددعا کرنا بھی اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اس لفظ سے مراد یہاں "اولویت بالتصرف" ہے کیونکہ اس دعا و بددعا سے آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی یہی تھی تاکہ لوگ آنجناب کی اطاعت و فرمانبرداری کریں اور آپ کی معصیت و نافرمانی کے مرتکب نہ ہوں جیسا کہ صحاح و مسانید میں ہے کہ علی حیدر کے اعلان کے بعد آپ نے (ذکر فضائل علی وغیرہ صفحہ فصول مہمہ وغیرہ)

نواں قرینہ! ابھی اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ جب آپ اس فریضہ سے سبکدوش ہو چکے تو اس کے فوراً بعد آیۂ اکملت بکمال اتری، آنحضرتؐ نے نہایت خوش و خرم ہو کر فرمایا "اللہ اکبر علی کمال الدین و اتمام النعمۃ و رضی الرب برسالتی والولایۃ لعلی ابن ابی طالب" (ما نزل من القرآن فی علی از حافظ ابونعیم اصفہانی و علی بالحق صفحہ) معلوم ہوا کہ آج ایک بہت بڑے اہم فریضہ کی انجام دہی کی گئی ہے جو تکمیل دین، اتمام نعمت اور پروردگار عالم کی رضامندی کا موجب ہے ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ اسی اولیٰ بالتصرف والے معنی مراد لینے سے ہی ہو سکتا ہے جس کا مطلب حضرت علیؑ کی خلافت و امامت کا اعلان ہے[1]

دسواں قرینہ! خود حضرت امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس حدیث شریف سے اپنی خلافت و امامت پر مختلف اوقات میں استدلال کرنا اس امر کی کھلی دلیل ہے کہ اس حدیث شریف میں اس لفظ سے یہی معنی مراد ہیں بالفاظ دیگر یہ حدیث آنجناب کی خلافت و

---

[1] اخبار و آثار بلکہ خود حضرت عمر کے اقرار سے معلوم ہوتا ہے کہ صدر اول میں یوم غدیر یعنی اٹھارہ ذی الحجہ کو مسلمان عید مناتے تھے چنانچہ تفسیر در منثور ج ۲ صفحہ مطبوعہ مصر میں علامہ سیوطی رقمطراز ہیں "اخرج اسحاق بن راہویہ فی مسندہ و عبد بن حمید عن ابی العالیہ قال کانوا عند عمر فذکروا ہذہ الآیۃ فقال رجل من اہل الکتاب لو علمنا ای یوم نزلت ہذہ الآیۃ لاتخذناہ عیدا فقال عمر الحمد للہ الذی جعلہ لنا عیدا" اسحاق بن راہویہ نے اپنی مسند میں اور عبد بن حمید نے ابو العالیہ سے روایت کی ہے کہ کچھ لوگ حضرت عمر کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اس آیت (الیوم اکملت) کا ذکر چھڑ گیا اہل کتاب میں سے ایک آدمی نے کہا کہ اگر ہمیں علم ہو جاتا کہ یہ آیت کس دن نازل ہوئی ہے تو ہم اس دن کو عید مناتے حضرت عمر نے کہا اس خدا کا شکر ہے جس نے اس دن کو ہم مسلمانوں کے لئے عید قرار دیا ہے" الحمد للہ! کہ آج بھی مسلمانوں کا ایک عظیم المرتبت فرقہ ایسا موجود ہے جو اس روز نہایت تزک و احتشام کے ساتھ یہ عید مناتا ہے لیکن حضرت عمر کے نام لیوا لوگ اس سے کوسوں دور ہو گئے ہیں یاد رہے کہ اس سعادت عظمیٰ سے محروم رکھنے میں بھی کچھ راز ہے۔ ع این سعادت بزور بازو نیست۔ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ" (منہ عفی عنہ)

[illegible]

نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۵ صفحہ ۵۶۸ پر طرق عدیدہ سے اس کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔ "والحاصل ان هذا الحدیث لا مریة فیه بل بعض الحفاظ عدّه متواترا " حاصل یہ کہ یہ حدیث صحیح ہے جس میں کسی قسم کا فدشہ نہیں کیا جا سکتا بلکہ بعض حفّاظ حدیث نے اسے متواتر شمار کیا ہے؛

(۷) نواب صدیق حسن خان کتاب منہج الوصول الی اصطلاح احادیث الرسول صفحہ ۱۳ (مطبوعہ ۱۲۹۹ھ) پر دلیل ماحکی عنہ لکھتے ہیں: "وحاکم ابو سعید گفتہ حدیث موالات وحدیث غدیر را جماعتے از صحابہ راوی است ونقل بمعنی متواتر شدہ تا آنکہ در فن حد تواتر گشتہ ومحمد ابن جریر برائے حدیث غدیر ہفتاد وپنج طرق ذکر کردہ وآنرا در کتابے مفرد درج نمودہ نامش کتاب الولایہ نہادہ، وحافظ ذہبی جزئے در طرق وے نگاشتہ وحکم بتواترش فرمودہ وابو العباس ابن عقدہ حدیث غدیر را بیک صد وپنجاہ طریق آوردہ وکتابے مفرد نگاشتہ انتہی" یعنی حاکم ابو سعید نے بیان کیا ہے کہ حدیث موالات وحدیث غدیر کو (ایک ہی حدیث کے دو نام ہیں) صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے اور اس کی نقل و روایت حد تواتر میں داخل ہو گئی ہے محمد ابن جریر (طبری) نے حدیث غدیر کے ۷۵ طرق ذکر کئے ہیں اور اس موضوع پر ایک مستقل کتاب تالیف کی ہے جس کا نام کتاب الولایہ ہے۔ حافظ ذہبی نے بھی ایک رسالہ اس حدیث کے طرق میں لکھا ہے اور اس میں اس حدیث کے متواتر ہونے کا حکم لگایا ہے۔ ابو العباس ابن عقدہ نے اس حدیث کو ایک سو پچاس طرق سے روایت کیا ہے، انہوں نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب بھی تالیف کی ہے (اس میں ۱۵۰ طرق سے اسے نقل کیا ہے، انتہی)

(۸) علامہ مقبل صنعانی نے اپنی کتاب "ابحاث مسددہ" میں اس حدیث شریف کو چند طرق سے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: "(علی ما نقص عنه فی الحدیث) فان لم یکن معلوماً فما فی الدین معلوم" یعنی اگر یہ حدیث (باین کثرت طرق واسانید) معلوم وصحیح نہیں تو پھر دین اسلام میں کوئی چیز بھی معلوم وصحیح نہیں ہے'

(۹) علامہ برہان الدین حلبی نے سیرت حلبیہ ج ۳ صفحہ ۳۰۲ پر اس حدیث کی صحت پر مہر تصدیق کرتے ہوئے لکھا ہے "هذا حدیث صحیح ورد باسانید صحاح وحسان ولا التفات لمن قدح فی صحته" یہ حدیث صحیح ہے جو اسانید صحیحہ اور حسنہ کے ساتھ وارد ہوئی ہے جس شخص نے اس کی صحت میں قدح کی ہے اس کی طرف توجہ ہی نہیں کرنی چاہیئے۔

(۱۰) شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لمعات شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے: "هذا حدیث صحیح لا مریة فیه" یہ وہ حدیث صحیح ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ تلک

عشرة کاملة تلک ھذا اى کن من الف کرین)

دوسرا شبہ کبھی مفعل بمعنی "افعل" استعمال نہیں ہوا لہٰذا "مولیٰ" کو بمعنی "اولیٰ" قرار دینا درست نہیں ہے کیونکہ اگر "مولیٰ" بمعنی "اولیٰ" ہوتا تو جس طرح "اولیٰ من فلاں" "من" کے صلہ کے ساتھ کہنا صحیح ہے اسی طرح "مولیٰ من فلاں" بھی کہنا جائز ہوتا، حالانکہ یہ استعمال غلط ہے۔

الجواب یہ کہنا کہ مفعل کبھی بمعنی "افعل" استعمال نہیں ہوا پس "مولیٰ" بمعنی "اولیٰ" نہیں ہو سکتا، درحقیقت کلام عرب سے بالعموم اور قرآن و حدیث سے بالخصوص جہالت پر مبنی ہے ورنہ قرآن و حدیث و لغت عرب کے نظم و نثر میں "مولیٰ" بمعنی "اولیٰ" بکثرت استعمال ہوا ہے ہم ازالۂ جہالت اور اتمام حجت کے لئے ان تمام اقسام میں سے بطور نمونہ چند مثالیں ذکر کئے دیتے ہیں۔

مولیٰ بمعنی اولیٰ در قرآن قال اللہ تبارک و تعالیٰ "فالیوم لا یؤخذ منکم فدیة ولا من الذین کفروا مأواکم النار ھی مولاکم وبئس المصیر" آج (قیامت کے دن تم (منافقین) سے نہ فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ان لوگوں سے قبول کیا جائے گا جنہوں نے کفر اختیار کیا، تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے وہی تمہارے لئے زیادہ موزوں ہے اور جہنم بہت ہی بری جائے بازگشت ہے" یہاں لفظ "مولیٰ" کی تفسیر میں اکثر مفسرین و محدثین نے بلا حصر لکھا ہے کہ "ھی مولاکم" سے مراد "ھی اولیٰ بکم" ہے جیسا کہ تفسیر فیروز آبادی ص۳۴۲ میں ابن عباس سے منقول ہے تفسیر کبیر ج ۸ ص۹۳ طبع استامبول میں فراء الفوی سے مروی ہے۔ صحیح بخاری ج ۷ ص۲۴۰ مطالب السئول ص۱۶ تفسیر بیضاوی ج ۲ ص۴۹۷ طبع مصر بحوالہ کلبی زجاج اور ابو عبیدہ، اور محمد ابن ابی بکر رازی صاحب مختار الصحاح اپنی کتاب غریب القرآن میں لکھتے ہیں: "المولی الذی ھو اولی بالشیء ومنہ قولہ تعالی مأواکم النار ھی مولاکم ای ھی اولی بکم" یعنی مولیٰ "اولیٰ بالشیء" کو کہتے ہیں اور اسی معنی سے قول خداوندی ہے "مأواکم النار ھی مولاکم" کہ دوزخ تمہارا ٹھکانا جہنم ہے اور وہی تمہارے لئے زیادہ لائق ہے اور بعض مفسرین نے منجملہ دیگر معانی کے ایک معنی یہ بھی ذکر کئے ہیں جیسا کہ تفسیر ثعلبی، معالم التنزیل بغوی، تفسیر کشاف زمخشری ج ۲ ص۴۳۵ طبع قدیم مصر ادخازن ج ۴ ص۲۴۹ ابن صباغ مالکی فصول مہمہ ص۲۴ طبع ایران پر لفظ مولیٰ کے معانی بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: "فتارة یکون بمعنی اولی قال اللہ فی حق المنافقین مأواکم النار ھی مولاکم معناہ اولی بکم، وقولہ تعالی ولکل جعلنا موالی مما ترک الوالدان والاقربون

ایک معنی بھی "ولی" بیان کئے ہیں چنانچہ لکھا ہے کہ "احدھا الولی بالشیٔ" (دیکھو حاشیہ)
ایسے ہی خطیب تبریزی نے شرح دیوان حماسہ ج ۲ ص ۲۲ میں "مولیٰ" کے معانی میں سے ایک معنی "ولی
بالشیٔ" قرار دئے ہیں۔ ابوعبیدہ معمر بن مثنیٰ نے جو کہ آئمہ فن لغت میں سے ہیں۔ اس امر کی تصریح کی ہے
کہ "مولیٰ" بمعنی اولیٰ استعمال ہوتا ہے اور استشہاد میں لبید کا مذکورہ بالا شعر پیش کیا ہے جیسا کہ فخرالدین
رازی نے اس کے قول کو مع سند اپنی کتاب نہایۃ العقول میں پیش کیا ہے۔ ابوالعباس مبرد نے اپنی
کتاب "ما اتفق لفظہ واختلف معناہ من القرآن المجید" میں لکھا ہے۔ (دیکھو ما نقل عنہ فی مجالس المؤمنین ص ۱۱۲) "الولی الذی ھو اولیٰ
الولی الذی ھو اولیٰ ای احق ومثلہ المولیٰ" یعنی لفظ ولی کے اصل معنی
اولیٰ یعنی زیادہ حقدار کے ہیں اور اسی طرح لفظ مولیٰ ہے یعنی اس کے بھی اصل معنی ولی ہیں۔ آیہ مبارکہ
"ذلک بان اللہ مولی الذین آمنوا" کے ذیل میں لکھا "والولی والمولی معناھما سواء وھو
الحقیق بخلقہ المتولی لامورھم" یعنی ولی اور مولیٰ دونوں ہم معنی ہیں (اور اس جگہ مولیٰ سے مراد
وہ ذات ہے جو اپنی مخلوق پر زیادہ مقتدر اور ان کے امور کا سرپرست ہے)

ان حقائق کی روشنی میں واضح ہوگیا کہ کلام عرب میں "مفعل" بمعنی "افعل" کا استعمال صرف جائز ہی نہیں
بلکہ کثیر الوقوع بھی ہے۔ رہا یہ کہنا کہ اگر "مولیٰ" بمعنی اولیٰ ہے تو چاہئیے کہ جس طرح اولیٰ کا استعمال ہوتا
ہے جیسے فلاں اولیٰ من فلاں اسی طرح مولیٰ کا استعمال بھی صحیح ہو۔ (تفسیر کبیر وصواعق محرقہ) یہ شبہ بدو وجہ باطل ہے

اولاً ہم بطور نقض کہتے ہیں کہ اگر اولیٰ من فلاں کی جگہ مولیٰ من فلاں کا استعمال نہ ہوسکنا اس امر کی دلیل ہے کہ مولیٰ بمعنی
اولیٰ نہیں تو پھر اس سے لازم آئے گا کہ لفظ مولیٰ بمعنی ناصر و محب بھی نہ ہو حالانکہ یہ بمعنی محب و ناصر ہونا اتفاقی ہے ظاہر
ہے کہ ناصر دین اللہ کہنا صحیح ہے لیکن کسی کا یہ کہنا مولی الدین اللہ صحیح نہیں۔ اسی طرح "ولی اللہ" کہنا درست ہے لیکن "مولی اللہ"
(بمعنی ولی) کہنا صحیح ہے نہ کہ شبہ کا منظور نظر یہ کہ محل معنی سب جامعہ میں مستعمل نہیں ہوتے۔ ولکن ھذا ما علم بالضرورۃ فکل اما یحمی فیہ

ثانیاً بعض الفاظ کا بعض حروف وصلات کے ساتھ استعمال کا صحیح ہونا اور بعض کے ساتھ غلط
ہونا یہ عوارض الفاظ میں سے ہے جس کا اصل معنی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ بہت سے
الفاظ ایسے ہیں کہ ان میں سے ایک لفظ کبھی دوسرے حرف کے ملانے سے ایک معنی کو ظاہر کرتا ہے
لیکن اس حرف کو جب اس کے مترادف لفظ سے ملایا جائے تو وہ معنی نہیں پیدا ہوتے بلکہ معنی میں
زمین و آسمان کا فرق ہو جاتا ہے مثلاً کلام عرب میں "صلی" اور "دعا" دونوں ہم معنی لفظ ہیں لیکن جب
"صلی" کو "علی" کے ساتھ ملا کر استعمال کیا جائے اور "صلی علیہ" کہا جائے تو اس کے معنی
ہوتے ہیں کسی کے حق میں دعا کرنا۔ لیکن اگر لفظ "دعا" کو اسی "علی" کے ساتھ ملا کر "دعا علیہ" کہا جائے۔

تو اب معنی الٹے ہو جائیں گے۔ یعنی بد دعا کرنا۔ اسی طرح لفظ "منظور اور ماتی" وغیرہم معنی مشترک ہیں لیکن مانیتہ کہنا صحیح ہے مگر نفرتہ کہنا درست نہیں ہے یہ ہے اس شبہ کی حقیقت جسے بڑے بڑے مجبول علمائے اہل سنت مثل فخر رازی و ابن حجر مکی وغیرہ نے بڑے طمطراق سے پیش کیا ہے بحمدہ تعالیٰ سابقہ بیان سے یہ شبہ بالکل ھباءً منثوراً ہو گیا۔

تیسرا شبہ! یہ مانا کہ "مولیٰ" بمعنی "اولیٰ" آتا ہے لیکن یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہاں "مولیٰ" سے مراد اولیٰ بالتصرف ہے تاکہ یہ حدیث دلیل خلافت بن سکے۔ ممکن ہے کہ یہاں مراد اولیٰ بالمحبت ہو جس کی تائید تتمۂ حدیث "اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ" سے بھی ہوتی ہے کیونکہ آخر میں محبت کی دعا کرنا دلیل ہے کہ سابق کلام میں مولیٰ سے بھی مراد اولیٰ بالمحبت ہے (تحفہ اثنا عشریہ) یہ بھی ممکن ہے کہ اولیٰ سے مراد اولیٰ بالاتباع ہو (صواعق محرقہ)

الجواب ہم سابقہ تقریب استدلال کی ذیل میں دس قرائن قطعیہ سے ثابت کر چکے ہیں کہ اس حدیث شریف میں لفظ مولیٰ سے "ناصر و محب" مراد لینا بالکل غلط ہے۔ ہم یہاں ان قرائن کی تکرار نہیں کرتے قارئین کرام ہشتان دارہ مقام کی طرف رجوع فرمائیں۔ یہاں فقط تتمۂ حدیث سے پیدا شدہ شبہ کا بالاختصار ازالہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے واضح ہو کہ تتمۂ حدیث "اللھم وال من والاہ" کو مولیٰ بمعنی اولیٰ بالمحبت ہونے کا قرینہ قرار دینا بچند وجہ باطل ہے۔

(الف) یہ فقرہ ہمارے بیان کردہ معنی کے ساتھ نہایت مرتبط ہے کیونکہ جب آنحضرتؐ نے حضرت امیر المومنینؑ کی خلافت و امامت پر نص قائم کر دی۔ تو اب چاہا کہ اطاعت گذاروں کے حق میں دعائے خیر اور عاصیوں کے حق میں بددعا کریں، لیکن چونکہ اطاعت کا سبب محبت ہوتی ہے اور عصیان و نافرمانی کا منشاء عداوت۔ اسی لئے آنحضرتؐ نے سبب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ بار الہٰا جو شخص علیؑ سے محبت کرے۔ (جو کہ سبب اطاعت ہے) تو بھی اس سے محبت کرنا اور جو ان سے عداوت کرے (جو کہ سبب نافرمانی ہے) تو بھی اسے دشمن رکھنا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس جملہ کو سابقہ کلام سے بنا بر معنی اولیٰ بالتصرف غیر مربوط قرار دینا اپنے ذہنی توازن کے غیر مربوط ہونے کی دلیل ہے۔

(ب) اگر اس فقرہ "وال من والاہ" کو اس امر کا قرینہ قرار دیا جائے کہ سابقہ کلام میں "مولیٰ" سے مراد "اولیٰ بالمحبت" ہے تو اس کے بعد والے فقرہ یعنی "وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ" قرینہ ہوگا کہ سابقہ لفظ "مولیٰ" سے مراد "اولیٰ بالنصرۃ" ہے اور چونکہ بیک وقت ایک لفظ سے دو مختلف معنوں کا قصد کرنا صحیح نہیں ہے لہٰذا یہ دونوں قرینے آپس میں ٹکرا کر درجۂ اعتبار سے

ساقط ہو جائیں گے اس کے بعد مولیٰ کا اولیٰ بالتصرف مراد ہونا بلا معارض ہو جائے گا۔

ج۔ یہ جملہ مستانفہ ہے اس لئے اس کا سابق کلام سے ربط تلاش کرنا ہی عبث ہے کیونکہ پہلے مخلوق سے خطاب تھا جب وہ تمام ہو چکا تو اب آنحضرتؐ نے خالق اکبر سے مخاطبہ شروع کیا، ظاہر ہے کہ دونوں خطبوں میں جو فرق ہے وہ نمایاں ہے لہٰذا جب یہ جملہ ہی علیحدہ تو اسے کلام سابق کا کیونکر قرینہ قرار دیا جا سکتا ہے؟

د۔ ان تمام امور سے اگر قطع نظر بھی کر لی جائے تو یہ صرف ایک قرینہ ہی ہے جو گذشتہ دس عدد قرائن قاطعہ کا مقابلہ و معارضہ کرنے کی تاب نہیں رکھتا۔ لہٰذا لامحالہ ان قرائن کثیرہ کو ترجیح دی جائے گی کما لا یخفیٰ

باقی رہا ابن حجر کا یہ کہنا کہ ممکن ہے کہ اس سے مراد اولیٰ بالاتباع ہو تو یہ ہمارے مطلب کی تردید نہیں کرتا بلکہ تائید کرتا ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ جس شخص کا مثل رسولؐ علی الاطلاق اتباع واجب ہوگا وہی خلیفہ و امام ہوگا لہٰذا یہ تو ہمارے مدعا کی عین تائید ہے جو انہوں نے غیر شعوری طور پر کر دی ہے اسے ہمارے خلاف پیش کرنا ابن حجر کا خوش فہمی ہے اور کچھ نہیں۔

چوتھا شبہ! اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ مولیٰ سے مراد اولیٰ بالتصرف ہے لہٰذا یہ حضرت علیؑ کی امامت پر نص ہے تو اس سے یہ کیسے سمجھا جاتا ہے کہ آپ کی امامت آنحضرتؐ کے بعد بلا فصل ہے ممکن ہے کہ خلفائے ثلاثہ کے بعد ہو (ابن حجر مکی وغیرہ)

الجواب جب یہ تسلیم کر لیا گیا کہ مولیٰ بمعنی اولیٰ بالتصرف ہے اور یہ حضرت امیر مومنینؑ کی خلافت پر نص ہے تو اب ہم پوچھتے ہیں کہ آیا خلفائے ثلاثہ بھی انہی مومنین میں داخل رہیں جن کے مال و جان میں حضرت امیر المومنینؑ اولیٰ بالتصرف تھے یا نہیں؟ اگر جواب میں پہلی شق اختیار کی جائے تو ہمارا مدعا حاصل ہے کیونکہ جب ان پر بھی آنجنابؑ کو حق تصرف حاصل ہے تو وہ آنجنابؑ کے محکوم ہوں گے نہ حاکم وھو المطلوب اور اگر دوسری شق اختیار کی جائے۔ لیکن امید نہیں کہ کوئی خلیفہ نواز اس شق کو اختیار کرے، تو اس صورت میں خلفائے ثلاثہ کا دائرہ ایمان سے خروج لازم آئے گا تو جو شخص سرے سے دائرہ ایمان سے ہی خارج ہو وہ خلیفۃ المسلمین کیسے قرار دیا جا سکتا ہے! ماننا پڑے گا کہ یہ دوسری شق بہرحال باطل ہے لہٰذا لامحالہ پہلی شق صحیح ہوگی کہ خلفائے ثلاثہ کا بھی شمار انہی لوگوں میں ہوتا ہے جن پر حضرت امیر المومنینؑ کو حاکم مقرر کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جناب امیرؑ امامت بلا فصل کی دلیل محکم ہے۔

پانچواں شبہ اگر یہ صحیح ہے کہ یہ حدیث حضرت امیر علیہ السلام کی خلافت پر نص ہے تو آنجنابؑ کو سب سے زیادہ ضرورت تھی کہ وہ اس سے اپنی خلافت و امامت پر استدلال کرتے لیکن جب انہوں نے باوجود احتیاج

سے احتجاج نہیں کیا تو ماننا پڑے گا کہ یہ حدیث آپ کی خلافت پر نص نہیں ہے۔

الجواب حقائق واقعیہ سے چشم پوشی کرتے ہوئے غلط صغریٰ و کبریٰ مرتب کر کے غلط نتیجہ نکالنا آسان ہے لیکن لطف جب ہے کہ اس صغریٰ و کبریٰ کو دلائل و براہین کی روشنی میں صحیح بھی ثابت کیا جائے۔ بہرکیف یہ کہنا کہ حضرت امیرالمومنینؑ نے اس حدیث شریف سے کبھی احتجاج و استدلال نہیں کیا تاریخی مسلمات سے جہالت یا تجاہل پر مبنی ہے ورنہ کتب سیر و تواریخ آنجنابؑ کے اس حدیث سے تمسک و احتجاج کرنے کے واقعات سے مملو و مشحون ہیں۔ شوریٰ کے دن آنجنابؑ کا اس حدیث سے اپنی خلافت پر استدلال کرنا ہم دیہ بیل قرینہ ہم اہم حوالہ جات سے ثابت کر چکے ہیں یہاں فقط مزید اطمینان کے لیے چند دوسرے مقامات کی نشاندہی کئے دیتے ہیں۔

(۱) منجملہ ان مقامات کے ایک مقام رحبہ بھی ہے حضرت امیرالمومنینؑ نے یہ دیکھا کہ لوگ اس سلسلہ میں آپ کو متہم کرتے ہیں کہ رسولؐ پاک نے آپ کو سب صحابہ پر مقدم کیا تو آنجنابؑ (مقام رحبہ (کوفہ)) میں لوگوں کے اجتماع میں تشریف لائے۔ اور فرمایا کہ تم میں سے جس آدمی نے حضرت رسولؐ سے یہ سنا ہے کہ آپ نے فرمایا من کنت مولاہ الخ وہ اٹھ کر گواہی دے۔ دس آدمیوں سے زیادہ نے اٹھ کر گواہی دی کہ ہم نے رسولِ اسلام سے یہ سنا تھا جن میں ابوایوب انصاری، عبدالرحمن بن عبد ربہ، خزیمہ بن ثابت، سہل بن حنیف وغیرہ شامل تھے (اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۰۷ طبع مصر و ج ۵ ص ۲۰۵ و اصابہ ج ۴ ص ۱۵۹ طبع مصر و ج ۲ ص ۲۸۵ طبع حیدرآباد دکن، تذکرہ خواص الامہ ص ۱۷ طبع ایران)

(۲) منجملہ ان مقامات کے یوم جمل بھی ہے حاکم نے مستدرک ج ۳ ص ۳۷۱ پر روایت کیا ہے کہ حضرت امیرالمومنینؑ نے جمل کے دن طلحہ بن عبید اللہ کے پاس ایک آدمی کو بھیجا کہ آنجنابؑ اس سے ملنا چاہتے ہیں جب طلحہ حاضر خدمت ہوا تو جناب امیرؑ نے فرمایا نشدتک اللہ هل سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول من کنت مولاہ الخ قال نعم قال فلم تقاتلنی قال لم اذکر۔ یعنی اے طلحہ! میں تمہیں خدا یاد دلا کر پوچھتا ہوں کیا تم نے رسولِ اکرمؐ کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ من کنت مولاہ الخ؟ کہا ہاں! فرمایا! تو پھر مجھ سے برسرِ پیکار کیوں ہو؟ کہا مجھے یہ حدیث یاد نہیں رہی تھی) (اسی طرح یہ واقعہ مروج الذہب ج ۲ ص ۳۷۳ طبع جدید، مناقب خوارزمی ص ۱۱۲ میں باختلاف یسیر مروی ہے)

(۳) منجملہ ان مقامات کے یوم صفین بھی ہے چنانچہ کتاب سلیم ابن قیس ہلالی میں ہے کہ حضرت امیرالمومنینؑ نے جنگ صفین میں ایک دن سب لوگوں کو اکٹھا کر کے منبر پر ایک خطبہ ارشاد فرمایا، (در محمد

تمہید کے بعد فرمایا "معاشر الناس ان مناقبی اکثر من ان تحصی" اے گروہ مردم! میرے
فضائل و مناقب عدد و احصا سے زیادہ ہیں۔ اس کے بعد اپنے فضائل و مناقب و نصوص خلافت و امامت
کا ایک شمہ نقل کرنے کے بعد اس حدیث سے تمسک فرمایا کہ رسول پاکؐ نے بروز غدیر خم فرمایا تھا
"ان اللہ مولای و انا مولی المومنین و اولی بہم من انفسہم من کنت مولاہ فعلی
مولاہ اللہم وال من والاہ و عاد من عاداہ الخ" جب آنحضرتؑ نے
یہ حدیث شریف بیان فرمائی تو حاضرین میں سے بارہ آدمیوں نے جو کہ اہل بدر میں سے تھے، اٹھ کر شہادت
دی کہ ہم نے رسول اسلامؐ سے یہ حدیث سنی تھی۔ ع

حدیث مصطفےٰ بر ما ز غدیر کرد بر شرح خود مر اورا امیر

جب ان تحقیقی جوابات سے ان شبہات کا قلع قمع ہو گیا تو اس سے اس آیت و حدیث کی حضرت
امیر المومنینؑ کی خلافت بلافصل پر دلالت کالشمس فی رابعۃ النہار واضح و آشکار ہو گئی۔ والحمد للہ رب العالمین

حضرت امیرؑ کی ولیعہدی کی رسم دستاربندی

قدیم الایام سے اقوام عالم کے اکابر کے درمیان ایک رسم جاری و ساری ہے وہ یہ کہ بزرگان قوم اپنے ولیعہد
کا تقرر کرتے وقت رسم دستاربندی ادا کرتے ہیں۔ کتب معتبرہ اہل سنت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ
نے بھی حضرت امیر المومنینؑ کے اعلان ولی عہدی کے وقت اس رسم کی ادائیگی کا مظاہرہ فرمایا ہے چنانچہ
کنز العمال ج ۸ صفحہ ۶۰ پر حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے "قال عممنی رسول اللہ صلعم یوم
غدیر خم بعمامۃ فسدلہا خلفی وفی لفظ فسدل طرفیہا علی منکبی۔ الحدیث۔ رواہ ابن ابی
شیبہ والطبرانی وابن منیع والبیہقی روایت ہے کہ غدیر خم کے دن حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
میرے سر پر عمامہ باندھا اور اس کے شملہ کو میرے پیچھے لٹکا دیا اور ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ آپ
نے دستار کے دونوں شملے میرے کاندھے پر ڈال دیئے۔ ایسا ہی عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۱۰ ص ۳۲۳
پر باسناد ابی نعیم عبد الاعلیٰ ابن عدی سے مروی ہے۔ یہ تقرر عملی کا آخری مظاہرہ تھا۔ اور قولی تقرر تو
اکثر ہو چکا ہے۔ اعلان "من کنت مولاہ" آپ کوئی نئی بات نہیں تھی بلکہ قاعدہ کے موافق صرف
رسم ولی عہدی پوری کی گئی۔ اس حقیقت کا مدح خواں تھا جس کو وہ ان کے تفضل عمامت
و رسالت کہہ رہا تھا۔

یہ تین آیتیں حضرت امیر المومنینؑ کی خلافت متعلقہ الہیہ کا اثبات اور خلافت ثلاثہ کی سقیفائی و شوریٰ خلافتوں
کا بطلان ثابت کرنے کے لئے کافی و وافی ہیں کیونکہ ع

گر در خانہ کس است یک حرف بس است

لہٰذا اسی قلیل مقدار پر اکتفا کی جاتی ہے۔ "هذا بيان للناس وهدى وموعظة للمتقين"

اثبات امامت جناب امیر المومنینؑ باحادیث حضرت سیّد المرسلین

پہلے اور دوسرے باب میں دلائل ساطعہ وبراہین قاطعہ سے امام کے لئے من جانب اللہ والرسول منصوص ہونے کی شرط کو محقق ومبرہن کیا جا چکا ہے اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے بلافصل خلیفہ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کے دعویٰ کی تصدیق وتائید مذکورہ بالا باب میں عقل سلیم اور قرآن کریم کی روشنی میں کر دی گئی ہے۔ جو یقیناً ارباب عقل وانصاف کی رشد وہدایت کے لئے کافی ہے اب ہم چاہتے ہیں کہ زیادتی بصیرت کے لئے اس ذیل میں آنجنابؑ کا احادیث نبویہ کی روشنی میں منصوص ہونا واضح کر دیں۔ تاکہ قرآن اور حقیق مفسر قرآن کے بیان حقیقت ترجمان کے بعد کسی مسلمان کو ایمان اور قلبی اطمینان کے حاصل کرنے میں کوئی عذر باقی نہ رہے۔ اور نہ ماننے والوں پر حجت کے تمام ہونے میں کوئی کمی نہ رہے۔ امیر علیہ السلام کی خلافت وامامت کے متعلق اس قدر نصوص نبویہ موجود ہیں جن کا احصار وضع کتاب سے خارج ہونے کے علاوہ جاسے ملتے دشوار بھی ہے کیونکہ

سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں کے لئے!

بمقتضائے "ما لا یدرك كله لا یترك كله" اس مختصر کتاب میں صرف چند احادیث صحیحہ بلکہ متواترہ مرویہ کے ذکر کرنے پر اکتفا کی جاتی ہے۔ واللہ الموفق والمعین

حدیث ثقلین

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انی تارك فيكم الثقلين كتاب الله وعترتى اهل بيتى ما ان تمسكتم بهما لن تضلوا بعدى وانهما لن يفترقا حتى يردا على الحوض "ایہا الناس! میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ایک کتاب اللہ اور دوسری اپنی عترت اہل بیتؑ جب تک تم ان دونوں کے دامن سے وابستہ رہوگے۔ ہرگز میرے بعد گمراہ نہ ہوگے اور یہ دونوں بھی ہرگز جدا نہ ہوں گے جب تک حوض کوثر پر میرے پاس پہنچ نہ جائیں۔"

اس حدیث شریف کا صحیح بلکہ متواتر ہونا اپنے مقام پر بدلائل عقلیہ ونقلیہ محقق ومبین ہو چکا ہے (تفصیل کے لئے ہماری کتاب تحقیقات الفریقین حول حدیث الثقلین ملاحظہ ہو) اس کتاب میں حضرت رسولؐ کی تعیین کے ساتھ ساتھ یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ اس خانوادہ عصمت و

حدیث اتحادِ نورِ نبی و وصی

سبط ابن جوزی اپنی کتاب تذکرۃ خواص الامۃ صفحہ ۲۸ طبع ایران پر لکھتے ہیں: قال احمد فی کتاب الفضائل حدثنا عبد الرزاق عن معمر عن الزهری عن خالد بن معدان عن زاذان عن سلمانؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کنت انا وعلی ابن ابی طالب نوراً بین یدی اللہ تعالیٰ قبل ان یخلق آدم باربعۃ آلاف عام فلما خلق آدم قسم ذلک النور جزئین فجزء انا وجزء علیؑ وفی روایۃ خلقت انا وعلی من نور واحد۔ یعنی امام احمد ابن حنبل اپنی کتاب فضائل میں باسناد خود (راویوں کے نام اصل روایت میں دیکھیں) حضرت سلمان فارسی (محمدی) سے حدیث کرتے ہیں کہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور علی ابن ابی طالب ایک نور تھے خداوند عالم کی بارگاہ میں، حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت سے چار ہزار سال[۱] پہلے جب خدا نے آدم کو پیدا کیا تو اس نور کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا، ایک جزء میں ہوں اور دوسرے جزء علیؑ ہیں۔ ایک دوسری روایت میں یوں وارد ہے کہ میں اور علیؑ ایک ہی نور سے ہیں۔ ابن مغازلی کی روایت میں آنحضرتؐ پھر اس نورانی خلقت کا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: فلم یزل فی شیء واحد حتی افترقنا فی صلب عبد المطلب ففیّ النبوۃ وفی علی الخلافۃ۔ میں اور علیؑ ہمیشہ ایک ہی ظرف میں رہے یہاں تک کہ جب حضرت عبد المطلب کے صلب میں پہنچے تو جدا جدا ہو گئے۔ مجھ میں نبوت و ولایت کی گئی اور علیؑ میں خلافت۔ ابن مغازلی کی دوسری روایت اور شیخ محمد واعظ مروی کی کتاب ریاض الفضائل میں (جیسا کہ نقل [illegible]) اس حدیث کا تتمہ ان الفاظ مروی ہے: حتی قسمہ جزئین فجزء فی صلب عبد اللہ وجزء فی صلب ابی طالب فاخرجنی نبیاً واخرج علیاً وصیاً۔ یعنی ہم ہمیشہ ایک ظرف سے دوسرے ظرف میں منتقل ہوتے رہے یہاں تک کہ خداوند عالم نے جناب عبد المطلب تک پہنچا کر دو حصوں میں تقسیم

---

۱ حضرت آدمؑ سے پہلے سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کی نورانی و روحانی خلقت کے سن و سال کے بارے میں بکثرت اخبار و آثار مختلف وارد ہوئے ہیں، بعض میں چار ہزار سال، بعض میں چودہ ہزار سال، بعض میں چالیس ہزار اور بعض میں کچھ اور کم و بیش مدت کا تذکرہ ہے جسے علمائے اعلام نے مخاطبین کے اختلاف افہام یا دیگر امور یا سن و سال کے اختلاف ایام پر محمول کیا ہے۔ ان احادیث نور کی اصل حقیقت سمجھنے کے لئے ہماری کتاب اصول الشریعہ کی طرف رجوع کیا جائے۔ (منہ عفی عنہ)

کر دیا ایک جز کو جناب عبد اللہ کی صلب میں اور دوسری جز کو ابو طالب کی صلب میں قرار دیا پس مجھے نبوت دے کر اور علیؑ کو وصایت و امامت دے کر پیدا کیا" بنابر نقل صاحب ینابیع المودۃ صلا۲ طبع بمبئی۔ فردوس الاخبار دیلمی میں یہ تتمہ بایں الفاظ مذکور ہے " فکان لی النبوۃ و لعلی الوصیۃ" نیز صاحب ینابیع نے صفحہ پر ساقب سے بایں الفاظ نقل کیا ہے " فخل النبوۃ و فی علی الامامۃ" یعنی مجھے نبوت اور علی کو امامت ملی اور فرائد السمطین حموینی میں یہ تتمہ بایں الفاظ ہے " و کان اسمی فی الرسالۃ و اسمہ فی الخلافۃ و الشجاعۃ" یعنی میرا نام (دفتر) رسالت میں اور علیؑ کا نام (دفتر) خلافت و شجاعت میں ثبت تھا! مطلب سب کا ایک ہی ہے ؎

عبارتنا شتی و حسنک واحد   و کل الی ذاک الجمال یشیر

تقریب استدلال

یہ حدیث شریف دو طریقوں سے حضرت امیر علیہ السلام کی خلافت مطلقہ پر دلالت کرتی ہے

طریق اول

ابھی اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ اس حدیث شریف کے کئی طرق میں وارد ہے " فحی النبوۃ و فی علی الخلافۃ" جو روایات مطلق اتحاد نور پر دلالت کرتی ہیں (یعنی ان کے ساتھ یہ تتمہ مذکور نہیں ہے) ان کو بھی انہی مقید و مفصل روایات پر محمول کیا جائے گا۔ (کما تقرر من وجوب حمل المطلق علی المقید) بعد ازیں اس حدیث کی دلالت ظاہر و باہر ہے کیونکہ اس نورانی و روحانی خلقت کی بنا پر جس طرح حضرت امیر المؤمنینؑ مرتبہ خلافت مطلقہ پر کامران رہے۔ ان دو بشر نورانی ہم گوہروں کے درمیان کسی اجنبی بشر ظلمانی کا حائل ہونا بالکل غیر معقول ہے ؎

دمی نبی اکبر در صلب قدرت
بتاج اولو العزم توام نشستند !

(زنجانی)

طریق دوم

اس حدیث شریف کے بعض طرق میں حضرت امیر علیہ السلام کے اسم مبارک کے ساتھ وصایت کا تذکرہ موجود ہے جیسے ملاحظہ ہو فخرج علی و وصی" فردوس الاخبار دیلمی میں یہ الفاظ مذکور ہیں " فکان لی النبوۃ و لعلی الوصایۃ" اس نورانی و روحانی تقدم خلقی کی برکت سے مجھے نبوت ملی اور علیؑ کو وصایت" ان فقروں کا نص صریح ہونا نہایت واضح ہے۔ کیونکہ آنحضرتؐ کا اپنی نبوت مطلقہ کے ساتھ آنجناب کی وصایت کا ذکر کرنا اس امر کی بین دلیل ہے کہ آنجناب کی وصایت سے خلافت مطلقہ مراد ہے ① خلافت مطلقہ پر نص صریح ہونا واضح ہو گیا یہی وجہ ہے کہ مخالفین جب اس حدیث شریف کی دلالت میں خدشہ نہ کر سکے تو اس کی سند میں سقم پیدا کرنے لگے۔

اس سلسلہ میں انہوں نے دو ایک ایراد وارد کئے ہیں۔

ایراد اوّل ابن جوزی نے اس حدیث شریف کو اپنی کتاب موضوعات میں دو طریق سے روایت کر کے موضوع قرار دیا ہے ایک طریق میں محمد ابن خلف مروزی واقع ہے جس کے متعلق یحییٰ ابن معین نے کہا ہے کہ وہ جھوٹا آدمی تھا۔ دوسرے طریق میں جعفر ابن احمد موجود ہے اور وہ شیعہ تھا۔ لہٰذا یہ روایت ناقابل اعتبار ہے۔

الجواب یہ ایراد چند وجہ مردود ہے

اولاً ہم اپنی بعض کتابوں (تحقیقات الفریقین) میں کئی مقامات پر ابن جوزی کی تضعیف کا ناقابل اعتبار ہونا علمائے اہل سنت کی زبانی نقل کر چکے ہیں۔ یہاں صرف ایک مستند عالم اہل سنت کے کلام پر اکتفا کی جاتی ہے۔ مکہ کے سابق مفتی اعظم جناب زینی دحلان اپنی کتاب السیرۃ النبویۃ ج ... صفحہ ... پر حضرت امیرؑ کے معرکہ رد الشمس کی حدیث کو صحیح ثابت کرنے کے بعد ابن جوزی کے ... اپنے موضوعات میں درج کرنے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "ولا عبرۃ بدرج ابن الجوزی لہذا الحدیث فی الموضوعات فقد حقق العلماء تساہلہ فی کتاب الموضوعات حتی ادخل کثیرا من الاحادیث الصحیحۃ" یعنی "ابن جوزی نے جو اس حدیث کو موضوعات میں درج کیا ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ علماء کرام کا اتفاق ہے کہ موصوف نے اس کتاب میں سہل انگیزی ا... کوتاہی سے کام لیا ہے یہاں تک کہ بہت سی صحیح المسند حدیثوں کو اس میں درج کر دیا ہے۔ ا... کلام حقیقت ترجمان سے واضح و عیاں ہو گیا کہ ابن جوزی کی تضعیف کے ناقابل اعتبار ہونے پر تما... علمائے کرام کا اتفاق ہے۔ ولا ینبئک مثل خبیر

ثانیاً حقیقت امر یہ ہے کہ مطلق تشیع کسی راوی میں موجب جرح وقدح نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ ہم ا... کتاب تحقیقات الفریقین فی حدیث ثقلین کے مقدمات میں اس پر مفصل روشنی ڈال چکے ... (ملاحظہ ہو تدریب الراوی صفحہ ... علامہ جلال الدین سیوطی ہدایۃ السائل از نواب صدیق حسن خان صفحہ ...)

ثالثاً اگر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ یہ دونوں راوی غیر مقبول الروایہ ہیں۔ تاہم یہ چیز صحت روایت کو ضر... نہیں پہنچاتی کیونکہ یہ حدیث شریف بہت سے طرق و اسانید سے مروی ہے۔ اس لئے ا... طرق و اسانید میں ان دو راویوں کا نام و نشان تک نہیں ہے جیسا کہ سبط ابن جوزی نے مذکورہ بالا ... کو کتاب فضائل احمد بن حنبل سے نقل کرنے کے بعد اس اشکال کے جواب میں لکھا ہے۔" ان الحـ...

الذی صححوه غیر هذه الالفاظ وغیر هذا الاسناد ... قال، والحدیث الذی دونناه یجب هذه الالفاظ والاسناد رجاله ثقات» یعنی وہ حدیث جس کی تصحیح کی گئی ہے وہ ان الفاظ و اسناد کے علاوہ دوسری حدیث ہے اور جس روایت کو ہم نے نقل کیا ہے یہ الفاظ و اسناد میں اس ضعیف روایت کے مخالف ہے کیونکہ اس کے تمام راوی قابل وثوق و اطمینان ہیں (تذکرہ خواص الامۃ ص۲۸) امید ہے کہ ابن جوزی کے ہوا (ہوائے) کی یہ تحقیق طالبان حقیقت کے لئے سرمۂ بصیرت ثابت ہوگی اور حقیقت کو اس کے حقیقی لباس میں دیکھ سکیں گے

ایراد دوم اس حدیث کے بعض طرق میں ان دو بزرگواروں کے ساتھ اصحاب ثلاثہ کا بھی اس نورانی خلقت اور صلب طاہرین میں منتقل ہوتے رہنے کا تذکرہ موجود ہے لہٰذا اس فضیلت میں حضرت علی منفرد نہیں بلکہ خلفاء ثلاثہ بھی ان کے ساتھ شریک ہیں اور اگر یہ حدیث حضرت علی کی خلافت پر دلالت کرتی ہے تو پھر اس سے اصحاب ثلاثہ کی خلافت بھی ثابت ہے۔

الجواب یہ ایراد بھی بچند وجہ باطل ہے۔

اولاً یہ روایت (جس میں اصحاب ثلاثہ کے نام درج ہیں) تو عدد روایت کی رو سے موضوع ہے کیونکہ اس کو صحیح ماننے سے بہت سے مفاسد لازم آتے ہیں

(الف) یہ کہ خلفائے ثلاثہ کی خلقت حضرت آدم سے پیشتر تسلیم کرنا پڑے گی حالانکہ اس کا کوئی مسلمان قائل نہیں

(ب) یہ کہ ان حضرات کے تمام آباؤ اجداد موحد و خدا پرست ہوں حالانکہ یہ خلاف اجماع ہے

(ج) یہ کہ یہ حضرات بھی ہمیشہ مومن رہے ہوں، حالانکہ ان حضرات کا مدتہائے دراز تک کفر و شرک کی آلائشوں سے ملوث رہنا اظہر من الشمس ہے

(د) یہ کہ پیغمبر اسلام کی طرح نوری و بشری دو جنبوں کے حامل ہوں حالانکہ اس بات کا کوئی بھی قائل

ص؎ اس امر کی تائید مزید میزان الاعتدال ج ۲ ص۲۳۸ سے بھی ہوتی ہے اس میں لکھا ہے کہ ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوعات میں درج کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں «خلقت انا وہارون و یحییٰ وعلی من طینۃ واحدۃ» یعنی میں، موسیٰ، ہارون، یحییٰ اور علی ایک طینت سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس تحقیق سے معلوم ہوگیا کہ جس حدیث سے ہم نے استدلال کیا ہے اسے ابن جوزی نے موضوعات میں درج نہیں کیا۔ منہ عفی عنہ

نہیں ہے اور علیہ لعنۃ من الناصبۃ لعنۃ ابدیۃ وضاحت سے کہ یہ روایت وضع و دروغ سے فروغ ہے جو ثلاثہ پرستوں نے اتحاد نوری و وصی کے مقابلہ میں اختراع کیا ہے جیسا کہ دیگر فضائل و مناقب کی روایات کے مقابلہ میں ان کا دستور رہا ہے اس مزعوم حدیث میں ترتیب خلافت کے مطابق اسماء کا درج ہونا ہی بتاتا ہے کہ یہ حدیث جعلی ایجاد ہے۔

ثانیاً وہ روایت جو ہم نے نقل کی ہے وہ متفق علیہ بین الفریقین ہے اور اس مزعومہ روایت کو نقل کرنے میں فقط بعض اہل سنت منفرد ہیں بنا بر قواعد درایۂ حدیث کے قواعد کی رو سے متفق علیہ بین الفریقین روایت کو ترجیح دی جائے گی اور اس روایت کو ناقابل اعتبار قرار دیا جائے گا۔

ثالثاً اگر بفرض محال چند لمحوں کے لئے صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے۔ تو اس سے ہمارے مقصد و مطلب کو ہرگز کسی قسم کی ٹھیس نہیں لگتی کیونکہ زیادہ سے زیادہ اس روایت سے ثلاثہ کی صدیقیت فاروقیت اور نوریت ثابت ہوتی ہے لیکن وصایت و خلافت تو اس حدیث میں بھی حضرت امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مختص قرار دی گئی چنانچہ صواعق محرقہ ص۷۵ میں یہ الفاظ مذکور ہیں۔ فجعل ابا بکر صدیقاً و عمر فاروقاً و عثمان ذا النورین و علیاً وصیاً۔ پس اس موضوع و مکذوب اور غیر ظاہر الدلالۃ روایت کو مشہور و متفق علیہ و صریح الدلالۃ حدیث کے مقابلہ میں بطور معارضہ پیش کرنا انتہائی سماقت و وقاحت کی دلیل ہے۔ اعاذنا اللہ من التعصب والعناد و حقق الحق بالنبی و آلہ الامجاد علیہم صلوات ملک الجواد الی یوم التناد

حدیث منزلت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لعلی علیہ السلام انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی

(حدیث نبوی متفق علیہ)

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں اے علیؑ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو حضرت ہارونؑ کو حضرت موسیٰؑ سے تھی ہاں اگر فرق ہے تو صرف اس قدر کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ (ورنہ تم درجۂ نبوت پر بھی فائز ہوتے) اس حدیث کی صحت و وثاقت پر تمام فرق اسلامیہ کا اجماع و اتفاق ہے سب نے اسے صحیح ترین اخبار سے قرار دیا ہے چنانچہ ابن عبدالبر نے استیعاب ج ۲ ص ۴۵۹/۴۷۳ پر اس حدیث شریف کے متعلق لکھا ہے "روی عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انت منی ... جماعۃ من الصحابۃ وھو من اثبت الآثار و اصحہا" یعنی آنحضرتؐ کے اس ارشاد انت منی ... کو صحابہ کرام کی

ایک جماعت سے نقل کیا ہے۔ یہ حدیث ثابت و صحیح ترین اخبار و آثار میں سے ہے۔[۲] شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ج ۴ صفحہ ۶۶۳ پر لکھا ہے "آنکہ حدیث متفق اند بر صحت این حدیث و متواتر قول الشان است" اسی طرح شیخ محمد بن یوسف گنجی نے کفایۃ الطالب میں "هذا الحدیث متفق علی صحته" لکھ کر آخر کلام میں حاکم نیشاپوری صاحب مستدرک کا قول نقل کیا ہے کہ "هذا حدیث دخل فی حد التواتر" یعنی یہ حدیث حد تواتر میں داخل ہے۔

(۷) ذرتو اور ابن تیمیہ جیسے متعصب و متشدد نے بھی اس حدیث کی صحت کا ان الفاظ اعتراف کیا ہے "ان هذا الحدیث صحیح بلا ریب ثبت فی الصحیحین وغیرهما" یعنی بلاشک یہ حدیث صحیح ہے جو صحیحین وغیرہ میں مذکور ہے۔ یہ حدیث درج ذیل کتب میں موجود ہیں۔ بخاری ج ۲ صفحہ ۵۲۶ باری بتفاوت طبع دہلی، طبع مصری ۲ صفحہ ۲، صحیح مسلم مع نووی ج ۲ صفحہ ۲۷۳ طبع مصر ج ۷ صفحہ ۱۲، مسند ابو داؤد صفحہ ۲۹، سنن ابن ماجہ ج ۱ صفحہ ۱۲، مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۶۳، تاریخ طبری ج ۳ صفحہ ۱۴۴، سیرت ابن ہشام ج ۲ صفحہ ۳۱۶، تاریخ الخلفاء سیوطی صفحہ ۱۶۷/۱۶۸، مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۶۳، فتح الباری ج ۷ صفحہ ۱۶۰، مسند احمد بن حنبل ج ۱ صفحہ ۱۷۰/۱۷۷، مستدرک حاکم ج ۳ صفحہ ۱۰۹، نسیم الریاض ج ۳ صفحہ ۳۹۱، تفسیر در منثور ج ۳ صفحہ ۲۹۱، صواعق محرقہ صفحہ ۷۲ باب ۹، کنز العمال ج ۶ صفحہ ۱۵۲/۱۵۴، ان کتب کے علاوہ بیسیوں کتب تفسیر و حدیث اور سیر و تاریخ میں مذکور ہے۔ یہ حدیث شریف بھی ان احادیث شریفہ میں سے ہے جو بطور نص حضرت امیر المومنین کی خلافت مطلقہ پر دلالت کرتی ہیں لیکن قبل اس کے کہ تقریب استدلال و دفع شبہات میں جہت ملیدثابت ہوں گی!

امر اوّل محققین اہل عربیت کا اتفاق ہے کہ اسم جنس جب مضاف ہو تو عموم کا افادہ کرتا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اس سے استثناء کرنا صحیح ہوتا ہے چنانچہ قاضی عضدالدین ایجی صاحب مواقف، شرح مختصر الاصول ابن حاجب میں صیغہ ہائے عموم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "و لخصوص المضاف نحو علی و لعدد او منها اسم الجنس کذلک ای معرفا تعریف جنس او مضافا" یعنی منجملہ الفاظ عموم کے جمع مضاف بھی ہے جیسے علمائے بغداد اور منجملہ ان الفاظ کے اسم جنس ہے جو معرف باللام جنس ہو یا مضاف ہو۔ اسی طرح علامہ تفتازانی شرح منہاج الاصول قاضی بیضاوی میں الفاظ عموم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "المسئلۃ الثانیۃ فیما یفید العموم الخ (الی ان قال) وکذا اسم الجنس یکون عاما اذا کان محلی بالالف و اللام نحو یا ایها الناس اعبدوا او مضافا نحو قوله تعالی عن امره الخ" الاسر مثلاً

الفاظ کے بیان میں جو عموم کا افادہ کرتے ہیں (میران صیغوں کا تذکرہ کرتے ہوئے آخر میں لکھا ہے کہ منجملہ ان کے اسم جنس ہے جو عمومیت کا فائدہ دیتا ہے۔ جب کہ معرف باللام ہو جیسے ارشاد باری ہے۔ "یا ایہا الناس" اے لوگو! خدا کی عبادت کرو (کہ یہاں الناس سے سب لوگ مراد ہیں) اور یا مضاف ہو جیسے قول خداوندی "عن امرہ" کہ جو لوگ اللہ کے احکام کی مخالفت کرتے ہیں (ان کو عذاب الیم سے خائف رہنا چاہیئے) یہاں بھی "امرہ" سے چونکہ اسم جنس اور مضاف ہے تمام اوامر مراد ہیں)

ظاہر ہے کہ حدیث منزلت میں لفظ منزلت اسم جنس ہے جو مضاف واقع ہوا ہے۔ پس یہ بھی مفید عموم ہوگا۔ یعنی اے علیؑ! تم کو تمام منازل میں مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی جیسا کہ اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے دلیل عموم صحت استثناء ہے یعنی جہاں استثناء کرنا صحیح ہو وہاں یقیناً کلام میں عمومیت پائی جاتی ہے جیسے "ان الانسان لفی خسر الا الذین آمنوا" الخ تمام انسان خسارے میں ہیں سوائے ان لوگوں کے جو مومن ہیں "الا الذین" کا استثناء کرنا دلیل ہے کہ "الناس" میں عمومیت ہے۔ قاضی بیضاوی نے منہاج الاصول میں لکھا ہے "معیار العموم جواز الاستثناء فانہ یخرج ما یجب اندراجہ لولاہ" یعنی عموم کا معیار استثناء کا جواز ہے کیونکہ استثناء اس چیز کو حکم سابق سے نکالتا ہے جس کا مندرج ہونا واجب تھا۔ اگر یہ استثناء نہ ہوتا" اسی طرح جلال الدین محمد ابن احمد نے شرح جمع الجوامع میں لکھا ہے "معیار العموم صحت الاستثناء فکل ما صح الاستثناء منہ فہو عام" یعنی عمومیت کا معیار صحت استثناء ہے ہر وہ لفظ جس سے استثنا صحیح ہو وہ عام ہوتا ہے۔ بنابریں اس حدیث شریف میں استثناء "الا انہ لا نبی بعدی" کا صحیح ہونا اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ منزلت میں عمومیت پائی جاتی ہے

امر دوم

تمام ائمہ عربیت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ استثناء متصل میں حقیقت اور منقطع میں مجاز ہے۔ لہٰذا حتی الامکان استثناء کو اس کے حقیقی معنی (متصل) پر حمل کیا جاتا ہے اور جب کسی جگہ کسی وجہ سے حقیقی معنی مراد نہ لیئے جا سکیں تب اسے مجازی معنی پر حمل کیا جاتا ہے (کما ھو القاعدۃ الکلیۃ فی الحقیقۃ والمجاز) چنانچہ قاضی عضد الدین شرح مختصر الاصول ابن حاجب میں لکھتے ہیں: "واعلم ان الحق ان المتصل اظھر فلا یکون مشترکا ولا متواطیا بل حقیقۃ فیہ ومجاز فی المنقطع فلذلک لم یحملہ علماء الامصار علی المنفصل الا عند تعذر المتصل حتی عدلوا للحمل علی المتصل عن الظاہر وخالفوہ" الخ

جاننا چاہیئے کہ حق یہ ہے کہ استثنا متصل میں زیادہ ظہور رکھتا ہے (اور) اطلاق کے وقت اس کا تبادر ہوتا ہے (لہٰذا یہ متصل و منفصل میں مشترک لفظی نہیں ہو گا اور نہ ہی ان کے درمیان قدر جامع میں مشترک معنوی ہے بلکہ متصل[*] مراد لینا متعذر ہو یہاں تک کہ بعض مقامات پر متصل پر حمل کرنے کے لئے ظاہر لفظ سے عدول بھی کر جاتے ہیں اور اس ظاہر کی مخالفت کر کے بھی اسے متصل پر ہی حمل کرتے ہیں)۔ اسی طرح علامہ تفتازانی نے شرح عضدی کی شرح میں اس امر کی تائید مزید کی ہے۔ اس تحقیق انیق کی بنا پر ہماری مورد نظر حدیث شریف میں جو استثنیٰ واقع ہوا ہے (الا انہ ...) اسے استثنا متصل پر حمل کیا جائے گا اور جملہ "الا انہ لا نبی بعدی" مفرد یعنی "الا النبوۃ" کے حکم میں ہو گا۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس حدیث شریف کے بعض طرق میں خود یہی لفظ واقع ہوا ہے۔ ابن کثیر نے اپنی "تاریخ" میں یہ حدیث بایں الفاظ نقل کی ہے۔ اما ترضی ان تکون منی بمنزلۃ هارون من موسیٰ، الا النبوۃ۔ ایسا ہی سبط ابن جوزی نے "تذکرہ" ص۲۱ طبع ایران فضائل امام احمد حنبل کے حوالے سے لکھا ہے "وقد اخرج الامام فی کتاب الفضائل: اما ترضی ان تکون منی بمنزلۃ هارون من موسیٰ الا النبوۃ وانت خلیفتی"۔ واضح ہے کہ استثنا متصل اپنے مستثنیٰ منہ کی عمومیت پر دلالت کرتا ہے۔ بنابریں حدیث منزلت میں لفظ "منزلت" جو مستثنیٰ منہ واقع ہوا ہے اس میں عمومیت ہو گی اور مطلب یہ ہو گا کہ اے علیؑ! سوائے مرتبۂ نبوت کے دیگر تمام منازل و مراتب میں تمہیں مجھ سے وہی نسبت ہے جو حضرت ہارونؑ کو حضرت موسیٰؑ سے تھی۔

تقریب استدلال | اس تمہیدی بیان کے بعد واضح ہو کہ یہ حدیث شریف حضرت امیر المؤمنینؑ کی خلافت و امامت حقہ اور وصایت و زعامت کبریٰ پر بدو طریق دلالت کرتی ہے۔

طریق اول | پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث شریف میں سوائے مرتبۂ نبوت کے باقی تمام منازل و مراتب ہارونیہ کو حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے لئے ثابت فرمایا ہے۔ دیکھنا یہ چاہیئے کہ حضرت ہارونؑ کن منازل و مدارج پر فائز تھے۔ ان سب کا احصار کرنا ہمیں منظور نہیں۔ ہاں ان کے جن منازل عالیہ کا تذکرہ قرآن مجید میں موجود ہے وہ یہ ہیں (۱) وزارت (۲) خلافت (۳) نصرت (۴) شرکت در امر نبوت (۵) اخوت۔ جب پیغمبر اسلامؐ نے فقط ایک منزلت "شرکت در امر نبوت" (مرتبۂ نبوت) کی نفی فرمائی تو اس کے علاوہ باقی جتنے منازل

[*] یہاں یہ حقیقت اور منفصل میں مجاز ہے۔ اسی لئے علماء اس وقت تک منفصل پر ہرگز حمل نہیں کرتے جب تک متصل کا

ہارونیہ ہیں وہ سب حضرت امیر علیہ السلام کے لئے بوجہ اتم و اکمل ثابت ہوں گی یہی وجہ ہے کہ حسن بصری کہا کرتے تھے کہ "لوکان ثم شیئ غیر نبوۃ لاستثناہ" یعنی اگر آنحضرت کو سوائے مرتبۂ نبوت کے کسی اور منزلت کی بھی نفی کرنا منظور ہوتی تو اس کا بھی استثناء فرما دیتے، لیکن جب اور کسی منزلت کا استثناء نہیں فرمایا تو ماننا پڑے گا کہ باقی سب منازل کا اثبات مقصود تھا۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید نقلاً عن ابن قتیبہ۔ یہی ابن ابی الحدید حضرت امیر المومنینؑ کا وزیر رسولؐ ہونا ثابت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں "ویدل علی انہ وزیر رسول اللہ من نص الکتاب والسنۃ قولہ تعالی واجعل لی وزیرا من اهلی هارون اخی اشدد به ازری واشرکه فی امری وقال النبی فی الخبر المجمع علی روایته بین سائر فرق الاسلام انت منی بمنزلۃ هارون من موسی الا انه لا نبی بعدی فاثبت له جمیع مراتب هارون ومنازله من موسی فاذن هو وزیر رسول الله وشاد ازره ولولا انه خاتم النبیین لکان شریکا فی امره" (انتہی بقدر الحاجۃ) حضرت امیرؑ کے وزیر رسولؐ ہونے پر کتاب و سنت کے نصوص دلالت کرتے ہیں قرآن کی یہ آیت ہے جس میں حضرت موسیٰؑ نے اپنے بھائی حضرت ہارونؑ کی وزارت کی بارگاہِ قدرت میں درخواست پیش کرنے اور خدا کے ان کو وزیر بنانے کا تذکرہ ہے اور آنحضرتؐ نے اپنی اس حدیث میں فرمایا ہے جس پر تمام فرقہائے اسلام کا اتفاق ہے "یا علی انت منی الخ" اس میں آنحضرتؐ نے تمام مراتب و منازل ہارونؑ کو جناب امیرؑ کے لئے ثابت کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ آپ وزیر رسولؐ ہیں اور ان کے پشت پناہ ہیں اگر آنحضرتؐ خاتم النبیین نہ ہوتے تو جناب امیرؑ ضرور شریک نبوت بھی ہوتے؟
جب حضرت امیر علیہ السلام کے لئے تمام منازل ہارونی ثابت ہوگئیں جن کے منجملہ ایک یہ بھی ہے کہ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے خلیفہ تھے تو اسی طرح حضرت امیر علیہ الصلوۃ والسلام بھی حضرت ختمی مرتبتؐ کے خلیفہ بلافصل ہوگئے۔ کما لا یخفی علی من لہ ادنی معرفۃ باسالیب الکلام ہاں یہ اور بات ہے کہ حضرت ہارونؑ کو اجل محتوم نے اس امر کی مہلت نہ دی کہ وہ حضرت موسیٰؑ کے بعد ان کی مسند خلافت پر بیٹھ سکیں۔ لیکن یہ واضح ہے کہ چونکہ زندگی میں وہی آپ کے وزیر و جانشین تھے اور باہر صفت موصوف لہذا اگر زندہ رہتے تو یقیناً آپ ہی آپ کی خلافت مطلقہ کے درجۂ علیا پر فائز ہوتے لیکن امیر المومنینؑ تو آنحضرتؐ کے بعد زندہ تھے لہذا انہیں آنحضرتؐ کی مسند خلافت پر متمکن ہونے سے کون سی چیز مانع ہو سکتی تھی لہذا یقیناً ان کو خلیفۂ بلافصل تسلیم

کرنا پڑے گا۔

طریق دوم حضرت ہارونؑ تمام امت موسیٰ سے افضل و برتر تھے۔ لہٰذا اسی طرح حضرت امیر المومنینؑ بھی تمام امت محمدیؐ سے افضل و برتر ہوں گے۔ سابقاً دفتر اوّل، امامت میں وضاحت کے ساتھ ثابت کیا جا چکا ہے کہ ہر امت میں افضل امت ہی خلیفہ و امام ہوتا ہے لہٰذا حضرت امیر المومنینؑ کی افضلیت کے اثبات کے ساتھ ساتھ آپ کی خلافت مطلقہ بھی ثابت ہو گئی۔ اس حقیقت کی تائید مزید بطور نص صریح اس تتمہ سے بھی ہوتی ہے جسے ہم نے تذکرہ سبط ابن جوزی ص۲۰ سے نقل کیا ہے جس کے مطابق آنحضرتؐ نے مرتبۂ نبوت کا استثناء کرنے کے بعد فرمایا ہے "و انت خلیفتی" اے علی تم میرے خلیفہ و جانشین ہو۔ مطلب واضح ہے کہ میرے بعد میری مسند کے تم ہی وارث ہو۔ نہ یہ کہ پہلے تین اور آدمی بیٹھیں گے اور چوتھے مرتبہ پر تم جانشین ہو گے۔ بحمد اللہ اس حدیث سے کالشمس فی رابعۃ النہار حضرت امیر المومنینؑ کی خلافت بلافصل واضح و آشکار ہو گئی۔ مگر افسوس باوجودیکہ اس حدیث شریف کی دلالت ایسی واضح و لائح ہے کہ معمولی عقل و معرفت اور ادنیٰ فہم و فراست رکھنے والا انسان بھی بآسانی اس سے حضرت امیر المومنینؑ کی خلافت مطلقہ و امامت حقہ کا استفادہ کر سکتا ہے لیکن ان لوگوں کا کیا علاج جن کے لئے پیچ و شمال اور کج سلیقگی طبیعت ثانیہ بن چکی ہے وہ واضحات و بدیہیات میں بھی شک کرکے اپنی کج سلیقگی کا ثبوت دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ انہوں نے اس مقام پر بھی اپنی اس عادت کے مطابق حسب ذیل شبہات کے ذریعہ مظاہرہ کیا ہے۔

پہلا شبہ اس حدیث سے عموم منازل و مراتب ہارونؑ کا حضرت علیؑ کے لئے اثبات کرنا اس امر پر موقوف ہے کہ "الا انہ لا نبی بعدی" والا استثناء متصل ہو اور یہ جملہ "بتاویل الا النبوۃ" کے ہو حالانکہ اسے متصل قرار دینا لفظی و معنوی دونوں لحاظ سے صحیح نہیں ہے لفظی لحاظ سے اس لئے کہ "الا انہ لا نبی بعدی" جملہ خبریہ ہے جسے منازل ہارونؑ سے کوئی ربط نہیں ہے اگر اس کو بتاویل مصدر قرار دیا جائے تو "الا عدم النبوۃ" ہوتا ہے حالانکہ عدم نبوت حضرت ہارونؑ کے منازل میں داخل ہی نہیں۔

رہی معنوی لحاظ سے اس کے متصل ہونے کی عدم صحت تو وہ اس لئے کہ منجملہ منازل ہارونؑ کے یہ بھی ہے کہ آپ حضرت موسیٰؑ سے عمر میں بڑے تھے۔ نبوت میں شریک تھے۔ ان کے حقیقی بھائی تھے۔ حضرت موسیٰؑ کی زندگی میں ان کا انتقال ہو گیا تھا حالانکہ ان امور میں سے کوئی بھی حضرت علیؑ کے لئے ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ اس سے مراد فقط ایک صفت یعنی نیابت ہے جو وقت جنگ تبوک

کے وقت حضرت امیرؑ کا مدینہ میں خلیفہ ہونا جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کے کوہ طور پر تشریف لے جانے کے بعد حضرت ہارونؑ ان کے خلیفہ قرار دیئے گئے تھے۔

الجواب پیشیہ جار القاعدۃ علی الناسۃ کا مصداق ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ یہ کلام بچند وجوہ مختل النظام ہے۔

اولاً معترض کا یہ کہنا کہ یہ استثناء منقطع ہے۔ اس کا بطلان ابھی اوپر معروض ہو چکا ہے۔ بتصریحات آئمہ فن بیان ہو چکا ہے کہ استثناء متصل میں حقیقت اور منقطع میں مجاز ہے اور جب تک حقیقی معنی مراد لینے ممکن ہوں معنی مجازی کو اختیار نہیں کیا جا سکتا علاوہ بریں محققین نے متصل اور منقطع کی شناخت کے لئے ایک قاعدہ کلیہ مقرر کیا ہے کہ ہر وہ مقام کہ جہاں اگر استثناء نہ کیا جاتا تو یقیناً مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ میں داخل ہو جاتا۔ اسے متصل سمجھنا چاہیئے جیسے جاء القوم الا زیداً ساری قوم آئی سوائے زید کے ظاہر ہے کہ اگر زید کا استثناء نہ کیا جاتا تو وہ بھی قوم میں داخل سمجھا جاتا۔ لہٰذا یہ استثناء متصل ہوگا۔ بخلاف جاء القوم الا حماراً (ساری قوم آئی سوائے گدھے کے) یہاں اگر استثناء نہ بھی کرتے تب بھی حمار (گدھا) قوم میں داخل نہ ہوتا لہٰذا یہ استثناء منقطع ہوگا۔ بنا بریں واضح ہے کہ اگر آنحضرتؐ انت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ فرما کر الا انہ لا نبی بعدی کا استثناء نہ فرماتے تو یقیناً مرتبہ نبوت بھی ان منازل میں داخل ہو جاتا۔ کما لا یخفی۔ لہٰذا واضح ہو گیا کہ یہ استثناء متصل ہے اور مدعی مجروح وہو المقصود۔

ثانیاً ان کا یہ کہنا کہ عقلی طور پر اسے متصل نہیں قرار دیا جا سکتا کیونکہ یہ جملہ خبریہ ہے اور تاویل بمفرد میں کرنے سے "الا عدم النبوۃ" ہو جاتا ہے الخ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ جملہ ہے لہٰذا اس کو تاویل مفرد میں کرنا لازم ہے لیکن ان کا یہ کہنا کہ اس کی تاویل "الا عدم النبوۃ" ہے یہ غلط ہے اور قواعد و ضوابط نحویہ سے ان کی جہالت یا چشم پوشی پر مبنی ہے ورنہ ارباب علم جانتے ہیں کہ اس کی تاویل "الا النبوۃ" ہے نہ "الا عدم النبوۃ" اس امر کی تائید کئی امور سے ہوتی ہے۔

(الف) آئمہ نحو مثل رضیؒ وغیرہ نے ہوبہو مورد بحث مقام کی نظیر میں اس امر کی تصریح کی ہے کہ "قام القوم الا زید" کی تاویل "الا ان زید لم یقم" ہے نہ کہ "الا زیداً لم یقم عدم قیامہ" (فتدبر فانہ دقیق) ظاہر ہے کہ اس حدیث کا بھی مطلب یہی ہے (الا انک لست بنبی، سوائے اس کے کہ تم نبی نہیں ہو۔

(ب) اگر "لا نبی بعدی" کی جگہ "الا النبوۃ" رکھ دیا جائے تو معنی میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا، یہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ جملہ "لا نبی بعدی" حکم میں "الا النبوۃ" کے ہے۔

(ج) اس حدیث کے بعض طرق میں خود "الا النبوۃ" کی تصریح موجود ہے چنانچہ امر دوم میں اس قسم کی چند روایات نقل کی جا چکی ہیں۔ فراجع۔

ثالثاً ان کا معنوی حد پر اشکال کرنا کہ حضرت ہارونؑ سن میں بڑے تھے ... الخ اس امر کو مودت اہل بیت کا کرشمہ سمجھنا چاہیے کہ ان کی مخالفت کی وجہ سے مخالفین ایسے ہوش باختہ ہو گئے ہیں کہ فضیلت و عدم فضیلت کی تمیز بھی نہیں رہی۔ ہم نے کب یہ دعویٰ کیا تھا کہ اس حدیث میں ہارونؑ کے تمام حالات و کوائف زندگی کا اثبات حضرت امیر علیہ السلام کے لئے کیا گیا ہے تاکہ یہ اشکال کیا جائے بلکہ ہمارا مطلب یہ تھا کہ وہ مناصب عالیہ اور مدارج رفیعہ جو حضرت ہارونؑ کو حاصل تھے وہ سب سوائے مرتبۂ نبوت کے حضرت امیر علیہ السلام کے لئے ثابت ہیں۔ ظاہر ہے کہ سن میں بڑا ہونا ان فضائل میں داخل نہیں ہے۔ رہا حضرت ہارونؑ کا حیات حضرت موسیٰ میں انتقال فرمانا اسے ہمارے مقصد سے قطعاً کوئی مس نہیں ہے۔ پہلے مرنے کو بھی مراتب ہارونؑ میں داخل سمجھنا ان لوگوں کی عقل و خرد کا کارنمونہ و شاہکار ہے۔ باقی رہا اخوت کا مسئلہ تو ظاہر ہے کہ حضرت امیر المومنین بمقتضائے "یا علی انت اخی فی الدنیا و الآخرۃ" آپ کے برادر ہیں۔ اثبات مشابہت میں اسی قدر کافی ہے۔ سگا بھائی ہونا لازم نہیں ہے کما ھو واضح من ان ... معلوم ہوا کہ اس رکیک و بے ہودہ شبہ کی بنا پر مستفیض متصل کو غلط و غیر معقول قرار دینا ان معترضین کی اپنی نامعقولیت کی بین دلیل ہے۔

رابعاً ان کا یہ کہنا کہ اس سے جنگ تبوک میں فقط مدینہ میں استخلاف مراد ہے الخ ... اس کا بطلان سابقہ بیان سے واضح و عیاں ہو گیا کیونکہ یہ توہم فاسد مناصب ہارونیہ سے عموم مراد نہ ہونے پر مبنی ہے لیکن جب بحمدہ تعالیٰ ان کی عمومیت واضح ہو گئی تو یہ توہم خود بخود باطل ہو گیا۔ علاوہ بریں یہ توہم غالباً اس امر پر مبنی ہے کہ آنحضرتؐ نے یہ ارشاد اسی وقت فرمایا جب آپ جنگ تبوک پر تشریف لے جاتے وقت حضرت امیر المومنینؑ کو مدینہ کی خلافت سپرد فرما رہے تھے۔

حالانکہ یہ خیال اشتباہ دو طرح سے فاسد ہے۔

(ا) کہ یہ امر اپنے مقام پر ثابت کیا جا چکا ہے کہ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ خصوصیت مورد کا مثلاً ایک آدمی نے وضو کیا اور پھر شک لاحق ہو گیا کہ آیا میرا وضو ٹوٹا ہے یا نہیں۔ جب آنحضرتؐ سے

اس کے متعلق استفسار کیا گیا تو آپ نے فرمایا " لاتنقض الیقین بالشک ابداً " کبھی یقین کو شک سے نہ توڑا کرو۔ اس حدیث کا مورد اگرچہ مسئلۂ وضو ہے لیکن چونکہ الفاظ میں عمومیت پائی جاتی ہے اس لئے علماء اس کو بطور قاعدہ کلیہ ہر مناسب مقام پہ جاری و ساری کرتے رہتے ہیں۔ اس قاعدہ کلیہ کا نام انہوں نے استصحاب رکھا ہے۔ بنا بریں اس حدیث کا مورد اگر صرف جنگ تبوک کے وقت آنحضرت کا مدینہ میں خلیفہ مقرر کرنا تسلیم کر لیا جائے تب بھی چونکہ الفاظ میں عمومیت پائی جاتی ہے اس سے تمام مسائل کا اثبات کیا جائے گا۔ لان الاعتبار بعموم اللفظ لا بخصوص المورد۔

(ب) اس حدیث شریف کے ورود کو فقط جنگ تبوک میں منحصر سمجھنا کتب سیر و تواریخ اور حدیث سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ ورنہ متتبع خبیر پر مخفی و مستور نہیں ہے کہ آنحضرت نے یہ حدیث شریف متعدد مقامات پر ارشاد فرمائی ہے۔

اس حدیث کے مقامات ورود

(۱) منجملہ ان مقامات کے ایک روز مواخات ہے۔ امام احمد حنبل مسند میں روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت نے حضرت علی سے مواخات کے دن فرمایا " انت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ " یہ اس وقت فرمایا جبکہ آنحضرت نے صحابہ کے درمیان صیغۂ مواخات جاری کیا اور حضرت امیر المومنینؑ باقی رہ گئے تو ان کا حزن و ملال ملاحظہ کر کے آپ نے فرمایا " والذی بعثنی بالحق نبیا ما اخرتک الا لنفسی انت منی بمنزلۃ ہارون " مجھے اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ نبی بنا کے بھیجا ہے کہ میں نے تمہیں مؤخر نہیں کیا مگر اپنے لئے کیونکہ تم مجھ سے وہی نسبت رکھتے ہو جو ہارونؑ کو جناب موسیٰؑ سے تھی (کذا فی کنز العمال تذکرۃ الخواص ریاض النضرۃ و فصول المہمۃ وغیرہا)

(۲) منجملہ ان مقامات کے ایک مقام سد الابواب ہے جیسا کہ ابن مغازلی، خطیب خوارزمی نے مناقب میں اور صاحب ینابیع وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ جب آنحضرت نے صحابہ کے دروازے مسجد سے بند کرا دیئے۔ اور حضرت امیر المومنینؑ کا دروازہ کھلا رہنے دیا۔ تو بعض صحابہ کی چہ میگوئیاں سن کر آپ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں بیان فرمایا کہ حضرت موسیٰؑ نے اپنے سب اصحاب کے دروازے بند کرا دیئے تھے صرف حضرت ہارونؑ کا دروازہ کھلا رکھا تھا۔ یہ بیان کر کے آخر میں فرمایا کہ " ان علیاً منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ " کہ حضرت علیؑ کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو حضرت ہارونؑ کو جناب موسیٰؑ سے تھی۔ اسی لئے میں نے دوسروں کے دروازے بند کر کے ان کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔

(۳) منجملہ ان مقامات کے حاکمی سے ترین عتق در تفسیر سورۃ آل عمران میں ذکر کیا ہے کہ ایک دن حضرت

رسول اللہ نے جناب سلمانؓ سے فرمایا کہ اے سلمانؓ! تمہیں معلوم ہے کہ ہمارے اوپر داخل ہونے والا کون ہے (حضرت امیر المومنینؑ وارد بزم ہوئے تھے) سلمان نے عرض کی اللہ و رسول بہتر جانتا ہے لیکن آپ میری معرفت کو اور زیادہ فرما دیجئے۔ فرمایا اے سلمان! ان اخی و وصیی و خلیفتی فی اہلی و خیر من اترک بعدی و منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ؟ یا سلمان ہذا وصیی و وارثی ذکر ذلک فی ینابیع المودۃ و ارجح المطالب،

(۳) منجملہ ان مقامات کے وقت ولادت حسینؑ ہے کہ ان کا نام تجویز کرتے وقت یہ حدیث ارشاد فرمائی جیسا کہ صاحب تاریخ خمیس توضیح الدلائل ینابیع المودۃ اور ارجح المطالب وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

(۵) منجملہ ان مقامات کے جہاں یہ حدیث ارشاد فرمائی ایک یوم خیبر بھی ہے جیسا کہ ابن مغازلی اور اخطب خوارزم نے مناقب میں لکھا ہے بعلوم ہوا کہ حضرت کا مقصود یہ نہ تھا کہ اے علیؑ تم میرے واپس آنے تک مدینہ میں میرے خلیفہ ہو تو کیا استدلال کی ہم کہنے کی ہرگز ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ معلوم ہے کہ آنحضرتؐ کی واپسی پر یہ خلافت خود بخود ختم ہو جاتی، ہاں جناب کی بعد از موت اس کی ہرگز ضرورت نہ تھی آنحضرتؐ کے انتقال پرملال کے بعد جناب امیرؑ سے نبوت کی نفی کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ دیگر سب مراتب آنجناب کے لئے تمام اوقات (زمانوں) کے لئے ثابت ہیں۔

دوسرا شبہ! آنحضرتؐ نے فقط حضرت علی علیہ السلام کو ہی مدینہ کا خلیفہ مقرر نہیں کیا۔ بلکہ بعض اوقات اور لوگوں کو بھی مثل عبداللہ ابن ام مکتوم وغیرہ کے اس شرف سے نوازا ہے لہٰذا اگر یہ عارضی خلافت و نیابت جناب امیرؑ کی خلافت مطلقہ کی دلیل ہے تو پھر دوسرے ناجین کو بھی آنحضرتؐ کا جانشین تسلیم کرنا پڑے گا

الجواب! ہم نے حضرت امیر المومنینؑ کے استخلاف مدینہ سے کب ان کی خلافت و امامت مطلقہ کے لئے تمسک کیا ہے تاکہ دوسرے حضرات کے استخلاف کو ہمارے مقابل پیش کیا جائے بلکہ ہمارا استدلال تو حدیث منزلت کے عموم الفاظ و مفاد سے ہے خواہ اس کا مورد وقت استخلاف در مدینہ ہو یا کوئی اور جگہ حالانکہ اس کے متعلق بھی ابھی بیان کیا جا چکا ہے کہ ایک نہیں کئی بار متعدد مقامات پر یہ حدیث ارشاد فرمائی گئی ہے اگر اس قسم کی کوئی حدیث حضرت دوسرے حضرات عبداللہ بن ام مکتوم وغیرہ کے حق میں بھی ارشاد فرمائی ہوتی تو پھر دیکھا جاتا لیکن جب ایسی کوئی حدیث ان کے بارے میں موجود نہیں تو یہ اشکال درجۂ اعتبار سے ساقط ہے اگر آپ کے پاس اس قسم کی کوئی حدیث ہے تو لائیے تاکہ ہم بھی اس کے متعلق غور و فکر کر سکیں، ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین

٭ کیونکہ حالت میں جناب امیر علیہ السلام کو

تیسرا شبہ! یہ کیسے معلوم ہوا کہ اگر حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے بعد زندہ رہتے۔ تو وہی آپ کے خلیفہ ہوتے۔ ممکن ہے کوئی اور شخص آپ کا خلیفہ بن جاتا۔

الجواب ظہور اور وضوح کے مقابلہ میں ایسے بے سروپا اور رکیک احتمالات درخور اعتنا نہیں ہو سکتے جب بنص قرآن یہ ثابت ہے کہ حضرت ہارونؑ زندگی کے ہر نشیب و فراز میں حضرت موسیٰؑ کے پشت پناہ و مددگار و شریک کار رہے۔ تمام صفات کمالیہ میں تمام امت سے افضل و برتر بھی تھے اور زندگی بھر آنجناب کے وزیر و خلیفہ تھے۔ تو آیا کوئی عقل سلیم و طبع قویم اسے باور کر سکتی ہے کہ اگر آپ زندہ رہتے۔ تو ان کے علاوہ کوئی اور شخص حضرت موسیٰؑ کا خلیفہ مقرر کیا جاتا؟ حاشا وکلا۔ کاش یہ حضرات معترضین اس عدم استخلاف کی کوئی معقول وجہ بھی بیان کرتے فقط "ممکن ہے" احتمال سے تو کام نہیں چل سکتا۔ ماننا پڑے گا کہ حضرت ہارونؑ کی خلافت عمومی تھی اور فقط مدت حیات تک مخصوص نہ تھی یہ اور بات ہے کہ اجل محتوم نے ان کو مہلت نہ دی۔ کہ وہ مسند خلافت عظمیٰ پر متمکن ہوتے لیکن چونکہ حضرت ختمی مرتبت باعلام اللہ جانتے تھے کہ حضرت امیر علیہ السلام آپ کے بعد زندہ وسلامت رہیں گے۔ اس لئے اپنے بعد صرف ان سے مرتبہ نبوت کی نفی فرمائی یہ استثناء نبوت بعد الموت اس امر کا قرینہ قطعیہ ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ کی خلافت تمام اوقات و ازمان میں عمومی ہے کما لا یخفی علی اولی الالباب

چوتھا شبہ! اگر ہارونؑ زندہ رہتے تو وہ خود مستقل نبی ہوتے کیونکہ خلافت و نبوت دو متضاد چیزیں ہیں جو ایک شخص میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے اس سے حضرت امیر علیہ السلام کی خلافت پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

الجواب یہ شبہ مجیب و معترض کے قصور فہم و عقل اور قلت معرفت و خبرت پر دلالت کرتا ہے ورنہ خلافت و نبوت میں ہرگز کسی قسم کا تباین و تضاد نہیں ہے اگر ان کے درمیان کسی قسم کی منافات ہوتی تو پھر ہرگز کبھی بھی ایک شخص میں جمع نہ ہوتیں حالانکہ اس کی کئی مثالیں موجود ہیں کہ ایک شخص نبی بھی ہے اور خلیفہ بھی مثلاً حضرت یوشع خلیفہ حضرت موسیٰ کو ہی لے لیجئے کہ آپ نبی بھی ہیں اور خلیفہ بھی حضرت لوطؑ کو دیکھئے کہ نبی بھی ہیں اور نائب حضرت ابراہیمؑ بھی زیادہ دور نہ جائیے خود حضرت ہارونؑ کو ہی لے لیجئے کہ وہ حضرت موسیٰؑ کی زندگی میں بنص قرآن نبی بھی تھے۔ (واشرکہ فی امری) اور خلیفہ بھی (اخلفنی فی قومی)، لہذا جب جناب موسیٰؑ کی زندگی میں حضرت ہارونؑ میں نبوت و خلافت جمع ہو سکتی ہے تو آپ کی رحلت کے بعد کیوں ان میں یہ دو منصب جمع نہیں ہو سکتیں پس مجیب و معاند

اس حدیث شریف کا حضرت امیر المومنین کی خلافت بلا فصل و امامت کبریٰ پر نص صریح ہونا کالشمس فی نصف النہار واضح و آشکار ہو گیا فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید

حدیث ولایت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان علیاً منی و انا منہ و هو ولی کل مومن بعدی۔ حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں کہ علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں اور وہ میرے بعد سب مومنوں کے حاکم و سرپرست ہیں۔ یہ حدیث شریف نہایت مستند، معتبر اور صحیح ہے اور اسے تقریباً تمام محدثین نے اپنی کتب میں درج کیا ہے یہاں صرف چند کتابوں کے نام ذکر کئے جاتے ہیں۔ صحیح بخاری ج ۳ ص ۱۵۰ طبع دہلی، (لیکن بخاری نے حسب عادت یہاں بھی حدیث میں قطع و برید کرتے ہوئے آخری حصہ درج نہیں کیا) مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۱۱، مسند امام احمد ج ۴ ص ۴۳۸، کنز العمال ج ۶ ص ۱۵۴، ترمذی ج ۲ ص ۲۹۷، مسند ابوداؤد ص ۱۱۱ و ص ۳۶۰، تاریخ ابن کثیر ج ۷ ص ۳۴۵، استیعاب ابن عبد البر ج ۲ ص ۶۵۷، ریاض نضرہ ج ۲ ص ۱۷۱، میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۹۰، البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۳۴۴، سیرت حلبیہ ج ۳ ص ۳۳۸ وغیرہ)

تقریب استدلال یہ حدیث شریف بدو طریق حضرت امیر المومنین کی خلافت بلافصل پر باصراحت دلالت کرتی ہے۔

طریق اول فقرہ "ان علیاً منی و انا منہ" سے جو اتحاد علوی و نبوی مستفاد ہوتا ہے اس کے متعلق ہم آیۂ مباہلہ کے ذیل میں وضاحت کے ساتھ بیان کر چکے ہیں کہ اس اتحاد سے مراد اتحاد حقیقی و شخصی نہیں ہو سکتا اور نہ اس سے اتحاد نسبی مراد ہے کیونکہ نسبی اعتبار سے اور بہت سے افراد آنحضرت کے شریک تھے حضرت علی علیہ السلام کو کوئی خاص خصوصیت نہ تھی اور نہ یہ امر کسی پر مخفی تھا جس کا اظہار کرنے کی آنحضرت کو ضرورت لاحق ہوتی۔ ماننا پڑے گا کہ اس اتحاد سے مراد فضائل و مناقب اور محاسن و محامد میں اتحاد و یگانگت ہے لیکن مرتبۂ نبوت ادلۂ خارجیہ کی بنا پر اس سے خارج ہے۔ "فیبقی الباقی تحت العموم" ظاہر ہے کہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تمام کائنات سے افضل ہیں لہٰذا جو شخص آپ کا شریک کمالات ہو گا وہ بھی سب مخلوقات سے افضل ہو گا اس سے حضرت امیر المومنین کا سب صحابہ سے افضل ہونا واضح ہو گیا سابقاً شرائط امامت کے ضمن میں بدلائل قاطعہ محقق و مبرہن کیا جا چکا ہے کہ امام کو تمام امت سے افضل ہونا چاہیے۔ اور بالفاظ دیگر جو شخص افضل امت ہو گا وہی امام ہو گا۔ اس طرح اس حدیث شریف کی روشنی میں جہاں آنجناب کی افضلیت ثابت ہو گئی وہاں اس کے ساتھ ساتھ آپ کی خلافت و امامت مطلقہ بھی واضح ہو گئی۔

طریق دوم فقرہ "وھو ولی کل مؤمن بعدی" آپ کی سیادت مطلق و امامت کبریٰ پر نص صریح ہے۔ ہم آیۂ مبارکہ "انما ولیکم اللہ" کے ذیل میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ لفظ "ولی" بنا بر مشہور چند معنوں میں مشترک ہے منجملہ ان کے "حاکم و سرپرست" "ناصر و دوست" وغیرہ بھی ہیں لیکن یہاں سوائے معنائے "ولی یعنی اولیٰ بالتصرف" کے اور معنی مراد ہو نہیں سکتے۔ اگر اس سے "ناصر یا محب" مراد لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ حضرت علی علیہ السلام حضرت سرور انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انتقال پر ملال کے بعد لوگوں کے ناصر یا محب قرار پائیں ظاہر ہے کہ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ نصرت و محبت وغیرہ تو آپ کو بالفعل حاصل تھی۔ اور آپ آنحضرت کے حین حیات میں ہر مومن کے ناصر اور دوست تھے۔ جس طرح آپ کے بعد تھے پھر "بعدی" کہنا چہ معنی دارد؟ لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس سے مراد "اولیٰ بالتصرف" ہونا ہے کیونکہ یہی وہ مرتبہ عظمیٰ ہے جس کی عملی فعلیت آنحضرت کی رحلت پر موقوف تھی۔ اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس حدیث شریف کے بعض طرق میں بجائے لفظ "ولی" کے لفظ "اولیٰ" موجود ہے چنانچہ کنز العمال ج ۶ ص۱۵۵ پر مذکور ہے "فھو اولیٰ الناس بکم بعدی" اے مسلمانو! میرے بعد حضرت علی سب لوگوں سے تمہارے اوپر حکومت و تصرف کرنے کے زیادہ حقدار ہیں۔ واضح ہوگیا کہ یہ حدیث شریف حضرت امیر علیہ السلام کی خلافت مطلقہ کی دلیل صحیح و نص صریح ہے لیکن مخالفین حضرات اپنی عادت قدیمہ کے مطابق اس مقام پر کس طرح خاموش رہ سکتے تھے لہٰذا باوجود صحت و صراحت اس پر بھی چند رکیک و واہی ایراد کر ہی دیئے۔ ذیل میں وہ ایرادات مع قطعی جوابات پیش کئے جاتے ہیں۔

ایراد اوّل اس حدیث کے سلسلہ میں اجلح نامی راوی موجود ہے اور وہ شیعہ تھا۔ لہٰذا اس کی یہ روایت ناقابل اعتبار ہے۔ تحفۂ اثنا عشریہ۔

الجواب باللہ التوفیق یہ ایراد بچند وجہ باطل ہے۔

اوّلاً اگر حقیقت حال یہی ہوتی جو اس شبہ میں ذکر کی گئی ہے تو اہل سنت کے علمائے اعلام و محدثین عظام اس روایت کو اپنی مسانید و صحاح میں ہرگز درج نہ کرتے لیکن ان کا نقل کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک یہ راوی شیعہ نہیں تھا۔

ثانیاً اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ علمائے اہل سنت کے نزدیک یہ شخص شیعہ تھا۔ تو بھی اس سے صحت حدیث کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا کیونکہ علمائے اہل سنت کے تسمر خان کی مدح میں یہ ثابت

کا انکار کرنے کے مترادف ہے جو بقول شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کے مذہب اہل سنت سے خروج کا باعث ہے

ایراد دوم لفظ ولی مشترک ہے کیا ضروری ہے کہ اس سے مراد اولی بالتصرف ہی ہو بلکہ ممکن ہے کہ اس کے کوئی دوسرے معنی مثل محب یا ناصر وغیرہ مراد ہوں (تحفہ اثنا عشریہ)

الجواب اس ایراد کا بطلان ابھی ابھی اوپر دوسرے طریق استدلال میں واضح کیا جا چکا ہے وہاں رجوع کریں

ایراد سوم اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اس سے مراد اولی بالتصرف ہے تو اس کا یہ کب نتیجہ ہے کہ علیؑ آنحضرتؐ کے بعد بلا فصل اولی بالتصرف یعنی خلیفہ ہوں کیونکہ اس حدیث میں کس وقت کی قید نہیں لگائی گئی ہے ممکن ہے کہ آپ خلفائے ثلاثہ کے بعد اولی بالتصرف اور خلیفہ ہوں ہم بھی اس مفہوم کو بسر و چشم تسلیم کرتے ہیں

الجواب یہ ایراد بچند وجہ غیر معقول ہے۔

اولاً معترض صاحب نے شاید حواس باختگی کے عالم میں غیر شعوری طور پر ہمارے مدعا کی تائید کر دی ہے کیونکہ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ جب آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امیر المومنینؑ کی خلافت پر نص تام سے بدوں کسی خاص وقت کی کوئی قید نہیں لگائی بلکہ یعنی علی الاطلاق اولی بالتصرف قرار دیا ہے تو اسے اپنے اطلاق پر باقی رکھنا چاہیئے جس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ آنجنابؑ کی خلافت کسی خاص وقت کے ساتھ مقید نہیں بلکہ تمام اوقات و زمان کے لئے عمومیت رکھتی ہے۔ بنا بریں تین خلیفوں کے بعد والی قید غلط ہے وھو المطلوب

ثانیاً اگر انسان تعصب و عناد کی عینک اتار کر چند لمحوں کے لئے اپنے ضمیر و وجدان کی طرف رجوع کرے تو اس پر واضح ہو جائے گا کہ یہ ایراد سراسر مہمل ہے مزید وضاحت کے لئے مندرجہ ذیل مثال میں غور کیجئے جب کوئی بادشاہ اپنی رعیت سے یہ کہے کہ میرے بعد فلاں شخص تمہارا حاکم ہوگا تو اس فقرہ سے کیا معنی سمجھے جاتے ہیں؟ آیا یہ کہ بادشاہ کے بعد بلا فاصلہ اس شخص کی حکومت کی ابتدا ہوگی اور وہ اس کا جانشین بلا فصل ہوگا یا اس سے پہلے تین حاکم اور ہوں گے اور تقریباً پچیس سال کے بعد چوتھے مرتبہ پر یہ شخص حاکم ہوگا محض اس لئے کہ چونکہ بادشاہ نے اس کی حکومت کا وقت مقرر نہیں کیا تھا؟ ہر معمولی عقل و فراست رکھنے والے انسان کو یقین کامل ہے کہ وہ پہلی شق ہی کو اختیار کرے گا

اور دوسری طرف توجہ بھی نہیں کرے گا بعینہٖ یہی صورت حال ہماری مورد بحث حدیث شریف میں بھی ہے تو وہاں بھی اپنی عقلمندی و دانشمندی کا ثبوت دیتے ہوئے یہی مراد لینی چاہئیں کہ آنحضرتؐ کے فوراً بعد بلا فاصلہ حضرت امیر المومنینؑ کی ولایت الٰہیہ بالفعل شروع ہو جائے گی۔

حدیث غدیر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ یہ حدیث نبوی صحیح متواتر متفق علیہ۔ اس حدیث شریف کا صحیح بلکہ متواتر ہونا اور حضرت امیر المومنینؑ کی خلافت مطلقہ پر نص صریح ہونا سابقاً آیۂ مبارکہ "یاایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک" الآیۃ کے ذیل میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ بدلائل قاطعہ و براہین ساطعہ کالشمس فی رابعۃ النہار واضح و آشکار کیا جا چکا ہے۔ طالبین رشد و ہدایت مقام مذکور کی طرف رجوع فرمائیں (فان فیہ ما تشتہیہ الانفس وتلذ الاعین) قد جاءکم بصائر من ربکم فمن ابصر فلنفسہ ومن عمی فعلیہا وما انا علیکم بحفیظ۔

نوشتہ بر در فردوس کاتبان قضا — علی امام علی امین علی ایمان
نبی رسول ولیعہد حیدر کرار — علی امین و علی مرد و علی سردار
بحق دین محمد و خلق پاک حسن — کہ نیست دین ہدی بالقبول بلکہ علی
بحق مردم نیک و مہاجر و انصار — امام غیر علی بعد احمد مختار
بدشمنان منشین حافظا تو آکنون — نجات خویش طلب بجان ہشت و چہار

(حافظ شیرازیؒ)

باب پنجم

اثبات خلافت حضرت امیر المومنینؑ بطریق دیگر موجب زیادتی بصیرت و یقین!

اگرچہ چوتھے باب میں اس موضوع پر جو کچھ سپرد قرطاس و قلم کیا گیا ہے وہ دیدۂ بینندہ اور گوش شنوندہ رکھنے والوں کے لیے نہ صرف کافی بلکہ وافی و شافی بھی ہے تاہم چونکہ بصیرت و یقین کے متعدد مراتب و مدارج ہیں اس لیے اہل تسلیم کی زیادتی یقین اور اہل عناد کے اصلاح مزاج کی خاطر اس باب میں عالم ربانی جناب شیخ علی بن عبداللہ بحرانی نے اپنی کتاب مستطاب منار الہدیٰ میں حضرت امیر المومنینؑ کی خلافت مطلقہ منصوصہ کے اثبات کے سلسلہ میں جو ایک نہایت گرانقدر مقدمہ سپرد قلم فرمایا ہے۔ اس کی افادیت کے پیش نظر ہم چاہتے ہیں کہ اس کا ملخص و ماحصل ترجمہ کر کے ہدیۂ ناظرین کریں جس کے ضمن میں مذکورہ بالا احادیث شریفہ کے علاوہ متعدد احادیث صحیحہ و صریحہ سے بھی استدلال و احتجاج کیا گیا ہے جزاہ اللہ یوم الدین عن حمایۃ امیر المومنین صلوات اللہ علیہ و آلہ اجمعین خیر جزاء المحسنین

چنانچہ یہ عالم ربانی فرماتے ہیں:

نص کا مفہوم

"اس مقام پر نص سے ہماری مراد ہر وہ امر ہے جو صراحتاً حضرت امیر المومنینؑ کی خلافت و امامت پر دلالت کرے۔ خواہ نص فعل ہو یا قول۔ النص جیسے آنحضرتؐ صلعم کسی شخص کو کسی ایسے امر کی انجام دہی پر مامور کریں جس کی بجا آوری آپ یا آپ کے نائب خاص سے متعلق ہو اور قول جیسے ہر وہ لفظ جو امامت و خلافت پر دلالت کرے جیسے لفظ "امامت" "امارت" اور "خلافت" و "وزارت" وغیرہ جب آنحضرتؐ کسی شخص کے متعلق فرما دیں کہ "فلان امام بعدی" یا "امیرکم" یا "وصیی" و "خلیفتی" یا یوں فرما دیں "فلان ولی بعدی" یا "ولیکم بعدی" تو اس قسم کے تمام الفاظ اس شخص کی امامت و خلافت کے نصوص صریحہ سمجھے جائیں گے اور اسی

قسم کے فعلی وقولی نصوص کی مخالفت کرنے والا نصوص نبویہ کا مخالف ومنکر سمجھا جائے گا۔

بعض نصوص فعلیہ کا بیان

اب ہم ذیل میں پہلے بعض نصوص فعلیہ بیان کرتے ہیں بعد ازاں نصوص قولیہ کا تذکرہ کیا جائیگا

پہلی نص فعلی

تبلیغ سورۂ برأت سے حضرت ابوبکر کی معزولی اور حضرت امیر علیہ السلام کا تقرر۔ یہ واقعہ نہایت مشہور ومعروف ہے۔ مختصر یہ کہ آنحضرتؐ نے سورۂ برأت کی بعض آیات دے کر حضرت ابوبکر کو بھیجا تھا کہ مکہ میں جاکر موسم حج کے موقع پر لوگوں کے سامنے ان کی تلاوت کریں چنانچہ وہ حسب الامر مکہ روانہ ہوگئے جب کچھ منازل سفر طے کر چکے تو آنحضرتؐ نے ان کو اس عہدہ سے معزول فرما کر حضرت امیر المومنینؑ کو اس کام کے انجام دینے پر مقرر کرکے بھیج دیا چنانچہ جنابؑ نے رستہ میں ابوبکر سے ملاقات کی اور ان کے بجائے خود مکہ معظمہ تشریف لے جاکر ان آیات کی تبلیغ فرمائی اور حضرت اول صاحب نے اپنا سامنہ لے کر مدینہ کا رخ کیا[1] اور دربار رسالت میں حاضر ہوکر چیخنے چلانے اور گریہ وبکا کرتے ہوئے اپنی معزولی کا سبب پوچھا تو آنحضرتؐ نے فرمایا لا یبلغ عنی الا انا او رجل منی (یعنی میرے فرائض رسالت کی میری طرف سے کوئی ادا نہیں کرسکتا مگر میں خود یا وہ شخص جو مجھ میں سے ہو)۔ خصائص نسائی ص ۲۰ الروض الانف ج ۲ ص ۲۲۸ تاریخ

[1] ازالۂ شبہ | کچھ لوگ ابوبکر صاحب کی کرکری چھپانے کو یہ بات پیش کرتے ہیں کہ ان کو صرف سورہ برأت کی تبلیغ سے معزول کیا گیا تھا مگر امارت حج بدستور ان کے پاس رہی [illegible] ابوبکر تھے یہ ان حضرات کی خوش فہمی ہے ورنہ [illegible] آنحضرتؐ [illegible] امیر الحاج اور مبلغ سورۂ برأت حضرت امیر المومنینؑ ہی تھے ثبوت کیلئے کنز العمال ج [illegible] مطالب السئول باب [illegible] شرح بخاری فارسی [illegible] تاریخ حبیب السیر دیکھیں ان کتب میں اس قسم کی تصریحات موجود ہیں کہ جب حضرت امیر المومنینؑ نے ان سے سورہ برأت لے لی تو [illegible] ابوبکر [illegible] واپس ہوگئے [illegible] ابوبکر [illegible] اس حدیث کو آنحضرتؐ سے کئی طرح مختلف عبارات [illegible] علی منی وانا من علی [illegible] لا یؤدی عنی الا انا او علی [illegible] ملاحظہ ہو خصائص نسائی [illegible] صواعق محرقہ [illegible] صحیح ترمذی [illegible] سنن ابن ماجہ و مسند احمد بن حنبل وغیرہ [illegible] تبلیغ رسالتی من بعدی [illegible] من کتب اللہ [illegible] کنز العمال حلیۃ الاولیاء کفایۃ الطالب مناقب خوارزمی [illegible]

.

طبری ج۲ ص۶۳ ریاض نضرۃ ص۱۷۸ وغیرہ) جس طرح یہ واقعہ حضرت امیر علیہ السلام کی خلافت وامامت پر بطور نص صریح دلالت کرتا ہے اسی طرح خلافت حضرت ابوبکر کے بطلان کو بھی خشت از بام کر رہا ہے کیونکہ جو شخص خدا و رسول کے نزدیک فقط بعض آیات قرآنیہ کی تبلیغ کی صلاحیت وقابلیت نہیں رکھتا وہ شخص بحیثیت خلیفۂ رسول ہونے کے تمام شریعت مقدسہ اور تمام قرآن مجید کی کس طرح تبلیغ واشاعت کر سکتا ہے! اور جس شخص کو خدا اور رسول چند آیات کی تبلیغ کے عہدہ پر برقرار رکھنا گوارا نہیں کرتے اسے ریاست کبریٰ وزعامت عظمیٰ کے درجۂ علیا پر کس طرح متمکن کر سکتے ہیں یا اس کے تقرر سے کس طرح راضی ہو سکتے ہیں!

ازالۂ توہم کہا جاتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت سے عربوں کا یہ دستور تھا کہ عہد وپیمان کی انجام دہی یا خود یا اپنے قریبی رشتہ داروں مثلاً عم یا ابن عم کے ذریعہ کراتے تھے۔ یہاں بھی چونکہ ایسی ہی صورت حال تھی، لہٰذا آنحضرت نے حضرت امیر کو بھیجا اس میں نہ حضرت ابوبکر کی کوئی منقصت ہے اور نہ حضرت علیؑ کی کوئی منقبت ہے۔

الجواب یہ توہم صحت خلیفہ میں افراط اور شان رسالت سمجھنے میں تفریط کا نتیجہ ہے۔ اگر مسلمان حقیقی شان رسالت سمجھ لیتے تو ہرگز اس قسم کے بیہودہ اور رکیک احتمالات نہ کرتے بہرکیف یہ توہم چند وجوہ باطل ہے۔

اولاً اس لئے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی قول وفعل میں اعراب کی عادات پر عمل نہیں کرتے تھے۔ بلکہ وہ ہر قول وفعل میں وحی الٰہی کی متابعت فرماتے تھے۔ (وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ) آنحضرت کے لئے نص آیات مبارکہ "تبع ما یوحیٰ الیک ولا تتبع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا" اے رسولؐ اس چیز کا اتباع کرو جس کی تمہیں وحی کی گئی ہے۔ اور ان لوگوں کا اتباع نہ کرو جن کے دل ہماری یاد سے غافل ہیں، "ولا تتبع اھواء الذین لا یومنون" اے رسولؐ! ان لوگوں کی خواہشات وعادات پر عمل نہ کیا کرو، جو مومن نہیں ہیں۔ کفار عرب کے عادات وخصائل کا اتباع ممنوع قرار دیا گیا ہے اور انہیں وحی الٰہی پر عمل کرنے پر مامور کیا گیا تھا۔ لہٰذا وہ کس طرح عربوں کی اس عادت قدیمہ پر عمل پیرا ہو سکتے تھے!

ثانیاً اس لئے کہ وہ پیغمبر اسلام جو عربوں کے رسم ورواج کو مٹانے کے لئے آیا تھا وہی خود کیونکر ان رسوم کا احیاء کر سکتا تھا حالانکہ وہ خود فرمایا کرتے تھے۔ "ان اللہ اذھب بالاسلام نخوۃ الجاھلیۃ وتفاخرھا بالانساب" خداوند عالم نے اسلام کے ذریعہ جاہلیت کی کبر ونخوت اور نسبی فخر ومباہات کو زائل کر دیا ہے۔ "وہ رسولؐ جسے خداوند عالم کا حکم تھا۔ اتبع ما یوحیٰ الیک

(اللہ کی وحی کا اتباع کرو) یہ نہیں کہا گیا تھا کہ "اتبع عادات العرب" (کہ عادات عرب کی اتباع کرو) پھر کس نبی کو کفار و فجار کے اتباع کا حکم نہیں دیا گیا، تو سرورِ انبیاء کو کس طرح ایسا حکم دیا جا سکتا تھا (معاذ اللہ)

ثالثاً اگر عربوں کے عادت کا اتباع مقصود ہوتا تو ابتدا ہی سے حضرت علیؑ یا جناب عقیل و عباس کو بھیج دیتے ماننا پڑے گا کہ ابوبکر کو اس حدیث پر مامور کر کے پھر معزول کر دینے سے ان کی نااہلیت برائے خلافت پر مہر ثبت کرنا مقصود تھی۔

رابعاً اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ عزل و تقرر ابوبکر و تقرر علیؑ عادات عرب کے مطابق عمل میں لایا گیا تو بھی ہمیں اس سے کوئی مفر نہیں پہنچتا کیونکہ اگر عربوں کی عادت کا ہی اتباع کرنا مقصود ہے تو ان کی سب عادات کا اتباع کرنا چاہیئے اور ظاہر ہے کہ منجملہ ان کی عادات کے ایک عادت یہ بھی تھی کہ جب ان کا کوئی رئیس قوم مر جاتا تھا تو اس کے زیادہ قریبی رشتہ دار کو اس کا وارث قرار دینے ملحوظ تھا جبکہ وہ قریبی رشتہ دار اس رئیس کی زندگی ہی میں بعض مراتب جلیلہ پر فائز ہو چکا ہو لہٰذا بنا بریں حضرت علیؑ ہی کو خلیفہ رسولؐ ہونا چاہیے نہ ابوبکر کو۔ کما لا یخفیٰ۔ آنحضرتؐ کی زندگی میں عزل ابوبکر اور تقرر علیؑ نے دوسرے اقرباء کی طمع و رعایت کو بالکل قطع کر دیا لہٰذا اب کوئی دوسرا رشتہ دار اس معاملہ میں آنجنابؑ سے نزاع نہیں کر سکتا۔

دوسری نص فعلی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا وہ فعل جو جناب امیر علیہ السلام کی خلافت مطلقہ پر نہایت وضاحت و صراحت کے ساتھ دلالت کرتا ہے یہ ہے کہ آپ عموماً غزوات وغیرہ میں بعض صحابہ کو بعض پر امیر و حاکم مقرر فرمایا کرتے تھے لیکن حضرت امیر علیہ السلام پر کبھی کسی کو حاکم مقرر نہیں کیا بلکہ جب بھی آنجناب کسی ایسے لشکر کے ہمراہ ہوتے تھے جس میں خود آنحضرتؐ موجود نہ ہوں تو اس لشکر کی سرکردگی و سرداری کی باگ ڈور آپ ہی کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ غرض کہ جب بھی کسی شہر میں بھیجا تو حاکم بنا کر جب کسی لشکر کے ہمراہ روانہ کیا تو امیر مقرر کر کے جب کبھی مدینہ میں چھوڑا تو اپنا نائب و خلیفہ بنا کر یہ ایک ناقابل انکار تاریخی مسئلہ ہے جس کا کوئی باخبر انسان انکار نہیں کر سکتا۔ ابن ابی الحدید (ج ۴ ص ۲۸۸ طبع بیروت) میں نقل کرتے ہیں کہ سئل الحسن یعنی البصری عن علی علیہ السلام فقال ما اقول فیمن جمع الخصال الاربعۃ ائتمانہ علی براءۃ وما قال لہ النبی فی غزوۃ تبوک انت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ فلو کان غیر النبوۃ شیء یفوقہ لاستثناہ وقول النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الثقلان کتاب اللہ وعترتی وانہ لم یؤمر علیہ امیر قط وقد امرت الامراء علی غیرہ۔ حسن بصری سے حضرت امیر المومنینؑ کے

متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ میں ایسے شخص کے متعلق کیا کہہ سکتا ہوں جس میں چار صفات جمع ہیں کہ جن میں سے اگر ایک بھی کسی میں پائی جائے تو اس کے فخر و مباہات کے لئے کافی و وافی ہے،

اوّل :- یہ کہ آنحضرتؐ نے سورۂ برأت کی تبلیغ پر ان کو مقرر کیا۔

دوم :- یہ کہ آنحضرتؐ نے جنگ تبوک کے موقع پر آپ کے حق میں فرمایا اے علیؑ تمہاری مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کی موسیٰؑ سے تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی ہونے والا نہیں ہے۔ لہٰذا اگر سوائے نبوت کے کسی اور چیز کا بھی استثناء کرنا مقصود ہوتا تو ضرور کر دیتے۔

سوم :- آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں کتاب خدا اور اپنی عترت اہلبیت ظاہر ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام رئیس عترت ہوتے ہیں

چہارم :- یہ کہ آنحضرتؐ کے حین حیات آنجنابؑ پر کبھی کوئی حاکم مقرر نہیں کیا گیا لیکن دوسرے تمام اصحاب پر حاکم و امیر مقرر کئے گئے۔

ازالۂ اشتباہ علامہ قوشجی شارح تجرید وغیرہ کا یہ کہنا کہ تبلیغ سورۂ برأت کے وقت حضرت ابوبکر حضرت علی علیہ السلام پر امیر تھے کیونکہ تبلیغ سورہ حضرت علیؑ اور امارت حج حضرت ابوبکر کے متعلق تھی ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ "لم یرو عن ابی بکر من امارة الموسم الا الشیعة" حضرت ابوبکر کی امارت حج کی معزولی کی روایت شیعوں نے کی ہے بچند وجہ باطل ہے۔

اوّلاً اس لئے کہ حسن بصری کی مذکورہ بالا روایت سے اس کا بطلان واضح و عیاں ہو گیا ہے کیونکہ اگر ابوبکر کی امارت حج کا واقعہ صحیح ہوتا تو حسن بصری ایسا باخبر، علام انسان کیسے یہ کہہ سکتا تھا کہ "لم یؤمر علیہ امیر قط" کہ ان پر کبھی کسی شخص کو امیر نہیں بنایا گیا۔

ثانیاً اس لئے کہ معزولی ابوبکر خود کتب معتبرہ اہل سنت سے ثابت ہے جیسا کہ ہم بعض کتب معتبرہ اہل سنت سے متحقق و مبرہن کر چکے ہیں یہ کہنا کہ اس معزولی کے راوی صرف شیعہ ہیں۔

افترائے عظیم و کذب جسیم ہے "و انما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون"۔ آنحضرتؐ کا جناب علی علیہ السلام پر کبھی کسی شخص کو حاکم مقرر نہ کرنا اس امر کی کھلی دلیل ہے کہ تمام صحابہ کرام میں کوئی شخص حضرت امیرؑ پر امارت و حکومت کرنے کا حق نہیں رکھتا تھا بلکہ یہ حق صرف حضرت امیر مخصوص تھا لہٰذا جب حیات النبیؐ میں کوئی شخص آپ پر حکومت نہیں کر سکتا۔ تو آپ کے بعد کیسے کر سکتا ہے؟ "ای و ربّ العالمین"۔ پھر جب اور کسی شخص کو خلافت و حکومت کا حق حاصل نہیں۔ درآں حالیکہ ایک حاکم و خلیفہ کا ہونا ضروری و لازمی ہے جیسا کہ باب اوّل میں بذیل ضرورت امام دلائل و براہین ساطعہ سے محقق و

بیان کیا جا چکا ہے لہذا لامحالہ آنجناب ہی حاکم و امیر اور خلیفہ و امام ہوں گے۔ کما لا یخفی علے من لہ ادنیٰ فہم۔

نصوص قولیہ عقل و فراست اور لغت و عرف کے لحاظ سے جن جن الفاظ کسی شخص کی خلافت و امامت و امارت و وصایت پر دلالت کر سکتے ہیں، وہ سب الفاظ حضرت سرور کائنات نے وقتاً فوقتاً حضرت امیر المومنینؑ کی خلافت و امارت کے متعلق صرف فرمائے ہیں، جن کا

کتاب مستطاب ینابیع المودۃ فی حصہ دوم کے ص ۲۳ سے ص ۲۹ تک متعدد نصوص فعلیہ کا بڑی تفصیل کے ساتھ تذکرہ کیا گیا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان نصوص میں سے بعض کا ذیل میں اختصار کے ساتھ تذکرہ کر دیں تاکہ یہ موضوع کسی لحاظ سے بھی تشنۂ تکمیل نہ رہ جائے۔ دو نصوص فعلیہ تو متن میں مذکور ہیں یہاں بعض اور ذکر کئے جاتے ہیں۔

تیسری فعلی نص ولادت در کعبہ حضرت علیؑ کی ولادت کا اندرون کعبہ ہونا جناب رسول خدا کے ایسے خلیفہ کے استقبال کے لئے ولادت سرت انگیز دہ ہے جناب دین کی گھٹی پلا دیا گیا ان کو ابتداء ہی سے سارے عالم سے منفرد کر اور علامت و ہر دے میں کی حیثیت ابتداء ہی میں قرار پا چکا تھا ۔

کسے را میسر نشد ایں سعادت ۔۔۔ بکعبہ ولادت بمسجد شہادت

(سیرۃ الحلبیہ جلد ۱ ص ۱۰۳۔ ارجح المطالب ص ۳۸۸ وغیرہ)۔

چوتھی فعلی نص تعلم و تادیب جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امیر علیہ السلام کی تعلیم و تربیت اپنے خاص اہتمام سے اپنی زیر نگرانی فرمائی کیونکہ خلیفۂ رسول بننے کے لئے رسول کے زیر نگرانی بچپن سے تعلیم و تربیت ضروری ہے اسی لئے آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو ان کے والد جناب ابو طالب سے لے کر اپنے پاس اور اپنے گھر میں پرورش کیا۔ اس وقت جناب امیرؑ کی عمر مشکل سے تین چار سال کی تھی۔ اس بات کا بہر حال ذکر کیا ہے ابن حجر عسقلانی کی عبارت ملاحظہ ہو "وکان ربّاہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم من صغرہ لقصۃ مذکورۃ فی السیرۃ النبویۃ فلزمہ من صغرہ فلم یفارقہ الی ان مات" یعنی جناب رسول خدا نے حضرت علیؑ کی پرورش و تربیت ان کے بچپن ہی سے کی تھی جیسا کہ ابن ہشام کی سیرۃ النبیؐ میں مذکور ہے۔ پس علیؑ مرتضیٰ آنحضرتؐ کے ساتھ اپنے بچپن ہی سے رہے۔ اور آنحضرتؐ کی رحلت تک ان کے پاس سے جدا نہیں ہوئے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۸ و تلخیص تلخیص الخ)۔ آج امت کے علم النفس والتعلیم کے ماہرین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ جو عادات و خصائل بچپن میں حاصل ہو جاتے ہیں ان

نمونہ مشتے از خروارے و قطرہ از بحار ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

۱۔ وہ نصوص جن میں لفظِ امامت موجود ہے چنانچہ حاکم نیشاپوری مستدرک ج ۳ ص ۱۲۹ میں روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ "علی امام البررۃ و قاتل الکفرۃ منصور من نصرہ مخذول من خذلہ"۔ حضرت علیؑ نیک لوگوں کے امام، اور کافروں کے قاتل ہیں۔ جو شخص ان کی نصرت کرے گا، وہ خود مظفر و منصور ہوگا۔ اور جو

کا ذکر ہوتا ہے، اور جو جاری رہتا ہے۔ یہ آنحضرتؐ کی ہی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا کہ جو حقائق و نکات، وحدانیت، اسرار و صفات ذات الٰہیہ حضرت علیؑ پر منکشف ہوئے ان سے وہ لوگ قطعی بے بہرہ تھے، جو بچپن و جوانی میں بتوں کی پرستش کر چکے تھے اور کفر کے ماحول میں پلے تھے چنانچہ ان کے مشرکانہ جذبات کا شائبہ اسلام لانے کے بعد بھی باقی رہا۔ حضرت رسول خدا و جناب ابوبکر کا مکالمہ مشہور ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ کفر و شرک تم میں چیونٹی کی چال کی طرح پنہاں اور جاری ہے (لشرک فیکم اخفیٰ من دبیب النمل) (ملاحظہ ہو تفسیر در منثور ج ۲ ص ۵۰ کنزالعمال ج ۲ ص ۱۱۶)

پانچویں فعلی نص عقد مواخات مدینہ میں تشریف آوری کے بعد ابتداءً ہی آپؐ کی توجہ انتظام معاملات کی طرف منعطف ہوئی تنظیم معاملات میں پہلا کام جو آنحضرتؐ نے کیا وہ مسلمانوں میں عقد مواخات قائم کرنا تھا۔ آنحضرتؐ نے ہر ایک مسلمان کو ایک دوسرے کی حیثیت کا لحاظ اور ان کا درجہ و منزلت دیکھ کر بھائی بھائی بنایا، کی مثل میں ملا دیا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر و عمر کو بھائی بھائی بنایا، عبدالرحمٰن بن عوف اور عثمان کو بھائی بھائی بنایا۔ اور طلحہ و زبیر کو بھائی بھائی بنایا (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۱۲) اور حضرت امیرؑ کو "انت اخی فی الدنیا والآخرۃ" فرما کر اپنا بھائی بنایا۔

سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۲۳ مطبوعہ مصر میں ہے "و آخیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین اصحابہ من المہاجرین والانصار فقال فیما بلغنا ونعوذ باللہ ان نقول علیہ ما لم یقل تآخوا فی اللہ اخوین اخوین ثم اخذ بید علی بن ابی طالب فقال ہذا اخی فکان رسول اللہ سید المرسلین وامام المتقین و رسول رب العالمین الذی لیس لہ خطیر ولا نظیر من العباد وعلی بن ابی طالب اخوین"۔

یعنی جناب رسول خدا نے جماعت صحابہ میں مہاجرین و انصار کے مابین عقد مواخات قائم کیا، اور ارشاد فرمایا کہ خدا کا حکم واسطے کے ہیں تم سب درمیان صیغۂ اخوت قائم کرو، اور تم لوگ بھائی بھائی ہو جاؤ اس کے بعد آپؐ

جو شخص ان کی نصرت سے دستبردار ہو جائے گا وہ خود مخذول و مغلوب ہوگا۔"

ابن ابی الحدید نے در شرح نہج البلاغہ ج ۲ ص۴۵۰ بحوالہ ابی نعیم اصفہانی در حلیۃ الاولیاء انس ابن مالک

نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ یہ میرا بھائی ہے۔ پس رسول محمد جو کہ سید المرسلین، امام المتقین اور رحمۃ للعالمین تھے اور جن میں کوئی شخص ان کا ہم پلہ اور نظیر نہ تھا۔ اور حضرت علی ابن ابی طالب امام جن کی ہے رجس سے طاہر ہے کہ حضرت علی سوائے نبوت اور ان کے خصائص کے دوسرے تمام کمالات میں شبیہ و عدیل نبی ہیں۔ تفصیلات کے شائقین مندرجہ ذیل کتب کی طرف رجوع فرمائیں۔ تاریخ ابو الفداء ج ۱ ص۱۰۶ استیعاب ابن عبد البر ص۴۶۰ الریاض النضرہ ج۲ ص۱۶۸ ینابیع المودہ ج ۲ ص۵۴ کنز العمال ج۶ ص۳۹۰ حبیب السیر ج۱ جزو ۳ ص۱۲ صواعق محرقہ ص۷۳ باب ۹ فصل ۲ مستدرک حاکم ج ۳ ص۱۴ شرح مواہب لدنیہ قسطلانی ج ۱ ص۳۷۳ وغیرہ۔

چھٹی فصل نص سد الابواب

آنحضرت نے مدینہ میں جب مسجد تعمیر کرائی آپ کے ساتھ صحابہ نے بھی اپنے مکانات مسجد سے متصل بنائے اور ان کے دروازے مسجد کی طرف کھول دیئے نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ ہر حالت میں مسجد میں آنے جانے لگے جس سے مسجد کی حرمت میں فرق آنے لگا۔ پس پروردگار عالم نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ ان تمام صحابہ کے مکانوں کے دروازے سوائے در خانہ علی کے بند کر دو۔ آنحضرت نے اس حکم کی تعمیل کی۔ اس پر بعض صحابہ نے اعتراض کیا۔ آنحضرت منبر پر تشریف لے گئے۔ اور اعلان فرمایا کہ میں نے صحابہ کے دروازے بند کرائے اور علی کا دروازہ کھلا رکھا جو کچھ ہوا ہے۔ یہ خداوند عالم کے حکم سے ہوا ہے (قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم، ما انا سددت ابوابکم و فتحت ج ۱ ص۱۷۵ مسند احمد ج۴ ص۳۶۹ مستدرک حاکم ج ۳ ص۱۲۵ الریاض النضرہ ج ۲ ص۱۹۲ صواعق محرقہ ص۷۶ باب ۹ فصل ۲ کنز العمال ج ۶ ص۱۵۲ تفسیر در منثور ج ۶ ص۱۲۲ فتح الباری شرح بخاری ج ۷ ص۱۲ ینابیع المودہ ص۸۷ کا باب ۱۷ تذکرہ خواص الامہ ص۲۴ باب ۲ وغیرہ)۔ مگر ترکیبوں اور تدبیروں سے لوگوں نے خاندان نبوت سے حکومت کو نکالا ایک تدبیر وضع حدیث بھی ہے۔ یعنی جناب علی مرتضیٰ کی شان میں جو احادیث تھیں ان کے مقابلہ میں احادیث وضع کی گئیں تاکہ لوگوں کو مغالطہ پڑ جائے اور حضرت علی کے فضائل چھپ جائیں۔ ان میں ایک یہ حدیث سد الابواب بھی ہے چنانچہ اس کے مقابلہ میں جناب ابوبکر کے خوخہ (کھڑکی) والی حدیث وضع کی گئی۔ کہ پیغمبر اسلام نے سب کے دروازے بند کر دیئے سوائے ابوبکر کے خوخہ کے حالانکہ یہ روایت موضوع ہے۔ اس کے تمام راوی کذاب وضاع یا دشمن اہلبیت ہیں (بنظر اختصار ایک متعصب مزاج عالم اہلسنت کی تحریر پیش کی جاتی ہے) حافظ محمد علی حنفی اپنی کتاب السیرۃ العلویہ ج ۱ ص۸۶ پر لکھتے ہیں مگر بخاری کی

سے روایت کی ہے کہ ایک دن آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا کہ اول من یدخل علیک من هذا الباب امام المتقین و سید المسلمین و یعسوب الدین الخ (حلیۃ) الی، جو شخص سب سے پہلے اس دروازہ میں داخل ہوگا وہ متقیوں کا امام مسلمانوں کا سردار اور دین کا حاکم ہوگا: الخ

روایت مجروح معلوم ہوتی ہے اول اس لئے کہ اس میں تو بلا اضطراب ہے کہیں خوخہ کا لفظ آیا ہے اور کہیں باب کا اور دونوں کے معنی میں فرق ہے دوسرے اس لئے کہ بخاری کی ایک روایت ابو سعید خدری کی ہے جس میں فلیح سے روایت ہے جو حجت نہیں ہیں یحییٰ بن معین و ابو حاتم و ابو داؤد کا قول ہے کہ عاصم بن عبیداللہ و ابن عقیل وغیرہ حدیث میں احتجاج کے قابل نہیں ابو داؤد کہتے ہیں یہ کچھ نہیں نسائی کا قول ہے کہ ضعیف ہیں۔

(تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۰۳)

دوسری روایت بخاری کی ابن عباس کی ہے یہ بھی دیگر اکابر محدثین کے نزدیک پایۂ صحت سے ساقط ہے اس لئے کہ اس میں عکرمہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں اور وہ امام مالک وغیرہ کے نزدیک قابل اعتبار نہیں بلکہ ان پر ذہبی و بخاری وغیرہ کی جرح ہے۔ جیسا کہ عامۂ کتب رجال وغیرہ تاریخ ابن خلکان میں اس کی تفصیل ہے۔ اس کے علاوہ مسند وغیرہ میں اور غیر معتبر ہیں جبکہ حضرت علیؑ والی حدیث کے سب راوی صحیح صادق اور ثقہ ہیں۔ بہرکیف اس واقعہ سے کئی معنی خیز نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

(۱) حدیث ثقلین کی طرح اس واقعہ سے حضرت کا تمام اصحاب رسول اور تمام امت سے افضل ہونا ثابت ہوتا ہے۔

(۲) اس واقعہ سے حضرت علیؑ کا معصوم ہونا ثابت ہوتا ہے (الاعجوبة)

(۳) یہ تمام کارروائی ما ینطق عن الھویٰ کے مصداق نبی نے بحکم خدا فرمائی ہے۔

(۴) اس سے حضرت امیر علیہ السلام کی طہارت ثابت ہوتی ہے۔

ان تمام امور سے جناب امیرؑ کا استحقاق خلافت ظاہر ہے۔ جو افضل ہوگا وہی جانشین نبیؐ ہوگا بھلا وہ شخص جس کی بابت کا بھی اعتقاد نہیں کہ اس کا دروازہ خانۂ خدا کی طرف کھلا رکھا جائے وہ جناب رسول خداؐ کا جانشین کس طرح ہو سکتا ہے؟

ساتویں فعلی نص واقعۂ مباہلہ

جب کسی دلیل و بحث سے عیسائی نہ مانے تو آخری تدبیر خداوند تعالیٰ نے یہ بتائی کہ ان سے مباہلہ کرو۔ اس حکم کی تعمیل میں آنحضرتؐ اس طرح مباہلہ کے لئے نکلے کہ آگے آگے آپ تھے۔ (گود میں حسینؑ اور حسنؑ کی انگلی تھامے ہوئے) آپ کے

---

* خود حضرت ابن عباس کی روایت اس کے خلاف ہے۔ مزید تحقیق اس روایت کے متعلق کتب

کہتے ہیں کہ میں نے دل ہی دل میں کہا: اللھم اجعلہ رجلا من الانصار یا اللہ! اس شخص کو انصار
میں سے قرار دے۔ لیکن دعا مستجاب نہ ہوئی اور حضرت علیؑ آ گئے۔ حضرت رسولؐ اللہ نے پوچھا کہ اے
انس! کون آیا ہے؟ میں نے عرض کی علیؑ ہیں۔ آنحضرتؐ نہایت شاداں و فرحاں ہو کر اٹھے اور حضرت

پیچھے فاطمہ زہراؑ اور ان کے پیچھے حضرت علی مرتضیٰ علیہم السلام جب عیسائیوں نے ان کے چہرے دیکھے تو
ان کی عظمت و جلالت سے مرعوب ہو کر مباہلہ نہ کیا اور جزیہ دے کر صلح کر لی۔ یہ واقعہ سنہ ۹ھ کا ہے۔ یہ واقعہ
ان مسلمات تاریخیہ میں سے ہے کہ اس سے کبھی ایک مورخ، محدث، مفسر نے انکار نہیں کیا۔ اور نہ ہی حکومت کے
علماء اس کے بالمقابل اپنے ارکان حکومت کے لئے کوئی واقعہ وضع کر سکے۔ کیونکہ واقعات وضع نہیں ہو سکتے اور نہ ہی
اس میں کچھ نکتہ چینی کر سکے۔ تصدیق و تائید کے لئے ملاحظہ ہو: صحیح مسلم جز۲ ص۲۷۸ باب فضائل علیؑ، صواعق
محرقہ ص۹۳ باب الفضل ۲، مدارج النبوۃ ج۲ ص۵۰۰، الریاض النضرۃ ج۲ ص۲۴۸، مستدرک حاکم ج۳ ص۱۵۰، روضۃ
الاحباب ص۲۲۸، کفایۃ الطالب ص۱۴۱ وغیرہ۔ اس واقعہ سے مندرجہ ذیل فوائد مرتب ہوتے ہیں۔

(۱) یہ واقعہ تشریح ہے اس دعا کی مقبولیت کی جو جناب رسول خداؐ نے [illegible] دعوت میں کی تھی کہ علیؑ سے
آپ کا بازو مضبوط کرے۔ اور ان کو آپ کا خلیفہ مقرر کرے۔

(۲) اشتراک علیؑ کار نبوت میں شرکت کا مفہوم کیا ہے۔

(۳) افضل کی موجودگی میں مفضول کو منتخب کرنا سنت الٰہی کے خلاف ہے۔

(۴) کار نبوت میں اہل بیتؑ شریک رہے ہیں۔

(۵) حضرت امیرؑ تمام صحابہ بلکہ پیغمبر کے بعد تمام کائنات سے افضل ہیں۔ چنانچہ علامہ زمخشری نے آیت
مباہلہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے: وفیہ دلیل لا شیء اقوی منہ علی فضل اصحاب الکساء علیہم السلام
اس میں آل عباؑ کے لئے ثبوت قوی دلیل ہے ان کی فضیلت کی۔ اور یہ بات مسلمہ ہے جیسی کہ افضل کی موجودگی
میں مفضول خلیفہ رسولؐ نہیں ہو سکتا۔ لہذا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت علیؑ ہی خلافت کے مستحق تھے جن کو خدا و رسولؐ
نے اس موقع کے لئے منتخب (!) کیا تھا۔

آٹھویں فصل قصۂ جیش اسامہؓ

آغاز سنہ ۱۱ھ میں آنحضرتؐ نے تین ہزار مہاجرین و انصار کا لشکر زیر سرداری اسامہ بن زید بن حارثہ شام کی طرف روانہ فرمایا کہ وہ حارث بن عمیر کی موت
کا بدلہ لیں جو حدود شام کے اندر بمقام موتہ شرجیل بن عمرو غسانی کے حکم سے قتل کر دیئے گئے تھے۔ اس لشکر
میں حضرت ابوبکر و عمر بھی زید بن حارثہ کی ماتحتی میں تھے لیکن حضرت علیؑ اس لشکر میں نہ تھے۔ آنحضرتؐ کا حکم تھا کہ

علیؓ کے گلوگیر ہو گئے اور آپ کی پیشانی سے پسینہ پونچھنا شروع کیا حضرت علیؓ نے عرض کی یا رسول اللہ آپ میرے ساتھ کچھ ایسا سلوک کر رہے ہیں جو اس سے پہلے کبھی نہیں کیا؟ فرمایا میں کیوں ایسا نہ کروں حالانکہ انت تودی عنی و تسمعھم صوتی و تبین لھم ما اختلفوا بعدی ۔ تم ہی وہ شخص ہو

اگر زید بن حارثہ قتل ہو جائیں تو امیر لشکر جعفر ابن ابی طالب ہوں گے اگر وہ بھی قتل ہو جائیں تو پھر لشکر کی سرداری عبداللہ بن رواحہ کریں گے مسلمانوں کا لشکر چلا ۔ ادھر سے قیصر روم یعنی ہرقل کا لشکر آیا ۔ دونوں کا مقابلہ بمقام موتہ ہوا ۔ آنحضرتؐ کے مقرر کردہ سردار یکے بعد دیگرے میدان جنگ میں کام آئے پھر لشکر نے یہ سرداری ثابت بن ارقم کے سپرد کی ۔ انہوں نے علم لے لیا مگر کہا میں اس کی صلاحیت نہیں اس پر خالد بن ولید نے علم لے لیا ۔ ان کو کسی نے امیر بنایا نہیں تھا (روضۃ الاحباب ج ۲ ص) جب خالد نے بھی رنگ بگڑتا ہوا دیکھا تو لشکر سے مشورہ کیا حضرت عمرؓ نے صلاح دی کہ جان بچا کر بھاگ جانا مناسب ہے یہاں تو سوائے موت کے کچھ نظر نہیں آتا چنانچہ یہ لشکر شکست اور پسپائی کے ساتھ واپس ہوا ۔ اس لشکر کی مدینہ واپسی کا نقشہ شبلی نعمانی نے ان الفاظ میں کھینچا ہے "جب یہ ہزیمت خوردہ فوج مدینہ کے قریب پہنچی اور اہل شہر استقبال کو نکلے تو لوگ شرمساری کی بجائے ان کے چہروں پر خاک ڈالتے تھے کہ او فرارو! تم خدا کی راہ سے بھاگ آئے" (سیرۃ النبی ج ۱ ص) اس شکست کے بعد فتح مکہ ہوئی ۔ حرم کعبہ سے بت نکالے گئے ۔ غزوہ حنین ہوا ۔ محاصرہ طائف ہوا ۔ نصارائے نجران سے معاہدہ ہوا ۔ چاروں طرف وفود بھیجے گئے یمن ۔ بحرین اور شام میں اشاعت اسلام ہوئی ۔ حجۃ الوداع ہوا ۔ غدیر خم کا خطبہ پڑھا گیا ۔ اپنے جانشین کا اعلان فرما دیا اپنی رحلت کی اطلاع دی مگر جنگ موتہ کی شکست کا بدلہ لینے کا کوئی انتظام نہ کیا ۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس مہم کو ایک خاص وقت کے لئے ایک خاص مقصد کے ماتحت ملتوی کر دیا تھا ۔ یہ امر واقعہ ہے کہ آنحضرتؐ کے اصحاب میں ایک ایسی جماعت موجود تھی جو حضرت علیؓ کی طرف حکومت کے جانے کو پسند نہیں کرتی تھی ۔ اس جماعت نے منافقین کو بھی اپنے ساتھ ملا کر ایک بھاری اکثریت بنا رکھی تھی ۔ ان لوگوں کے عزائم کسی طرح آنحضرتؐ پر مخفی نہیں رہ سکتے تھے ۔ حق مقصد پہنچ سکے سے بہ تمام پایا کہ مرض الموت سے صرف ایک دن پہلے جیش اسامہ مرتب فرمایا اور اس ہی تمام اصحاب کو بجز حضرت علیؓ کے اس لشکر میں شامل ہونے کا حکم دیا تھا تاکہ زید کی موت اور شکست موتہ کا بدلہ بھی ہو جائے ۔ اور رحلت کے بعد حضرت علیؓ کے مخالف مدینہ میں موجود نہ ہوں تاکہ وہ اپنے منصوبوں کو عمل میں نہ لا سکیں ۔ اور اس طرح امت کو بغیر رکاوٹ صراط مستقیم پر چلانے والا ہادی مل جائے مگر وہ لوگ تو پہلے ہی اس وقت کی امید میں بیٹھے تھے وہ کیونکر مدینہ چھوڑ سکتے تھے ۔ آنحضرتؐ کا بار بار تاکید

غیر حجاد رہو۔ اور ان کی تصدیق کرو۔ بہ تحقیق کہ جبرئیل امین نے مجھے اس امر کی خبر دی ہے۔
ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جن لوگوں نے آپ کی متابعت و اقتدا کی۔ وہی برد و
متقین، مرسلین و مومنین ہیں اور جنہوں نے آپ کی مخالفت و نافرمانی کو اپنا شیوہ قرار دیا اور بجائے
انہیں اپنا حاکم و امام تسلیم کرنے کے الٹا ان کو محکوم و ماموم بنانے کی ناروا کوشش کی وہ مذکورہ
بالا طبقات سے خارج ہیں۔

دفع توہم

کہا جاتا ہے کہ ان احادیث میں امامت سے مراد امامت فی الفتاویٰ ہے یعنی
مسائل شرعیہ بتلانے میں آپ امام تھے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا۔
کہ وہ علی الاطلاق امام و رئیس ہوں۔ یہ توہم بالکل فاسد ہے کیونکہ لفظ امام سے امامت مطلقہ
کا تبادر ہوتا ہے۔ جو کہ ریاست کبریٰ کے مترادف و ہم معنی ہے خصوصاً جب اس
کے ساتھ کچھ قرائن بھی موجود ہوں۔ جو اس عمومی معنی پر دلالت کرتے ہوں۔ جیسا کہ ان احادیث
میں موجود ہیں اس لفظ سے فقط امامت فی الفتویٰ مراد لینا خلاف ظاہر ہے۔ جس کا بغیر
دلیل قطعی ارتکاب نہیں کیا جا سکتا۔ باقی رہا فقہا و علما پر اس لفظ "امام" کا اطلاق تو واضح ہے کہ یہ
بعد کی اصطلاح ہے صدور احادیث کے زمانہ میں اس اصطلاح جدید کا کہیں نام و نشان
بھی نہ تھا۔ لہٰذا اس لفظ کو کیسے اس معنیٰ پر حمل کیا جا سکتا ہے۔ علاوہ بریں یہ شبہ خلافت و امامت
کے درمیان علیحدگی پر مبنی ہے۔ حالانکہ اس کا بطلان واضح ہے۔ جو شخص آنحضرتؐ کے
وقت امام فی الفتویٰ یعنی مبین اسرار شریعت ہو گا۔ وہی رئیس کل بھی ہو گا۔ کما
لا یخفی۔

وہ نصوص جن میں لفظ امارت موجود ہے

امام احمد حنبل اپنی مسند میں

الست اخا رسول الله وصیه و وارثه ... واعلم قومی بالکتاب والسنۃ

لہ امیر المومنینؑ کیا آپ ہی آنحضرتؐ کے شریکِ ہدایت اور ان کے وصی نہیں؟ اور تمام امت سے بڑھ کر احکامِ قرآن و سنت کے سب سے زیادہ واقف کار نہیں ہیں؟ (ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۔ و ذخائر العقبیٰ صفحہ ۔)

ظاہر ہے کہ جب کسی کو علی الاطلاق وصی قرار دیا جائے، تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ ان تمام امور میں وصیت کرنے والے کا قائم مقام ہوگا جو اس کی زندگی میں اس کے متعلق تھے۔ بنابریں وصی نبی کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ شخص ان سب امور (از قسم امر و نہی و بیانِ شریعت و حفاظتِ حوزۂ اسلام وغیرہ) میں آنحضرتؐ کا قائم مقام ہوگا۔ جو آپ کی ذات والاصفات سے وابستہ تھے جب خود رسولؐ حضرت علی علیہ السلام ان کے وصی ہیں تو آپ ہی تنفیذ احکام و بیان مسائل حلال و حرام اور سیاست امت خیر الانام میں آنحضرتؐ کے تمام مقام ہوں گے۔ خلافت و امامت کے یہی معنی ہیں۔ کما تقدم مرارا واضح و لائح ہو گیا کہ آنجنابؑ ہی خلیفہ بلا فصل حضرت سید الانام صلعم ہیں۔ والحمد للہ رب العالمین

(۱) وہ نصوص جن میں لفظ خلافت وارد ہے

یہاں صاحب النائسہ نے شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید اور تاریخ طبری جلد ۲ سے دعوت ذوالعشیرہ کا واقعہ نقل کیا ہے جس کی تفصیل اس کے بعد باب ششم کے ضمن میں آ رہی ہے نشم

اس واقعہ میں یہ موجود ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا جو شخص اس امر نبوت میں میرا ہاتھ بٹائے گا، وہی میرا بھائی، وصی اور خلیفہ ہوگا۔ سوائے حضرت امیر المومنینؑ کے اور کسی شخص نے لبیک نہ کہی۔ کئی مرتبہ آنحضرتؐ نے اس اعلان کی تکرار فرمائی اور ہر بار حضرت امیر علیہ السلام اٹھ کر لبیک کہتے رہے۔ بالآخر آنحضرتؐ نے آنجنابؑ کی پشت مبارک پر ہاتھ رکھ کر حاضرین سے فرمایا،

سلہ سبط ابن جوزی تذکرہ صفحہ طبع ایران پر کتاب فضائل احمد بن حنبل سے باسناد صحیح انس سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے سلمان سے کہا کہ آنحضرتؐ سے آپ کے وصی و جانشین کے متعلق سوال کریں۔ چنانچہ انہوں نے سوال کیا۔ فرمایا موسیٰ ابن عمران کا وصی کون تھا؟ عرض کیا یوشع بن نون۔ فرمایا۔ ان وصیی و وارثی و منجز وعدی علی ابن ابی طالب میرا وصی و وارث اور میرے وعدوں کو پورا کرنے والا علیؑ بن ابی طالب ہے۔ ذکرہ ایضا فی الریاض النضرہ ج ۲ صفحہ ۱۷۸ (منہ عفی عنہ)

علیہ وآلہ وسلم نے جناب امیر علیہ السلام سے فرمایا: انت یعسوب المؤمنین (اس حدیث کا ابتدائی حصہ
سابقاً نصوص امارت کے ذیل میں ذکر ہو چکا ہے، اس کا آخری حصہ یہ ہے (لی من قبل) وانت اخی ووزیری
اور تم ہی میرے بھائی اور وزیر ہو۔ اس کے ذیل میں ابن ابی الحدید رقمطراز ہیں: ویدل علی انہ وزیر
رسول اللہ من نص الکتاب والسنۃ قول اللہ تعالی واجعل لی وزیرا من اھلی ھارون اخی
اشدد بہ ازری واشرکہ فی امری وقال النبی فی الخبر المجمع علی روایتہ بین فرق الاسلام انت
منی بمنزلۃ ھارون من موسی الا انہ لا نبی بعدی فاثبت لہ جمیع مراتب ھارون ومنازلہ
من موسی فاذن ھو وزیر رسول اللہ وشاد ازرہ ولولا انہ خاتم النبیین لکان شریکا فی
امرہ) یعنی نصوص کتاب وسنت دلالت کرتی ہیں کہ حضرت علیؑ رسولؐ خدا کے وزیر ہیں۔ ارشاد خداوند
عالم ہے جو خلاق عالم نے حضرت موسیٰؑ سے حکایت کیا ہے: بار الہا! میرے لئے میرے اہل بیتؑ
میں سے میرے بھائی ہارونؑ کو میرا وزیر قرار دے اور ان کے ذریعے میری کمر کو محکم کر۔ اور ان کو میرے
امر نبوت میں شریک قرار دے۔ آنحضرتؐ کی متفق علیہ حدیث شریف ہے جس کی صحت پر تمام فرق
اسلام کا اجماع ہے۔ فرمایا اے علیؑ! تم مجھ سے وہی نسبت رکھتے ہو، جو حضرت ہارونؑ کی حضرت موسیٰؑ
سے تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ آنحضرتؐ نے اس حدیث میں آنجنابؑ کے لئے حضرت ہارونؑ
کے ان تمام مراتب ومنازل کا اثبات فرمایا ہے جو انہیں حضرت موسیٰؑ سے حاصل تھیں۔ لہذا اب وہ حضرت
رسولؐ خدا کے وزیر اور ان کے پشت پناہ ہیں اور اگر آنحضرتؐ خاتم النبیین نہ ہوتے تو البتہ حضرت علیؑ امر
نبوت میں بھی ان کے شریک کار ہوتے۔ جب حضرت علی علیہ السلام کی وزارت ثابت ہو گئی تو اس
سے آپ کی خلافت بھی ثابت ہو گئی کیونکہ وزیر مددگار کو کہتے ہیں۔ جب حضرت علیؑ اظہار دعوت اسلام
اور ترویج احکام نبوت میں حضرت سید الانام کے شریک کار ومددگار ہیں تو ان کی حیات وممات میں
ان کے خلیفہ وجانشین بھی یہی ہوں گے۔ علاوہ بریں جب آنحضرتؐ نے بجز مرتبۂ نبوت کے باقی سب
مراتب ہارونیہ کو آپ کے لئے ثابت فرمایا ہے تو اس سے بھی آنجنابؑ کی خلافت بخوبی ثابت ہوتی
ہے۔ کیونکہ بنص قرآن منجملہ منازل ہارونؑ کے ایک منزلت خلافت بھی تھی۔ وقال موسی لاخیہ
ھارون اخلفنی فی قومی۔ جب آنحضرتؐ نے اس کا استثنا نہیں فرمایا تو یہ حضرت امیر علیہ
السلام کے لئے ثابت ہوگی۔ وھذا ظاھر کالنور فوق شاھق الطود۔

(۹) وہ نصوص جن میں لفظ اطاعت موجود ہے

جیسا اوپر بذیل نصوص خلافت دعوت ذوالعشیرہ والی حدیث شریف میں بیان ہو چکا ہے کہ

کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کے متعلق فرمایا: "اسمعوا لہ واطیعوا" ان کی بات سنو اور ان کی فرمانبرداری کرو۔ بہت سی احادیث میں وارد ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا "من احبہ فقد احبنی ومن اطاعہ فقد اطاعنی" جس شخص نے آپؑ سے محبت کی گویا اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان کی اطاعت کی گویا اس نے میری اطاعت کی جب حضرت علیؑ کی اطاعت مثل اطاعتِ رسولؐ خدا ہے تو ضروری ہے کہ آپ ہی خلیفۂ نبی ہوں۔ کیونکہ جس کی اطاعت بالاصالہ مثل اطاعتِ خدا ہوتی ہے، وہ نبی ہی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے۔ "ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ" جس نے رسولؐ کی اطاعت کی۔ گویا اس نے خدا کی اطاعت کی لیکن چونکہ ہمارے نبی کے بعد نبوت تو ختم ہے لہٰذا لامحالہ خلافت باقی رہ جائے گی۔ علاوہ بریں ان احادیث میں آنجنابؑ کی اطاعت مطلقہ واجب قرار دی گئی ہے اور مکرر ثابت کیا جا چکا ہے۔ کہ اطاعتِ مطلقہ بجز خدا و رسولؐ اور امامؑ کے اور کسی کی جائز نہیں کیونکہ وجوب اطاعت مطلقہ مستلزم عصمت ہے۔ اور سوائے آنجنابؑ باقی تمام مدعیان خلافت و امامت میں چونکہ عصمت مفقود ہے لہٰذا وہ خلیفہ نہیں ہو سکتے ہٰذا آپ ہی امام مفترض الطاعۃ ہوں گے۔ وہو المطلوب۔

(۷) وہ نصوص جن میں آنجنابؑ کا مثیل و عدیل آنحضرتؐ ہونا وارد ہے

قرآن و حدیث میں کثرت ایسے نصوص موجود ہیں جن سے حضرت امیر علیہ السلام کا مرتبۂ نبوت اور اس کے خصائص سے علاوہ دیگر فضائل و محامد میں مثیلِ رسولؐ ہونا سمجھا جاتا ہے۔ قرآن مجید کی مشہور آیۂ مباہلہ اس مطلب کے اثبات کے لیے کافی ہے کیونکہ آپ بموجب نص "انفسنا وانفسکم" نفسِ رسولؐ ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ اس سے مراد اتحاد شخصی نہیں۔ بلکہ اتحاد فی الفضائل والمحامد ہے جب آپؑ مثلِ رسولؐ ہیں تو ضروری ہے کہ آپ ہی آنحضرتؐ کے بعد ان کے خلیفہ و جانشین ہوں اس آیۂ وافی ہدایہ کی تفصیل ہمارے سابقہ بیانات میں گزر چکی ہے ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ ج ۲ ص ۴۵۰ کذا فی استیعاب ابن عبد البر ج ۲ حالات امیر المومنینؑ میں بحوالہ مسند احمد حنبل روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسولؐ خدا نے بنی ولیعہ سے فرمایا کہ "لتنتہین یا بنی ولیعۃ او لابعثن الیکم رجلا کنفسی یمضی فیکم امری یقتل المقاتلۃ ویسبی الذریۃ" اے بنی ولیعہ! (تم بھی شرارت سے باز آجاؤ) ورنہ میں تمہاری طرف ایک ایسے آدمی کو بھیجوں گا۔ جو بمنزلہ میرے نفس کے ہے وہ تم میں میرے امر کو نافذ کرے گا وہ تمہارے مردوں کو قتل کرے گا اور تمہارے بچوں کو قید کرے گا۔ ابوذر بیان کرتے ہیں کہ اس اثناء میں حضرت عمرؓ نے میرے

کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ تمہارا کیا خیال ہے۔ آنحضرت کس شخص کو مراد لے رہے ہیں میں نے کہا تمہیں مراد نہیں لے رہے بلکہ آنجناب کی اس سے مراد خاصف النعل یعنی حضرت علی ہیں۔ جو اس وقت آنحضرت کی نعلین مبارک کو پیوند لگانے میں مشغول تھے۔ اس طرح آنحضرت نے بنی ثقیف کے وفد سے فرمایا "لتنتہن او لابعثن علیکم رجلاً منی او قال مثل نفسی" الخ یعنی اسلام لاؤ ورنہ میں تمہاری سرکوبی کے لئے ایک ایسے آدمی کو بھیجوں گا جو مجھ سے ہے یا یوں فرمایا جو میرے نفس کے برابر ہے وہ تمہاری گردنیں اڑا دے گا۔ تمہاری عورتوں اور بچوں کو قید کرے گا اور تمہارے مال چھین لے گا۔ عمر کہتے ہیں کہ میں نے سوائے اس دن کے کبھی امیر بننے کی تمنا نہیں کی ہاں اُس دن میں اکڑ اکڑ کر اپنے آپ کو پیش کرتا تھا محض اس امید میں کہ شاید آنحضرت متوجہ ہو جائیں۔ لیکن آنحضرت نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر دو مرتبہ فرمایا "ہو ہذا" کہ وہ شخص یہ ہے اسی طرح آنحضرت کی مشہور حدیث کہ "انا منی و انا من علی" بھی اسی مطلب کی تائید مزید کرتی ہے۔ جب ان احادیث سے جناب امیر کی آنحضرت سے مماثلت واضح ہو گئی تو اس سے آپ کی خلافت مطلقہ بھی ثابت ہو گئی کیونکہ خلیفہ کو چاہیئے کہ اپنے مستخلف کے کمالات کا آئینہ دار ہو۔

بھلا نفس رسول کے ہوتے ہوئے کیونکر کوئی اور شخص آپ کا خلیفہ و جانشین قرار پا سکتا ہے؟

لہ کتاب سیر و تواریخ پر نظر رکھنے والے اشخاص حضرت عمر کے اس قول کی تصدیق نہیں کر سکتے کیونکہ کتب تواریخ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر ایسے مواقع کی تاک میں رہتے تھے اور ایسے مقامات پر لوگوں امارت و سرداری کی تمنا کیا کرتے تھے جیسے مسلم میں شریح نووی ج ۲ صفحہ سے باسناد ابو ہریرہ نقل کیا ہے جب جنگ خیبر میں حضرت ابو بکر و عمر خائب و خاسر ہو کر واپس آئے تو آنحضرت نے فرمایا لاعطین الرایۃ غداً رجلاً یحب اللہ و رسولہ الخ حضرت عمر کہتے ہیں کہ ما احببت الامارۃ الا یومئذ فتساورت لہا رجاء ان ادعیٰ لہا قال فدعا رسول اللہ علی بن ابی طالب فاعطاہ ایاہا یعنی میں نے کبھی امارت کی تمنا نہیں کی تھی۔ مگر اس دن میں صبح سویرے آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا کہ شاید آپ مجھے علم عطا فرما دیں لیکن آپ نے حضرت علی کو بلا کر جھنڈا ان کے حوالے کر دیا مرزا رفیع نے حملہ حیدریہ میں کیا خوب کہا ہے: عجب رو گرایں آرزو سے عمر ٭ مگر خیر فرار سر شنیدہ بود؟ الی خیبر ذلک من الوقائع ہے۔ دیدہ مگر قسمت نے کبھی یاوری نہ کی کہ ایسے شرف سے مشرف ہوتے سچ ہے کہ: ایں سعادت بزور بازو نیست ٭ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ (منہ علی عنہ)

(۸) وہ نصوص جن میں لفظِ تمسک وارد ہے

ابن ابی الحدید نے (شرح نہج البلاغہ ج ۲ ص ۴۴۹) باسنادِ خود لفظ ابی نعیم در حلیۃ الاولیاء و امام احمد ابن حنبل در مسند و فضائل روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا "من سرہ ان یحیٰ حیاتی و یموت میتتی و یتمسک بالقضیب من الیاقوتۃ التی خلقھا اللہ بیدہ، ثم قال لھا کونی فکانت فلیتمسک بولاء علی ابن ابی طالب" جس شخص کو یہ پسند ہے کہ میری سی زندگی بسر کرے اور میری ایسی موت مرے اور اس (جنتی) یاقوت کی ٹہنی کو پکڑے جسے خداوند عالم نے اپنے دستِ قدرت سے خلق فرمایا ہے تو اسے لازم ہے کہ علیؑ ابن ابی طالبؑ کی ولایت سے متمسک ہو۔ حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۸۶ طبع مصر کنز العمال، مستدرک حاکم میں باختلاف یسیر آنحضرتؐ کی یہ حدیث یوں مروی ہے "من سرہ ان یحیٰ حیاتی و یموت مماتی و یسکن جنۃ عدن التی غرسھا ربی فلیوال علیاً من بعدی فانہ لن یخرجکم من ہدی ولن یدخلکم فی الضلالۃ" جس شخص کو یہ پسند ہے کہ میری ایسی زندگی بسر کرے اور میری ایسی موت مرے اور باغِ عدن میں سکونت اختیار کرے جس کو میرے پروردگار عالم نے لگایا ہے تو وہ میرے بعد حضرت علیؑ کو اپنا والی و حاکم قرار دے کیونکہ وہ تمہیں کبھی رشد و ہدایت سے نہیں نکالیں گے اور نہ کبھی ضلالت و گمراہی میں داخل کریں گے۔ (کذا فی تذکرۃ خواص الامۃ ص ۲۳)

اسی طرح حدیث شریف ثقلین بھی اس مطلب پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اس میں عترتِ رسولؐ سے تمسک کو واجب و لازم قرار دیا گیا ہے۔ اور واضح ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ بھی عترت و اہل بیتِ رسولؐ میں داخل ہیں۔ بلکہ سید العترۃ ہیں۔ اگر شک ہو تو صواعق محرقہ ص ۹ پر حضرت ابوبکر کا یہ قول ملاحظہ فرمائیں کہ "علی عترت رسول اللہ"

یہ احادیث نہایت وضاحت و صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں کہ آنحضرتؐ کے بعد حضرت علیؑ ہی امام مفترض الطاعۃ و واجب التمسک ہیں۔ کیونکہ اگر کسی اور شخص کا اتباع خلیفہ ہونے کی حیثیت سے ضروری ہو تو پھر ان حضرات سے تمسک کرنے کے کوئی معنی نہیں و ذلک اوضح من ان یخفیٰ۔

(۹) وہ نصوص جن میں لفظِ ولایت موجود ہے

اس مقام پر مؤلف علام نے آیہ مبارکہ "انما ولیکم اللہ الخ" اور حدیث شریف "من کنت مولاہ" الخ وغیرہ پیش فرمائی ہیں۔ لیکن چونکہ ہم سابقہ بیانات میں ان پر تفصیل تبصرہ کر چکے ہیں اس

لئے یہاں تکرار سے پہلو تہی اختیار کی جاتی ہے۔

(۱۰) وہ نصوص جن میں لفظِ منزلت موجود ہے

اس عنوان کے ذیل میں مؤلف نے حدیث منزلت یعنی "یا علی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی" کو شرح و بسط کے ساتھ پیش کیا ہے لیکن چونکہ اس کا تفصیلی بیان بھی اوپر ذکر ہو چکا ہے لہٰذا یہاں اس پر مزید خامہ فرسائی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۱۱) وہ نصوص جن میں لفظِ وراثت وارد ہے

ان نصوص کے ضمن میں جن میں لفظِ خلیفہ موجود ہے دعوت ذوالعشیرہ والی حدیث بحوالہ جات نقل کی جا چکی ہے جس میں لفظ وصی و خلیفہ اور امام موجود ہیں لیکن اس کے بعض طرق میں لفظ وارث کا بھی اضافہ ہے جیسا کہ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ ج ۳ ص ۲۵۵ پر بحوالہ تاریخ محمد ابن جریر طبری لکھا ہے نیز ابن ابی الحدید نے بحوالہ مسند احمد ابن حنبل از امام جعفر صادق علیہ السلام نقل کیا ہے کہ "کان علی یری مع رسول اللہ قبل الرسالۃ الضوء و یسمع الصوت وقال لہ صلعم لو لا انی خاتم الانبیاء لکنت نبیا فان لا تکن نبیا فانک وصی نبی و وارثہ بل انت سید الاوصیاء و امام الاتقیاء" (حضرت علی علیہ السلام حضرت رسول کے مبعوث برسالت ہونے سے پیشتر آپ کے ساتھ روشنی (نورِ نبوت) دیکھتے تھے اور فرشتہ کی آواز کو سنتے تھے۔ لہٰذا آنحضرت نے فرمایا اگر میں خاتم الانبیاء نہ ہوتا تو تم ضرور نبی ہوتے اب اگر تم نبی نہیں تو وصی و وارث نبی تو ضرور ہو بلکہ تم سید الاوصیاء و امام الاتقیاء ہو) حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے جیسا کہ نہج البلاغہ ج ۲ ص ۱۸۲ پر مذکور ہیں "اری نور الوحی والرسالۃ واشم ریح النبوۃ ... فقال انک تسمع ما اسمع وتری ما اری الا انک لست بنبی ولکنک وزیر" ان احادیث مبارکہ کی دلالت آنجناب کی خلافت و امامت پر ایسی واضح ہے کہ محتاج بیان نہیں ہے۔

ازالۂ اشتباہ

کہا جاتا ہے (کما عن ابن ابی الحدید وغیرہ) کہ ممکن ہے کہ ان احادیث میں وراثت سے مراد وراثت مال یا وراثت علم ہو نہ خلافت و امامت۔ واضح ہو کہ اس سے وراثت مال مراد لینا بدو وجہ باطل ہے

اولاً

اس لئے کہ اہل سنت کے خلیفہ اول کا قول ہے کہ آنحضرت نے فرمایا: نحن معاشر الانبیاء لا نورث الخ یعنی ہم گروہ انبیاء نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں اور نہ کوئی ہمارا

وارث ہوتا ہے اسے سب اہل سنت صحیح تسلیم کرتے ہیں بنابریں وہ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ حضرت امیرؑ آپ کے مال وارث تھے" ان ھذا لاتی قعں صحیح"

ثانیاً اس لئے کہ آنحضرتؐ کے بعد آپ کے چچا حضرت عباس اور آپ کی دختر نیک اختر حضرت صدیقہ کبریٰ سلام اللہ علیہا موجود تھیں اہل سنت کے اصول وراثت کے مطابق چچا کی موجودگی میں چچازاد بھائی کو کچھ نہیں ملتا بنابریں تو چاہئے کہ حضرت عباس اور آدھا ترکہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو ملنا چاہئے۔ اور ہمارے نزدیک سوتیلا چچا سگے بھتیجے کو مانع نہیں ہوتا لیکن اولاد کی موجودگی میں خواہ لڑکے ہوں اور خواہ لڑکیاں کسی دوسرے رشتہ دار کو کچھ نہیں ملتا لہذا جب حضرت سیدہ عالم موجود تھیں تو حضرت امیر علیہ السلام کس طرح وارث قرار پا سکتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ رسول خدا جو ان کو اپنا وارث قرار دے رہے ہیں۔ اننا پڑے گا کہ یہ وراثت وراثتِ مال نہیں بلکہ یہ مراتب و منصبوں کی وراثت ہے۔ مرتبہ نبوت دلیل خارج کی بناء پر اس سے خارج ہے لیکن دوسرے تمام مراتب اس کے عموم میں داخل ہیں اور اس سے وراثت علمی مراد لینا بھی بدو وجہ فاسد ہے۔

اوّلاً اس لئے کہ لفظ وراثت مطلق ہے جو تمام مراتب کی وراثت کو شامل ہے اس کو وراثت علمی سے مقید کرنا بغیر کسی قطعی دلیل کے جائز نہیں (کما لا یخفی علی من لہ ادنی اطلاع علی علم الاصول و ذہن فلیس)

ثانیاً اس لئے کہ اگر اس سے وراثت علمی بھی مراد لی جائے تو تب بھی ہمارے مطلب کو کچھ نقصان نہیں پہنچتا کیونکہ واضح ہے کہ جو شخص وارث علم نبی ہوگا وہی اعلم و افضل ہونے کے سبب سے خلیفہ و امام قرار پائے گا۔" ولان تفضیل المفضول علی الفضل قبیح عقلاً و شرعاً (؟)

ابن ابی الحدید سے بحوالہ تفسیر ثعلبی منقول ہے

(۱۲) **وہ نصوص جن میں لفظ اخوّت و ولایت موجود ہے** اس ہے کہ جب جنگ حنین سے واپسی پر سورہ مبارکہ " اذا جاء نصر اللہ " نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے بکثرت "سبحان اللہ استغفر اللہ" پڑھنا پھر فرمایا اے علی یقیناً جس چیز (فتح و فیروزی) کا مجھ سے وعدہ کیا گیا تھا وہ آگئی اور لوگ فوج در فوج دین خدا میں داخل ہو رہے ہیں اور بے شک میرے قائم مقام ہونے کے لئے تم سے زیادہ کوئی حق دار نہیں۔ تمہاری سبقت اسلامی مجھ سے قرابت قریبہ رکھنے میرا داماد ہونے اور تمہارے پاس سیدۃ نساء العالمین کے ہونے کی وجہ سے اور بسبب اس کے پہلے وقت نزول قرآن جو احسان ابوطالب کا میرے اوپر ہے وہ ناقابل فراموش ہے اس لئے میں اس امر کا خواہاں ہوں کہ ان کے بیٹے (یعنی حضرت علی

علیہ السلام ؑ کو اپنا خلیفہ بنا کر جناب ابو طالب کے حقوق کی رعایت کریں۔ اصل الفاظ روایت یہ ہیں:

"وانہ لیس احد احق منک بمقامی لقدمک فی الاسلام وقربک منی وصہرک وعندک سیدۃ نساء العالمین وقبل ذلک ما کان من بلاء ابی طالب عندی حین نزل القرآن وانا حریص ان اراعی ذلک فی ولدہ" یہ حدیث شریف حضرت امیر المومنین ؑ کے احق بالخلافۃ ہونے پر بطور نص صریح دلالت کرتی ہے۔ نیز اس حدیث شریف سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آنجناب کو یہ احقیت مذکورہ بالا خصائص حمیدہ رکھنے کے سبب سے حاصل ہوئی ہے جن کی وجہ سے آپ افضل قرار پائے ہیں۔ اس سے بعض بزرگوں کے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ افضل ہی کو امام ہونا چاہیئے۔ (کما تقدم تفصیلہ) نیز وہ احادیث جو کہ امام حضرت امیر علیہ السلام کے صاحب امر بعد محمد ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور مسند و کتاب فضائل امام احمد وغیرہ میں مروی ہیں ان سے بھی آنجناب کی حقیت بالخلافت ظاہر ہوتی ہے۔ سرجع

(۱) وہ نصوص جن میں لفظ اختیار موجود ہے

منجملہ ان نصوص کے وہ حدیث ہے جسے ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ ج ۲ ص ۴۵۱ پر حلیۃ الاولیاء سے نقل کیا ہے کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے زنان قریش کی طعنہ زنی سے مجبور ہو کر حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ آپ نے میری تزویج ایک فقیر و نادار آدمی کے ساتھ کر دی ہے جو مال و منال سے بالکل تہی دست ہے۔ آپ نے فرمایا: "زوجتک اقدمہم سلما واعظمہم حلما واکثرہم علما۔ اما علمت ان اللہ اطلع علی الارض اطلاعۃ فاختار منہا بعلک" میں نے تمہاری تزویج ایک ایسے شخص کے ساتھ کی ہے جو از روئے اسلام سب سے قدیم تر، از روئے حلم و بردباری سب سے عظیم تر اور از روئے علم و دانش سب سے برتر ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ خداوند عالم نے زمین کی طرف ایک نظر انتخاب کی اور ان میں سے تمہارے شوہر کو منتخب فرمایا۔ اور بعض روایات میں ہے کہ جب پہلی نظر ڈالی تو مجھے منتخب کیا اور جب دوسری نظر ڈالی تو تمہارے شوہر کو برگزیدہ کیا۔ (کنز العمال وغیرہ)

یہ حدیث شریف آنجناب کی خلافت و امامت پر نص ہے کیونکہ خداوند عالم فقط انبیاء اور ان کے اوصیاء ہی کا انتخاب فرماتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ آنجناب نبی نہیں ہیں۔ لہذا خلیفۂ نبی ہوں گے۔ علاوہ بریں اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جناب امیر آنحضرت ؐ کے بعد سب لوگوں سے افضل ہیں۔ پہلے ثابت کیا جا چکا ہے کہ افضل ہی کو خلیفہ و امام ہونا چاہیئے۔

منجملہ ان نصوص کے آیہ مبارکہ "افمن کان علی بینۃ من ربہ ویتلوہ شاہد منہ" ابن

ابن الحدید نے عبداللہ ابن حارث سے روایت کی ہے کہ حضرت امیرالمومنینؑ نے ایک دن منبر کو زیب فرمایا
کہ وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے بینہ اور برہان پر ہے۔ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور وہ
شاہد و گواہ جو ان کے پیچھے پیچھے ہے۔ وہ میں ہوں۔ کتاب تفسیر درمنثور ج ۲ ص[illegible] میں خود حضرت رسول
خداؐ سے مروی ہے کہ افمن کان علی بینۃ سے مراد میں اور یتلوہ شاھد منہ سے مراد
علی بن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔ لہٰذا جس طرح حضرت امیرالمومنینؑ تصدیق و تائید پیغمبرؐ میں سب
لوگوں سے پیش پیش اور اختیار و انتخاب میں آپ کے پیچھے پیچھے تھے، اسی طرح آپ کی وفات
حسرت آیات کے بعد آپ ہی بلافاصلہ آپ کے قائم مقام ہوں گے کما لا یخفی

(۲) وہ نصوص جن میں لفظ سیادت موجود ہے

ابن ابی الحدید نے (شرح نہج البلاغہ ج ۲ ص[illegible]) پر کتاب حلیۃ الاولیاء ابی نعیم اصفہانی سے نقل
کیا ہے۔ قال ادعوا لی سید العرب علیا " آنحضرتؐ نے فرمایا: سردار عرب حضرت علیؑ کو
میرے پاس بلاؤ۔ کتاب مطالب السئول (ج ۱ ص[illegible]) میں لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو خطاب
کرتے ہوئے فرمایا: انظر الی وجھک عبادۃ انت سید فی الدنیا و سید فی الآخرۃ من
احبک احبنی وحبیبی حبیب اللہ وعدوک عدوی وعدوی عدو اللہ "اے علی! تمہارے
چہرۂ اقدس کی طرف نگاہ کرنا عبادت ہے تم دنیا میں بھی سردار ہو اور آخرت میں بھی سردار ہو جس نے
تم سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور میرا دوست خدا کا دوست ہے اور تمہارا دشمن میرا دشمن
ہے۔ اور میرا دشمن خدا کا دشمن ہے" سابقاً انس ابن مالک والی حدیث گزر چکی ہے جس میں آنحضرتؐ
نے آپ کو سید المسلمین کا لقب جلیل عطا فرمایا ہے ملاحظہ فرمائیے۔ کہ آنحضرتؐ نے کبھی آپکو سید المسلمین
اور کبھی سید العرب، اور کبھی سید فی الدنیا والآخرۃ ایسے القاب جلیلہ سے ملقب فرمایا۔ ظاہر ہے کہ

۱؎ سید ابن طاؤس علیہ الرحمۃ نے کتاب الیقین میں کتاب کفایۃ الطالب و کتاب خصائص علویہ تالیف محمد بن علی [illegible]
اور مناقب ابن مردویہ وغیرہ کتب سے باسانید معتبرہ متعدد احادیث نقل کی ہیں جن میں وارد ہے کہ حضرت رسول خداؐ
نے فرمایا کہ جب مجھے شب معراج آسمان پر لے گیا تو میں ایک قصر میں پہنچا جو موتیوں سے بنا ہوا تھا اور جس کا فرش
سونے کا تھا جو چمک رہا تھا اس وقت خداوند عالم نے میری طرف وحی کی اور حضرت علیؑ کے بارے میں تین خصائل حمیدہ کا
ذکر فرمایا۔ انہ سید المسلمین و امام المتقین و قائد الغر المحجلین۔ کہ آپ مسلمانوں کے سردار، متقیوں کے امام اور
سفید پیشانی والے مومنین کے قائد و امیر ہیں" (منہ عفی عنہ)

۲؎ [illegible]

سیادت مطلقہ سے مراد ریاست وحکومت مطلقہ ہے اور واضح ہے کہ ایسی ریاست مطلقہ جس کے دامن میں سب مسلمان اور تمام عرب وغیرہ داخل ہوں۔ وہ یا نبوت ہو سکتی ہے یا امامت لیکن آنجناب نبی تو ہیں نہیں لہٰذا لامحالہ خلیفہ وجانشین نبی ہوں گے علاوہ بریں یہ احادیث نص صریح ہیں کہ حضرت امیرالمومنینؑ سب مسلمانوں سے العموم اور اہل عرب سے بالخصوص افضل ہیں اور کئی بار ثابت کیا جا چکا ہے کہ افضل ہی امام ہوتا ہے

دفع توہم ملا محمد صبان نے اسعاف الراغبین میں ذکر کیا ہے کہ سیادت سے مراد سیادت نسبی ہے یعنی حضرت علی باعتبار نسب کے سردار عرب ہیں اور یہ آپ کی افضلیت مطلقہ پر دلالت نہیں کرتی یہ توہم بچند وجہ باطل ہے

پہلے اگر اس سے فقط نسبی سیادت مراد لی جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ متنہ حدیث میں وارد شدہ لفظ " انا سید ولد آدم " میں سردار بنی آدم ہوں سے مراد بھی حضرت رسولؐ کی فقط سیادت نسبی ہو اور آنحضرتؐ سب بنی آدم سے علی الاطلاق افضل نہ ہوں ولا یخفیٰ بطلانہ

دوسرے اگر یہ حدیث علی الاطلاق افضلیت پر دلالت نہ کرتی تو صدر حدیث کے وقت حضرت عائشہ بلا کر یہ نہ کہتیں " الست سید العرب یا رسول اللہ " (کیا سید العرب آپ نہیں ہیں؟) اور آنحضرتؐ کو یہ کہنے کی ضرورت نہ ہوتی کہ میں تمام بنی آدم کا سردار ہوں اور علیؑ تمام عرب کے سردار ہیں"

تیسرے لفظ سید مطلق ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ہر لحاظ سے سید ہیں پس کو فقط نسب کے ساتھ مقید کرنا بغیر کسی دلیل کے جائز نہیں [illegible]۔

چوتھے اگر سیادت نسبی مراد ہوتی تو اس میں حضرت امیرالمومنینؑ کی کونسی خصوصیت تھی جبکہ حضرت جعفر و عقیل برادران حضرت علی علیہ السلام بھی سید ہیں بنابریں حضرت علیؑ کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ماننا پڑے گا کہ اس سے مراد صرف سیادت نسبی نہیں بلکہ تمام جہات کے لحاظ سے ریاست مطلقہ وحکومت عامہ مراد ہے ولا یعنی من عبارت الا ھذا المعنی

(۵) وہ نصوص جن میں لفظ محبت اور احب الخلق موجود ہے

منجملہ ان نصوص کے حدیث طیر ہے جو مشہور ومعروف بلکہ متواتر حدیث ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی خدمت میں ایک دفعہ بھنا ہوا پرندہ پیش کیا گیا آنحضرتؐ نے بارگاہ ایزدی میں ان الفاظ دعا کی۔ اللّٰھم ائتنی باحب خلقک الیک لیاکل معی ھذا الطیر " پروردگار عالم تو اپنی مخلوق میں سے اپنے محبوب ترین آدمی کو بھیج دے جو میرے ساتھ مل کر اس پرندہ کو کھائے اس کے بعد حضرت

امیر المومنینؑ تشریف لائے اور آنحضرتؐ کے ساتھ مل کر پرندہ تناول فرمایا روایت میں ہے کہ دو دفعہ
درِ اقدس پر حضرت امیر علیہ السلام تشریف لائے لیکن ہر مرتبہ انس نے یہ کہہ کر انہیں واپس کر دیا کہ آنحضرتؐ
استراحت فرما رہے ہیں جب تیسری مرتبہ تشریف لائے تو آنحضرتؐ کو بھی اطلاع ہو گئی پوچھا کون ہیں؟ انس
نے عرض کی حضرت علیؑ ہیں۔ آپ اجازت ملنے پر اندر تشریف لے گئے۔ آنحضرتؐ نے سبب تاخیر پوچھا
آنجنابؑ نے تین دفعہ اپنے آنے اور انس کے دو بار واپس لوٹانے کا تذکرہ فرمایا آنحضرتؐ نے انس کو بلا
کر اس کا سبب پوچھا تو اس نے کہا میں یہ چاہتا تھا کہ یہ فضیلت میری قوم کے کسی شخص کو حاصل ہو سکے۔
ما وے دین و دیانت صحابی رسولؐ) سچ ہے ؎

ہر کہ رو سے بہبود نداشت　　　دیدن روئے نبی سود نداشت

اسی طرح حدیث الرایۃ "لاعطین الرایۃ غدا رجلا یحب اللہ و رسولہ و یحبہ اللہ
و رسولہ کرار غیر فرار" یہ حدیث معمولی اختلاف الفاظ کے ساتھ بخاری و مسلم وغیرہ صحاح ستہ
میں مذکور ہے کتب تواریخ و سیر پر نظر رکھنے والے حضرات پر واضح ہے کہ اس موقع پر بڑے بڑے
لوگوں نے امامت کی تمنائیں ظاہر کیں۔ بلکہ آنحضرتؐ نے سب کی تمناؤں پر پانی پھیرتے ہوئے فتح و
فیروزی کا علم حضرت علی علیہ السلام کو عطا فرمایا یہ احادیث مبارکہ اس امر پر نص صریح ہیں کہ حضرت علی
علیہ السلام سب لوگوں سے زیادہ محبوب خدا و رسول ہیں۔ واضح ہے کہ خدا و رسول کی محبت کثرت
فضائل و مناقب اور کثرت جہاد و ثواب کی وجہ سے ہوا کرتی ہے جس قدر کسی کے فضائل و عبادات زیادہ
ہوں گے اسی قدر وہ زیادہ مورد محبت الٰہیہ قرار پائے گا جب حضرت امیرؑ بحکم بنص احادیث حدیث
طیر وغیرہ "احب الخلق الی اللہ" ہیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ میزان فضائل و عبادات
میں حضرت علیؑ کا پلہ سب لوگوں سے بھاری اور وزنی ہے۔ سابقاً افضلیت حضرت امیرؑ کے ضمن میں ثابت
کیا جا چکا ہے کہ معیار فضیلت کثرت فضائل اور کثرت ثواب ہی ہے لہذا آنجنابؑ سب لوگوں سے
افضل ہوں گے اور جب افضل ثابت ہو گئے تو خلیفہ و امام بھی آپ ہی ہوں گے کیونکہ جو افضل الناس
ہوتا ہے وہی امام الناس ہوتا ہے۔ (لقبح تقدیم المفضول علی الفاضل)

(۱۴) وہ نصوص جن میں لفظ اعلمیت یا اس کے ہم معنی الفاظ موجود ہیں | اس قسم کے نصوص اس قدر کثیر التعداد ہیں
جن کا احصار نہیں کیا جا سکتا۔ منجملہ ان کے ایک روایت وہی ہے جو اوپر ابھی ذکر ہو چکی ہے جسے آنحضرتؐ
نے جناب سیدہؑ کی تزویج کے موقع پر فرمایا اس میں "و اکثرھم علما" کا لفظ موجود ہے۔ آنحضرتؐ

کی مشہور حدیث ہے " علی اقضٰکم " علی تم سب سے بڑے قاضی اور فیصلہ کرنے والے ہیں ظاہر ہے کہ فیصلہ کی عمدگی علوم دینی اور فراست و کیاست میں مہارت تامہ رکھنے پر موقوف ہے۔

حتیٰ کہ حضرت عمر بھی کہا کرتے تھے۔ اقضانا علی۔ ملاحظہ ہو تاریخ الخلفاء سیوطی[1] اس سلسلہ میں مشہور و معروف حدیث " انا مدینۃ العلم و علی بابھا " بھی قابل لحاظ ہے بہرحال حضرت علی کا اعلم الصحابہ ہونا ایک ایسی مسلّم حقیقت ہے کہ جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ثبوت کے لئے تواتر نقل اور ادلہ و براہین کے علاوہ مسلمانوں کے خلیفہ دوم کا کئی بار لو لا علی لھلک عمر کہنا اور علمی مشکلات میں ان کی طرف رجوع کرنا اور مشکل کشائی کے بعد ان کا ایسا کہنا اس مقصد کے اثبات کی کافی و شافی دلیل ہے جب آنجناب سب لوگوں سے زیادہ عالم ہیں تو آپ ہی امام مفترض الطاعۃ اور رئیس امت علی الاطلاق ہوں گے کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ آپ پر حکومت کرسکے۔ درشیہ تہدید و وعید ایزدی اس کے شامل حال ہوگی " افمن یھدی الی الحق احق ان یتبع امن لا یھدی الا ان یھدی " قائم کیہ عکس و حضرت علی اعلم الناس ہیں تو آپ ہی امام الناس بھی ہوں گے۔

(۱۱) وہ نصوص جن میں لفظ قرشیت یا اس کے ہم معنی الفاظ موجود ہیں

پیغمبر اسلام کی حدیث ہے جسے ابن ابی الحدید معتزلی نے نہج البلاغہ میں امام احمد بن حنبل کی کتاب فضائل سے نقل کیا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے "اے لوگو اپنے حالات میں قریش کو آگے بڑھاؤ اور ان سے آگے نہ بڑھو ان سے تعلیم حاصل کرو اور انہیں تعلیم نہ دو، کیونکہ خاندان قریش کے ایک آدمی کی قوت دوسرے دو آدمیوں کی قوت کے برابر ہے اور ان کے ایک آدمی کی امانت و دیانت دو کے برابر ہے۔ اے لوگو میں تمہیں ان لوگوں کی محبت کی وصیت کرتا ہوں جو قریش میں سے میرے ساتھ زیادہ قریبی تعلق رکھتے ہیں مثلاً ان کے میرے بھائی اور ابن عم علی ابن ابی طالب ہیں ان سے محبت نہیں کرتا مگر مومن، اور ان کو دشمن نہیں رکھتا مگر منافق، جو شخص ان سے دوستی کرے اس نے مجھ سے دوستی کی اور جو ان سے دشمنی کرے اس نے مجھ سے دشمنی کی اور جو مجھ سے دشمنی رکھے، خدا اس کو جہنم میں معذب کرے گا۔

یہ حدیث بھی آنجناب کی خلافت پر نص ہے کیونکہ جب آنحضرتؐ نے عموماً قوم قریش کو دینی و دنیوی معاملات میں مقدم کرنے اور ان سے تعلیم حاصل کرنے کی وصیت فرمائی تو اس کے بعد بالخصوص حضرت امیرالمومنینؑ کا ذکر کرنا اور ان کی اقربیت کا صریح لفظوں میں بیان فرمانا اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ آنجناب سردار قریش ہیں اور یہ حقوق آنجناب کو بدرجہ اتم و اکمل حاصل ہیں۔ لہٰذا سب دینی و دنیوی امور میں بالخصوص

[1] اور حضرت عمر کی وہ خصوصیت ملاحظہ ہو

کو اپنا پیشوا و مقتدا قرار دینا لازم ہے اور کسی امر میں ان پر سبقت اور تجاوز کرنا جائز نہیں ہے۔ ولا معنی للخلافۃ الا ھذا المعنی۔

منجملہ ان نصوص کے ایک وہی حدیث ہے جو نصوص اخوت و وراثت کے ضمن میں ذکر ہو چکی ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کی احقیت بالخلافت کے اسباب بیان فرماتے ہوئے ایک سبب آپ کے قرب کو بھی قرار دیا ہے۔ بایں الفاظ "وقرابتک منی" اس کی تائید آیہ قرآنیہ "و اولوا الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ" سے بھی ہوتی ہے کہ بعض رشتہ دار دوسرے بعض سے اولیٰ ہوتے ہیں بمطابق کتاب خدا جب حضرت علیؑ بعد رسولؐ اقرب الی الرسول ہیں تو آپ ہی آنحضرتؐ کے خلیفہ و جانشین ہوں گے۔ وھو المطلوب

(۱۸) وہ نصوص جن میں آپ کا ہمیشہ حق کے ساتھ ہونا موجود ہے

وہ حدیث شریف ہے تقریباً تمام اہل سیر و احادیث نے نقل کیا ہے آنحضرتؐ نے فرمایا "علی مع الحق والحق مع علی" محدث دہلوی ایسے متعصب اشخاص نے بھی اس کی صحت کا انکار نہیں کیا بلکہ صاف لفظوں میں لکھا ہے "این حدیث را اہل سنت علی الراس والعین قبول دارند" حضرت علیؑ حق کے ساتھ ہیں اور حق ان کے ساتھ ہے۔ حق ادھر ہی پھرتا ہے جدھر حضرت علیؑ پھرتے ہیں۔ حدیث متواتر ثقلین میں وارد ہے "انھما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض" "یقیناً یہ دونوں (قرآن و عترت) آپس میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس وارد ہوں۔ اس کی تائید مشہور حدیث "یا علی حربک حربی وسلمک سلمی" اے علی تمہاری جنگ میری جنگ اور تمہاری صلح میری صلح ہے سے بھی ہوتی ہے اور اسی طرح وہ احادیث بھی جو ان کی محبت و اطاعت کو بمنزلہ اطاعت و محبت رسولؐ خدا ہونے پر دلالت کرتی ہیں وہ اس مطلب کی تائید اکید کرتی ہیں جب آنجنابؑ ہمیشہ حق کے ساتھ ہیں۔ نہ کبھی آپ حق سے جدا ہوتے ہیں اور نہ کبھی حق ان سے جدا ہوتا ہے۔ تو یہ ان کی عصمت کی قطعی دلیل ہے جس کے بعد آپ ہی واجب التقدیم ہوں گے بالخصوص جب کہ وہ اپنی خلافت حقہ کا مطالبہ بھی کریں اور متغلبین کو کاذب و خائن اور غاصب و ظالم سمجھیں۔ (ان امور کی تفصیل ہمارے آئندہ بیانات میں آرہی ہے۔ فانتظر انا منتظرون) کہ ان لوگوں کی امامت باطل اور آنجنابؑ کی خلافت مطلقاً حق ہے۔ فماذا بعد الحق الا الضلال۔ واللہ الھادی۔

* یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ

(۱۹) وہ نصوص جن میں آپ کا خیر الامۃ و خیر الخلق ہونا موجود ہے

اس قسم کی نصوص بکثرت موجود ہیں مجملہ ان کے وہ روایت ہے جسے ابن ابی الحدید نے مسند امام احمد بن حنبل کے حوالے سے باسناد مسروق نقل کیا ہے جس میں حضرت عائشہ نے مخدج خارجی کے متعلق پوچھا اور مسروق کا بیان سنا کہ وہ حضرت علیؑ کے ہاتھوں کا قتل ہو گیا ہے۔ پھر مسروق کا جواب عائشہ نے حضرت رسولؐ کا واسطہ دے کر پوچھا کہ آیا تم نے اس کے متعلق آنحضرتؐ سے کچھ سنا تھا۔ مذکور ہے۔ ہم بخوف طوالت فقط جناب عائشہ کے جواب پر اکتفا کرتے ہیں فرماتی ہیں "سمعتہ یقول: ھم شر الخلیقۃ یقتلھم خیر الخلق والخلیقۃ واقربھم عند اللہ وسیلۃ" اس میں نے آنحضرتؐ سے سنا تھا فرماتے تھے یعنی یہ لوگ (خوارج) بدترین خلائق ہیں اور انہیں بہترین خلائق قتل کرے گا جو از روئے وسیلہ سب لوگوں سے خدا کے قریب تر ہو گا۔ شرح نہج البلاغہ حدیدی جلد ۱ صفحہ ... نیز ابن ابی الحدید نے مدائنی کی کتاب صفین سے باسناد مسروق نقل کیا ہے۔ کہ جب جناب عائشہ کو ذوالثدیہ (رئیس خوارج) کے حضرت علیؑ کے ہاتھوں قتل ہونے کی خبر ملی تو کہا خدا لعنت کرے عمرو بن عاص پر اس نے مجھے لکھا ہے کہ اس نے اسے اسکندریہ میں قتل کیا اب جبکہ حق واضح ہو گیا تو مجھے کوئی چیز مانع نہیں کہ میں اس امر کا اظہار کروں جسے میں نے حضرت رسولِ خدا سے سن رکھا تھا۔ آپ فرماتے تھے "یقتلہ خیر امتی من بعدی" کہ اس (ذوالثدیہ) کو وہ شخص قتل کرے گا۔ جو میرے بعد میری تمام امت سے افضل ہو گا۔ اس کی تائید اس صاعقہ سے بھی عمل ہوتی ہے۔ جو جابر بن عبد اللہ انصاری میں ایک انشی نے حضرت علی علیہ السلام کے دشمن (ذات) سے عمرو اور دیگر امویوں سے کیا تھا۔ جسے ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں بسند ابن اسحاق نقل کیا ہے۔ ہم بخوف طوالت اسے نظر انداز کرتے ہیں شائقین شرح مذکور کی طرف رجوع فرمائیں۔ علاوہ بریں بہت سی احادیث میں وارد ہے "علی خیر البشر" "علی خیر ھذہ الامۃ" الی غیر ذلک ان احادیث شریفہ کی ایک معتدبہ تعداد ہم حضرت امیر المومنینؑ کی افضلیت کے اثبات میں سابقاً مع حوالہ جات نقل کر چکے ہیں ان احادیث سے حضرت امیر علیہ السلام کا نہ فقط صحابہ سے ہی نہیں بلکہ ملائکہ اور سابقہ انبیاء سے بھی افضل ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ وہ بھی خلق خدا میں داخل ہیں اور جب حضرت علی علیہ السلام علی الاطلاق خیر الخلق ہیں تو یقیناً ان سے بھی بہتر و برتر ہوں گے (ہاں حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ادلۂ خارجیہ کی بنا پر اس سے مستثنیٰ ہیں "فیبقی الباقی تحت الاطلاق"۔ علاوہ بریں وہ تمام خصائل حمیدہ جو موجب فضل و فضیلت ہوتی ہیں اور وہ تمام صفات محمودہ جو باعث کثرت ثواب ہوتی ہیں۔ وہ سب حضرت امیر علیہ السلام میں مجتمع ہیں

اور ان کے علاوہ کسی اور شخص میں جمع نہیں، چونکہ یہی دونوں باتیں معیارِ افضلیت ہیں، لہٰذا آنجناب سب سے افضل ہوں گے۔ اور اس افضلیت کے ثبوت کے ساتھ ساتھ آپ کی خلافت بھی ثابت ہو گی۔

آپ کا نسب شریف

اگر نسبی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو آپ کا وہ نسب جلیل ہے جس کی ہمسری نہیں کی جا سکتی۔ سارے عرب میں نضر ابن کنانہ کی اولاد جن کو قریش کہتے ہیں، بہادری، سخاوت، اخلاقِ حسنہ، مہمان نوازی، شجاعت، فصاحت، بلاغت، حمایت وغیرہ تمام صفات جمیلہ میں مشہور تھے خانہ کعبہ کے کلید دار، موقفِ حج کے ساقی یہی لوگ تھے۔ قریش میں بھی بنی ہاشم کو خاص امتیاز حاصل تھا۔ اور بنی ہاشم میں عبدالمطلب ان تمام امتیازوں کے مالک تھے جو بنی ہاشم کے لئے طرۂ امتیاز ہے۔ عبدالمطلب کے قائم مقام ابوطالب تھے اور حضرت امیر المومنین ابنِ ابوطالب کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کی مادرِ گرامی حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تھیں جس سے مورخین نے لکھا "علو اول ہاشمی ولد من ہاشمیین" حضرت علی ہی پہلے وہ ہاشمی ہیں جو دو ہاشمیوں سے متولد ہوئے آپ حضرت رسول خدا کے چچازاد بھائی اور ہم جد و ہم نسب تھے حضرت عبد اللہ اور حضرت ابوطالب تک یہ نورِ پروردگار کیا اصلابِ طاہرین سے ارحامِ طاہرات کی طرف منتقل ہوتے چلے آئے اور ان کے آباؤ اجداد کبھی بھی کفر و شرک سے ملوث نہیں ہوئے جیسا کہ آنحضرت کی مشہور احادیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں "ما افترقت فرقتان منذ لدن آدم الا کنت فی خیرھما" اور "کنت انا وعلی نورا واحدا ثم ولما انتقل من صلب طاھر الی رحم مطھر حتی افترقنا فی عبد اللہ وابی طالب" خاندانِ بنی ہاشم کی نسبی شرافت کے متعلق ہم چند احادیث باب اول میں ذیل شرح ہاشمیت درمیان ذکر کر چکے ہیں۔ معلوم ہوا کہ حضرت علی علیہ السلام اسی لئے نسب واصل سب صحابہ سے افضل اور اجل و اکرم ہیں۔

آپ اعلم الصحابہ ہیں

آپ کا تبحرِ علمی ایک ایسی ناقابلِ انکار حقیقت ہے، جس کا مسلمان تو بجائے خود غیر مسلمان بھی تمرد و اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ قطع نظر خصائصِ امامت کے ایک فرزانِ استعداد، وہبی قابلیت، فطری ذہانت و فطانت اس پر طرہ یہ کہ خاتم الانبیاء کی تعلیم و تربیت سبحان اللہ! سونے پر سہاگہ اسی فیض کا اثر تھا کہ آپ چند دن ہی میں علمی میدان میں سرآمدِ روزگار قرار پا گئے اور چار دانگ عالم میں آپ کے علم و فضل و نبل و کمال کا ڈنکا بجنے لگا۔ اسی تعلیم و تربیت اور خداداد استعداد کا نتیجہ تھا کہ آپ فرمایا کرتے تھے "سلونی سلونی قبل ان تفقدونی" کنز العمال ج ۶ ص ۴۲۲ شرف مؤید ص وغیرہ) اسی ہمہ دانی کا نتیجہ تھا کہ آپ فرماتے تھے "لو ثنیت لی الوسادۃ لحکمت بین

اھل التوراۃ بتوراتھم ۔۔۔ اگر میرے سامنے مسند قضا بچھا دی جائے تو توراۃ کے ماننے والوں کا توراۃ سے انجیل کو ماننے والوں کا انجیل سے زبور کے ماننے والوں کا زبور سے اور قرآن کے ماننے والوں کا قرآن سے ایسا فیصلہ کروں کہ ہر کتاب پکار اٹھے حق نے حکم خدا کے مطابق فیصلہ کیا۔ (ینابیع المودۃ ص تفسیر کبیر وغیرہ) قرآن دانی کا یہ عالم تھا کہ فرمایا کرتے تھے۔ "واللہ ما نزلت من آیۃ فی بر او بحر و سھل او جبل او سماء او ارض او لیل او نھار الا انا اعلم فی من نزلت وفی ای شئ نزلت۔ صواعق محرقہ ص۷۶ تاریخ الخلفاء ص۱۲۴ کنز العمال ج ۲ ص ۲۱۲ وغیرہ) تمام موجودہ علوم و فنون اسی سرچشمۂ علم و عرفان سے پھوٹے۔ تفصیل کے لئے شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ینابیع المودۃ کفایۃ الطالب اور عبقات مجلد مدینۃ العلم ملاحظہ ہوں[1] آپ کی اعلمیت کے ثبوت کے لئے فقط حدیث مدینہ انا مدینۃ العلم وعلی بابھا انا دار الحکمۃ وعلی بابھا اور حضرت عمر کا مکررات و مرات "لولا علی لھلک عمر" اور "اعوذ باللہ من معضلۃ لیس لھا ابو الحسن" کہنا کافی و وافی ہیں بعض

---

[1] یہاں اس مطلب کی طرف مختصر سا اشارہ کیا جاتا ہے۔ تمام علوم سے افضل و اشرف علم الکلام والعقائد ہے اس کا سرچشمہ آپ ہی کی ذات ہے علم کلام میں بڑا اسلامی مدارس کے دو گروہ ہیں (۱) معتزلہ (۲) اشعریہ۔ معتزلہ کے بانی واصل بن عطا ہیں وہ ابی ہاشم کے شاگرد اور ابی ہاشم اپنے والد محمد بن حنفیہ کے شاگرد اور محمد بن حنفیہ اپنے والد ماجد حضرت امیر المومنین کے شاگرد تھے اشعری مذہب کا بانی ابوالحسن اشعری ہے جو کہ ابو علی جبائی کا شاگرد ہے اور جبائی معتزلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسلامی علوم میں فقہ بڑا شریف علم ہے آئمہ اربعہ کی فقہ کی انتہا بھی آپ ہی کی ذات والا صفات تک ہوتی ہے امام مالک ربیعۃ الرائے کے شاگرد ہیں اور ربیعۃ الرائے عکرمہ کا اور عکرمہ عبداللہ بن عباس کا تلمیذ ہے اور عبداللہ ابن عباس حضرت امیر علیہ السلام کے شاگرد ہیں امام احمد بن حنبل امام شافعی کے تلمیذ ہیں اور امام شافعی محمد بن حسن کے اور محمد بن الحسن امام ابو حنیفہ کے اور ابو حنیفہ امام جعفر صادق کے تلمیذ ہیں اور امام جعفر صادق علیہ السلام کا سلسلہ جناب امیر علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ اسی طرح علم تفسیر بھی علوم اسلامیہ میں سے ایک جلیل القدر علم ہے اور یہ علم اکثر و بیشتر عبداللہ بن عباس سے مروی ہے جو مسلمانوں میں بحر العلوم اور استاد المفسرین سمجھے جاتے ہیں اور ابن عباس حضرت امیر علیہ السلام ہی کے شاگرد ہیں۔ اسی طرح علم طریقت والے حضرات بھی خرقہ فقر کے ساتھ اپنا سلسلہ آنجناب تک ہی پہنچاتے ہیں۔ اسی طرح علم نحو کی ابتدا بھی جناب ہی کی ذات بابرکات سے ہوئی ہے انہوں نے ابوالاسود دؤلی کو اس علم کے چند اصول و قواعد بتائے تھے۔ (شرح نہج البلاغہ حدیدی ج ۱ ص ۶)

(مسند علی ص)

روایات میں تصریح موجود ہے "اعلم امتی علی بن ابی طالب" (مناقب خوارزمی وغیرہ) معلوم ہوا کہ
آنجنابؑ تمام علوم میں تمام صحابہ سے اعلم و اکمل ہیں اس سے آپ کا افضل ہونا بھی ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ
اعلم و غیر اعلم برابر نہیں ہو سکتے "هل یستوی الذین یعلمون و الذین لا یعلمون انما یتذکر اولوا الالباب"

آپؑ احلم الصحابہ ہیں

آپ کا حلم صنو منار کی طرح واضح و آشکار ہے ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ حلم میں بھی (مثل دیگر صفات جلیلہ) آنجنابؑ کا جواب نہیں مل سکتا
آپ کے حلم کی یہ کیفیت تھی کہ باوجودیکہ آپ کو علم تھا کہ عبدالرحمن ابن ملجم لعین آپ کا قاتل ہے جس کا
اظہار کئی بار فرما چکے تھے، لیکن پھر بھی اس کو اپنے دیار و امصار میں رہنے دیا اور برابر عطا و نوال سے نوازتے
رہے، اسی طرح مروان ابن الحکم جیسے اشد مخاصم کو جمل کے دن معاف کر دیا، عبداللہ بن زبیر ایسے
منحوس خبیث کو جو برسر منبر آپ پر سب و شتم کرتا تھا چھوڑ دیا۔ جنگ صفین میں پانی پر قبضہ حاصل کرنے کے بعد
شامیوں کے لئے پانی کی عام اجازت دے دینا بھی اسی خداداد حلم و بردباری کا نتیجہ تھا، باوجودیکہ اس سے
قبل جب تک پانی شامیوں کے قبضہ میں تھا، انہوں نے آپ کو پانی دینے سے انکار کر دیا تھا نیز آنجنابؑ
نہایت ہشاش بشاش اور خندہ رو تھے بایں ہمہ تدقق ہیبت و دبدبہ ایسا تھا کہ کسی کو آپ کی بارگاہ
میں ابتداءً کلام کرنے کا یارا نہیں ہوتا تھا۔ وھو مصداق ما قیل فی حق ولدہ علی بن الحسین علیہما
السلام۔ شعر

یغضی حیاءً و یغضی من مھابتہ — فما یکلم الا حین یبتسم

آپؑ اظہار اسلام میں اسبق الصحابہ ہیں

تمام اہل اسلام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ آنجنابؑ نے کبھی کفر و شرک کا ارتکاب نہیں فرمایا، اسی
لئے آپ کے نام نامی کے ساتھ "کرم اللہ وجہہ" لکھا جاتا ہے (ملاحظہ ہو صواعق محرقہ صلہ طبع مصر وغیرہ)
تمام شیعہ جمہور اور محققین اہل سنت اس امر کے قائل ہیں، کہ آنجنابؑ نے ہی سب سے پہلے
اظہار اسلام فرمایا، اور تصدیق رسولؐ کی بلکہ ابن عبدالبر نے استیعاب ج ۲ ص [illegible] میں آپ کی سبقت
اسلامی پر دعویٰ اجماع کیا ہے۔ زیادہ دور جانے کی کیا ضرورت ہے جب خود پیغمبر اسلام نے صاف
لفظوں میں فرمایا: "اولکم اسلاماً علی ابن ابی طالب" (تم سب میں پہلے اسلام ظاہر کرنے والے
حضرت علیؑ ہیں) (استیعاب [illegible] بتفاوت یسیر، نیز استیعاب بن عبدالبر ج ۲ ص [illegible] طبع مصر)
آنحضرتؐ کا یہ ارشاد بایں الفاظ مذکور ہے "[illegible] اولھم اسلاماً و اکثرھم علماً و اعظمھم
حلماً" تو اب بھی کسی مسلمان کو اس امر کے صحیح ماننے میں شک و شبہ ہو سکتا ہے، سوائے اس کے

خود آنجناب کا یہ شعر بہت مشہور ہے جو اس مطلب پر نص صریح ہے ؎

سبقتکم الی الاسلام طرّاً
غلاماً ما بلغت اوان حلمی

میں نے اس وقت تم سب سے اظہارِ اسلام میں سبقت کی جبکہ میں حدِ بلوغ کو بھی نہیں پہنچا تھا۔
(تاریخ ابوالفداء ج اصفحہ ۱ طبع مصر وغیرہ) ابن ابی الحدید نے اس مقام پر داد انصاف دیتے ہوئے خوب لکھا ہے "المخالف فی سبق ایمان من شاذ لا یعتد به" حضرت علیؑ کے سابق الاسلام ہونے میں جو اشخاص مخالف ہیں وہ نہایت ہی شاذ و نادر ہیں۔ جن کی کوئی پروا نہیں کی جاتی۔ اسی حقائق کی بناء پر علامہ ابن حجر عسقلانی کو یہ اقرار کرنا پڑا کہ "ارجح انه اول من اسلم" ترجیح اسی قول کو ہے کہ آپ نے سب سے پہلے اسلام کا اظہار کیا (تقریب التہذیب ص۲۴۲) اس مقام پر برہان الدین حلبی نے بڑے پتے کی بات کہی ہے "و اما علی بن ابی طالب فلم یکن مشرکاً باللہ ابداً لانه کان مع رسول اللہ فی کفالته کاحد اولاده یتبعه فی جمیع امورہ فلم یحتج ان یدعی للاسلام فیقال اسلم" (یعنی حضرت علیؑ کے اسلام لانے کی بحث ہی غلط ہے کیونکہ وہ) تو کبھی کافر و مشرک رہے ہی نہیں کیونکہ آپ ابتداء ہی سے جناب رسول خدا کی کفالت میں ان کی اولاد کی طرح رہے۔ جو تمام امور میں آنحضرتؐ کی پیروی کرتے تھے اس لئے ان کو اس بات کی ضرورت ہی نہ تھی کہ انہیں اسلام لانے کی دعوت دی جاتی۔ اور کہا جاتا کہ اسلام لے آئے (کیونکہ وہ پیدائشی مسلمان تھے) (سیرت حلبیہ ج اصفحہ طبع مصر) جب آنجناب اظہار ایمان و اسلام میں تمام صحابہ سے اسبق و اوّل ہیں تو آپ ہی سب سے افضل و اجل رہیں گے۔ مقتضٰی لہ تعالٰی السابقون السابقون اولٰئک المقربون" جو مقرب ہوگا۔ اس کا ثواب زیادہ ہوگا اور جس کا ثواب زیادہ ہوگا وہ افضل ہوگا جو افضل ہوگا وہی خلیفہ و امام ہوگا۔ کما مرّ غیر مرة

آپ اشجع الناس ہیں

آپ کا سب صحابہ سے اشجع بلکہ سوائے پیغمبر اسلام کے تمام بنی آدم سے اشجع ہونا کالشمس فی رابعة النہار واضح و آشکار ہے یوں تو دنیا میں بڑے بڑے بہادر گزرے ہیں لیکن علیؑ کا مثل چشمِ فلک نے نہیں دیکھا۔ ابن ابی الحدید کیا خوب لکھتے ہیں "اما الشجاعة فانه انسیٰ ذکر من کان قبله ومحیٰ اسم من یاتی بعده ومقامات فی الحرب مشہورة یضرب بہا الامثال وھو الشجاع الذی ما فرقط ولا ارتاع من کتیبة ولا بارز احداً الا قتله ولا ضرب ضربة قط فاحتاجت الاولیٰ الی الثانیة" حضرت علیؑ کی شجاعت کے بارے میں اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ آپ نے گزشتگان کا ذکر بھلا دیا اور آئندہ آنے والوں کے نام کو دفتر شجاعت سے محو کر دیا۔ جنگوں میں

آپ کے مقامات و حالات ایسے مشہور ہیں جو ضرب المثل بن گئے ہیں حضرت علیؑ ایسے شجاع ہیں جنھوں نے کبھی کسی میدان سے فرار نہیں کیا اور نہ کبھی کسی لشکر سے گھبرائے وہ کسی کے مقابلے میں نہیں گئے مگر اس کو قتل کر کے چھوڑا اور کبھی ان کی پہلی ضربت کو دوسری کی احتیاج نہیں ہوئی۔ کیونکہ پہلی ضربت ہی سے مدمقابل کا کام تمام ہو جاتا تھا۔ آپ ہی کی تلوار آبدار نے صنادید کفار کو ان کے کیفر کردار تک پہنچایا اور آپ ہی کے دناں جنگی کا نامعں سے شجر اسلام پھولا پھلا اور پروان چڑھا حتیٰ کہ آسمان غیبی نے آپ کی شجاعت و شہامت کے آسمانوں میں قصیدے پڑھے " لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار (سبحان اللہ) اس مقام پر مؤلف علام نے جنگ بدر واحد اور حنین وغیرہ میں آپ کی شجاعت و بہادری کے زریں کارناموں کا تذکرہ فرمایا ہے جسے ہم اختصار کے پیش نظر نظر انداز کر رہے ہیں۔ یہ واقعات ایسے مشہور و معروف ہیں کہ مسلمانوں کا بچہ بچہ ان سے واقف ہے آنجا کہ عیاں است چہ حاجت بیان است۔ شائقین تاریخ کی کتب مبسوطہ کی طرف رجوع فرمائیں۔

آپؑ اسخی الناس ہیں

اس صفت میں بنی ہاشم عموماً اور آل محمدؐ خصوصاً اور ان میں بھی حضرت علیؑ کی سخاوت اس حد پر تھی کہ فقراء و مساکین کے مقابلہ آپ نے کبھی اپنی یا اپنے اہل و عیال کی احتیاج کا کبھی خیال نہ کیا اکثر یہودیوں کے باغ میں دن بھر مزدوری کر کے واپس پلٹے راہ میں سائل مل گیا۔ اجرت کی رقم اسے دے کر خالی ہاتھ واپس گھر آگئے۔ بسا اوقات قرض لے کر دوسروں کی حاجت روائی کرتے تھے۔ گھر میں تین دن سے بچے بھوکے پڑے ہیں۔ اگر کہیں سے کچھ مل گیا تو کسی کی حاجت روائی کر دی۔ دوسروں کی تکلیف کے سامنے اپنی اور اپنے اہل و عیال کی تکلیف بھول جاتے تھے ساری دنیا میں یہ خصوصیت صرف حضرت علی علیہ السلام ہی کے دروازہ کو حاصل تھی۔ کہ سائل کبھی محروم نہیں پلٹا آپ کی سخاوت کے متعلق کتب تواریخ میں اتنے واقعات لکھے ہیں کہ ان کا شمار دشوار ہے آپ کی سخاوت کے ثبوت میں سورۂ ھل اتیٰ کافی و وافی ہے واقعات معلوم ہیں کہ تین دن تک اپنی اور اپنے اہل و عیال کی قوت لا یموت یتیم و مسکین اور اسیر کو دے دی جس کی حکایت خداوند عالم نے سورہ ھل اتیٰ کی آیات میں کی ہے " ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیما و اسیرا " اابو عمر اہل سنت شعبی سے نقل کیا گیا ہے۔ کہ آنجنابؑ کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ آپ نے کبھی کسی سائل کے جواب میں نہیں نہیں فرمائی ولنعم ما قیل

شعر ما قال لا قط الا فی تشہدہ لو لا التشہد کانت لاؤہ نعم

آپ نے کبھی کلمۂ "لا" سوائے تشہد کے (اشہد ان لا الٰہ الا اللہ میں) اپنی زبان پر جاری

نہیں فرمایا اگر تشہد نہ ہوتا تو آپ کی ... رہتیں، لعم ... داں سے تبدیل ہو جاتی ۔ آنجناب کے تمام صحابہ کے ذکر رجواد ہونے کی شہادت کے لئے آیہ نجویٰ کافی دلائل ہے کیونکہ باتفاق مفسرین یا ایہا الذین آمنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجوٰکم صدقۃ الآیۃ ۔ اے ایمان والو! جب رسولؐ سے کوئی راز کی بات کرنا چاہو تو اپنے اس رازونیاز سے پہلے صدقہ دے دیا کرو ۔ سب صحابہ آنحضرتؐ سے بات کرنے سے رک گئے سوائے حضرت امیرالمومنینؑ کے کہ ان کے پاس نقد دس درہم تھے ہر دفعہ ایک درہم صدقہ دے کر آنحضرتؐ کی ... ت میں مشرف ہوئے اور دس مسائل دینیہ پر گفتگو کی ۔ اس کے بعد یہ آیت منسوخ ہو گئی ۔ ملاحظہ ہو تفسیر درمنثور بیع الزوائد مودۃ القربیٰ وغیرہا

روایات میں ہے کہ آنجناب نے اپنے کسب حلال سے ایک ہزار غلام آزاد کئے تھے

سخاوت ہو تو ایسی ہو

آپؑ ازھد الناس ہیں

آپ کا زاہد ترین مردم ہونا ایک نہایت واضح حقیقت ہے دنیا میں زاہد بہت گزرے ہیں لیکن حضرت علیؑ جیسا زاہد نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سنا ۔ آپ کے حالات دیکھنے کے بعد یہی کہنا حق ہے کہ حضرت علیؑ کا زہد اپنی مثال آپ تھا بلکہ آپ سید الزہاد والبدل الابدال تھے ۔ آپ کے زہد کا یہ عالم تھا کہ کبھی سیر ہو کر طعام تناول نہیں فرمایا ۔ آپ کا لباس خشن و درشت ہوتا تھا ۔ اور غذا سادہ اکثر اوقات خشک روٹی پر اکتفا فرماتے تھے ۔ اگر اس سے تجاوز کرتے تو نمک کے ساتھ تناول فرماتے کبھی اس سے بھی ترقی کی تو کسی سبزی کے ساتھ روٹی کھائی ، زیادہ سے زیادہ کبھی دودھ استعمال کر لیا اور جس عہد میں آپ یہودیوں کے باغات کی مزدوری سے بسر اوقات کرتے تھے ، اگر اس طرح کی زندگی بسر کرتے تو تعجب نہ تھا لیکن جب خلافت اسلامی پر جلوہ افروز تھے شاہی خزانہ قبضہ میں تھا اموال سلطنت دوسروں پر تقسیم فرماتے تھے اس عہد میں بھی ذرہ برابر فرق نہ آیا وہی موٹا کم قیمت بوسیدہ لباس پہنتے رہے آپ کا لباس آپ کے غلاموں اور خادموں سے بھی معمولی ہوتا تھا ۔ عبداللہ ابن ابی رافع بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں آنجنابؑ کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ آپ نے ایک سربستہ تھیلی منگوائی جب کھولا تو اس میں ایک خشک نان جویں موجود تھی میں نے آنجنابؑ کے ساتھ مل کر اسے کچھ کھایا ۔ بعد ازاں میں نے عرض کی یا امیرالمومنینؑ آپ نے اس پر مہر کیوں لگا رکھی ہے فرمایا مجھے اپنے ان دو لڑکوں (حضرات حسنین شریفین علیہما السلام) سے خوف ہے کہ از روئے محبت ، اس کو روغن یا گھی سے چرب نہ کر دیں قوشجی (شارح تجرید) لکھتے ہیں کہ ھذا شیئی اختص بہ علی ولم یشارکہ فیہ غیرہ ولم ینل احد بعض درجتہ زہد و تقویٰ کا یہ

آپؑ ازروئے حفظِ قرآن احفظ الصحابہ ہیں

روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ آنجنابؑ نے عہد رسالت میں ہی قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ آپؑ کے سوا اور کوئی شخص اس وقت حافظ قرآن نہ تھا آپؑ ہی پہلے وہ شخص ہیں جنھوں نے قرآن مجید کو جمع فرمایا اور اس کی جمع و ترتیب میں کسی سے مدد نہیں لی اور کچھ دن میں نذر کرنے پھرتے تھے۔ کہ جس کے پاس قرآن کا کچھ حصہ ہو وہ ہمارے پاس لائے یہ سب ایسے حقائق ہیں جنھیں مخالفین تسلیم کرتے ہیں (تفسیر اتقان وغیرہ ملاحظہ ہو) قراء سبعہ میں سے اکثر قاری مثل ابی عمرو بن علا و عاصم ابن ابی النجود وغیرہ قرأت میں آپؑ ہی سے سند لیتے ہیں کیونکہ یا ابو عبد الرحمن اسلمی کے شاگرد تھے اور وہ حضرت امیر المومنینؑ سے شرف تلمذ حاصل تھا اسی طرح سب مفسرین علی الخصوص عبد اللہ بن عباس سے تفسیر اخذ کرتے ہیں اور وہ ان کے ہاں بحر العلوم اور رئیس المفسرین کے لقب سے مشہور ہیں یہ ابن عباس حضرت امیر المومنینؑ ہی کے تلمیذ تھے

آپؑ افصح الناس ہیں

یہ ایک نہایت بین حقیقت ہے جس کے ثبوت کے لئے آپؑ کے خطب و مواعظ و رسائل اور ان کے مطالب عالیہ و معانی غالیہ و علوم توحید و کیفیت سلوک اور عالم علوی و سفلی جسمانی و روحانی مادی و مجرد کے حالات و صفات اور کیفیت اللہ کی خبر و اطلاع دینا ہی کافی و وافی ہے جس کا عشر عشیر بھی باقی صحابہ نہیں جانتے اگر جانتے تھے تو اس کو اس طرح فصاحت و بلاغت کے ساتھ ادا نہیں کر سکتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ رسول خدا کے کلام حق ترجمان کے بعد کسی بشر کا کلام آپؑ کے کلام معجز نظام سے ٹکر نہیں لے سکتا۔ بعض بلغاء نے یہاں تک کہا ہے کہ آنجنابؑ کا کلام تحت کلام الخالق و فوق کلام المخلوق نظر آتا ہے۔ آپؑ ہی سے لوگوں نے خطابت و کتابت سیکھی اور آپؑ کے افصح الناس ہونے کے ثبوت میں آپؑ کے کلام معجز نظام کا قیمتی مجموعہ جو آج کل "نہج البلاغہ" کی شکل میں موجود ہے ہی کافی و وافی ہے۔

آپؑ ازروئے رائے اثقب الصحابہ ہیں

اس صفت میں آنجنابؑ کے تمام صحابہ سے اجل و اکمل ہونے کے ثبوت کے لئے یہی کافی ہے کہ سب اصحاب بالخصوص مسلمانوں کے خلفائے راشدین تمام بڑے بڑے امور میں آپؑ سے مشورہ لیتے وہ کرنا مشہور و معروف ہے۔ اسی طرح اگر جناب عثمان ان ناساز گار حالات میں آپؑ کے قیمتی مشوروں پر عمل کرتے تو ہرگز انہیں ان حالات سے دوچار نہ ہونا پڑتا جو مروان بن حکم وغیرہ کی مکاریوں و فریب کاری سے انہیں درپیش آگئے۔ اس طرح جب اہل شام نے جنگ صفین میں نیزوں

---

* پہلے تھے۔ جناب عمر ابھی سے وقت شہید ہیں آپکے منسوخ ہے ... ہم تسلمات علی ہیں مطلب ان کے جب شہید ہو تو قرآن جمع کر لیا تو ... پر سکے تمام وادی

پر قرآن بلند کیے تو آنجناب نے اپنے ہمراہیوں سے صاف فرما دیا تھا کہ یہ محض حیلہ اور مکاری ہے تم ان سے جنگ کرتے رہو لیکن جب انہوں نے آپ کا فرمان نہ مانا تو نتیجہ وہی نکلا جو آپ نے فرمایا تھا لیکن بایں ہمہ لوگوں کا آپ سے متفرق ہو کر آپ کے اعداء سے ملحق ہو جانا اس کا سبب سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ آنجناب نہایت شدت کے ساتھ حکم شریعت کی پابندی کرنے اور سنت رسول قائم کرنے پر حریص تھے۔ اور دنیائے دول کے حصول کے لئے ناجائز ذرائع اور غلط حیلے استعمال کرنے سے قطعاً اجتناب واحتراز فرماتے تھے آپ اپنے امور میں شریعت محمدیہ سے سر مو تجاوز نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ کا مشہور و معروف ارشاد ہے۔ "لو لا التقی لکنت ادھی العرب" اگر تقویٰ الٰہی مانع نہ ہوتا تو میں سب عربوں سے زیادہ چالاک ہوتا (شرح نہج البلاغہ ج ۲ ص ۲۰۶ طبع مصر)

آپ اعدل الناس ہیں

آنجناب کا لوگوں کے درمیان تقسیم اموال میں مساوات قائم کرنا اور کسی کو کسی پر ترجیح نہ دینا اور قوی کو ضعیف پر اور شریف کو وضیع پر مقدم نہ رکھنا کا واقعہ مسلم و مشہور ہے جب طلحہ و زبیر نے اپنے حصے میں زیادتی کا مطالبہ کیا تو آنجناب نے اسے مسترد کر دیا اسی طرح جب آپ کے حقیقی بھائی حضرت عقیل نے سفر کر کے حضرت کے پاس آ کر مطالبہ کیا تو آنجناب نے ان کے ساتھ سلوک کیا وہ مشہور و معروف ہے غرضیکہ جناب تمام رعایا پر بے حد مہربان تھے تمام ملک میں ہر ایک کی تکلیف کو اپنی تکلیف اور ہر ایک کی مصیبت کو اپنی مصیبت سمجھتے تھے۔ اگر کسی حاکم کے بارے میں کوئی شکایت پہنچی کہ رعایا کو اذیت پہنچاتا ہے تو آپ اس کو سخت الفاظ میں تنبیہ فرماتے تھے جب کوئی فیصلہ فرماتے تو اپنی رائے میں دوست دشمن موافق مخالف کسی کی رعایت نہ کرتے سب کو ایک نگاہ سے دیکھتے تھے بیت المال کی تقسیم کچھ لوگوں کی خود غرضیوں کی بدولت غیر منصفانہ قائم ہو چکی تھی سب سے پہلے اس کی اصلاح کی اور تمام رعایا پر مساوی حیثیت سے تقسیم کیا جب کہیں سے خراج آتا تھا تو اسی دن حصہ مساوی بانٹ دیتے تھے۔ نہ اپنے لئے کبھی کوئی چیز مخصوص کی نہ کسی قرابت دار یا دوست کے لئے جب مال تقسیم ہو جاتا تھا تو بیت المال میں اپنے ہاتھ سے جھاڑو دے کر اور وہاں مصلیٰ بچھا کر نماز پڑھتے تھے پھر فرماتے تھے اے زمین گواہ رہنا کہ مسلمانوں کا مال تجھ میں علیؑ نے کبھی جمع نہیں کیا مال کی تقسیم میں یہاں تک احتیاط فرماتے تھے کہ چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی اگر رہ جاتیں تو ان کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے تقسیم کر دیتے۔ اصفہان سے کچھ مال آیا اس میں ایک روٹی بھی تھی آپ نے جب اس سے مال کے حصے کئے تو روٹی کے بھی سات حصے کئے پھر تمام مستحقین پر اسے برابر برابر تقسیم کر دیا ہمیشہ بیت المال کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھا خزانچی سے حساب کرتے اہل اسلام پر خود تقسیم فرماتے تھے۔ (ارشید الادعیہ ص)

غرض وہ تمام الفاظ و عبارات پیغمبر صلعم سے جناب امیر المومنین کے حق میں استعمال ہوئے ہیں ارباب عقل و انصاف بتائیں اس سے زیادہ اور کس طرح واضح تر طریقہ سے منصوص ہو سکتا تھا، جس کے ذریعہ آنحضرت حضرت سیدہ علیہ السلام کی معرفت مطلقہ کا اعلان فرماتے ۔

کذلک یبین اللہ لکم الایات لعلکم تعقلون

بابِ ششم

خلافتِ حضرت امیر المومنینؑ کے متعلق بعض شکوک و شبہات کے جوابات

حضرت امیر المومنینؑ کی خلافت حقّہ کے سلسلہ میں بعض لوگ جو شکوک و شبہات ظاہر کرتے ہیں ان کے تذکرہ و ازالہ سے پہلے ایک اساسی بات کی تحقیق ضروری معلوم ہوتی ہے۔ اخبار و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نبوت اور رسالت کے اعلان کے ساتھ ساتھ ہی اپنی خلافت و وصایت اور وزارت و امامت کا اعلان بھی فرما دیا تھا۔ اور اپنے حقیقی خلیفہ کی تعیین فرما کر اس گتھی کو ہمیشہ کے لئے سلجھا دیا تھا اور اللہ کے سچے رسولؐ نے اسی وقت مسئلہ خلافت میں ہر قسم کے منازعہ و مخاصمہ کا خاتمہ کر دیا تھا اور اس سلسلہ میں ہر قسم کی قیل و قال اور جنگ و جدل کا سدباب فرما کر مرتبۂ خلافت و امامت کی اہمیت و عظمت پر مہر ثبت فرما دی تھی۔ بنا بریں کہنا چاہئے کہ بانیِ اسلام کا اس مسئلہ میں خلاف و نزاع کرنا درحقیقت تکذیب رسولِ اسلام کے مترادف ہے۔ اگر کسی صاحب کو ہمارے اس بیانِ حقیقت ترجمان میں کسی قسم کی غلط بیانی کا گمان ہو تو آیئے واقعہ ذوالعشیرہ پر ایک نظر ڈالئے سب عقدے حل ہو جائیں گے، اور گتھیاں سلجھ جائیں گی۔ بشرطیکہ تحقیق حق مقصود ہو۔

تفصیلِ واقعۂ دعوتِ ذوالعشیرہ

اس عظیم الشان واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ جب آیۂ مبارکہ "و انذر عشیرتک الاقربین" (اے رسولؐ اپنے قرابت داروں کو ڈراؤ) نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو بلایا اور دعوت کے لئے کھانا تیار کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے ارشادِ نبوی کے مطابق مہمانی کا انتظام کیا اور پھر آنحضورؐ کے حکم کے مطابق اپنے قرابتدار حضرت عبد المطلب کے بیٹوں اور پوتوں کو بلا لائے۔ سب کے سامنے بقدر ایک شخص کی خوراک کے کھانا رکھا اسی میں سب لوگ سیر ہو گئے۔ یعنی مشفقِ دعوت کی دعوت میں اور معجزہ کا معجزہ دکھا دیا۔ پھر ان لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دیتے ہوئے آنحضرتؐ نے جو تقریر فرمائی اس کا خلاصہ یہ تھا:

یا بنی عبد المطلب انی واللہ ما اعلم شابا فی العرب جاء قومہ بافضل مما قد جئتکم انی قد جئتکم بخیر الدنیا والآخرۃ و قد امرنی اللہ تعالیٰ ان ادعوکم الیہ فایکم یوازرنی علی هذا الامر علی

ان یکون اخی ووصیی وخلیفتی فیکم۔ اے اولادِ عبدالمطلب! میں نہیں جانتا کہ کوئی عرب نوجوان اپنی قوم کے پاس اس سے بہتر چیز لایا ہو جو میں تمہارے پاس لایا ہوں۔ میں دین و دنیا کا بہترین تحفہ لایا ہوں مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ تمہیں اس کی دعوت دوں۔ تم میں سے کون ہے جو اس سلسلہ میں میرے ساتھ تعاون کرے تاکہ وہ میرا بھائی، میرا وصی اور میرا خلیفہ و جانشین بنے یہ سن کر سب خاموش رہے اور کوئی آواز بلند نہ ہوئی۔ ان حضرت علی علیہ السلام جو سن کے لحاظ سے ان سب میں کم سن تھے کھڑے ہوگئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میں تیار ہوں۔ آنحضرتؐ نے علیؑ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا!

"ان هذا اخی ووصیی وخلیفتی فیکم فاسمعوا له واطیعوا۔" یاد رکھنا یہ علیؑ میرا بھائی، میرا وصی ہے اور تم میں میرا خلیفہ ہے لہذا ہمیشہ اس کی بات سننا اور اس کے حکم کی تعمیل کرتے رہنا سب لوگ ہنستے اور مذاق کرتے اور حضرت ابوطالب سے یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے لیجئے اپنے بیٹے کی بات سنیئے اور اطاعت کیجئے (ملاحظہ ہو تاریخ طبری ج ۲ صفحہ ۲۱۷ طبع مصر جلد اول کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۲۲ مسند احمد ج ۱ ص ۱۱۱ طبع مصر نیز کنز العمال طبع حیدرآباد ج ۶ ص ۳۹۷ و ص $\frac{۳۹۲}{۳۹۷}$ تاریخ ابو الفداء ج ۱ ص ۱۱۹ طبع مصر تفسیر معالم التنزیل ص ۹۲۳ تفسیر ابن کثیر ج ۷ ص ۱۱۹ تفسیر ترجمان القرآن جلالین تفسیر در منثور ج ۵ ص ۹۷ تفسیر خازن ج ۳ ص ۳۷۱ معارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۱ تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۱۷ سیرت حلبیہ ج ۱ ص ۲۸۶ وغیرہ)

نوٹ ۱:- دعوت ذوالعشیرہ اور نص خلافت حضرت امیر علیہ السلام کا یہ واقعہ ایسا معتبر صحیح اور مشہور ہے کہ مسلمان تو بجائے خود غیر مسلمان مورخین نے بھی اسے اپنی کتب تاریخ میں ثبت و ضبط کیا ہے، چنانچہ صاحب غایۃ النجاۃ نے کتاب ثبوت خلافت اور رسالہ ... کے حوالے سے اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل کتابوں کے حوالے دیئے ہیں

(۱) کتاب اپالوجی فار محمد اینڈ قرآن مولفہ ڈیون پورٹ صاحب ص ۴
(۲) مسٹر کارلائل صاحب کی کتاب ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ لیکچر دوم ص ۶۱
(۳) کتاب لائف آف محمد اینڈ ہز سکسرز مولفہ واشنگٹن ارونگ ص ۳۳
(۴) ڈیکلائن آف روم، چیپٹر مسٹر گبن ج ۳ ص ۹۱۔
(۵) نیو پاپولر انسائیکلو پیڈیا ص ۱۳۹
(۶) اوکلے صاحب کی تاریخ اسلام ص ۱۹
(۷) گبن سارا سنز مطبوعہ لندن ص ۹۳ ص ۲۴

مصائب رسول تھے اور جناب رسول خدا کی جان بچانے اور اسلام کی حفاظت کرنے کے لئے کفار کے
ستم ہائے جابر دکھا رہے تھے حتی کہ تین سال کے بعد کفار یہ معاہدہ منسوخ کرنے پر مجبور ہو گئے مگر ان کے
پائے ثبات میں کوئی جنبش واقع نہ ہوئی

(ب) دوسرا واقعہ لیلۃ الہجرت والا ہے جب آنحضرتؐ اپنے خانوادہ کے ساتھ شعب ابوطالب میں تین
سال گھرے اور مختلف مصائب و شدائد جھیلنے کے بعد واپس گھر پہنچے تو کفار کا یہ خیال تھا کہ اب ان کی دعوت و
رفتار میں کمزوری پیدا ہو گئی ہوگی مگر جب انہوں نے دیکھا کہ آپ پہلے سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ تبلیغ میں مشغول
ہیں تو ان لوگوں نے آنحضرتؐ کے قتل کا منصوبہ تیار کر لیا۔ خدائے تعالیٰ نے ان لوگوں کے ناپاک عزائم کی اطلاع دی اور
حکم دیا کہ جناب امیر کو اپنے بستر پر سلا کر راتوں رات مدینہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ آنحضرتؐ
نے اس نازک وقت اور خطرناک منزل پر جناب امیر سے فرمایا "نم علی فراشی" میرے بستر پر سو
جاؤ۔ جناب امیرؑ چونکہ وفاداری اور جان سپاری کا عہد و پیمان کر چکے تھے لہٰذا چادر اوڑھ کر سو گئے۔ اسی
موقع پر خداوند عالم نے یہ آیت نازل کی "ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ
رؤف بالعباد" کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو خدا کی رضا جوئی کے لئے اپنی جان بیچ ڈالتے ہیں۔ قسطلانی
نے المواہب اللدنیہ ج ۱ صفحہ پر لکھا ہے "فکان اول من شری نفسہ" جناب امیرؑ پہلے وہ شخص ہیں
جنہوں نے اپنی جان بیچی۔ یہاں تک کہ یہ مشکل مرحلہ آنجنابؑ کی فداکاری سے بخیر و خوبی طے ہو گیا

(ج) سنہ ۲ھ میں اسلام کی سب سے پہلی جنگ ہوئی جو جنگ بدر کے نام سے مشہور ہے مسلمانوں
کی تعداد کم اور سازوسامان حرب و ضرب نہ ہونے کے برابر میدان جنگ چند آدمیوں کے ہاتھ رہا جن
میں نمایاں حصہ رسول اکرم کے قریبی عزیزوں نے لیا جیسے حضرت حمزہ، عبیدہ بن الحارث بالخصوص
حضرت علیؑ نے وہ شجاعت دی کہ دنیا آج تک محو حیرت ہے۔ بالآخر یہ جنگ کامیابی کے ساتھ ختم ہوئی

(د) سنہ ۳ھ میں جنگ احد واقع ہوئی تفصیلات میں جانے کی یہاں گنجائش نہیں واقعات مشہور ہیں
اول اول حالات جنگ سازگار رہے مگر بعض مسلمانوں کی بے تدبیری سے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔ اور
اکثر مسلمانوں نے راہ فرار اختیار کی (جن میں ابوبکر صاحب (تاریخ خمیس ج ۱ صفحہ)، عمر صاحب (تفسیر
جامع البیان ابن جریر طبری ج ۴ صفحہ، تفسیر کبیر ج ۳ صفحہ)، عثمان صاحب (تاریخ طبری ج ۳ صفحہ)
بھی شامل ہیں) قرآن نے بھاگنے والوں کی تصویر کشی ان الفاظ میں کی ہے "اذ تصعدون ولا تلوون
علی احد والرسول یدعوکم" یاد کرو اس وقت کو جب تم پہاڑ پر چڑھے جاتے تھے اور پیچھے
مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے حالانکہ رسول تمہیں آوازیں دے رہا تھا۔ خلاصہ یہ کہ حضرت امیرؑ نے اسی

جنگ بدر جیسے کٹھن حالات میں وہ دلاورِ شجاعت دی کہ فرشتوں کو آپ کی شجاعت کی داد دینا پڑی۔ ؎

لا فتیٰ الا علی   لا سیف الا ذو الفقار

اور آپ کی بدولت اسی ہوئی جنگ کا نقشہ بدل گیا اور نصرت و کامیابی نے قدم چوم لئے

(۵) ۵ھ میں جنگِ خندق واقع ہوئی یہ وہی جنگ ہے جب عمرو بن عبدود مبارز طلبی کر رہا تھا اور مورخین کے بیان کے مطابق مسلمانوں پر یوں خاموشی طاری تھی۔ کانما علی رؤوسہم الطیر گویا سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ جناب امیرؑ ہی تھے جو مقابلہ کے لئے گئے اور اسے واصلِ جہنم کر کے اور کفر و شرک کا سر نگوں کر کے دربارِ رسالت سے ضربۃ علی یوم الخندق افضل من عبادۃ الثقلین کا تمغہ حاصل کیا۔

(۶) ۷ھ میں جنگِ خیبر درپیش آئی کئی سردار یکے بعد دیگرے علم لے کر گئے مگر ہر بار ناکام واپس آئے۔ مورخین نے ایک جملہ لکھا ہے "یجبنہم ویجبنونہ" فوج ان کو بزدل کہتی تھی اور وہ فوج کو بزدل کہتے تھے۔ مگر آنحضرتؐ نے جرنیل بدل کر معاملہ فیصلہ فاتح کے حق میں کر دیا یہ مہم بھی حضرت امیرؑ کی بدولت سر ہوئی۔ اور آپ نے اسی جنگ میں "کرار غیر فرار" کی سند حاصل کی۔

(۷) ۸ھ میں فتح مکہ کے بعد بت شکنی کا فریضہ بھی آپ ہی نے مل کر ہی انجام دیا اس موقع پر جناب رسولِ خداؐ نے آپ سے فرمایا طوبیٰ لک تعمل بالحق وطوبیٰ لی احمل الحق (تدریج نفیس ج ۲ صفحہ ۹۵) اس کلام کا ترجمہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے یوں کیا ہے۔ اے علی! خوشا وقت تو کار حق می کنی خوشا حال من کہ بار حق می کشم (مدارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۱۸۶ ازخلافت و امامت)۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ ؎

اسلام کے دامن میں بس دو ہی تو چیزیں ہیں   ایک ضربِ یداللہی اک سجدۂ شبیری

بہرحال یہ خلافت حضرت علی علیہ السلام کا ایسا صاف و صریح اعلان تھا جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ تھی لیکن انہوں کو مزید سمجھانے کے لیے آنحضرتؐ برابر حضرت علیؑ کی ولی عہدی کا پروقار اعلان بھی کرتے رہے اس امر کا ایک شمہ سابقہ نصوصِ خلافت کی صورت میں پیش کیا جا چکا ہے اور اس وقت تک آنحضرتؐ دار دنیا سے تشریف نہیں لے گئے جب تک جناب امیرؑ کی خلافت و وصایت کا عملی اعلان نہیں کیا اور نہ ہی اس وقت تک دین کامل ہوا۔ درحقیقت علی کا عملی اعلان ہوا اور تکمیل دین کی سند مل گئی یہ اہتمام اس لئے تھا کہ مسلمان باطل پرستی سے محفوظ رہیں اور راہِ راست مرکزِ حق سے جدا ہو کر ضلالت و گمراہی میں مبتلا نہ ہو جائے لیکن عداوت و خود غرضی کا برا ہو کہ مسلمانوں نے اس سلسلہ میں اپنے کو منزلِ مقصود سے دور کرنے کی پوری کوششیں کیں اور اس سلسلہ میں مختلف دسیسہ

کاریوں اور عیاریوں کا ارتکاب کیا مثلاً

(۱) ان احادیث کی صحت سے انکار کیا گیا

(۲) ان کی کیفیت دلالت اور ان کے معانی و مطالب میں بے جا تاویلات کئے گئے

(۳) اس جہالت و ضلالت پر پردہ ڈالنے کے لیئے ان نصوص کے تواتر سے انکار کرکے ان کو اخبار آحاد کہہ کے ناقابل اعتماد قرار دیا گیا

(۴) یہ کہا گیا کہ اگر یہ نصوص موجود تھیں تو حضرت علیؑ نے ادعائے خلافت کرکے ان سے کیوں استدلال و احتجاج نہیں کیا۔

(۵) یہ کہہ کر اپنی گلو خلاصی کی سبیل نکالی گئی کہ اگر خلافت حضرت امیرؑ ہی کا حق تھی تو آپ نے باوجود شیر خدا ہونے کے مدعیان خلافت سے جنگ کیوں نہیں کی؟

جب ان تمام رکیک اور کمزور ایرادات کا مکمل تشفی بخش جواب دے دیا جاتا ہے تو آپ دیکھتے ہیں کہ ہر چہار طرف سے تاویل وغیرہ کا دروازہ بند ہو گیا نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن نہایت بے دست و پائی و بے چارگی کے عالم میں مبہوت ہو کے رہ جاتے ہیں ہاں جن کے توفیق ایزدی شامل حال ہو جاتی ہے وہ تھیں مائم، وہ تو نہایت فرحت و انبساط کے ساتھ "بسم اللہ مجریہا و مرسیہا" پڑھتے ہوئے اہل بیت نبوت کی کشتی نجات پر سوار ہو جاتے ہیں اور جو "ختم اللہ علی قلوبھم" کے مصداق بن چکے ہیں وہ اس طرح حق و حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد بھی آہنگی سے "لا نسلم" (نہ مانوں) کہہ کر میدان تحقیق و مناظرہ سے فرار اختیار کرتے ہیں "سواء علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم لا یؤمنون"

واضح ہو کہ مذکورہ بالا ایرادات پنجگانہ میں سے پہلے دو ایرادوں کے جوابات شافیہ ہمارے سابقہ بیانات و تحقیقات میں دیئے جا چکے ہیں اب ہم ذیل میں بفضلہ تعالیٰ باقی چار اعتراضات کا قلع قمع کرتے ہیں تاکہ ہماری کتاب اس موضوع پر نہ صرف کامل و مکمل ہو جائے اور طالبان حقیقت کو اس کی موجودگی میں اس موضوع کے متعلق کسی اور کتاب کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت باقی نہ رہے

اشکال اول

یہ اخبار آحاد ہیں کیونکہ اگر متواتر ہوتیں تو ہمیں بھی علم و یقین ہو جاتا کیونکہ خبر متواتر موجب علم و یقین ہوتی ہے حالانکہ ہمیں ہرگز ان سے علم حاصل نہیں ہوتا۔ فخر الدین رازی نے نہایۃ العقول میں ان سے علم کے حاصل نہ ہونے پر حلف اٹھایا ہے معلوم ہوا کہ یہ اخبار متواترہ نہیں بلکہ اخبار آحاد ہیں اور خبر واحد اصول عقائد میں حجت نہیں ہوتی۔ لہٰذا حضرت علیؑ کی خلافت کے اثبات

کے سلسلہ میں ان سے تمسک نہیں کیا جا سکتا۔ (شرح مواقف، شرح عقائد، مسامرہ وغیرہ)

الجواب بعون اللہ الوہاب ! یہ اشکال بچند وجہ باطل ہے۔

اولاً: مقام شکر ہے کہ اس قدر تو تسلیم کر لیا گیا ہے کہ خلافت حضرت علی کے متعلق اخبار آحاد موجود ہیں، حالانکہ کتاب ہی میں جو عدم نقل پر اصرار اور "ان النبیؐ لم ینص علی احد" کی تکرار کی ہے تھی اب جبکہ آپ نے یہ تسلیم کر لیا کہ اس موضوع پر اخبار آحاد موجود ہیں تو اس سے آپ کے دعویٰ کا بطلان واضح و عیاں ہو گیا اس کے بعد تاویل علیل چہ معنی دارد؟

ثانیاً. مسئلہ خلافت و امامت آپ کے نزدیک فروع دین میں سے ہے اور یہ ظاہر ہے کہ فروع دین میں اخبار آحاد حجت ہیں لہٰذا اصول مقررہ کی بنا پر آپ کو ہرگز ان نصوص کے رد کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔ ہمارے مقابلہ میں آپ کا ان نصوص سے دست بردار ہو جانا محض مجادلہ و مکابرہ پر مبنی ہے جو اصول دیانت کے خلاف ہے۔

ثالثاً: خبر متواتر کی دو قسمیں ہیں (۱) متواتر لفظی (۲) متواتر معنوی۔ یہاں بحمدہ تعالیٰ دونوں طرح کا تواتر موجود ہے۔ سابقاً مفصل مدلل بیان کیا جا چکا ہے کہ ان نصوص متکاثرہ میں سے بعض نصوص جیسے حدیث شریف ثقلین و حدیث غدیر متواتر لفظی ہیں۔ رہا تواتر معنوی تو دیگر نصوص اگرچہ ان میں سے ہر ایک بظاہر خبر واحد ہے لیکن باعتبار مجموعہ من حیث المجموع تواتر معنوی کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں واضح کیا جا چکا ہے کہ یہ سب نصوص باوجود اختلاف تعبیرات و الفاظ ایک ہی محور کے اندر گردش کر رہی ہیں وہ محور اثبات خلافت بلا فصل حضرت امیر علیہ السلام ہے۔ بقول قائل ؎

عباراتنا شتی وحسنک واحد ۔۔۔ وکل الی ذاک الجمال یشیر

ان نصوص متواترہ کو اخبار آحاد قرار دینا تعصب و عناد کا نتیجہ ہے۔ سچ ہے ؎

و الم یکن للمرء عین صحیحۃ ۔۔۔ فلا غرو ان یرتاب فی الصبح مسفر

رابعاً: یہ کہنا کہ اگر یہ نصوص متواتر ہوتیں تو ہمیں بھی ان کے سننے سے ان کو بھی خلافت حضرت علی کا علم و یقین پیدا ہو جاتا، اس کے متعلق عرض ہے کہ حدیث متواتر سے علم و یقین کا حاصل ہونا اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ سامع کا ذہن شکوک و شبہات کی کدورتوں سے پاک ہو ورنہ ان آلودگیوں کی موجودگی میں اس علم کا حصول نہیں ہو سکتا (ملاحظہ ہو شرح نخبۃ الفکر و اصول شاشی وغیرہ)۔

معلوم ہوا کہ عدم حصول علم کے سبب خود تم ہی ہو اگر تعصب و عناد و لجاجت و عداوت کی آلائش سے

پہلے ہم اذہان کو تعصب، عناد سے پاک صاف کرکے ہماری طرح نفوسِ زکیہ قلوبِ صافیہ عقولِ سلیمہ اور طباعِ مستقیمہ کے ساتھ سرِ تسلیم خم کرکے کوششِ حقیقت پژوہی سے ان نصوص شریفہ کا مطالعہ کریں تو یقیناً نورِ علم و ایقان سے ہمارے قلوب بھی ہمیشہ درخشاں ہو جائیں اگر شک ہو تو آج ہی اس نسخہ کو استعمال کرکے آزمائیے۔

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے

اشکال دوم اگر یہ نصوص موجود ہوتیں تو اس مسئلہ میں اختلاف کیوں واقع ہوتا اور صحابہ کرام ان سے اعراض کرکے کس طرح حضرت ابوبکر کی خلافت پر اجماع کر سکتے تھے؟ ماننا پڑے گا کہ یہ نصوص موجود نہ تھیں۔

الجواب بتائید اللہ التواب خود تامل سے واضح ہوتا ہے کہ یہ اشکال ایک نہیں بلکہ درحقیقت دو اشکالوں کا مجموعہ ہے

۱۔ اگر یہ نصوص موجود تھیں تو صحابہ نے کس طرح ان سے اعراض کیا؟

۲۔ اگر یہ نصوص موجود ہوتیں تو امت میں اس مسئلہ میں اختلاف نہ پایا جاتا۔ ہم ذیل میں ان دونوں ایرادوں کا جواب باصواب پیش کرتے ہیں۔ اشکال اول کے متعلق واضح ہو کہ

اولاً یہ شبہ برادرانِ اہل سنت والجماعت کے فرسودہ و مردودہ نظریہ پر مبنی ہے وہ یہ کہ ان حضرات کا یہ خیال محال ہے کہ سب صحابہ مومن و عادل تھے (الصحابۃ کلھم عدول) اس مزعومہ کی بنا پر یہ حضرات شریعت اسلامیہ کے جن فوائد و منافع سے محروم ہو گئے ان کا احصار و شمار اس مختصر کتاب میں نہیں کیا جا سکتا۔ یہ نظریہ عقلاً و نقلاً اور درایۃً و روایۃً بالکل فاسد ہے اس کے بطلان کا تفصیلی بیان تو ہمارے آئندہ بیانات میں حدیث مجعول "اصحابی کالنجوم" کی رد کے ضمن میں آ رہا ہے یہاں بطور اختصار ایک اجمالی بیان پر اکتفا کی جاتی ہے تعصب و عناد کی پٹی اور آباء و اجداد کی تقلید کی عینک اتار کر میدانِ تحقیق میں وارد ہوتے اور نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں مومن و منافق موحد و مشرک، عادل و فاسق، مرتکب صغائر و کبائر، دین دار و دنیا دار، غرضیکہ ہر قسم و ہر قماش اور ہر مکتب خیال کے لوگ موجود تھے طالبانِ رشد و ہدایت کی سہولت کے لئے بطور مثال چند آیات و روایات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

وہ بعض آیات جن میں بعض صحابہ کے افعال شنیعہ کا ذکر ہے

قرآن مجید کا ایک معتدبہ حصہ اس قسم کی آیات بلکہ مستقل سورتوں سے لبریز ہے بطور تازیانۂ عبرت یہاں چند آیتوں کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

(۱) کتب تفاسیر و تواریخ میں ایک خاص جماعت صحابہ کے نام ملتے ہیں جن کی ایمانی کمزوری کا یہ عالم تھا کہ عین حالت نماز میں تجارت اور لہو و لعب کی آواز سن کر نماز توڑ کر، آنحضرتؐ کو تنہا چھوڑ کر اُدھر دوڑ جاتے تھے جس کی خبر حضرت احکم الحاکمین عالم نے ان الفاظ میں دی ہے۔ "و اذا راوا تجارۃ او لھوا انفضوا الیھا و ترکوک قائما" (سورۂ جمعہ پ ۲۸) جب تجارت یا کوئی لہو و لعب کا کام دیکھ لیں تو تمہیں کھڑا چھوڑ کر اس کی طرف چلے جاتے ہیں۔

(۲) انہی لوگوں میں یہ ایک معتدبہ تعداد ان لوگوں کی تھی جو حضرتؐ کی تقسیم صدقات پر نکتہ چینی اور حرف گیری کرتے تھے جس کی خبر خداوند عالم نے ان الفاظ میں دی ہے "و منھم من یلمزک فی الصدقات فان اعطوا منھا رضوا و ان لم یعطوا منھا اذا ھم یسخطون" ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو تقسیم صدقات کے سلسلہ میں عیب لگاتے ہیں اگر ان کو حسب منشا حصہ مل جائے تو راضی ہو جاتے ہیں اور اگر نہ ملے تو ناراض ہو جاتے ہیں۔

(۳) انہی صحابہ میں ایک کثیر جماعت منافقین کی موجود تھی۔ جن کے نفاق و شقاق کا دامن سورۂ منافقین وغیرہ میں چاک کیا گیا ہے بالخصوص آیۂ ذیل میں اس امر کی صراحت موجود ہے "و من اھل المدینۃ مردوا علی النفاق لا تعلمھم نحن نعلمھم سنعذبھم مرتین" الآیہ اس آیت کے ساتھ جب شبلی نعمانی کے بیان کو ضم کر دیا جائے تو حقیقت اور بھی اجاگر ہو جاتی ہے لکھتے ہیں "آنحضرتؐ سے جب وفات پائی مدینہ منورہ منافقوں سے بھرا پڑا تھا۔ جو مدت سے اس بات کے منتظر تھے کہ رسولؐ کا سایہ اٹھ جائے تو اسلام کو پامال کر دیں۔ (الفاروق ج ۱ صفحہ طبع لاہور)

(۴) انہی صحابہ میں سے اکثر حضرات کے کفر و ارتداد اور اپنے سابقہ ایمان باللہ کی طرف پلٹنے کی تلویح بلکہ تصریح اس آیہ مبارکہ میں موجود ہے "افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم و من ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئا"۔ اگر پیغمبر وفات پا جائے یا قتل ہو جائے تو کیا تم الٹے پچھلے پاؤں پلٹ جاؤ گے، یاد رکھو جو شخص اپنے پچھلے پاؤں پلٹ جائے گا، وہ خدا کا کچھ نہیں بگاڑے گا۔ بلکہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔

(۵) انہی صحابہ میں کچھ ایسے بھی تھے جن کے دنیا دار ہونے کی خالق اکبر نے یوں اطلاع دی ہے

منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الآخرۃ "تم میں سے کچھ وہ ہیں جو دنیا کے طلبگار ہیں، اور کچھ وہ ہیں جو دین کے جویاں ہیں۔" (یہ سب کے سب عادل و مومن کیونکر ہو سکتے ہیں)

(۶) اسی جماعت صحابہ میں وہ لوگ بھی تھے جو رسولِ اسلام کو نرغۂ اعداء میں گھرا ہوا چھوڑ کر اپنی جان بچانے کی خاطر بھاگ جاتے تھے خدائے حکیم ان کی اس حرکتِ شنیعہ کی یوں خبر دیتا ہے "اذ تصعدون ولا تلوون علی احد والرسول یدعوکم" اس کی تفصیل ابھی اوپر خطابات جناب امیرؑ کے ذیل میں گزر چکی ہے۔ الی غیر ذلک من الآیات الصریحۃ والاشارات الکثیرۃ۔

وہ احادیث جو بعض صحابہ کے شرک وکفر وغیرہ کو بتاتی ہیں

اس قسم کی احادیث اس قدر کثیر تعداد میں ہیں جن کا احصار و شمار مشکل ہے۔ فقط چند احادیث پر اکتفا کی جاتی ہے۔

(۱) تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۵۵ میں باسناد امام احمد ابن حنبل مرفوعاً جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: "ان فی اصحابی منافقین" یقیناً میرے صحابہ میں منافق بھی پائے جاتے ہیں۔

آنحضرتؐ کے اس ارشاد کی بقطع نظر دیگر دلائل و شواہد کے خود حضرت عمر کے اقرار سے بھی ہوتی ہے۔ جو انہوں نے حضرت حذیفہ کے سامنے کیا تھا۔ "یا حذیفۃ باللہ انا من المنافقین" خدا کی قسم اے حذیفہ! یقیناً میں منافقین میں سے ہوں؟ (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲۹۹ مطبوعہ مصر) جب مسلمانوں کے خلیفۂ دوم کے ایمان کی یہ کیفیت ہے تو مرتبہ و منزلت میں ان سے کم تر سمجھے جاتے ہیں ان کے ایمانی کوائف کا اس سے بآسانی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ع

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

(۲) تفسیر درمنثور ج ۴ ص ۵۰ میں مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے جناب ابوبکر سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ الشرک فیکم اخفی من دبیب النمل "تم لوگوں میں شرک چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی طور پر چلتا ہے۔"

(۳) احادیث حوض جو کہ صحاح ستہ وغیرہ میں باسناد متعددہ مذکور ہیں بہت سے صحابہ کے قطعی جہنمی ہونے پر نص صریح ہیں ان کا ماحصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ بروز محشر میں حوض کوثر پر موجود ہوں گا، میرے صحابہ کی ایک جماعت وہاں میری طرف بڑھے گی

جب میرے نزدیک پہنچیں گے تو اچانک فرشتہ ہائے عذاب ان کو مجھ سے دور ہٹا کر جہنم کی طرف لے چلیں گے میں کہوں گا بارالہا! یہ تو میرے صحابہ ہیں میرے صحابہ ہیں تو آواز آئے گی تمہیں معلوم نہیں کہ انہوں نے تمہارے بعد کیا کیا بدعات جاری کئے تھے۔ تب میں کہوں گا ہلاکت ہو ان کے لئے جنہوں نے میرے دین میں تغیر و تبدل کیا اور بدعات و احداث جاری کئے (ملاحظہ ہو بخاری کتاب الفتن ج ۴ ص ۸۷ ج ۴ ص ۱۵۸ طبع مصر صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۴۹ مسند ابوداؤد جز ۱ ص ۲۹۵/۲۹۶ مسند امام احمد ص ۱۹۸/۱۸۵ ج ۱ ص ۱۷۱ خصائص سیوطی ج ۲ ص [illegible] کنز العمال ج ۱ ص ۹۱ ج ۷ ص ۲۴۲ فتح الباری جز ۱۱ ص [illegible] وغیرہ۔ نووی نے شرح مسلم میں احادیث حوض پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے "احادیث الحوض صحیحۃ والایمان بہ فرض (الی ان قال) قال القاضی حدیثہ متواتر رواہ خلائق من الصحابۃ (یعنی احادیث حوض صحیح ہیں اس پر ایمان رکھنا فرض ہے۔ قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ یہ روایت متواتر ہے جسے بہت سے صحابہ نے نقل کیا ہے)" اس حدیث متواتر نے حضرات اہل سنت کے اس مزعومہ "الصحابۃ کلہم عدول" کو بالکل ہی باطل و عاطل کر دیا ہے یہ اس امر پر نص صریح ہے کہ جماعت صحابہ میں کچھ لوگ "بدعتی" بھی گزرے ہیں جو اس فعل شنیع کی وجہ سے جہنم کا ایندھن قرار پائیں گے۔ اگر ان حضرات کے اسماء کا صریح لگانا مطلوب ہو تو تاریخ الخلفاء سیوطی وغیرہ میں باب اولیات "فلاں" "فلاں" "فلاں" ملاحظہ ہو۔

نیز کتب حدیث میں ان بزرگوں کے نام بھی تلاش کرنے سے مل سکتے ہیں جو اپنی بدعات و محدثات پر فخر و مباہات کرتے ہوئے کہا کرتے تھے۔ "نعمت البدعۃ ہذہ" (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲۹ [illegible]) اور موطائے امام مالک ص [illegible] مجتبائی دہلی وغیرہ میں ان حضرات کے نام بھی مل سکتے ہیں جن سے آنحضرت کو اپنے بعد دین میں بدعات و احداث جاری کرنے کا شدید خطرہ تھا۔ عاقلوں را اشارہ کافی است

وہ روایات جو بعض صحابہ کے حال خسران مآل کا پتہ دیتے ہیں

کتب سیر و تواریخ پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہ آنحضرت کے عین حیات میں بھی بڑے بڑے گناہان کبیرہ مثل شراب خوری، چوری، سود خوری اور زنا کاری وغیرہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا کرتے تھے چنانچہ انہی حقائق کے پیش نظر بڑے بڑے علمائے کبار (مراجعہ) نظر آتے ہیں، اور بجز اقرار و اعتراف کے کوئی راہ فرار نہیں پاتے ملاحظہ ہو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی "اگر صحابہ کلہم معصوم اندکہ وجہے از وجوہ طعن نہ داشتند چہ از بعضے شرب خمر ثابت شدہ چنانچہ در مشکوٰۃ است و بعد آنحضرت اقامہ حدود بر آنہا کردہ اند و حسان ابن ثابت و مسطح ابن اثاثہ قذف ام المومنین ثابت

شدہ و بہ آنہا نیز حد جاری گشت و ماعز اسلمی زنا صادر شد و مرجوم گردید» یعنی ایسا نہیں ہے کہ تمام صحابہ معصوم
تھے کہ ان پر کسی قسم کا اعتراض نہ وارد ہو سکے۔ کیونکہ بعض کے متعلق شراب نوشی ثابت ہو چکی ہے جیسا کہ
مشکوٰۃ میں مذکور ہے اور آنحضرتؐ نے ان پر حدیں جاری کیں اور حسان ابن ثابت اور مسطح ابن اثاثہ
سے قذف (نسبت زنا بہ حضرت عائشہؓ) ثابت ہو چکا ہے آنحضرتؐ نے ان پر بھی حد جاری فرمائی
اور ماعز اسلمی سے زنا کیا جس کی پاداش میں اسے سنگسار کیا گیا (ترجمہ تذنیب عزیزی ج ۱ ص ۴۲۲)
اسی طرح دیگر گناہان کبیرہ مثل چوری سود خوری، کذب بیانی وعدہ خلافی کرنے بلکہ شک فی النبوۃ کرنے کے
واقعات کتب مبسوطہ میں بالتفصیل مذکور ہیں

صحابہ کرام کی یہ کیفیت آنحضرتؐ کے حین حیات میں تھی باوجودیکہ آنحضرتؐ ان کے درمیان موجود
تھے۔ افعال قبیحہ کی فوری سزا کا خطرہ دامنگیر ہوتا تھا۔ مذمت میں نزول قرآن کا اندیشہ بھی تھا لیکن شمع رسالت
کے گل ہو جانے کے بعد تو یہ خوف و ہراس بھی برطرف ہو گیا تھا اب جو ظلم اور فسق و فجور کا کھلم کھلا
طور پر ارتکاب کرتے تھے انہیں کون سا امر مانع رہ جاتا تھا یہی وجہ ہے کہ بعض درد دین رکھنے والے صحابہ
کرام کہا کرتے تھے۔ عن حذیفۃ ابن الیمان قال ان المنافقین الیوم شر منھم علی عہد النبی
کانوا یومئذ یسرون والیوم یجھرون "آج کل منافقوں کی حالت اس سے کہیں بدتر ہے جو
آنحضرتؐ کے عہد میں تھی کیونکہ یہ اس وقت پوشیدہ طور پر حرکات شنیعہ کا ارتکاب کرتے تھے اور اب
آشکار طور پر ان کو بجا لاتے ہیں۔ (صحیح بخاری ج ۴ ص ۱۱۳ طبع مصر) شبلی نعمانی کے اس کلام سے بھی مطلب
کی تائید مزید ہوتی ہے جو ہم سطور بالا میں درج کر چکے ہیں

آنحضرتؐ کی وفات حسرت آیات کے بعد کفر و ارتداد کی کچھ ایسی ہوا چل گئی تھی کہ اچھے خاصے صحابہ
کے قلوب متغیر اور حالات متبدل ہو گئے تھے چنانچہ خصائص سیوطی ج ۲ ص ۱۵۴ طبع حیدر آباد دکن پر مذکور
ہے۔ اخرج البزار بسند صحیح عن ابی سعید قال ما نفضنا ایدینا من دفن رسول اللہ فی التراب
انکرنا قلوبنا۔ بزار نے بسند صحیح ابن سعید سے روایت کی ہے ان کا بیان ہے کہ جونہی ہم نے آنحضرتؐ
کو دفن کیا یکایک ہم نے اپنے دلوں کی کیفیت بدلی ہوئی پائی (یعنی سابقہ حالت سے منقلب ہو گئے)
پھر ایسی ہی ایک روایت ابن سعد و حاکم و بیہقی سے باسناد انس نقل کی ہے مخبر صادق نے اس بات
کی خبر دے دی تھی چنانچہ فرماتے ہیں ان الناس دخلوا فی دین اللہ افواجا و سیخرجون منہ
افواجا یعنی جس طرح لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہوئے تھے اسی طرح گروہ در گروہ اس سے خارج
ہو جائیں گے (کنز العمال ج ۶ ص ۶۰ و ص ۱۲۶) اسی انقلاب قلوب ارتداد کا نتیجہ تھا جو بخاری نصوص و نقل

نفوس کی صورت میں ظہور پذیر ہو۔ اپنی صداقت سے متاثر ہو کر علامہ سعدالدین تفتازانی شرح مقاصد ج ۲
صد۲۰۳ پر یہ لکھنے پر مجبور ہوگئے ان ما وقع بین الصحابة من المحاربات والمشاجرات على
الوجه المسطور فی کتب التواریخ والمذکور على السنة الثقات یدل بظاهره على ان
بعضهم قد حاد عن طریق الحق و بلغ حد الظلم والفسق ۔ جو جنگ و جدال اور جھگڑے اور فساد
صحابہ کے درمیان واقع ہوئے جو کتب تواریخ میں مسطور اور معتبر آدمیوں کی زبانوں پر مذکور ہیں، بظاہر
اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ بعض صحابہ کرام جادۂ حق سے ہٹ کر حد ظلم و فسق تک پہنچ گئے تھے۔
جب ان حقائق کی روشنی میں کئی صحابہ کی عدم عدالت محقق ہو گئی، ان کا بڑے بڑے گناہوں کا
بے محابا ارتکاب کیا جس ثابت ہو گیا تو بعد ازاں ان سے نصوص خلافت امیر المومنین علیہ السلام کے انکار
کا ارتکاب کر لینا کون سا ایسا تعجب خیز امر ہے جو لوگ سرورِ کائنات کی وفات ایسے ظاہر و باہر امر کا انکار
کر سکتے ہیں کیا وہ حضرت امیرؑ کی نصوص خلافت کا انکار نہیں کر سکتے تھے؟ جب الصحابة کلهم عدول کے مزعومہ کا
بطلان واضح و عیاں ہو گیا تو اس سے مذکورہ بالا اشکال بلکہ محض استبعاد کا بطلان اور اس کا درجہ اعتبار سے ساقط
ہونا بھی کالشمس فی رابعة النہار واضح و آشکار ہو گیا۔

امم سابقہ میں اس انقلاب کی نظیر

خاتم النبیینؐ کے ارتحال پر ملال کے بعد اکثر صحابہ کا جادۂ حق سے منحرف ہو جانا اور باطل پر مجتمع ہو جانا کوئی ایسا انوکھا امر نہیں جس کی نظیر امم سابقہ میں نہ مل سکتی ہو بلکہ امم سابقہ کے حالات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نبی کے بعد ایسے امور شنیعہ کا ارتکاب ہوتا رہا ہے۔ ۲؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

۱؎ کتب سیر و تواریخ میں یہ واقعہ درج ہے کہ جب جناب رسول خدا کی وفات حسرت آیات واقع ہو چکی تو جناب عمر نے تلوار سونت لی اور یہ اعلان کرنا شروع کیا جو شخص یہ کہے گا کہ آنحضرتؐ کا انتقال ہو گیا ہے میں اس تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا (الملل والنحل شہرستانی ج ۱ صد ۱۵ طبع مصر، تفسیر درمنثور وغیرہ) ۔ ۔

۲؎ بعض اخبار و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نبی کے بعد امت کے دو حصوں میں سے اہل باطل بظاہر غالب رہے ہیں چنانچہ کنزالعمال ج۲ صد ۱۸۳ پر باسناد طبرانی اوسط حضرت عمر سے مروی ہے (قال ما اختلفت امة بعد نبیها الا ظهر اهل باطلها على اهل حقها) یعنی جب بھی کسی نبی کے بعد اس کی امت نے اختلاف کیا ہے تو اہل باطل بظاہر اہل حق پر غالب رہے ہیں اس سے معلوم ہو گیا کہ اہل باطل کی کثرت اور ان کے ظاہری غلبہ و اقتدار سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے کیونکہ اس سے ان کی حقانیت ثابت نہیں ہوتی "اکثر الناس لا یعقلون" (منہ عفی عنہ)

بہرحال دو جانشینوں کی منزلت یعنی حضرت موسیٰ علی نبینا وآلہ وعلیہ السلام کے ساتھ پورے
رسول کو تشبیہ بھی دی گئی ہے "انا ارسلنا الیکم رسولا شاہدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا"
ان کے اصحاب کے کوائف وحالات ملاحظہ کیجئے کہ باوجودیکہ جناب موسیٰ کے متعدد معجزات بچشم خود دیکھ
چکے تھے۔ ایمان لا چکے تھے اور شرف صحبت سے مشرف ہو چکے تھے۔ لیکن جب جناب موسیٰ فقط چند
راتوں کے لئے کوہ طور پر تشریف لے جاتے ہیں تو باوجودیکہ آپ کے حقیقی خلیفہ حضرت ہارون ان میں
موجود تھے جو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فرائض کو نہایت تن دہی سے انجام دیتے رہے لیکن ان
اصحاب نے جس طرح منکرات وفواحش بلکہ کفر وارتداد کا مظاہرہ کیا وہ قرآن مجید میں بالتفصیل
مذکور ہے پس جب حضرت موسیٰ کے بنفس نفیس مقرر کردہ خلیفہ کی موجودگی میں اصحاب موسیٰ ان سے منحرف ہو
کر بلکہ ان کے قتل پر آمادہ ہو کر گوسالہ پرستی کر کے کفر صریح کا مظاہرہ کر سکتے ہیں تو کیا اصحاب محمد صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے حقیقی خلیفہ وجانشین سے کنارہ کشی اختیار کر کے بعض اصنام قریش کی پرستش
نہیں کر سکتے؟ ضرور کر سکتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ حضرت مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام خبر دے چکے
تھے کہ "لتسلکن طریق من کان قبلکم حذو النعل بالنعل والقذۃ بالقذۃ"
تم گذشتہ لوگوں کے راستہ پر اس طرح چلو گے جس طرح ایک تیر دوسرے تیر کے اور ایک جوتا دوسرے
جوتے کے برابر ہوتا ہے (تفسیر در منثور ج ۵ ص [illegible] از ابن ابی شیبہ و احمد و حاکم مرفوعاً از حذیفہؓ)
بعض مقامات پر "لتسلکن طریق من کان قبلکم" کے بجائے "لتتبعن سنن من کان قبلکم شبراً بشبر"
موجود ہے (بخاری [illegible] ترمذی ج ۲ ص [illegible]) بعض روایات میں بجائے
"حذو النعل" کے "ذراعاً بذراع" مذکور ہے (نبراس ابن تیمیہ ج ۲ ص [illegible]) بعض اہل سنت "لتسلکن
سنن من قبلکم" الخ کے معنی یوں بیان کرتے ہیں "تعملون مثل اعمالهم" تم گذشتہ
لوگوں (یہود ونصاریٰ وغیرہ) کے جیسے اعمال بجا لاؤ گے۔ الغرض اس قسم کی روایت قریباً تمام کتب
تفسیر وحدیث میں موجود ہیں مزید حوالہ جات کیلئے مندرجہ ذیل کتب ملاحظہ ہوں۔ (صحیح بخاری ج ۴ ص [illegible]
صحیح مسلم ج ۸ ص [illegible] سنن ابن ماجہ ص [illegible] مستدرک حاکم ص [illegible] مسند امام احمد ج ۲ ص [illegible] سیرت حلبیہ
ص [illegible] وغیرہ) اس حدیث شریفہ کی صداقت کے پیش نظر ماننا پڑے گا کہ اس امت میں بھی ان
افعال ناشائستہ کا مظاہرہ کیا گیا ہے اور کیا جانا چاہیئے تھا۔

خداوند عالم نے سرکار سید المرسلین کو حضرت موسیٰ کے ساتھ تشبیہ دی ہے "انا ارسلنا الیکم رسولا
شاہدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا" ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا ہے جو تمہارے

اور یہ ظاہر ہے جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا۔ اور آنحضرت کے حضرت امیر المومنین کو حضرت ہارون کے ساتھ تشبیہ دینے میں اس طرف بھی اشارہ تھا کہ حضرت علی علیہ السلام کو بھی اس امت کے ہاتھوں وہ دن دیکھنا نصیب ہوگا جس کا سامنا حضرت ہارون کو ہوا تھا غالباً اسی مناسبت کے لحاظ سے حضرت امیر علیہ السلام نے قوم کے غدار اور اشقیائے ظلم و استبداد کے وقت منبر رسول کی طرف خطاب کر کے اس آیہ مبارکہ کی تلاوت فرمائی تھی جسے حضرت ہارون نے حضرت موسیٰ کی خدمت میں اپنی قوم کے شکوہ میں پڑھا تھا یابن ام ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی۔ "اے میرے بھائی قوم نے مجھے بہت ہی ضعیف کر دیا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر ڈالیں۔ (الامامۃ والسیاسۃ طبع مصر ص ۱۳۲) حالات و واقعات شاہد ہیں کہ حضرت سرور کائنات کی پیشین گوئی حرف بحرف سچی ثابت ہوئی اور ہو بہو وہی حالات حضرت امیر علیہ السلام کو پیش آئے جن سے حضرت ہارون دوچار ہو چکے تھے یہ بھی ظاہر ہے کہ اس میں پیغمبر اکرم کی تعلیم و تربیت کا کوئی قصور نہیں جو کچھ قصور ہے وہ خود لوگوں کا ہے ہر شخص نے اپنی اپنی استعداد کے مطابق اس چشمہ فیض سے فیض حاصل کیا ؎

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

جیسے ؎

ہر طبیعت ہی جن کی قابل وہ تربیت سے نہیں سنورتے
ہوا نہ سرسبز رہ کے پانی میں عکس سرو کنار جو کا

کتمان شہادت حق کا ارتکاب

کتب سیر و تواریخ و احادیث میں بکثرت ایسے واقعات ملتے ہیں کہ کئی دفعہ حضرت امیر علیہ السلام نے اپنی نصوص خلافت کے متعلق بعض صحابہ سے شہادت طلب کی لیکن انہوں نے کتمان حق کرتے ہوئے ادائے شہادت سے انکار کر دیا اور آنجناب کی بددعا کا شکار ہو کر مختلف امراض و مصائب میں گرفتار ہوئے چنانچہ مسند امام احمد بن حنبل مطبوعہ بمبئی ج ۱ ص ۱۱۹ میں مروی ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام نے مقام رحبہ میں حاضرین سے خدا کا واسطہ دے کر شہادت طلب کی کہ جس شخص نے غدیر خم میں حضرت رسول کو "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" فرماتے ہوئے سنا ہو وہ اٹھ کر شہادت دے۔ بارہ آدمیوں نے اٹھ کر شہادت دی کہ ہاں ہم نے آنحضرت کو دیکھا اور یہ فرماتے ہوئے سنا تھا لیکن تین آدمی جو کہ شاہد تھے بیٹھے رہے تو حضرت نے ان کے حق میں بددعا کی اور وہ مختلف شدائد و آلام میں مبتلا ہو گئے

اسی طرح ملا جامی نے شواہد النبوۃ مطبوعہ بمبئی ص۲۰۳ پر لکھا ہے "ازاں جملہ آنست کہ روزے بحاضری مجلس سوگند داد کہ ہر کہ از رسول صلعم شنیدہ است کہ گفتہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ، گواہی دہد انصار میں سے بارہ آدمیوں نے اٹھ کر شہادت دی[*] ، حضرت علیؓ نے اس سے کہا کہ اے فلاں! تو نے گواہی کیوں نہیں دی اس نے اپنے بڑھاپے اور نسیان کے غلبہ کی وجہ سے فراموش ہو جانے کا عذر پیش کیا۔ پیر گفت خداوندا اگر ایں شخص دروغ می گوید سفیدہ بر بشرۂ وے ظاہر گرداں کہ عمامہ آنرا نہ پوشد۔ راوی گوید کہ واللہ من آں شخص را دیدم کہ سفیدی بر میان دو چشم وے در آں ساعت آمدہ بود" فرمایا بار الہا! اگر یہ آدمی جھوٹ کہتا ہے تو اس کے چہرہ پر ایک ایسی سفیدی ظاہر کر جسے عمامہ بھی نہ چھپا سکے۔ راوی کہتا ہے کہ بخدا میں نے دیکھا کہ اسی وقت اس شخص کی آنکھوں کے درمیان سفیدی ظاہر ہو گئی۔ یہ شخص انس بن مالک تھا۔ ان زید ابن ارقم کے انکار اور آنجناب کی بددعا سے اس کے نابینا ہو جانے کا تذکرہ کیا ہے (عین الفاظ یہ ہیں) "زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ گفتہ است کہ من در جماں مجلس یا شل آں حاضر بودم و من ازاں جملہ بودم کہ شنیدہ بودم اما گواہی ندادم و آں را پنہاں داشتم خداتعالیٰ چشم مرا ببرد" مصنف نے ان ایسے اشخاص کی تعداد بارہ بعض نے آٹھ اور بعض نے چالیس بتلائی ہے منجملہ ان کے انس بن مالک سے ان کی پیشانی پر مرض برص کا سفید داغ ظاہر ہو گیا تھا اور زید بن ارقم اور ابن حبیب نابینا ہو گئے تھے اشعث بھی مبتلائے عذاب ہوا تھا براء ابن عازب عزیزوں سے جدا ہو کر غربت کی موت مرا تھا ایک شخص مرض جنون میں مبتلا ہوا تھا، اور ایک آدمی جنگ میں ہلاک ہو گیا۔ خلاصہ یہ کہ جن لوگوں سے آنجناب نے بوقت ضرورت شہادت طلب کی اور انہوں نے انکار کیا وہ سب ہی مختلف دنیوی عذاب و عقاب کے شکار ہوئے۔

ولعذاب الآخرۃ اکبر۔

بتلایئے سب اہل سنت کا یہ کلیہ کہ "الصحابۃ کلھم عدول" کہاں تک حقیقت پر مبنی ہے؟[1]

---

[1] ہماری یہ کتاب لکھی جا چکی تھی کہ ہمیں حافظ علی بہادر دہلوی کی کتاب "صحابیت" اور جماعت اسلامی کے سربراہ کی کتاب "خلافت سے ملوکیت تک" دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ ہر دو حضرات سنی المذہب ہیں انہوں نے داد تحقیق دیتے ہوئے اس غلط نظریہ کا تار و پود بکھیر کے رکھ دیا ہے افسوس ہے کہ ہم ان کتب سے استفادہ نہ کر سکے۔ تفصیل کے لئے شائقین ان کتب کا مطالعہ کریں (عفی عنہ)

کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص کتمانِ شہادت حقہ کرے آیت " لا تکتموا الشہادۃ " کی وعید و تہدید سے مطلقاً نہ ڈرے۔ اس گناہ عظیم کے سبب سے عذابِ دنیوی میں بھی مبتلا ہو جائے اور یہ عذاب برص و جذام و نابینائی وغیرہ کی صورت میں ظاہر بھی ہو جائے۔ بایں ہمہ اس کی عدالت قائم رہے؟ مالکم کیف تحکمون؟ یہ بات نظر انداز نہ کیجئے گا کہ یہ کونسا کتمان ہے؟ یہ کتمان حدیث پیغمبر اسلام ہے جن کے حق میں ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی وارد ہے۔ بنا بریں شہادت حدیث کا کتمان درحقیقت وحی خدا کا کتمان ہے جس کی سزا قرآن مجید میں یہ مذکور ہے الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والھدیٰ من بعد ما بیناہ للناس فی الکتاب اولئک یلعنھم اللہ و یلعنھم اللاعنون۔ "جو لوگ چھپاتے ہیں جو ہم نے نازل کی روشن دلیلوں اور ہدایت ہمارے لوگوں کے واسطے بیان کر دینے کے بعد ان پر اللہ لعنت کرتا ہے اور دوسرے لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں" (از موعظۃ القویم)

ایک ضمنی ایراد کا جواب

اگر یہ کہا جائے کہ سب صحابہ تو فاسق و فاجر نہ تھے ان میں عادل و پرہیزگار بھی تو تھے انہوں نے ان نصوص کی بنا پر حضرت [illegible] علیؑ کی متابعت کیوں نہ کی؟

اس ایراد کا جواب واضح ہے یہ بالکل درست ہے کہ صحابہ میں ایسے اشخاص موجود تھے اگرچہ ان کی تعداد بہت ہی قلیل ہے (وقلیل من عبادی الشکور) بحمدہ تعالیٰ انہوں نے کسی وقت بھی حضرت امیر علیہ السلام کے دامن کو اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑا کیفیت انعقاد خلافت ابی بکر میں ہم ثابت کر آئے ہیں کہ تمام بنی ہاشم اور بعض دیگر جلیل القدر صحابہ کرام مثل سلمانؓ و ابوذرؓ و مقدادؓ و عمارؓ و امثالھم حلقۂ خلافت سقیفائی میں داخل نہیں ہوئے بلکہ ہمیشہ حضرت امیر علیہ السلام کے دامن سے متمسک رہے۔ خیال کیا جا سکتا ہے کہ شاید بنی ہاشم نے حضرت کی جانبداری کرتے ہوئے ایسا کیا ہو۔ مگر اس کا بطلان نہایت واضح و عیاں ہے کیونکہ

اوّلاً: تو یہ مسلّمہ اہل سنت " الصحابۃ کلھم عدول " کے خلاف ہے کیونکہ ایسا کہنا خود اس قاعدہ کا انکار کرنے کے مترادف ہے۔

ثانیاً: ان میں ایسے حضرات بھی شریک ہیں جنہیں نسبی نقطہ نظر سے حضرت علیؑ سے دور کا بھی تعلق نہ تھا جیسے حضرت ابوذرؓ و مقدادؓ و عمارؓ یاسر وغیرہ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ انہوں نے اپنی دیانت و امانت اور متانت و رزانت کا ثبوت دیتے ہوئے حضرت امیر علیہ السلام کی

خلافت وامامت سے کنارہ کشی اختیار نہیں کی۔

حضرت سید ابن طاؤس علیہ الرحمہ نے کتاب الیقین میں صفحہ ۱۲۰ احمد ابن محمد طبری معروف بہ خلیلی اور محمد ابن جریر طبری کی کتاب مناقب سے ایک طویل روایت نقل کی ہے جس میں بارہ مہاجرین و انصار مثل حضرت مقداد و عمار و ابوذر و سلمان و بریدہ اسلمی وغیرہم کا ابوبکر کے ناحق خلیفہ بن بیٹھنے پر ان سے ایک نہایت دلچسپ مکالمہ درج کیا ہے جو دلائل و براہین سے لبریز ہے جس میں ان کا خلیفہ صاحب کو لاجواب کرنا مذکور ہے اگر خوف طوالت دامنگیر نہ ہوتا تو اس روایت کو یہاں من وعن درج کیا جاتا لیکن اختصار مانع ہے اسی طرح سید صاحب موصوف نے کتاب مذکور میں ابن سعید عباد ابن یعقوب رواجنی کی کتاب معرفت سے ایک طویل روایت نقل کی ہے جس میں عمران ابن حصین اور حضرت بریدہ ابن حصیب اسلمی کا حضرت ابوبکر کے پاس جا کر ان سے گفتگو کرنا مذکور ہے بریدہ نے کہا۔ لا ینبغی لاحد من المسلمین ان یتامّر علی امیر المومنین علی بعد ان سمّاه رسول الله بامیر المومنین، فان کانت عندک عهد من رسول الله عهده الیک او امرک به لعهده فانت عندنا مصدق، وقال ابوبکر لا والله ما عندی عهد من رسول الله ولا امرنی به ولکن المسلمین رأوا رأیاً فتابعتهم علی رأیهم فقال له بریدة لا والله ما ذلک لک ولا للمسلمین خلاف رسول الله۔

"یعنی کسی بھی مسلمان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ حضرت امیر المومنین علیؑ پر حکومت کرے جب کہ خود رسول خدا ان کو امیر المومنینؑ نامزد کرکے گئے ہیں اگر تمہارے پاس آنحضرتؐ کا کوئی وثیقہ یا حکم موجود ہو کہ انہوں نے دوبارہ خلافت آپ کو دیا تھا تو اسے پیش کرو۔ ابوبکر نے کہا نہیں بخدا ایسا تو کچھ نہیں ہے اصل اس قدر ہے کہ مسلمانوں کی ایک رائے تھی کہ مجھے خلیفہ بنائیں میں نے ان کی پیروی کرکے اسے قبول کرلیا۔ یہ سن کر بریدہ نے کہا نہیں بخدا جناب رسول کریمؐ کے خلاف ایسا کرنے کا نہ آپ کو کوئی حق حاصل ہے اور نہ کسی اور مسلمان کو؟

بعدہ مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو بلا بھیجا اور ان کے سامنے یہ ماجرا بیان کیا حضرت عمر نے کہا کہ اس کا جواب میرے پاس موجود ہے کہ "لا تجتمع النبوة والملک فی اہل بیت واحد" نبوت اور حکومت ایک ہی خاندان میں نہیں جمع ہو سکتی؟ بریدہ نے کہا اے عمر! خداوند عالم نے تمہارے اس جواب کا بطلان اپنی کتاب میں واضح و عیاں کر دیا ہے فرمایا: "ام یحسدون الناس

علیٰ ما آتاھم اللہ من فضلہ فقد آتینا آل ابراھیم الکتاب والحکمۃ وآتیناھم ملکاً عظیماً۔ دیکھا خدا نے کس صراحت کے ساتھ آل ابراہیم میں نبوت وملک عظیم کے جمع ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔ جب حضرت عالی صاحب سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ تو شدتِ غیظ وغضب سے آنکھیں سرخ ہو گئیں اور طیش میں آکر کہنے لگے۔ ماحقتنا الا لتفرق جماعۃ ھذہ الامۃ وتشتت امرھا۔ تم چاہتے ہو کہ اس امت میں تفرقہ ڈالو اور ان کے معاملات کو درہم برہم کر دو۔ معلوم ہوا کہ سب صحابہ گمراہ نہیں ہو گئے تھے۔ ہاں البتہ اکثریت ایسے ہی لوگوں کی تھی (وما اکثر الناس ولو حرصت بمؤمنین) بلکہ عادل صحابہ کی ایک جماعت اگرچہ وہ بہت ہی قلیل التعداد تھی۔ (وقلیل ما ھم) وہ نہایت ثابت قدمی واطمینان قلبی کے ساتھ پیغمبر اسلام کی وصیت ونصیحت پر قائم ودائم رہی۔ آنحضرت کے منصوص خلیفہ کے مقابلہ میں کبھی کسی سقیفائی وشورائی خلیفہ کی متابعت واقتدا نہیں کی۔

جزاھم اللہ خیر الجزاء من حمایۃ الحق واھلہ۔

باقی رہا اشکال کا دوسرا پہلو کہ اگر تعیین خلیفہ کے متعلق نص موجود تھی تو پھر یہ اختلاف نہ ہوتا یہ شبہ بھی بچند وجوہ باطل ہے:

اوّلاً۔ تو سابقہ شبہ کے بطلان سے اس کا بطلان بھی واضح وعیاں ہو گیا، کیونکہ یہ شبہ بھی درحقیقت سب صحابہ کے متعلق اسی حسن ظن پر مبنی ہے جب سابق بیان میں اس حسن ظن کا بطلان اور بے جا ہونا قطعی دلیل وبرہان سے واضح ہو گیا۔ روایات الٰہیہ واحادیث نبویہ واخبار صحیحہ سے ثابت کر دیا گیا۔ کہ جماعت صحابہ میں اکثر صاحب نفاق وشقاق اور اہل فسق وفجور وصاحبانِ ظلم وجور موجود تھے۔ جو اپنی خود غرضیوں کے ماتحت بڑے بڑے گناہان کبیرہ کا ارتکاب کرنے میں کچھ باک محسوس نہیں کرتے تھے۔ تو ایسے لوگوں کے لئے نصوص خلافت کے ہوتے ہوئے مسئلہ خلافت میں اختلاف کرنا کون سی تعجب خیز بات ہے؟

ثانیاً۔ اگر یہ قاعدہ کلیہ تسلیم کر لیا جائے کہ کسی چیز کے متعلق اختلاف کا موجود ہونا الحقیقت اس کے متعلق کسی ثبوت کے نہ ہونے کی دلیل ہے، تو اس سے لازم آئے گا۔ کہ پوری شریعت اسلامیہ کا جنازہ نکل جائے کیونکہ اس قاعدہ کی رو سے ماننا پڑے گا۔ کہ نہ آنحضرت نے کبھی وضو کیا تھا نہ نماز پڑھی تھی نہ کبھی روزہ رکھا تھا اور نہ یہ امور خلاق عالم کی طرف سے لائے گئے تھے (نعوذ باللہ) اس لئے کہ ان سب باتوں میں مسلمانوں کے درمیان الیٰ ما شاء اللہ اختلافات موجود ہیں۔ اگر مسلمانوں کے اختلافات کو عدم نص کی دلیل قرار دیا جائے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان امور کے متعلق بھی

آنحضرتؐ کوئی قول و فعل نص موجود نہیں ہے۔ حالانکہ اس کا بطلان محتاج بیان نہیں ہے۔ طرفہ یہ کہ ان امور میں بعض ایسے امور بھی ہیں جن کو آنحضرتؐ تیئیس سال کے عرصہ میں فقط قولی نہیں بلکہ عملی طور پر بھی ایک دو مرتبہ نہیں بلکہ ہر دن میں پانچ پانچ مرتبہ بجالاتے تھے لیکن آنحضرت کی وفات حسرت آیات کے بعد ان سب امور میں اختلافات پیدا کر دیئے گئے جو تاحال موجود ہیں اور رہیں گے لیکن اس اختلاف کو ان امور کے منصوص ہونے میں قادح نہیں سمجھا جاتا۔ پھر مسئلہ خلافت و امامت میں باوجود آنحضرتؐ کی نص کے اس اختلاف کو کیوں حیرت و استعجاب کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور کیوں اسے عدم نص کی دلیل قرار دیا جاتا ہے؟ فما هو جوابکم فهو جوابنا؟

ثالثاً مذکورہ بالا امور (نماز وغیرہ) میں بیسیوں اختلافات پیدا کر دیئے گئے۔ حالانکہ ان میں اختلاف کرنے کے کوئی خاص علل و اسباب بھی موجود نہ تھے۔ بخلاف مسئلہ خلافت کے کہ اس میں حقیقی خلیفۂ رسولؐ سے انحراف کے متعدد اسباب و وجوہ موجود تھے جن میں بعض اسباب تو حقیقت و واقعیت رکھتے ہیں اور بعض محض ناصبانِ خلافت کے ذہن کے اختراع و تلاش کردہ ہیں ذیل میں ہم ان چند وجوہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ جو کتب سیر و تواریخ کا مطالعہ کرنے سے ایک محقق کو معلوم ہوتے ہیں۔

حضرت علیؑ سے امت کے انحراف کے اسباب!

وجہ اوّل: حضرت عمر اور ان کے ہمنواؤں کا یہ خیال تھا کہ اگر حضرت علیؑ کو خلیفہ مقرر کر دیا گیا تو عرب ان کی اطاعت و فرمانبرداری سے سرتابی کریں گے کیونکہ آنجنابؑ اکثر لوگوں کے اعزا کو غزوات میں قتل کر چکے تھے خیال کیا گیا کہ آپ کے خلیفہ ہونے سے فتنہ و فساد پیدا ہو جائے گا۔ اس سے حضرت علیؑ کو اپنے مرکز سے ہٹانے میں بہتری نظر آئی یہ وجہ خود حضرت عمر نے عبداللہ ابن عباس کے ساتھ ایک مکالمہ میں بیان کی جو کتاب شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۲ ص [illegible]، الفاروق شبلی ج ۱ ص [illegible] طبع لاہور میں مذکور ہے۔

حضرت عمر کا یہ عذر "عذر گناہ بدتر از گناہ" کا مصداق ہے تعجب ہے کہ خدا و رسولؐ کی صواب دید کے مقابلہ میں اپنی رائے و تخمین کو ترجیح دے کر اپنے فعل قبیح پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ارباب دانش و بینش پر مخفی و محتجب نہیں کہ اگر مہاجرین و انصار حضرت علیؑ کی بیعت و اطاعت پر اتفاق کر لیتے تو ہرگز کسی عرب کو آپ کی مخالفت کی جرأت نہ ہوتی۔ بھلا جب تمام عرب حضرت ابی بکر ایسے عاری از کمالات اور بعد ازاں ان کے بعد حضرت عمر ایسے فظ و غلیظ القلب کے حلقہ بگوش

اور مطیع و فرمانبردار ہوگئے ہیں محض اس وجہ سے کہ اکثر مہاجرین و انصار نے ان کی بیعت کرلی تھی۔ تو کیا یہ لوگ حضرت علیؑ جیسے عالی نسب، شریف النفس، کریم الطبع، پیکر عصمت و عدالت، مجسمہ فصاحت و شجاعت، مجموعۂ علم و عمل، معدن تقویٰ و طہارت کی اطاعت سے سرتابی کرسکتے تھے؟ اگر تمام مہاجرین و انصار جن میں شیخین بھی داخل تھے آپ کی اطاعت و بیعت پر اتفاق کرلیتے تو کوئی شخص آپ کے خلاف ہرگز علم بغاوت بلند نہ کرتا اور نہ کرسکتا تھا۔ اس کی تائید اکید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جب قتل عثمان کے بعد مہاجرین و انصار نے آنجنابؑ کی بیعت کرلی، تو کسی عرب نے اس پر ناراضگی یا مخالفت نہیں کی بلکہ سب نے اپنی رضامندی و خوشنودی کا اظہار کیا۔ حتیٰ کہ جب فتنہ و فساد کا دروازہ کھلا تو ان کے سرغنہ خود بعض نام نہاد صحابہ و صحابیات ہی تھے۔ جنہوں نے علم بغاوت و شقاوت بلند کیا بعد ازاں ان کے ورغلانے سے دوسرے اور بعض لوگ بھی ان کے ہم خیال ہوگئے۔ معلوم ہوا کہ غصب خلافت کی ذمہ داری سب مہاجرین و انصار پر بالعموم اور شیخین پر بالخصوص عائد ہوتی ہے اور اس جرم سے ان کی گلو خلاصی ناممکن ہے۔

وجہ دوم:۔ یہ وجہ بھی حضرت عمر ہی کی تراش کردہ ہے کہا جاتا ہے کہ چونکہ حضرت علیؑ کمسن تھے۔ لہٰذا خوف تھا کہ عمر رسیدہ حضرات آپ کی اطاعت میں اپنی سبکی محسوس کریں۔ اس لئے آنجنابؑ کو اس منصب سے علیحدہ رکھنے میں مصلحت دیکھی گئی ہے یہ وجہ حضرت عمر کے عبداللہ ابن عباس سے مکالمہ میں موجود ہے۔ (جو شرح نہج البلاغہ حدیدی ج ۳ ص ۱۰۵ پر مندرج ہے) اس کا دندان شکن جواب اسی وقت جناب ابن عباس نے ان کو دے دیا تھا۔ کہ تمہاری نظر میں حضرت علیؑ کی کم سنی اس امر سے مانع ہوئی کہ آپ مسند خلافت پر متمکن ہوں مگر خدا اور رسولؐ کی نظر اشرف میں تو آپ کی یہ کم سنی اس امر سے مانع نہ ہوئی تھی۔ کہ تبلیغ سورۂ برأۃ کے وقت بوڑھے بزرگ (حضرت ابوبکر) کو معزول کرکے اس کم سن کو اس مہم کے انجام دینے کے لئے مقرر فرمایا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ وجہ نہایت ہی رکیک اور کمزور ہے کیونکہ ہر صاحب بصیرت جانتا ہے کہ عمر کا بڑا یا چھوٹا ہونا معیار فضیلت و بزرگی نہیں بلکہ معیار فضیلت عقل و دانش ہے عقلائے روزگار کا مقولہ ہے کہ "بزرگی بعقل است نہ بسال"۔ ظاہر ہے کہ اس امر میں عمر کی چھوٹائی اور بڑائی کو کوئی دخل نہیں ہے۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ حضرت یحییٰ کے متعلق قرآن میں ہے کہ واتیناہ الحکم صبیا "ہم نے یحییٰ کو بچپن کے زمانہ میں حکم یعنی نبوت عطا کی"۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ مہد میں ہوتے ہوئے اپنی قوم سے خطاب کرتے ہیں۔ انی عبد اللہ اتانی الکتاب وجعلنی نبیا۔ اگر بعض معترضین کو اصرار ہو کہ جو عمر میں بڑا ہو اسے ہی خلیفہ ہونا چاہیئے، تو بھی حضرت ابوبکر کی خلافت غلط ٹھہرتی ہے کیونکہ ان سے بھی عمر رسیدہ لوگ اس وقت موجود تھے۔ اگر اور کوئی

زمین توکم ازکم آپ کے والدگرامی جناب ابو قحافہ تو بقید حیات تھے. ان کو خلیفہ منتخب کرنا چاہیے تھا. یہی اعتراض خود ابو قحافہ سے منقول ہے، جیسا کہ بعض کتب میں مذکور ہے کہ جب ابو قحافہ کو حضرت ابوبکر کی خلافت کی مبارک باد دی گئی تو انہوں نے پہلا سوال یہی کیا کہ حضرت علیؑ موجود تھے؟ کہا گیا کہ چونکہ وہ کمسن تھے اور تمہارے بیٹے کا سن ان سے زیادہ تھا اس لئے ان کو خلیفہ منتخب کیا گیا. کہا اگر معیار خلافت یہی ہے کہ جو سن میں بڑا ہو اسے خلیفہ بنانا چاہیے تو پھر مجھے خلیفہ بناؤ کیونکہ میں ان سے سن میں بڑا ہوں: (ملاحظہ ہو تاریخ طبری)

وجہ سوم :- نبوت و خلافت ایک ہی گھر میں جمع نہیں ہو سکتیں، کرھوا ان یجمعوا فیکم النبوۃ والخلافۃ، قریش نے اسے پسند نہ کیا کہ نبوت و خلافت تمہارے ہی خاندان (بنی ہاشم) میں جمع ہوں، لہٰذا انہوں نے خود ایک خلیفہ کا انتخاب کر لیا. یہ وجہ بھی حضرت عمر اور عبد اللہ ابن عباس کے بعض مکالمات میں مذکور ہے. (ملاحظہ ہو تاریخ ابن جریر طبری مطبوعہ مصر ج ۵ ص ۳۱ و تاریخ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۳۳ طبع مصر) اس کا جواب باصواب بھی اسی وقت دے دیا گیا تھا. کہ اختیار و انتخاب خدا کے ہاتھ میں ہے "ربک یخلق ما یشاء و یختار ما کان لھم الخیرۃ" اللہ ہی خلق کرتا ہے اور وہی اختیار و انتخاب کرتا ہے. لوگوں کو اس کا کوئی حق حاصل نہیں" باقی رہا یہ کہ قریش نے اسے ناپسند کیا. تو اس کی نسبت خداوند عالم کا یہ ارشاد موجود ہے "ذلک بانھم کرھوا ما انزل اللہ فاحبط اعمالھم" جس چیز کو اللہ عزوجل نے نازل کیا تھا. اس کو انہوں نے ناپسند کیا پس خداوند عالم نے ان کے عمل کو ضائع و اکارت کر دیا" اس مکالمہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت عمر نے کہا "بلغنی انک تقول انما صرفوھا عنا حسداً و ظلماً" اے ابن عباس! مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم یہ کہتے ہو کہ لوگوں نے از روئے حسد و ظلم تم سے خلافت لی ہے" ابن عباس نے کہا ظلم کی بات تو یہ گذارش ہے کہ وقد تبین للجاہل والعلیم، ہر جاہل و عالم کو یہ حقیقت معلوم ہے. باقی رہا حسد تو یہ بھی کوئی تعجب کی بات نہیں" فان ابلیس حسد آدم فنحن اولادہ المحسودون" شیطان نے حضرت آدم سے حسد کیا تھا ہم اسی آدم کی اولاد ہیں. اس لئے ہم سے بھی حسد کیا جاتا ہے" نیز اشکال اول کے ذیل میں بیان کیا جا چکا ہے. کہ حضرت عمر کے اس مقولہ کی رد حضرت بریدہ ابن حصیب اسلمیؓ نے آیات قرآنیہ مثل آیہ مبارکہ ام یحسدون الناس علی ما اتاھم اللہ من فضلہ فقد اتینا آل ابراہیم الکتاب والحکمۃ و اتیناھم ملکاً عظیما سے کر دی اور ثابت کر دیا کہ یہ کہنا کہ نبوت و خلافت ایک خاندان میں جمع نہیں ہو سکتی اللہ کے قرآن سے اصل و بے بنیاد ہے. یہ مکالمات بہت ہی دلچسپ

اور مفید ہیں اگر خوف طوالت دامنگیر نہ ہوتا تو ضرور انہیں من وعن نقل کر کے قارئین کرام کی چشم بصیرت کو جلا دی جاتی لیکن اختصار مانع ہے۔ شائقین تفصیل شرح حدیدی ج ۳ ص ۱۵۰ و ص ۱۵۱ طبع بیروت کی طرف رجوع فرمائیں۔

تبصرہ

حضرت عمر کے ان بیانات سے روز روشن کی طرح ظاہر و باہر ہے کہ آپ حضرت امیر المومنینؑ کو منصوص خلیفہ رسولؐ سمجھتے تھے۔ لیکن ان سے منصوص خلافت سقیفائی کی طرح ثانیاً مذکورہ بالا تاویلات علیلہ کی مدد سے ان کے اجتہاد بے بنیاد کا نتیجہ تھا جو کہ تمام محققین کے نزدیک باطل ہے۔ "لامساغ للاجتہاد فی مورد النص" (نص کے مقابلہ میں اجتہاد کرنا جائز نہیں ہے ۔ مجلۃ الاحکام الشرعیہ ص۱۲ طبع بیروت) چونکہ خلیفہ صاحب کو نصوص قطعیہ کے مقابلہ میں اجتہاد بے بنیاد کرنے کی کچھ ایسی عادت پڑ چکی تھی کہ فروعات دین سے تجاوز کر کے اصول عقائد میں بھی سرایت کر گئی۔ نصوص شرعیہ کے مقابلہ میں اجتہاد کے بطلان اور خلفائے ثلاثہ بالخصوص خلیفہ ثانی کے اجتہادات در مقابلہ نصوص کی تفصیلات دیکھنے کے شائق حضرات کتاب "النص والاجتہاد" کا مطالعہ فرمائیں۔

وجہ چہارم:۔ سابقہ بیانات میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ صحابہ میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جو اپنے دنیوی مفاد کو نفع اخروی پر مقدم سمجھتے تھے اور اپنے ان مقاصد مشئومہ کے حصول میں بڑے سے بڑے گناہ کا ارتکاب کرنے میں بھی کچھ جھجک محسوس نہیں کرتے تھے کیونکہ انہیں دین کے معاملہ میں آنجنابؑ کی سخت گیری اور حدود شرعیہ سے تجاوز و تعدی کرنے والوں کو سختی سے سزا دینے پر یقین کامل تھا۔ نیز جسمے بڑے طامع و طالبان جاہ آنجنابؑ کے عدل و انصاف سے خائف و ترساں تھے کیونکہ عہد معدلت مہد میں وہ اپنی من مانی کارروائیاں نہیں کر سکیں گے۔ انہیں علم تھا کہ حضرت علیؑ دین کے معاملے میں بڑے اور چھوٹے امیر و غریب اور قوی و ضعیف میں تفریق نہیں کرتے۔ "القوی عندہ ضعیف حتیٰ یاخذ منہ الحق والضعیف عندہ عزیز حتیٰ یاخذ لہ الحق" لہٰذا انہوں نے آنجنابؑ کو اپنے اصل مرکز سے ہٹانے ہی میں اپنا مفاد مضمر سمجھا "فضلوا واضلوا کثیرا"۔

وجہ پنجم:۔ غزالی نے اپنی کتاب سر العالمین مطبوعہ بمبئی ص۹ پر ذیل حدیث غدیر تحریر فرمایا ہے: "واجمع الجماہیر علی متن الحدیث عن خطبتہ یوم غدیر خم باتفاق الجمیع وھو یقول من کنت مولاہ فعلی مولاہ فقال عمر بخ بخ لک یا ابا الحسن لقد اصبحت مولای ومولی کل مومن ومومنۃ ھذا تسلیم ورضی وتحکیم ثم بعد ھذا غلب الھوی بحب الریاسۃ وحمل عمود الخلافۃ وعقود النبوۃ وخفقان الھوی

فی قعقعة الرایات واشتباک ازدحام الخیول وفتح الامصار سقاھم کأس الھوی فعادوا الی الخلاف الاول فنبذوہ وراء ظھورھم واشتروا بہ ثمنا قلیلا فبئس ما یشترون ۔

خلاصہ مطلب یہ کہ تمام مورخین و محدثین کا اجماع ہے کہ حضرت آپ نے غدیر خم میں ارشاد فرمایا جس کا میں مولا ہوں اس کے علیؑ بھی مولا ہیں حضرت عمرؓ نے مبارک باد دے کر حضرت علیؑ کی امارت کو قبول کیا لیکن اس کے بعد حکومت کی محبت، امارت کے ستون اٹھانے، بڑے بڑے علموں کے پرچموں کا لہرانا، سواروں کے ہجوم، فتح ممالک کی ہوس، سلطنت کی لالچ اور نام و نمود کی تمنا نے ان کو ہوا و ہوس کا جام پلا کر مست کر دیا۔ اس لئے انہوں نے اپنے اقرار کی خلاف ورزی کرتے ہوئے وعدہ سے مکر گئے معاہدہ کو پس پشت ڈال دیا اور اپنی پہلی مخالفت کی طرف پلٹ گئے اور اپنے ایمان کو تھوڑی قیمت (یعنی چند روزہ دنیوی سلطنت) پر فروخت کر ڈالا۔ انہوں نے بہت ہی برا سودا کیا۔

اسی طرح سبط ابن جوزی نے تذکرہ خواص الامۃ ص ۳۱ پر اس کلام حقیقت ترجمان کو نقل کیا ہے۔ علل و اسباب انحراف میں سے یہ وجہ نہایت ہی قوی بلکہ حقیقی آنجناب سے اعراض و انحراف کی حقیقی وجہ یہی ہے۔ کما لا یخفی علی اولی الابصار۔ تعصب و عناد کی عینک اتار کر اگر امام غزالی اور علامہ سبط ابن جوزی جیسے مسلم الثبوت آئمہ اہل سنت کے اس قول کو بنظر غائر دیکھا جائے۔ تو حضرت علیؑ کے عہد خلافت، نفی امامت اور غصب حقوق میں کسی منصف مزاج انسان کو یقیناً کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہیں رہتا۔ بلکہ معذور روشن کی طرح واضح و آشکار ہو جاتا ہے کہ ان لوگوں نے یوم غدیر خم بیعت خلافت کرنے کے بعد محبت دنیا اور حب امارت و ریاست کے لئے اپنی سابقہ بیعت کو توڑ کر آنجنابؑ سے منہ موڑ لیا۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر نئی خلافت کی داغ بیل ڈال دی۔ حضرت علیؑ کے حقوق و نصوص کو پامال کر دیا اور ان کے ظاہری منصب امامت و خلافت کو غصب کر کے خود اس پر قابض ہو گئے۔ دعا ہے کہ خداوند عالم مسلمانوں کو ان حقائق کے سمجھنے کی توفیق عنایت فرمائے

انہ علی کل شیئ قدیر و بالاجابۃ جدیر

اشکال سوم | اگر یہ نصوص موجود ہوتے اور حضرت علیؑ اپنے کو منصوص من اللہ والرسول خلیفہ سمجھتے تو ضرور اس خلافت کا دعا کرتے۔ لیکن آپ نے خلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں کبھی اس امر کا اظہار نہیں کیا بلکہ بطیب خاطر ان کی بیعت کرتے رہے۔

الجواب وباللہ التوفیق لتحقیق الحق والصواب: | یہ اشکال کتب سیر و تواریخ و احادیث اور ان کے مسلمہ حقائق و دقائق سے سراسر جہالت

یا تجاہل پر مبنی ہے ورنہ ارباب انصاف و اطلاع پر مخفی و مستور نہیں ہے۔ کہ (۱) حضرت امیر علیہ السلام ادوارِ ثلاثہ میں برابر اپنی خلافت و امامت کا ادعا فرماتے رہے۔ (۲) ان کی خلافت کو ایک ظالمانہ و غاصبانہ خلافت سمجھتے تھے۔ (۳) کبھی ان کی بیعت نہیں فرمائی اور اگر بالفرض یہ بیعت تسلیم بھی کر لی جائے تو اسے بطیب خاطر کہنا سراسر کذب و افترا ہے بلکہ کتب اہل سنت سے بھی جو کچھ مستفاد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ نہایت اجبار و اکراہ کے ساتھ آپ سے بیعت لی گئی۔ ہم اس جواب باصواب کو تین حصص پر تقسیم کر کے ان تینوں مراحل میں اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے کتب معتبرہ کی رو سے حقائق کے چہرے سے نقاب کشائی کرتے ہیں

حضرت علی علیہ السلام کا عہد ثلاثہ میں ادعائے خلافت و امامت

حضرت امیر علیہ السلام کا اپنے کو حقدار خلافت سمجھنا اور کرامات و قرابت اس حقیقت کا ادعا واضح کرنا ایک ایسی مسلم حقیقت ہے جس کا کوئی صاحب علم و انصاف انکار نہیں کر سکتا چونکہ ہمارے ان کے مولوی صاحبان بے چارے سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکا دینے اور ملمع سازی کرنے کے لئے ہمیشہ ان حقائق واقعیہ پر پردہ ڈالنے کی مذموم کوشش کرتے رہتے ہیں لہٰذا ہم نہایت اختصار کے ساتھ انہی کی کتب معتبرہ سے ان کے کذب و افترا اور دجل و فریب کا پردہ چاک کئے دیتے ہیں تاکہ طالبان حقیقت کو ان حقائق میں صحیح غور و تامل کا موقع مل سکے

(۱) کتاب الامامۃ والسیاسۃ تالیف الامام الفقیہ ابی محمد عبداللہ ابن مسلم ابن قتیبہ الدینوری المتوفی سنہ ۲۷۰ھ مطبوعہ مصر ص۱۲ پر لکھا ہے۔ کہ حضرت علی کو اخذ بیعت کے لئے ابوبکر کے پاس لایا گیا۔ اور ان سے کہا گیا ہے کہ ابوبکر کی بیعت کیجئے۔ فقال انا احق بھذا الامر منکم لا ابایعکم و انتم اولی بالبیعۃ لی اخذتم ھذا الامر من الانصار (یعنی) فرمایا امر خلافت کا میں تم سے زیادہ حق دار ہوں میں تمہاری بیعت نہیں کرتا۔ بلکہ تمہیں میری بیعت کرنا چاہئے تم نے رسول سے اپنی قرابت کا احتجاج کر کے انصار سے خلافت کو لے لیا۔ وتاخذونہ منا اھل البیت غصبا الستم زعمتم للانصار انکم اولی بھذا الامر منھم (یعنی) اب تم ہم اہل بیت سے غصب کرنا چاہتے ہو کیا تم نے انصار کے مقابلہ میں اس خیال کا اظہار نہیں کیا کہ تم اس امر کے ان سے زیادہ لائق ہو کیونکہ حضرت محمد صلعم تمہارے قبیلہ میں سے تھے (یعنی) انصار نے زمام قیادت تمہارے سپرد کر دی اور امامت تمہیں تفویض کر دی۔ فانا احتج علیکم بمثل ما احتججتم علی الانصار نحن اولی برسول اللہ حیا و میتا فانصفونا ان کنتم تومنون والا فبوؤا بالظلم وانتم

تعلمون اب میں تمہارے مقابل وہی احتجاج و استدلال کرتا ہوں جو تم نے انصار سے کیا۔ تم خود انصاف سے بتاؤ، حضرت رسول کی حیات و ممات میں سب لوگوں سے زیادہ کون قریب ہے ہم یا تم؟ اگر تم ہمارے ساتھ انصاف کرو، اگر ایمان رکھتے ہو، ورنہ ان قال،

الله الله یا معشر المہاجرین لا تخرجوا سلطان محمد فی العرب عن داره و قعر بیته الی دورکم و قعور بیوتکم و لا تدفعوا اهله عن مقامه فی الناس و حقه فوالله یا معشر المہاجرین لنحن احق الناس به لانا اهل البیت و نحن احق بهذا الامر منکم ما کان فینا القاری لکتاب الله الفقیه فی دین الله و العالم بسنن رسول الله المضطلع بامر الرعیة الدافع عنهم الامور السیئة القاسم بینهم بالسویة و الله انه لفینا فلا تتبعوا الهوی فتضلوا عن سبیل الله فتزدادوا من الحق بعداً

اے گروہ مہاجرین اللہ سے ڈرو، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سلطنت و خلافت کو ان کے گھر سے نکال کر اپنے گھروں کی طرف نہ لے جاؤ ان کے اہل بیت کو ان کے حق و مقام سے محروم کر کے خود خلیفہ نہ بن بیٹھو، بخدا اے گروہ مہاجرین البتہ ہم سب لوگوں سے آنحضرت کے زیادہ حق دار ہیں۔ کیونکہ ہم ان کی اہل بیت ہیں اور ہم ہی اس امر خلافت کے تم سب سے زیادہ حق دار ہیں۔ آیا ہم میں کتاب خدا کو پڑھنے والا، دین خدا کا سمجھنے والا، سنن رسول کا عالم، رعیت کے معاملات پر مطلع و آگاہ، ان سے برے امور کو دور کرنے والا اور ان میں برابر تقسیم کرنے والا کوئی نہ تھا؟ (جو تم نے ہم کو نظر انداز کر کے دوسروں کو خلیفہ مقرر کر دیا) بخدا ایسے صفات سے متصف تو ہم ہی ہیں۔ خبردار ہوا و ہوس کا اتباع نہ کرو۔ ورنہ راہ حق سے بھٹک جاؤ گے اور حق سے بہت دور ہو جاؤ گے۔"

ملاحظہ فرمایئے کہ حضرت امیرالمومنینؑ نے اس روایت شریفہ میں کس طرح واشگاف لفظوں میں کئی مرتبہ اپنی احقیت و اولویت کا اظہار و ابراز فرمایا ہے۔ اور کن زور دار الفاظ کے ساتھ مہاجرین و انصار کو اپنی حق تلفی سے خوف خدا دلایا ہے اے کاش یہ نصائح و مواعظ ان لوگوں کے قلوب میں کچھ اثر کرتے۔ لیکن محبت امارت و ریاست قابوس کی طرح ان کے دل و دماغ پر اس طرح سوار تھی۔ کہ کوئی وعظ و نصیحت ان پر اثر انداز نہ ہوتی تھی۔ کیا اس کے بعد بھی کہا جا سکتا ہے کہ آنجنابؑ نے اپنی خلافت کا ادعا نہیں فرمایا؟ حاشا و کلا

(۱) مزید ثبوت ملاحظہ ہو روضۃ الاحباب ج ۲ صفحہ ۲۲ ، روضۃ الصفاء ج ۲ صفحہ ۲۲۲ پر مذکور ہے

کہ ابوبکر علی را در جمع مہاجرین خواند علی آمد موجب دریافت کرد عمر فاروق گفت کہ چنانچہ سائر اصحاب بیعت با ابابکر کردہ اند تو ہم بیعت کن۔ علی گفت من ہماں سخن کہ شما بر انصار حجت ساختہ آید دایں را گر تقید بر شما حجت مے گردانم راست بگوئید کہ بحضرت رسالت کہ اقرب بود و او کیست ؟ عمر گفت ترا نگزاریم تا بیعت نکنی" (یعنی ابوبکر نے حضرت علیؓ کو مہاجرین کے مجمع میں طلب کیا حضرت علیؓ تشریف لائے اور طلب کرنے کا سبب دریافت کیا۔ عمر نے کہا جس طرح دوسرے اصحاب نے ابوبکر کی بیعت کر لی ہے آپ بھی ان کی بیعت کریں۔ حضرت علیؓ نے کہا۔ خلافت حاصل کرنے کے سلسلہ میں جو دلیل آپ نے انصار کے بالمقابل پیش کی ہے۔ میں وہی دلیل تمہارے برخلاف پیش کرتا ہوں۔ سچ بتاؤ آنحضرتؐ کے ساتھ کون قرابت قریبہ رکھتا ہے ؟ عمر نے کہا ہم بیعت کئے بغیر آپ کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔)

اس کے بعد روضۃ الاحباب کے ج ۲ صفحہ ۲۲ پر تصریح موجود ہے کہ اس سوال و جواب کے بعد آنجناب بیعت کئے بغیر واپس اپنے دولت سرا میں تشریف لے گئے۔

(۲) تاریخ طبری طبع مصر ج ۳ صفحہ ۲۰۸ پر مذکور ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے حضرت ابوبکر کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ "کنا نری ان لنا حقا فی ھذا الامر فاستبددتم بہ علینا ثم ذکر قرابتہ من رسول اللہ وحقہ فلم یزل علی یقول ذلک حتی بکی ابوبکر" (ہم اس امر خلافت کو اپنا حق سمجھتے تھے لیکن تم نے ظلم و ستم کے ساتھ اسے ہم سے چھین لیا پھر آنجناب نے رسول خدا سے اپنی قرابت قریبہ اور اپنے حقوق کا ذکر فرمانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ابوبکر رونے لگے۔

(۳) صحیح مسلم ج ۲ صفحہ ۷۱ و صحیح بخاری ج ۲ صفحہ ۳۷ پر یہ کلام بایں الفاظ مرقوم ہے "ولکنک استبددت علینا بالامر وکنا نحن نری لنا حقا لقرابتنا من رسول اللہ" (ترجمہ وہی ہے جو اوپر مذکور ہے۔)

(۵) کتاب استیعاب ابن عبد البر مطبوعہ برحاشیہ اصابہ ج ۱ صفحہ ۲۳۶ ذیل حرف الراء بعنوان ترجمہ رفاعہ ابن رافع باسناد خود شعبی سے روایت کرتے ہیں۔ قال لما خرج طلحۃ والزبیر وکعب بن ام الفضل بنت الحارث الی علیؑ بخروجہم فقال علی العجب للطلحۃ والزبیر ان اللہ عزوجل لما قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قلنا نحن اھلہ واولیاءہ لاینازعنا سلطانہ احد فابی علینا قومنا فولی غیرنا وایم اللہ لولا مخافۃ

الی فتنۃ وان یعود الکفر ویبید الدین لغیرنا ما صبرنا علی ذلک" یعنی جب طلحہ وزبیر نے آپ کے خلاف خروج کیا تو ام الفضل دختر حارث نے حضرت علیؑ کو ان کے خروج کی اطلاع دی آنجناب نے فرمایا طلحہ وزبیر سے تعجب ہے کہ وہ کس طرح میرے خلاف علم بغاوت بلند کر رہے ہیں جب خداوند عالم نے اپنے رسولؐ کو اپنے جوار رحمت میں بلا لیا تو ہم نے کہا کہ ہم آپ کے اہل بیت اور ولی ہیں آپ کی خلافت کے سلسلہ میں کوئی شخص ہمارے ساتھ نزاع اور اختلاف نہیں کرے گا لیکن ہماری قوم نے اس کا انکار کیا اور ہمارے غیر ابوبکر کو اپنا حاکم بنا لیا۔ بخدا اگر مجھے اس چیز کا خوف نہ ہوتا کہ مسلمانوں میں تفرقہ پڑ جائے گا۔ کفر و شرک عود کر آئے گا اور دین اسلام خراب و برباد ہو کر رہ جائے گا۔ تو ہم یقیناً امر خلافت ابوبکر کو بدل کر رکھ دیتے لیکن ہم نے مذکورہ بالا مصالح کے پیش نظر بعض مصائب و آلام پر صبر کیا الخ

(۴) آنجناب اپنے مشہور و معروف خطبہ شقشقیہ نہج البلاغہ ج ۱ ص ۱ پر فرماتے ہیں۔

"لقد تقمصها فلان وهو ليعلم ان محلي منها محل القطب من الرحى ينحدر عني السيل ولا يرقى الي الطير" الی ان قال: "فصبرت وفي العين قذى وفي الحلق شجى ارى تراثي نهباً" پھر فلاں (ابوبکر) نے جامہ خلافت زیب تن کر لیا حالانکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ مجھے خلافت سے وہی نسبت ہے جو قطب آسیا کو آسیا سے، مجھ سے (علم و عرفان کے) چشمے پھوٹ رہے ہیں، میری بلندی مرتبہ تک پرندہ بھی پرواز نہیں کر سکتا۔ (یہاں تک فرمایا) پس میں نے ان تمام حالات پر صبر کیا، حالانکہ از شدت غم و غصہ سے میری یہ کیفیت تھی کہ جیسے آنکھوں میں خس و خاشاک پڑ جائے اور حلق میں ہڈی پھنس جائے کیونکہ میں دیکھ رہا تھا کہ میری وراثت لوٹی جا رہی ہے۔

اسی طرح آپ کے دیگر خطبات بھی ایسی ہی باتوں سے معمور و مشحون ہیں مثلاً خطبہ پنجم و ششم نہج البلاغہ ج ۱ ص ۴۲ پر فرماتے ہیں فواللہ ما زلت مدفوعاً عن حقی مستأثراً علی منذ قبض اللہ نبیہ صلی اللہ علیہ وآلہ حتی یوم الناس ہذا۔ خدا کی قسم جب سے خداوند عالم نے اپنے پیغمبرؐ کو اپنے جوار میں بلایا ہے میں ہمیشہ اپنے حق سے محروم رکھا گیا اور ہمیشہ مجھ پر دوسروں کو ترجیح دی جاتی رہی اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ اسی طرح خطبہ ۱۴۹ نہج البلاغہ ج ۲ ص ۳۶ پر فرماتے ہیں:

"حتی اذا قبض اللہ رسولہ صلی اللہ علیہ وآلہ رجع قوم علی الاعقاب وغالتہم السبل واتکلوا علی الولائج ووصلوا غیر الرحم وہجروا السبب الذی امروا بمودتہ ونقلوا البناء عن رص اساسہ فبنوہ فی غیر موضعہ معادن کل خطیئۃ الخ"

یہاں تک کہ جب خداوند عالم نے اپنے رسولؐ کو اپنے جوار رحمت میں بلا لیا تو ایک جماعت
اپنے پیچھے پاؤں پلٹ گئی اور ان کے راستوں نے انہیں تباہ و برباد کر دیا اپنے غلط سلط عقیدوں پر بھروسہ
کر لیا، عزیزوں کو چھوڑ کر غیروں سے حسن سلوک کرنے لگے۔ اور اہل بیتؑ جن کی مودت کا حکم دیا گیا تھا
ان کو چھوڑ دیا اور خلافت کو اس کی بنیاد سے ہٹا کر بے محل جگہ منتقل کر دیا۔ الی غیر ذلک من التصریحات
الصریحۃ والبیانات الصحیحۃ۔

آنجنابؑ کے ان اعادی و بیانات اور تصریحات کی موجودگی میں آیا کوئی صاحب عقل و انصاف یہ کہہ
سکتا ہے کہ آنجنابؑ نے کبھی اپنی خلافت کا اظہار نہیں فرمایا؟ (حاشا و کلا) یہ تو آنجنابؑ کے قولی بیانات
تھے جو بطور نمونہ یہاں نقل کر دیئے گئے ہیں لیکن کتب سیر و تواریخ سے یہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ آنجنابؑ
نے اپنے قول و دعویٰ کو عملی جامہ پہنانے کی بھی پوری سعی بلیغ فرمائی ہے

(۱) چنانچہ کتاب الامامۃ والسیاسۃ ص۱۲ طبع مصر پر مذکور ہے ۔ و خرج علیؑ کرم اللہ وجہہ
یحمل فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم علی دابۃ لیلاً فی مجالس
الانصار تسئلہم النصرۃ فکانوا یقولون یا بنت رسول اللہ قد مضت بیعتنا لہذا
الرجل ولو ان زوجک و ابن عمک سبق الینا قبل ابی بکر ما عدلنا بہ فیقول علی کرم
اللہ وجہہ افکنت ادع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بیتہ لم ادفنہ و اخرج
انازع الناس سلطانہ فقالت فاطمۃ ما صنع ابو الحسن الا ما کان ینبغی لہ و
لقد صنعوا ما اللہ حسیبہم و طالبہم انتہیٰ

(ترجمہ) حضرت علیؑ جناب فاطمہؑ کو ایک سواری پر اپنے ہمراہ لے کر ایک شب مجالس انصار میں تشریف
لے گئے جناب فاطمہؑ نے ان سے آنجنابؑ کی نصرت چاہی۔ انہوں نے جواب دیا کہ اے دختر رسولؐ
ہم چونکہ ابوبکر کی بیعت کر چکے ہیں، لہذا مجبور ہیں۔ اگر آپ کے شوہر ابوبکر سے پہلے اپنی بیعت پہنچے
تو ہم قطعاً انہیں چھوڑ کر ابوبکر کی بیعت نہ کرتے۔ یہ سن کر حضرت علیؑ نے فرمایا کیا میں حضرت رسول
خدا کو بلا دفن و کفن ان کے گھر میں چھوڑ دیتا اور ان کی خلافت و سلطنت کے لیے لوگوں سے جھگڑنا
شروع کر دیتا۔ جناب سیدہ نے فرمایا کہ ابوالحسن نے وہی کیا جو کرنا چاہیئے تھا۔ اور لوگوں نے وہ کام کیا
جس کا خداوند عالم ان سے محاسبہ و مطالبہ کرے گا۔

فائدہ | اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنجنابؑ کے ہمراہ جناب فاطمہ کا یہ ذکر آپ کے ساتھیوں
اور مطالبین کرنا بھی آپ کی احقیت بالخلافت کا اقرار و اعتراف تھا جیسا کہ حضرت عمر کے

مکالمات سے ظاہر ہے ہم یہاں صرف ایک مختصر سے مکالمہ کے پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

صاحب فلک النجاۃ نے استقصاء الافحام کے حوالے سے کتاب محاضرات راغب اصفہانی سے نقل کیے ہیں "ابن عباس کہتے ہیں میں عمر بن خطاب کے ساتھ سیر کر رہا تھا عمر نے کہا بخدا کی قسم تمہارے درمیان حضرت علی مجھ سے خلافت کے زیادہ مستحق تھے میں نے کہا کہ پھر تم دونوں نے کیوں حملہ کر کے خلافت غصب کر لی؛" تو حضرت عمر نے کہا ہم نے عداوت سے نہیں لی (چونکہ) ملاحظہ ہو، ہم ڈرے کہ اکثر لوگ عرب میں ان کے دشمن ہیں وہ ان پر اتفاق نہیں کریں گے نتیجہ بدل گئے۔ نیز حضرت علی کم سن ہیں کام نہیں کر سکیں گے۔

ابن عباس نے کہا تم اور تمہارے دوست علی کو حقیر سمجھ رہے ہو، وہ رسول کریم تو ان کو قریش کے سردار مقرر کر کے بھیجتے تھے اور اس وقت ان کو کوئی حقیر نہیں سمجھتا تھا۔ نیز اس مضمون کو دوراسطین محمد ابن یوسف ترمذی سے نقل کیا ہے اس میں اتنا اضافہ ہے کہ "ابن عباس نے کہا بغض قریش کچھ نہیں کر سکتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ دیا ہے اور کم سنی کا تم جو ذکر کرتے ہو تو تمہیں معلوم ہے کہ سورۂ برائۃ اترنے کے بعد ابوبکر کو دے گیا، لیکن خداوند عالم نے امر فرمایا کہ اس کو وہ آدمی پہنچائے جو مجھ سے ہو تب حضرت علی کو روانہ کیا گیا کیا اللہ تعالیٰ کو اس وقت صغر سنی کا خیال نہ آیا اس کے بعد عمر نے کہا خاموش ہو جاؤ اور اس بات کو چھپائے رکھو۔

ہم سابقہ بیانات میں حضرت عمر کے ہر دو نظریں پر تفصیلی تبصرہ کر چکے ہیں اس مقام پر حضرت عمر کا جناب ابن عباس کے استدلال کی تاب نہ لا کر لاجواب ہو جانا اور پھر ان کو اس حقیقت سے چھپانے کی تاکید کرنا خاص قابل دید ہے کیونکہ اس سے خلیفہ صاحب کے کوائف ایمانی ذمہ داری بخوبی پر خاصی روشنی پڑتی ہے

(۲) کتاب مروج الذہب مسعودی مطبوعہ بر حاشیہ کامل صفحہ ۹۸ العقد الفرید ج ۲ صفحہ ۲۱۱ پر جناب محمد ابن ابوبکر اور معاویہ کی خط و کتابت مذکور ہے یہاں فقط معاویہ کے ایک خط کے چند الفاظ پیش کیے جاتے ہیں محمد ابن ابی بکر نے معاویہ کو عداوت کے سلسلے میں ایک طعن آمیز خط لکھا تھا جس کے جواب میں معاویہ نے ان کو لکھا کہ "کان ابوک وفاروقہ اول من ابتز حقہ وخالفہ علی امرہ علی ذلک اتفقا واتسقا ثم انہما دعواہ الی بیعتہما فابطأ عنہما وتلکأ علیہما فہما بہ الہموم وارادا بہ العظیم" (تیرا باپ ابوبکر، اور اس کا فاروق (عمر) پہلے شخص تھے جنہوں نے علی کا حق چھینا اور باہم اتفاق کر کے ان کی مخالفت کی پھر انہوں نے ان کو اپنی

بیعت کے لئے بلایا مگر انہوں نے بیعت سے انکار کر دیا جس کی وجہ سے ان دونوں کے خلاف
شبہ بڑھ سے اور دے گئے!

یہ خط و کتابت نہایت عجیب و غریب ہے جس کے دیکھنے سے بہت سے سربستہ راز کھل جاتے ہیں
اور حضرات اہل جماعت کے بہت سے راز فاش اور پردے چاک ہو جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ تاریخ کامل
ج ۲ صفحہ ۔۔ مصر جدید مطبع مصریہ و طبری ج ۵ صفحہ ۲۲۲ طبع مصر پر لکھا ہے رجب ہی میں محمد بن معاویہ
مکاتبات کرہت ذکرنا ما نبا لما لا یحتمل سماعھا العامۃ "محمد بن ابی بکر اور معاویہ کے
درمیان کچھ ایسی خط و کتابت ہوتی رہی ہے جس کا ذکر کرنا ہمیں ناپسند ہے کیونکہ اس میں ایسے امور مذکور
ہیں جنہیں عوام برداشت نہیں کر سکتے یعنی وہ ایسے حقائق ہیں جنہیں معلوم کر کے عوام ہضم نہیں
کر سکتے۔

ان تحقیقات و بیانات سے دوسرے دو مرحلے بھی طے ہو گئے اور ہمارے مدعا کی حقانیت و
صداقت واضح ہو گئی۔ تاہم مزید وضاحت کے لئے ان دو مرحلوں پر ذیل میں قدرے تفصیل روشنی ڈالی
جاتی ہے۔

واضح ہو گیا جناب سے جناب
کا مرحلہ معلوم یہ تھا کہ

حضرت علی خلافت ثلاثہ کو جابرانہ اور غاصبانہ سمجھتے تھے

حضرت امیر علیہ السلام خلفائے ثلاثہ کی خلافت کو ایک غاصبانہ و ظالمانہ خلافت سمجھتے تھے۔ اور خود ان
خلفاء کو ظالم، غاصب، کاذب، آثم جانتے تھے اس کا ثبوت سابقہ بیانات میں موجود ہے کیونکہ آنجناب
کے کلام حقائق ترجمان میں ان حضرات کی خلافت کے متعلق "غصب" "ظلم" "استبداد" وغیرہ
الفاظ مذکور ہیں۔ جن کا صاف و صریح مفاد وہی ہے جس کا ہم نے ادعا کیا ہے۔ تاہم از دیاد بصیرت
کے لئے چند اور شواہد اور اجمالی بیانات پیش خدمت کئے جاتے ہیں۔

(۱) کتاب الامامت والسیاسۃ صفحہ ۱۲ پر حضرت علی اور دیگر چند حضرات کے بیعت ابوبکر سے تخلف
کرنے اور جناب عمر کے غیظ و غضب کا اظہار کرنے کے بعد مسطور ہے کہ "ابوبکر نے اپنے غلام قنفذ سے
کہا کہ جا کر حضرت علی کو بلا لاؤ چنانچہ قنفذ حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوا آنجناب نے اس سے آمد
کا سبب دریافت فرمایا کہا "یدعوک خلیفۃ رسول اللہ" آپ کو خلیفہ رسول یاد کرتے ہیں۔
فقال علی سریع ما کذبتم علی رسول اللہ فرمایا "تم لوگوں نے بہت جلد حضرت رسول خدا صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم پر افتراء کرنا شروع کر دیا کہ ابوبکر کو خلیفہ رسول کہتے ہو۔ قنفذ نے واپس جا کر جب یہ

(۱) حضرت علی علیہ السلام کی حضرات ثلاثہ سے مخالفت اور ان کو کاذب، خائن، غادر اور آثم سمجھنا ایک مسلّمہ حقیقت ہے جس کا خود ان حضرات کو اقرار تھا۔ آج کل ان کے پیروکار اس کا انکار کر کے اپنے پیر و مرشد حضرت عمر وغیرہ کی تکذیب کریں تو اور بات ہے۔ (صحیح بخاری جلد ۴ صفحہ ۱۱۱ طبع مصر و مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۵۵ طبع مصر وغیرہ) کتب میں حضرت عمر کا ایک طولانی خطبہ مذکور ہے جس میں انہوں نے سقیفائی خلافت کی کیفیت بیان فرمائی ہے اور اسے بیعت "فلتہ" (اکانت بیعۃ ابی بکر فلتۃ "وقی اللہ شرھا) حضرت ابو بکر کی بیعت بغیر سوچے سمجھے عمل میں آنے والی بیکار شے ہے۔ اس کے شر سے بچایا گیا) قرار دینے کے بعد بتصریح فرماتے ہیں وخالف عنا علی والزبیر ومن معھما (علی، زبیر اور ان کے ہمراہیوں نے ہم اور دیگر چند خواص سے مخالفت کیا)

(۲) صحیح مسلم مع شرح نووی جلد ۲ صفحہ ۹۰ پر مذکور ہے کہ حضرت عمر نے حضرت علی و عباس کو خطاب کرتے ہوئے کہا: فرأیتماہ کاذبا آثما غادرا خائنا۔ تم دونوں مجھے جھوٹا، گنہگار، دغاباز، بددیانت کار سمجھتے ہو کہ جو مجھ سے بہتر تھا (حضرت ابو بکر) تم اس کو بھی ایسا ہی سمجھتے ہو۔ ملاحظہ فرما لیجیے کہ اپنے اور اپنے رفیق خاص کے متعلق حضرت علی و عباس کے نظریات کی ترجمانی اپنی زبانی کس صراحت و وضاحت کے ساتھ فرمائی ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ حضرت علی و عباس نے جناب عمر کی اس نسبت کی تردید نہیں فرمائی کہ عمر! یہ کیا کہہ رہے ہو! ہم تو آپ کو فاروق اعظم اور نہایت پاکباز خلیفہ رسولؐ سمجھتے ہیں، اسی طرح ابو بکر کو صدیق اکبر اور خلیفہ رسولؐ مانتے ہیں بلکہ آپ نے اس مقام پر اپنے سکوت سے حضرت عمر کے خیالات کی تصدیق فرما دی اور اسے اس نسبت کی صحت پر مہر ثبت فرما دی ہے

(۳) اسی طرح حضرت عمر کے مکالمات سے بھی مترشح ہوتا ہے کہ وہ حضرت علیؑ کو مظلوم سمجھتے تھے چنانچہ عبداللہ بن عباس سے ان کے مکالمہ مندرجہ شرح حدیدی جلد ۳ صفحہ ۲۴ میں یہ فقرہ موجود ہے: یا ابن عباس ما اظن صاحبک الا مظلوما اے ابن عباس میں تمہارے ساتھی (حضرت علیؑ) کو مظلوم سمجھتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ ظلم بغیر ظالم کے متحقق نہیں ہو سکتا جب حضرت علی مظلوم ہیں تو لامحالہ حضرات شیخین اور ان کے اتباع ہی ظالم ہوں گے ورنہ علیحدہ فرما دیں کہ شیخین کے زمانہ میں اور کس شخص نے حضرت علیؑ پر ظلم و ستم کیا تھا جس کی بنا پر آنجناب مظلوم و مقہور تھے؟

اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سب کتب معتبرہ اہل سنت ہی سے ماخوذ ہے اور ہماری کتب میں جو کچھ اس موضوع کے متعلق موجود ہے وہ "عیاں راچہ بیان" کا مصداق ہے لہذا باتفاق روایات فریقین واضح ہو گیا کہ حضرت امیر المومنین اصحاب ثلاثہ کو ناصب، ظالم، کاذب

و آثم غاصب و خائن سمجھتے تھے ہمیں اس سے سروکار نہیں کہ اس مسئلہ میں حق بجانب کون تھا وہ دلائل و براہین مثل "الحق مع علی و علی مع الحق اور القرآن مع علی و علی مع القرآن" وغیرہ سے معلوم کرنا چاہیے ہیں تو درست نقدیہ دکھاؤ؟ مقصود تھا کہ حضرت امیر علیہ السلام ان کو ظالم و غاصب سمجھتے تھے جو بحمدہ تعالیٰ بأحسن وجہ واضح و آشکار ہوگیا اگر کوئی مجمل و متشابہ یا ضعیف السند یا موضوع و مجعول روایت ان متفق بین الفریقین روایات صحیحہ کے مقابلہ میں پیش کی جائے تو اسے درجہ حجیت و اعتبار سے ساقط سمجھا جائے گا اس مقام پر حضرات اہل سنت کتر بیونت کر کے ہماری کتب سے جو بعض روایات حضرت علیؑ کے ثلاثہ کے ساتھ خوشگوار تعلقات ثابت کرنے کے لیے پیش کیا کرتے ہیں ان کے استدلال کے ابطال کے لیے ناظرین مولانا حکیم امیر الدین صاحب (مرحوم) کے رسالہ "ابطال الاستدلال لاہل التزویج و الضلال" کا مطالعہ فرمائیں۔ امید کامل ہے کہ انشاء اللہ اس رسالہ شریفہ کے دیکھنے سے سب سربستہ راز کھل جائیں گے اور شکوک و شبہات کے تمام بادل چھٹ جائیں گے۔[1]

حضرت علیؑ نے خلفاء ثلاثہ کی بیعت نہیں کی

حقیقت یہ ہے کہ سابق دو مرحلوں کے اثبات کے بعد اب اس مرحلہ میں گفتگو کرنے کی کچھ حاجت باقی نہیں رہتی کیونکہ صاحبان دانش و بینش نہایت آسانی سے یہ بات سمجھ سکتے ہیں کہ جب دلائل قاہرہ و براہین باہرہ سے ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ خلافت و امامت کو بلا شرکت غیرے محض اپنا حق سمجھتے تھے اور مدعیان خلافت کو اپنے حقوق کا غاصب اور ظالم و عادی، کاذب اور آثم جانتے تھے۔ تو ان حالات میں کوئی صاحب عقل و انصاف یہ تصور بھی کر سکتا ہے کہ آنجنابؑ نے بطیب خاطر ان کی بیعت کی ہو، حاشا و کلا۔

ہمیں اس بات کا انہی حضرات سے پتہ چلا ہے کہ خلیفہ رسولؐ کو مومن عادل بلکہ معصوم ہونا چاہیے پھر کیا کوئی عقل سلیم اسے باور کر سکتی ہے کہ حضرت علیؑ نے ان کو گنہگار اور غدار سمجھتے ہوئے بھی ان کی بیعت کر لی ہو؟ ماننا پڑے گا کہ ہرگز کوئی بیعت عمل میں نہیں آئی (کما استقر مذہب المحققین من علماء الامامیۃ کثرھم اللہ فی البریۃ) اگرچہ بیعت بظاہر ہوئی بھی ہو تو بھی جبراً (کما استقرت

---

[1] یا ہماری کتاب "تجلیات صداقت" کی طرف رجوع فرمائیں جو اس کتاب کی طبع ثانی کے وقت منظر عام پر آچکی ہے۔ جس میں بڑی تفصیل و تحلیل کے ساتھ ان لوگوں کی دسیسہ کاریوں کا پردہ چاک کیا گیا ہے اور ان کے تمام مستمسکات کا تار و پود بکھیر کے رکھ دیا گیا ہے۔ (منہ عفی عنہ)

علیہ کلمۃ جمہور المخالفین۔ تو وہ نہایت اجبار و اکراہ اور اصرار کے عالم میں ہی۔

سابقہ بیانات شافیہ و تحقیقات کافیہ کے بعد اس سلسلہ میں مزید قلم فرسائی کی چنداں ضرورت تو نہ تھی لیکن تاہم بعض مشککین حضرات کے شکوک کا ازالہ اور متوقفین کی تسکین اور مومنین کے ازدیاد یقین کی خاطر اس بیعت کے عدم وقوع اور بصورت وقوع اس کے اجباری و اکراہی ہونے پر چند دلائل و شواہد کتب معتبرہ اہل سنت سے پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) ابن قتیبہ دینوری اپنی کتاب الامامۃ والسیاسۃ کے ص ۱۱ پر "بابت علی کرم اللہ وجہہ عن بیعت ابی بکر رضی اللہ عنہما" (عنوان قائم کرکے رقمطراز ہیں) "ثم ان علیا کرم اللہ وجہہ اتی ابابکر وھو یقول انا عبد اللہ واخو رسول اللہ فقیل لہ بایع ابابکر فقال انا احق بھذا الامر منکم لا .... فقال لہ عمر انک لست متروکا حتی تبایع فقال لہ علی احلب حلبا لک شطرہ واشدد لہ الیوم یردد علیک غدا ثم قال واللہ یا عمر لا اقبل قولک ولا ابایعہ فقال لہ ابوبکر فان لم تبایع فلا اکرھک "۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ابوبکر کے پاس لایا گیا (خود تشریف نہیں لائے تھے مقام تدبر ہے اور اس لانے جانے کی کیفیت بھی عنقریب بیان کی جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ) آنجناب نے فرمایا کہ میں عبد خدا اور برادر رسول ہوں۔ اس وقت کہا گیا کہ ابوبکر کی بیعت کرو۔ ۔۔۔۔۔ آپ نے فرمایا کہ میں تم سے زیادہ حقدار خلافت ہوں تمہیں میری بیعت کرنا چاہیئے۔ عمر نے کہا تمہیں ہرگز نہیں چھوڑا جائے گا جب تک بیعت نہ کرو۔ حضرت علی نے فرمایا عمر! تم اس دودھ کو دوھ لو جس میں تمہارا بھی حصہ ہے[1] آج اس امر کو ابوبکر کے لئے خوب

---

[1] حضرت امیر المومنین کا یہ نظریہ ایسا صحیح تھا جو حرف بحرف صحیح ثابت ہوا حتیٰ کہ غیر مسلمان محققین و مورخین ان حالات کے پیش نظر اسی نتیجہ تک پہنچے ہیں۔ چنانچہ ڈیون پورٹ انگریز مورخ نے اپنی انگریزی کتاب "معذرت" میں حضرت ابوبکر کے خلیفہ ہونے کی حمایت اور حضرت عمر کے حضرت فاطمہ کا گھر جلانے کی دھمکی کا حال بیان کرکے لکھا ہے۔ کہ عمر کے اس طرح جبری بلکہ بے حجابانہ کردار کا باعث بے شک یہ خیال ہوا کہ ابوبکر چونکہ سن رسیدہ ہیں وہ تو بعد رسول کے تا دیر زندہ نہیں رہیں گے انہوں نے امید کی کہ ٹھیک ترکیب سے وہ خود ابوبکر کے بعد خلیفہ ہو سکتے ہیں بشرطیکہ علی کو خارج کر سکیں۔ کہ وہی ایک مدمقابل تھے جن سے ان کو کسی وجہ سے خوف کرنا پڑتا تھا۔ (منقول از تاریخ اسلام ج ۲ ص ۲۳ متوسط رسالہ اصلاح کھجوہ) فاعتبروا یا اولی الابصار۔ (منہ عفی عنہ)

نوبیت مستنکر علی وجوہ الناس فالتمس مصالحۃ ابی بکر ومبایعتہ ولم یکن یبایع تلک الاشہر الخ" "جب
تک جناب فاطمہ زندہ تھیں تو عام لوگوں کی نظروں میں حضرت علیؑ کی کچھ عزت و وقعت تھی لیکن جب آپ وفات پاگئیں
تو حضرت علیؑ نے دیکھا کہ لوگ ان سے بالکل منحرف ہو گئے ہیں تب چاہا کہ ابوبکر سے مصالحت و مبایعت کریں لیکن ان
مہینوں میں جن میں جناب فاطمہ زندہ تھیں حضرت علیؑ نے ابوبکر کی بیعت نہیں کی تھی۔"

بخاری کی یہ روایت اس امر پر نص صریح ہے کہ حضرت علیؑ نے جب تک جناب سیدہ بقید حیات تھیں
ہرگز ابوبکر کی بیعت نہیں فرمائی۔ اگر بقول اہل سنت بیعت کی بھی تو ان کی وفات کے بعد اور وہ بھی ناملائم و ناگزیر حالات
کی وجہ سے مجبور ہو کر اور وہ مبایعت بھی بمعنی مصالحت ہے نہ بمعنی حقیقی۔ ظاہر ہے کہ مصالحت تو غیر مسلموں سے بھی
درست۔ قابل غور امر یہ ہے کہ اگر حضرت علیؑ ابوبکر کو خلیفہ حق سمجھتے تھے تو چھ ماہ تک تخلف و انحراف کیوں؟ اور چھ ماہ
کے بعد ناخوشگوار حالات سے مجبور ہو کر بیعت کرنا چہ معنی دارد؟ جو شخص حقیقی خلیفہ کی معرفت حاصل کئے بغیر مر جائے اس کے
متعلق پیغمبر اسلامؐ کا یہ فرمان موجود ہے: "من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاہلیۃ" "جو شخص اپنے
زمانہ کے امام کی معرفت کے بغیر مر جائے وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔" (منصب امامت شاہ اسماعیل شہید مرحوم) اگر حضرت
علیؑ اس اثنا میں دار بقا کی طرف منتقل ہو جاتے تو مسلمان ان پر کیا فتویٰ لگاتے؟ اور سیدۃ نساء العالمین جو اسی عدم
بیعت یعنی جناب ابوبکر کو خلیفہ رسول نہ جاننے کے عالم میں رحلت فرما گئیں ان کے متعلق برادران اسلام کیا فتویٰ صادر
فرمائیں گے؟"

ع مشکلے دارم ز دانشمند مجلس باز پرس

ماننا پڑے گا کہ حضرت امیر علیہ السلام جناب ابوبکر کو ہرگز خلیفہ رسولؐ نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کے متعلق آپ کا وہی نظریہ
تھا جو سطور بالا میں بیان ہو چکا ہے "الحق مع علی و علی مع الحق"

ازالۂ شبہ کہا جاتا ہے کہ تاریخ الامم و الملوک جلد دوم ص۲۳۳ سطر ۲ پر ہے: "حضرت علیؑ اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ
کسی آنے والے نے کہا کہ ابوبکر لوگوں سے بیعت لینے کے لئے بیٹھ گئے ہیں حضرت علیؑ جلدی سے اٹھے۔ اور حالانکہ آپ
صرف ایک کرتہ پہنے ہوئے تھے۔ نہ تہبند تھی نہ چادر تھی۔ آپ نے بیعت کرنے میں دیر کو مکروہ جانا۔ یہاں تک
کہ بیعت کی پھر ابوبکر کے پاس بیٹھ گئے اور کپڑوں کے لئے آدمی بھیجا وہ آیا تو آپ چادر اوڑھ کر بیٹھ گئے اور حضرت
ابوبکر کی مجلس کو لازم پکڑ لیا۔" روایت طبری کے متعلق ابن حجر عسقلانی اور عینی شارحین بخاری کے حوالے سے بیان کیا جاتا
ہے کہ چھ ماہ کے بعد جو بیعت ہوئی تھی وہ بیعت ثانیہ تھی۔ پہلی بیعت تو وہی تھی جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مسجد نبوی میں
حسب بیان ابن جریر طبری کر لی تھی۔"

سابقہ تحقیقات کے بعد اس خیال کا ابطال محتاج بیان نہیں ہے کیونکہ مذکورہ بالا امام حقیقت ترجمان سے ہی
ستون شبہ کا بطلان روز روشن کی طرح واضح و عیاں ہو گیا ہے کون صاحب عقل و انصاف ساری مذکورہ بالا تاریخی حقائق

سے ہیں؟ فرمایا ان میں سے پہلے حضرت ابراہیمؑ ہیں جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا میں تم سے اور جن کو تم خدا کے
علاوہ پکارتے ہو علیحدگی اختیار کرتا ہوں۔ اگر تم یہ کہتے ہو کہ جناب نے قوم کے رنج و الم کے بغیر ایسا کیا تو تم کافر ہو
جاؤ گے۔ اور اگر یہ تسلیم کرتے ہو کہ انہوں نے قوم کی اذیت رسانی کی بنا پر ایسا کیا تو پھر وصی رسولؐ زیادہ معذور ہے
(احتجاج طبرسی کی روایت میں حضرت ابراہیمؑ کی بجائے حضرت نوحؑ کا ذکر ہے جنہوں نے قوم کے حالات سے مجبور ہو کر یہ
کہا ادعو ربی انی مغلوب فانتصر۔ یا اللہ میں کمزور ہوں میری نصرت فرما۔ دوسرے جناب ابراہیمؑ کے خالہ زاد بھائی حضرت لوطؑ
ہیں جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا اے کاش مجھے قدرت حاصل ہوتی یا کسی مضبوط قلعہ میں پناہ حاصل کر سکتا۔ اگر تم یہ
کہتے ہو کہ انہوں نے طاقت و قدرت کے ہوتے ہوئے بھی یہ فرمایا تو تم کافر ہو جاؤ گے اور اگر یہ مانتے ہو کہ ان میں قوت نہ تھی
تو پھر وصی رسولؐ زیادہ معذور ہیں۔ تیسرے جناب یوسفؑ ہیں جب کہ انہوں نے بارگاہ ایزدی میں یہ درخواست پیش کی
اے پروردگار جس بات کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں اس سے تو مجھے قید و بند زیادہ پسند ہے۔ اگر تم یہ کہتے ہو کہ جناب یوسفؑ
نے بلا مجبوری اپنے پروردگار کو ناراض کرنے کے لئے اس سے قید و بند کا سوال کیا تو تم کافر ہو جاؤ گے اور اگر یہ تسلیم کرتے ہو
کہ انہوں نے یہ سوال اس لئے کیا تھا کہ خدا ناراض نہ ہو تو پھر وصی رسولؐ زیادہ معذور ہے۔ چوتھے حضرت موسیٰؑ ہیں جو
فرماتے ہیں جب میں نے تم سے خوف محسوس کیا تو میں بھاگ نکلا۔ اگر تم یہ کہتے ہو کہ انہوں نے بلا خوف فرار اختیار کیا تھا
تو کافر ہو جاؤ گے اور اگر یہ مانتے ہو کہ ان کو خوف دامن گیر تھا تو پھر وصی رسولؐ زیادہ معذور ہیں۔ پانچویں حضرت
ہارونؑ ہیں جنہوں نے اپنے برادر معظمؑ کی خدمت میں قوم کی شکایت کرتے ہوئے عرض کیا۔ اے بھائی! قوم نے مجھے اس قدر
کمزور سمجھا کہ قریب تھا کہ مجھے قتل کر ڈالیں۔ پس اگر تم یہ کہتے ہو کہ قوم نے ان کو کمزور نہیں سمجھا تھا تو کافر ہو جاؤ گے اور اگر یہ
مانتے ہو کہ انہوں نے ان کو کمزور سمجھا اور ان کے قتل کا ارادہ بھی کیا تو پھر وصی رسولؐ زیادہ معذور ہیں۔ چھٹے حضرت محمد
مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جب کہ انہوں نے قوم کے مظالم سے مجبور ہو کر ہجرت کی اور ان کے خوف و ہراس کی وجہ سے غار میں
پناہ لی اور مجھے اپنے

جواب دوم | جب حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال پر ملال ہوا تو مدینہ منافقوں سے بھرا ہوا تھا جو
شجرِ اسلام کی بیخ کنی کرنے کے لئے ہر وقت مختلف تدابیر سوچنے کی دھن میں لگے ہوئے تھے جیسا کہ شبلی نعمانی نے لکھا
ہے "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت وفات پائی مدینہ منورہ منافقوں سے بھرا پڑا تھا جو مدت سے اس
بات کے منتظر تھے کہ رسولؐ کا سایہ اٹھ جائے تو اسلام کو پامال کر دیں۔ (الفاروق ج۱ صـ۵۲ طبع لاہور) اور اس پر

بستر پر سلا دیا پس اگر تم یہ کہتے ہو کہ بلا خوف غار میں تشریف لے گئے تھے تو تم کافر ہو جاؤ گے۔ اور اگر یہ مانتے ہو کہ
انہوں نے قوم کے خوف کی وجہ سے ایسا کیا تو پھر ان کا وصی زیادہ مجبور ہے۔ (الغرض اگر ظاہری کمزوری کی وجہ سے ان
انبیاء علیہم السلام نے اپنی قوموں سے عملی جہاد نہیں کیا بلکہ صرف زبانی اظہار نفرت پر اکتفا کی ہے۔ مگر اس سے ان کی نبوتوں میں کوئی
فرق واقع نہیں ہوا۔ تو اگر امیر نے ظاہری کمزوری کی بنا پر غاصبین سے جنگ نہیں لڑی تو اس میں کیا جائے تعجب و اعتراض؟)

طرف کر چکے تھے، ان میں اکثر نو مسلمانِ اسلام تھے جو تا حال راسخ الایمان اور ثابت القدم نہ تھے۔ لہٰذا معمولی فتنہ و فساد و دشمن و ایذا کی بنا پر ان کے کفر و الحاد کی طرف عود کر جانے کا بھی شدید خطرہ تھا حتیٰ کہ اسی خوف سے حضرت رسولِ خدا بعض ضروری اصلاحات انجام نہ دے سکے۔[۱] یہ تو تھے داخلی کوائف، اور جہاں تک خارجی حالات کا تعلق ہے ان کی کیفیت یہ تھی کہ ہر چہار طرف سے دشمنانِ اسلام شمعِ اسلام کو گل کرنے کی گھات میں بیٹھے ہوئے دانت دین منصوبے باندھ رہے تھے۔ ان حالات میں اگر حضرت علی علیہ السلام تلوار اٹھاتے اور مسلمانوں کے درمیان مسئلہ خلافت میں خانہ جنگی شروع ہو جاتی تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ نو واردانِ اسلام دوبارہ کفر و شرک کی طرف پلٹ جاتے اور منافقین کو شجرِ اسلام کی بیخ کنی کا نہایت عمدہ موقع مل جاتا اور معاندینِ اسلام کو شمعِ اسلام گل کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آتی۔ اس طرح حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تئیس سالہ زحمات و مشقات کا پھل جن میں حضرت امیر علیہ السلام بھی برابر کے شریک و سہیم تھے، برباد ہو جاتا اور جہاں نورِ اسلام، جس کی ضیا پاشیوں سے تمام عالم کو منور و درخشاں کر رہا تھا، اس کی جگہ دوبارہ ظلمت کفر و شرک چھا جاتی۔ ابدالآباد تک کے لئے لوگ نورِ اسلام سے بہرہ مند ہونے سے محروم ہو جاتے، یہ ایسا امر تھا جسے حضرت امیر المومنینؑ جیسے محسنِ اسلام کسی صورت میں گوارا نہیں فرما سکتے تھے چنانچہ خود آنجناب نے متعدد بار ان حقائق کا اظہار فرمایا ہے۔

نہج البلاغہ ج ۲ صفحہ ۲ مطبوعہ مصر پر مذکور ہے، فرمایا "اما بعد فان اللّٰہ سبحانہ بعث محمداً نذیراً للعالمین و مهیمنا علی المرسلین فلما مضی علیه السلام تنازع المسلمون الامر من بعده فواللّٰه ما کان یلقی فی روعی ولا یخطر ببالی ان العرب تزعج هذا الامر من بعده عن اهل بیته ولا انهم منحوه عنی من بعده فما راعنی الا انثیال الناس علی فلان یبایعونه فامسکت یدی حتی رأیت راجعة الناس قد رجعت عن الاسلام یدعون الی محق دین محمد صلی اللّٰه علیه وآله وسلم فخشیت ان لم انصر الاسلام واهله ان اری فیه ثلماً او هدماً تکون المصیبة به علیّ اعظم من فوت ولایتکم التی هی متاع ایام قلائل یزول منها ما کان کما یزول السراب او کما یتقشع السحاب فنهضت فی تلک الاحداث حتی زاح الباطل وزهق واطمأن الدین وتنهنه" خداوند عالم نے جناب محمد مصطفیٰ کو عالمین کے لئے ڈرانے والا اور مرسلین کے لئے نگہبان بنا کر بھیجا، جب آپ دارِ دنیا سے رحلت فرما گئے تو مسلمان ان کے بعد امرِ خلافت میں جھگڑا کرنے لگے بخدا

---

[۱] بخاری ج ۲ صفحہ ۱۱۰ مطبوعہ مصر پر مروی ہے کہ ایک بار جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عائشہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تمہاری قوم نے کعبہ کو از سر نو تعمیر کرتے وقت، اس کی اصل بنیادوں سے کم کر دیا۔ عائشہ نے کہا یا رسول اللہ الا تردها علی قواعد ابراهیم۔ یا رسول اللہ! آپ اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قائم کردہ بنیادوں پر کیوں نہیں لوٹا دیتے؟ آپ نے فرمایا لولا حدثان قومک بالکفر (اگر تیری قوم تازہ تازہ کفر سے نکل کر اسلام میں داخل نہ ہوئی ہوتی (جس کے مرتد ہو جانے کا اندیشہ ہے) تو میں ایسا کرتا (منہ عفی عنہ)۔

میرے دل میں یہ بات کبھی نہیں آئی تھی کہ عرب اس امر (خلافت) کو آنحضرتؐ کے اہلبیت سے اور بالخصوص مجھ سے
دور کر دیں گے (ان حالات میں مجھے) بازنہیں رکھا، مگر اس بات نے کہ لوگ بیعت کرنے کے لئے فلاں پر ٹوٹے پڑتے
تھے پس میں نے اپنا ہاتھ (بیعت کرنے) سے روک لیا یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ دین اسلام سے برگشتہ ہو
گئے ہیں جو دین محمدؐ کے مٹانے کی طرف لوگوں کو بلا رہے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں ایسے حالات میں اسلام
اور اہل اسلام کی نصرت نہ کروں (صبر و سکوت کروں) تو پھر مجھے اسلام میں ایسا شگاف اور رخنہ دیکھنا پڑے گا جس کا
صدمہ چند روزہ خلافت کے چھن جانے سے بھی زیادہ سخت ہوگا۔ یہ چند روزہ ظاہری حکومت تو اس طرح زائل ہو
جاتی ہے جس طرح بادل یا سراب زائل ہو جاتا ہے لہٰذا میں نے ان حوادث و بدعات کے وقت تائید حق کی یہاں
تک کہ باطل مٹ گیا۔ اور دین مطمئن و مستقر ہو گیا۔"

ونعم ما قال ابو سفیان بن حرب فی ہذا المعنی

ما کنت احسب ان الامر منصرف ۔ عن ہاشم ثم منہا عن ابی الحسن (شرح حدیدی
الیس اول من صلی بقبلتہم ۔ و اعلم الناس بالقرآن والسنن ج ۲ ص ۲۸۵)

(۲) سابقاً استیعاب ابن عبد البر مطبوعہ حیدر آباد ج ۱ ص ۲۵۰ سے ہم نقل کر چکے ہیں کہ آنجنابؑ کو جب
طلحہ و زبیر کی بغاوت کی اطلاع ملی تو آنجنابؑ نے ان کو خط لکھا، اس میں اپنی احقیت بالخلافت کے اظہار کے بعد
تحریر فرمایا: "وایم اللہ لولا مخافۃ الفرقۃ وان یعود الکفر و یبور الدین لغیرنا فصبرنا علی بعض الالم"
خدا کی قسم اگر مسلمانوں میں تفرقہ پڑ جانے کا اندیشہ، کفر کے پلٹ آنے کا خطرہ اور دین کی تباہی کا خوف نہ ہوتا، تو یقیناً ہم
حالات کا کایا پلٹ کر رکھ دیتے۔ لیکن ہم نے (مذکورہ بالا مصالح کے پیش نظر) ان مصائب پر صبر کیا۔"

(۳) مناقب خوارزمی و مناقب ابن مردویہ اور کنز العمال ج ۳ ص ۱۵۴ پر شوریٰ کے دن حضرت امیر علیہ السلام نے
یہ کلام حقیقت ترجمان ارشاد فرمایا۔ عامر بن واثلہ سے روایت ہے۔ "قال کنت علی الباب یوم الشوریٰ فارتفعت
الاصوات بینہم فسمعت علیا یقول بایع الناس ابابکر وانا واللہ اولیٰ بالامر منہ واحق بہ منہ فسمعت
واطعت مخافۃ ان یرجع الناس کفاراً یضرب بعضہم رقاب بعض بالسیف الخ" عامر بن واثلہ کہتے ہیں کہ میں
بروز شوریٰ دروازہ پر موجود تھا جب اہل شوریٰ کی آوازیں بلند ہوئیں تو میں نے حضرت علیؑ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ
وہ فرما رہے تھے: لوگوں نے ابوبکر کی بیعت کی حالانکہ خدا کی قسم میں اس سے زیادہ حقدار خلافت تھا لیکن میں نے محض اس
اندیشہ کے ماتحت سکوت اختیار کیا (اس خانہ جنگی کی وجہ سے) لوگ کفر کی طرف پلٹ کر ایک دوسرے کی گردنیں نہ اڑانا شروع
کر دیں۔"

(۴) ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ ج ۲ ص ۵ طبع بیروت پر روایت کرتے ہیں کہ ان فاطمۃ حرضت

امیرالمومنین یوماً علی الحرب فلما قرب سمع صوت المؤذن اشہد ان محمداً رسول اللہ فقال لہ الزبیر
دع لھذا المنادی من الارض قالت وقال قاتلہ ما احوج ذلک" ایک دن حضرت زبیرؓ نے حضرت امیرالمومنینؑ کو
جنگ کے لئے برانگیختہ کیا، اس اثنا میں آنجناب نے مؤذن کی اذان سنی جو اشہد ان محمداً رسول اللہ کہہ رہا تھا حضرت
امیرؑ نے اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے فرمایا کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ یہ ندا زمین سے ختم ہو جائے؟ جناب زبیرؓ نے
عرض کیا نہیں، فرمایا یہی وہ چیز ہے جو میں تم سے کہتا ہوں۔ کہ میرے جنگ کرنے سے یہ ندا ختم ہو جائیگی) ان
حقائق کی روشنی میں واضح و عیاں ہو گیا کہ حضرت امیرالمومنینؑ نے محض بقائے دین و حفظ شریعت سید المرسلین اور
خوف افتراق بین المسلمین کے جذبہ صالحہ کے ماتحت یہ تمام مصائب و آلام برداشت کئے اور اپنے حقوق کو پامال ہوتے
دیکھتے رہے لیکن بجز صبر و شکیبائی کے کوئی اقدام نہ فرمایا۔ آپ کا یہ طرز عمل صبر و ضبط ہی آپ کی بے پناہ خداداد قوت
شجاعت اور حکمت و مصلحت بینی کا بین ثبوت و شاہکار ہے۔

جواب سوم کتب سیر و تواریخ و احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے آنے والے
فتنہ و فساد اور مکر و فریب سے باعلام ایزدی حضرت امیر علیہ السلام کو مطلع فرما دیا تھا اور بصورت انقلاب امت
کے نمودار ہونے کے آپ سے صبر و تحمل کا عہد و پیمان لے لیا تھا اس لئے آنجناب بمطابق وصیت رسولؐ تمام ظلم و ستم سہنے
پر مامور اور تلوار اٹھانے سے معذور تھے۔ چنانچہ کنز العمال ج ۶ ص [illegible] پر لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے
فرمایا "ان الامۃ ستغدر بک من بعدی و انت تعیش علی ملتی و تقتل علی سنتی" "اے علیؑ! میری امت
میرے بعد تمہیں بے یار و مددگار چھوڑ دے گی"۔ اسی طرح الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۲۳۵ طبع حیدرآباد دکن بروایت ابویعلی و حاکم
بیہقی و ابونعیم حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا "ان مما عہد الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان
الامۃ ستغدر بی بعدہ" ارجح المطالب ص ۶۲۴ پر باسناد ابویعلی ایک طولانی حدیث کے ضمن میں حضرت امیر علیہ السلام
روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا "فلما خلا لہ الطریق اعتنقنی ثم اجہش باکیا قال قلت یا رسول اللہ ما
یبکیک؟ قال ضغائن فی صدور قوم لا یبدونہا لک الا من بعدی قلت یا رسول اللہ فی سلامۃ من
دینی؟ قال فی سلامۃ من دینک" جب حضرت رسولؐ کو راستہ میں تنہائی حاصل ہوئی تو مجھے گلے سے لگایا، اور زار و قطار
رونا شروع کیا میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ کو کیا چیز رلا رہی ہے؟ فرمایا ایک قوم کے سینوں کے کینے مجھے کا
رہے ہیں جنہیں میرے بعد تمہارے لئے ظاہر کریں گے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرا دین تو سلامت رہے گا؟ فرمایا
ہاں۔"

کنز العمال ج ۶ ص [illegible] میں یہ تتمہ بھی موجود ہے۔ "قلت فترکتہم و ما اختاروا واخترت اللہ و رسولہ والدار
الآخرۃ واصبر علی مصائب الدنیا و بلواہا حتی الحق بک ان شاء اللہ قال اصبت اللہم فعل ذلک بہ فعل

تم میری ملت پر قائم رہو گے اور میری سنت پر شہید ہو گے۔

سے کہا ہاں نہیں اور جسے وہ اختیار کریں گے اسے ترک کر دوں گا۔ خدا و رسولؐ اور دار آخرت کو اختیار کروں گا۔ اور دائرۂ ظلم
میں جس قدر مجھ پر مصائب و شدائد ڈھائے جائیں گے ان پر صبر کروں گا یہاں تک کہ آپ کے ساتھ ملحق ہوں
فرمایا سچ کہتے ہو وہ انجام ایسا ہی کرو گے۔ بار الٰہا! علیؑ کو اس کی توفیق دینا۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۲۱۲ بسند مرفوعاً) ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
حضرت علیؑ سے فرمایا: "انک مستلقی بعدی جہداً قال فی سلامۃ من دینی؟ قال فی سلامۃ (او قال نعم) اے علیؑ تجھے
میرے بعد نہایت محنت و مشقت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ عرض کیا میرا دین تو سلامت رہے گا؟ فرمایا ہاں! (کنز العمال
ج ۶ ص ۱۵۵ و الخصائص الکبریٰ للسیوطی ج ۲ ص ۱۲۵)۔

اسی طرح معارج النبوۃ رکن چہارم ص ۲۳۵ و روضۃ الاحباب ج ۲ ص ۲۹۲ پر مذکور ہے: اے علیؑ! اول کسیکہ بر
لب حوض کوثر بمن رسد تو باشی۔ بعد از من بسیارے از مکروہات بتو خواہد رسید باید کہ دل تنگ نگردی و دست
در عروۂ وثقیٰ تحمل زدہ طریق حق پیش گیری و چون بینی کہ دنیا مرضی و مختار خلق گردد باید کہ تو آخرت را اختیار کنی۔
اے علیؑ! جو شخص سب سے پہلے حوض کوثر پر میرے پاس وارد ہوگا وہ تم ہی ہو۔ اے علیؑ! میرے بعد تمہیں بہت سے
مکروہات و ناملائم حالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ تمہیں ان سے دل تنگ نہیں ہونا چاہیئے۔ اور صبر و تحمل کے کڑے کو
پکڑے رہنا اور ہمیشہ حق پر گامزن رہنا اور جب لوگ دنیا کو اختیار کر لیں تو تم آخرت کو اختیار کرنا۔ (الی غیر ذلک
من الاخبار والروایات التی یضیق عن حصرہا نطاق البیان)

مقام تدبر ہے کہ حضرت سرور کائنات کے انتقال کے بعد وہ کون سے مصائب و شدائد تھے جو حضرت
امیر المومنینؑ پر ڈھائے گئے؟ اور وہ لوگ کون تھے جنہوں نے یہ مصائب و آلام ڈھائے؟ بلفظ دیگر شقاق و حسد و کینے سے
بھرے ہوئے سینے کون سے تھے؟ جن کی پیشین گوئی مخبر صادق فرما گئے تھے؟ ان سوالات کے جوابات سابقہ بیانات میں
موجود ہیں۔ ارباب اطلاع و بصیرت پر مخفی و مستور نہیں ہے کہ وہ مصائب و شدائد غصب خلافت حقہ، اکراہ برائے بیعت
ابوبکر، غصب فدک اور احراق باب سیدۂ عالم سلام اللہ علیہا وغیرہ کی شکل میں نمودار ہوئے جن کا شکوہ حضرت
امیر علیہ السلام بایں الفاظ کرتے ہیں: "اری تراثی نہباً" "فصبرت و فی العین قذی و فی الحلق شجیٰ" اور جناب
سیدۂ عالمؑ ان الفاظ کے ساتھ ان مصائب کا تذکرہ فرماتی ہیں:

صبت علیّ مصائب لو انہا   صبت علی الایام صرن لیالیا (ذخیرۃ [illegible])

ظاہر ہے کہ خاندان رسالت پر مصائب و آلام کے پہاڑ گرانے والوں کے سربراہ مسلمانوں کے خلیفۂ اول و دوم
رہے تھے۔ دنیا جانتی ہے کہ ان جانگداز حالات و کوائف میں حضرت امیر المومنینؑ نے مطابق وصیت رسول جس فراخ دلی
اور بلند حوصلگی اور صبر و شکیبائی سے ان فتن و فسادات اور محن و آفات کی آگ کو فرو کیا۔ دنیا اس کی نظیر پیش کرنے

اعتراف کما قاتلت علی تنزیلہ" تم بالکل کنارہ کش و خانہ نشین رہنا یہاں تک کہ خلافت از خود تمہارے سپرد کر دی جائے لیکن جب یہ تمہارے حوالے کر دی جائے گی تو لوگوں کے سینے تمہارے خلاف کھولنے لگیں گے۔ اور تمہارے معاملات کو بیا کر دیا جائے گا۔ اس وقت تم تاویل قرآن پر اسی طرح جہاد کرنا جس طرح میں نے تنزیل قرآن پر جہاد کیا ہے۔"

ثانیاً واضح رہے کہ اسلامی اصطلاح میں اصحاب جمل کو ناکثین، اصحاب صفین کو قاسطین اور اصحاب نہروان کو مارقین کہا جاتا ہے۔ حضرت امیر علیہ السلام کو ان ہر سہ فرقہ باطلہ کے ساتھ جنگ وجدال کرنے کا حکم تھا۔ جیسا کہ کتب فریقین میں اس قسم کی بکثرت روایات موجود ہیں یا علی تقاتل المارقین والقاسطین" (فرائد السمطین ج ۱ باب ۵۳ میں مرقوم ہے۔ مسعود بن عبادہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا امرت بقتال الناکثین والقاسطین والمارقین (الخ)" (کنز العمال ج ۶ ص [illegible] ، لسان المیزان [illegible] ، تاریخ بغداد ج [illegible] ص [illegible]) لہذا حضرت علی کا ان سے جنگ کرنا مطابق حکم نبوی تھا نہ خلاف وصیت کما لا یخفی۔

ثالثاً یہ وصیت صبر و تحمل اس امر کے ساتھ مشروط تھی کہ جب تک آپ کو یار و انصار نہ مل جائیں لیکن جب اعوان و انصار مل جائیں تو پھر کوئی وصیت نہ تھی۔ چنانچہ کتاب سلیم ص [illegible] پر آنحضرت کا ارشاد یوں مروی ہے۔ فرمایا یا اخی ان الامۃ ستغدر بک و تنقض عہدی و انک منی بمنزلۃ ھارون من موسی فقلت یا رسول اللہ فما تعھد الی اذا کان کذلک، فقال ان وجدت اعوانا فبادر الیھم و جاھدھم وان لم تجد اعوانا فکف یدک واحقن دمک۔ (یعنی اے علی! میری امت تمہارے ساتھ غداری کرے گی اور تمہارے بارے میں میرے عہد و پیمان کو توڑ دے گی۔ تمہیں مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسی سے تھی۔ اگر اعوان و انصار مل جائیں تو ان سے جہاد کرنا ورنہ ہاتھ روک لینا اور اپنے خون کو محفوظ رکھنا۔"

رابعاً بعض اخبار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صبر و شکیب کی تلقین فقط مدینہ کی حرمت محفوظ رکھنے کے لئے تھی کہ مدینہ میں رہ کر جنگ وجدال نہ کرنا۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام ہر سہ جنگیں مدینہ سے باہر ہوئی ہیں۔ غالباً اسی امر کے پیش نظر حضرت امیرالمومنین نے اپنی ظاہری خلافت کے عہد میں حرم رسول کو چھوڑ کر کوفہ کو دارالخلافہ قرار دیا تھا۔ ان حقائق کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ ان جنگوں کا سابقہ خلافتوں کے ارکان سے جنگ نہ کرنے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے بلکہ ع

این رہیں را آسمانے دیگر ست

ھذا تمام الکلام فی ھذا المقام بعون اللہ الملک العلام والحمد للہ تعالی فی المبداء والاختتام۔ یا ایھا الناس قد جاءتکم موعظۃ من ربکم و شفاء لما فی الصدور و ھدی و رحمۃ للمؤمنین۔"

باب ہفتم

دیگر ائمہ یازدہ علیہم السلام کی خلافت و امامت کا اثبات

واضح ہو کہ حضرت امیر مومنین کی خلافت حقہ و امامت کبریٰ اور امامت مطلقہ کے متعلق دلائل و براہین مدد و صحیح طور پر ثابت ہو چکی کے بعد اگرچہ دیگر ائمہ معصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین کی خلافت و امامت کے اثبات پر علیحدہ دلائل و براہین قائم کرنے کی چنداں ضرورت نہیں تھی کیونکہ حضرت امیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خلافت بلافصل کے ثابت ہو جانے کے بعد ان حضرات کی خلافت و امامت خود بخود ثابت ہو جاتی ہے۔ کما لا یخفی علی اولی الافہام من اھل الفضل والاعلام۔ تاہم مزید اطمینان خاطر مومنین کے لئے اس مسئلہ مہمہ کے متعلق چند دلائل عقلیہ و نقلیہ پیش کئے جاتے ہیں مخفی نہ رہے کہ حضرت امیر علیہ السلام کی خلافت و امامت کی طرح دیگر ائمہ معصومین کی خلافت و امامت کے متعلق بھی بکثرت اور تفصیل و نصوص صریحہ براہین قطعیہ عقلیہ و نقلیہ موجود ہیں۔ ان سب کا احصاء کرنا علاوہ متعسر بلکہ متعذر ہونے کے وضع کتاب سے بھی خارج ہے بنابریں چیدہ دلائل مختصر طور پر ہی ہیں تا حد پر اختصار کیا جاتا ہے جیسا کہ تا حال ہم نے یہی رویہ و رفتار کو اختیار کیا ہے۔

امامت ائمہ اطہار کی امامت کے اثبات پر دلیل عقلی اس دلیل کا بیان اور طرز استدلال بعینہ اسی طرح ہے جس طرح ہم اثبات خلافت حضرت امیر المومنین میں ذکر کر چکے ہیں۔ عقل سلیم و طبع قویم جن دو طریق مستقیم سے حضرت امیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خلافت و امامت مطلقہ پر دلالت کرتی ہے۔ انہی دو طریقوں سے دیگر ائمہ معصومین کی خلافت و امامت پر بھی دلالت کرتی ہے۔ بغرض تذکر اجمالاً اشارہ کئے دیتے ہیں۔

طریق اول سرکار رسالت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد سلسلۂ خلافت و امامت انہی دو سلسلوں میں منحصر ہے۔ یا حضرت ابوبکر، عمر و عثمان خلفاء ثلاثہ اور یا حضرت علی و حسن و حسین اور ان کی اولاد۔ امامت ان دو سلسلوں سے باتفاق فریقین خارج نہیں ہے۔ جب فصول سابقہ میں سلسلۂ اول کا بطلان واضح و عیاں کر دیا گیا۔ اور مزید برآں حضرت امیر علیہ السلام کی خلافت بلافصل پر دلائل و براہین بھی تمام کر دیئے گئے۔ تو اس کے بعد عقل سلیم کی روشنی میں دیگر ائمہ اہل بیت کی خلافت و امامت کا اثبات محتاج بیان نہیں رہتا۔ کما لا یخفی علی اولی الاذہان۔

طریق دوم جب کسی شخص میں تمام صفات و شرائط امامت پائے جائیں اور بعد ازیں وہ شخص ادعائے امامت بھی کرے اور بوقت ضرورت اپنے دعویٰ کے اثبات پر کوئی معجزہ بھی پیش کرے تو عقل سلیم کو اس کی امامت و خلافت کی حقانیت و صداقت پر ہرگز کسی قسم کا پس و پیش نہیں ہوتا۔ ہم ذیل میں با اختصار اور تفصیلاً سے ثابت کرتے ہیں کہ ائمہ

اہلبیتؑ میں تمام شرائط امامت از قسم قرشیت، علمیت، شجاعت، عصمت، طہارت اور صلبیت وغیرہ بوجہ اتم واکمل پائی جاتی ہیں۔
نیز ان حضرات کا دعویٰ امامت کرنا محتاج دلیل و برہان نہیں۔ اسی طرح ان کے معجزات قاہرہ و کرامات باہرہ سے
کتب فریقین مملو و مشحون ہیں۔ یقین کامل ہے کہ ان ذوات قدسی صفات کی خلافت و امامت کی صحت و حقیقت میں عقل
سلیم کو ہرگز کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہ جائے گا اور دوسرا باب ان کی ولایت و وصایت کی تصدیق و تائید کرے گا۔

ائمہ اہل بیت تمام امت سے اعلم ہیں جب سابقہ ابواب میں ابوالائمہ طاہرین حضرت امیرالمومنینؑ کی اعلمیت دلائل
قاطعہ کے ساتھ ثابت ہو چکی تو گو اس سے خود بخود ائمہ طاہرینؑ کی اعلمیت بھی ضمناً ثابت ہو جاتی ہے۔ لانھم فی الفضل
سواء یثبت لآخرھم ما یثبت لاولھم تاہم ذیل میں علیحدہ تمام ائمہ ہدیٰ کی اعلمیت پر اختصار کے پیش نظر اجمالاً روشنی
ڈالی جاتی ہے۔

اعلمیت ائمہ اہل بیت علیہم السلام از قرآن کریم کلام مجید میں بہت سی ایسی آیات مبارکہ موجود ہیں جو ائمہ اطہارؑ کی اعلمیت
پر صراحۃً یا کنایۃً دلالت کرتی ہیں۔ ان سب آیات کا ثبت و ضبط وسعت کتاب سے خارج ہے کیونکہ۔ ع

سفینہ چاہیئے اس بحر بیکراں کے لئے

لہذا صرف ایک آیہ وافی ہدایہ پر اکتفا کی جاتی ہے۔ ارشاد باری ہوتا ہے ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا
ہم نے قرآن مجید کا وارث ان لوگوں کو قرار دیا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب کر لیا ہے۔ صاحب ینابیع المودۃ
نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۳ پر حضرت ثامن الائمہ حضرت امام رضا علیہ التحیۃ والثناء سے اسی آیۂ مبارکہ کی تفسیر میں ایک
طولانی حدیث نقل کی ہے جس کے ضمن میں آنجنابؑ ارشاد فرماتے ہیں۔ ھم وھذہ العترۃ الطاھرۃ۔ یعنی ان
وارثان کتاب سے مراد آنحضرت صلعم کی عترت طاہرہ ہے الذی فرضہ السبطین۔ کتاب اللہ سے مراد وہی کتاب ہے جس
کے متعلق رب العالمین فرماتا ہے۔ تبیانا لکل شیء۔ اور اس کی جامعیت کے بارہ میں وارد ہے۔ لا رطب ولا یابس
الا فی کتاب مبین۔ خلاصہ یہ کہ یہ وہ کتاب ہے جس میں علوم اولین و آخرین موجود ہیں۔ اور زمین و آسمان جنت و
نار ماکان وما یکون غرضیکہ تمام علوم و فنون مذکور ہیں لہذا وارثان کتاب وہی ہونگے جو ان تمام علوم پر علمی احاطہ رکھتے
ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ ذوات قدسی صفات تمام ملت اسلامیہ میں سوائے ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے اور کہیں نظر
نہیں آتے۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔ راوی اخبار کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت
امام جعفر صادق آل محمدؑ نے فرمایا۔ انی لاعلم ما فی السموات وما فی الارض واعلم ما فی الجنۃ واعلم ما فی النار
واعلم ما کان واعلم ما یکون۔ میں ان چیزوں کو جانتا ہوں جو آسمانوں میں ہیں اور ان سے بھی آگاہ ہوں جو زمین میں
ہیں اور ان سے بھی واقف ہوں جو جنت میں ہیں۔ نیز ان امور پر بھی مطلع ہوں جو جہنم میں ہیں اور گذشتہ کا بھی علم
رکھتا ہوں اور آئندہ کا بھی۔ راوی بیان کرتا ہے کہ آنجنابؑ یہ فرما کر تھوڑے خاموش ہو گئے۔ فرأی ذلک کبر

عن من معہ بنی ہاشم ... شامی امام نے دیکھا کہ آپ کا یہ دعویٰ سامعین پر گراں گزرا ہے فقال عصمت ذالک من کتاب اللہ ان اللہ عزوجل یقول فیہ تبیانا لکل شئی فرمایا کہ میں یہ سب کچھ کتاب خداوندی کی برکت سے جانتا ہوں جس کے متعلق خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ اس میں ہر چیز کا بیان ہے (اصول کافی)، علوم و معارف ائمہ دین کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ورنہ کتاب خدا کا انکار مستلزم ہوگا۔ وما یجحد بآیاتنا الا الکافرون ۔

اعلمیت ائمہ ہدیٰ از حدیث رسول عظیم

اس کے متعلق احادیث مستفیضہ نبویہ موجود ہیں۔ البتہ سب سے جامع حدیث شریف ثقلین ہے۔ جو متعدد وجوہ سے ائمہ کی اعلمیت پر دلالت کر رہی ہے یہاں اس حدیث شریف سے صرف دو طرح سے استدلال کیا جاتا ہے ۔

(۱) ائمہ اہل بیت علیہم السلام کو لفظ ثقل کے ساتھ تعبیر کر کے انہیں عدیل و ثانی قرآن قرار دیا گیا ہے۔ یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ علوم و معارف حقیقیہ قرآن و مسائل شرعیہ اصولیہ و فروعیہ، نیز قسم حلال و حرام وغیرہ یہی ائمہ کرام علیہم السلام سے حاصل کرنا چاہئیں اور یہ جبھی ہو سکتا ہے کہ یہ حضرات قرآن کے سب ظواہر و بواطن اور اس کے تمام اسرار و رموز سے کما حقہ بتعلیم ربانی واقف ہوں جب یہ صفت دیگر کسی فرد امت میں نہیں پائی جاتی ہیں، تو واضح ہو گیا کہ یہ حضرات تمام امت سے اعلم ہیں۔

(۲) اسی حدیث شریف کے بعض طرق و مسانید معتبرہ میں اس کا یہ تتمہ بھی موجود ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: ولا تعلموھم فانھم اعلم منکم۔ اے مسلمانو! دیکھو تم اس (عترت طاہرہ) کو تعلیم نہ دینا بلکہ ان سے تعلیم حاصل کرنا، کیونکہ وہ تم سے زیادہ عالم ہیں (صواعق محرقہ ابن حجر مکی)۔ بحمد اللہ اعلمیت ائمہ اہل بیتؑ کے متعلق سرکار رسالت مآبؐ کی ایسی تصریح صریح مل گئی ہے جس سے بڑھ کر اور صراحت متصور ہی نہیں ہو سکتی۔ پیغمبر اسلام کی اس متواتر حدیث کے مقابلہ میں کسی کلمہ گو کو یہ جرأت ہو سکتی ہے کہ کسی اور شخص کی اعلمیت کا ادعا کرے؟ اور کون مسلمان یہ جسارت کر سکتا ہے کہ اعلمیت ائمہ ہدیٰ کا انکار کر کے جماعت المسلمین سے خارج ہو جائے، اس لئے کہ اس امر کا انکار رسول اکبرؐ کی صحیح حدیث کے انکار کو مستلزم ہے والتزام موجب انکار الکفر، حدیث متواتر کا انکار موجب کفر ہوتا ہے (اصول شرعیہ ہیں)۔

عصمت ائمہ طاہرینؑ قرآن کریم کی روشنی میں

اس سلسلہ میں اگرچہ متعدد آیات مبارکہ پیش کی جا سکتی ہیں مگر سب سے زیادہ جامع اور واضح آیت مبارکہ آیت تطہیر ہے جس کی وجہ دلالت بر عصمت حضرت امیر المومنینؑ کی عصمت و طہارت کے اثبات کے ضمن میں بیان ہو چکی ہے۔ ظاہر ہے کہ اہل بیت کا مصداق صرف حضرت امیرؑ ہی نہیں بلکہ تمام ائمہ طاہرین ہیں، لہٰذا یہ آیۃ جس طرح آنجنابؑ کی عصمت پر دلالت کرتی ہے بعینہ اسی طرح دیگر ائمہ معصومینؑ کی عصمت و طہارت پر بھی دلالت کرتی ہے۔ کما لا یخفیٰ۔ دوسری آیت قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی

القربیٰ" یہ آیت مبارکہ باتفاق فریقین آل رسول اہل بیت کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ (تفسیر بیضاوی، تفسیر کشاف، صواعق محرقہ وغیرہ ملاحظہ ہوں۔) البتہ ان کی محبت جس آیت واجب و لازم ہے۔ بنا بریں امام شافعی کہتے ہیں:۔

یا اہل بیت رسول اللہ حبکم ٭ فرض من اللہ فی القرآن انزلہ (صواعق محرقہ)

کفاکم من عظیم القدر انکم ٭ من لم یصل علیکم لا صلوٰۃ لہ (صواعق محرقہ)

یہ امر محتاج دلیل نہیں ہے کہ وجوب محبت وجوب اتباع و اطاعت کو مستلزم ہے۔ اور یہ امر کئی بار واضح کیا جا چکا ہے کہ جس ذات کی اطاعت مطلقہ واجب ہو وہ ذات معصوم ہی ہو سکتی ہے لہٰذا یہ آیہ مبارکہ بدلالت التزامی اہلبیت کی عصمت و طہارت پر بھی دلالت کرتی ہے۔ وھو المطلوب۔

عصمت ائمہ طاہرین احادیث خاتم النبیین کی روشنی میں | اس سلسلہ میں کئی احادیث شریفہ موجود ہیں سب سے اچھی و اکمل اور اثبت و اضبط حدیث ثقلین ہے۔ یہ حدیث شریف کئی اعتبار سے ان حضرات کی عصمت پر دلالت کرتی ہے۔

(۱) آنحضرت نے تمام امت کو ضلالت و گمراہی سے بچنے اور جادۂ رشد و ہدایت پر چلنے کے لئے قرآن و عترت سے تمسک کرنے کو واجب و لازم قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مقصد جب ہی پورا ہو سکتا ہے کہ عترت طاہرہ اپنے قرین و عدیل یعنی قرآن مجید کی طرح ہر قسم کی علمی و عملی خطا و لغزش سے منزہ و مبرا اور درجۂ عصمت و طہارت پر فائز ہو۔ ورنہ ان کی اتباع موجب رشد و ہدایت نہیں ہو سکتی۔

(۲) مخبر صادق نے خبر دی ہے کہ قرآن و عترت قیامت تک ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے۔ اس عدم علیحدگی کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ بزرگوار ہر قول و فعل میں قرآن کے ساتھ ہوں گے اور قرآن ان کے ساتھ ہوگا۔ اگر عمداً یا سہواً ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو لازم آئے گا کہ یہ قرآن سے جدا ہو جائیں۔ حالانکہ یہ امر مستلزم تکذیب رسولؐ ہے لہٰذا ماننا پڑے گا کہ یہ بزرگوار من المہد الی اللحد ہر صغیرہ و کبیرہ گناہ سے ہر حالت میں منزہ و مبرا ہیں اور یہی معنی ہیں ان کے معصوم مطہر ہونے کے۔

(۳) اسی حدیث شریف کے بعض طرق و اسانید میں مروی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا "انھم لن یدخلوکم باب ضلالۃ ولن یخرجوکم من باب ھدی" یعنی یہ بزرگوار تم کو کبھی ضلالت و گمراہی میں داخل نہیں کریں گے اور کبھی تمہیں رشد و ہدایت سے خارج نہیں کریں گے۔

ظاہر ہے کہ جو شخص اپنے پیروؤں کو کبھی اور کسی حال میں جادۂ مستقیم سے نہ ہٹائے اور کبھی انہیں وادیٔ ضلالت میں نہ ڈالے وہ معصوم ہی ہو سکتا ہے۔

دوسری حدیث | کتاب فرائد السمطین ج ۲ باب ۳۱ ینابیع المودۃ باب ۵۶ میں ابن عباس سے مروی ہے۔ قال سمعت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول انا وعلی والحسن والحسین وتسعۃ من ولد الحسین مطہرون معصومون۔ ابن عباس کہتے ہیں میں نے پیغمبر اسلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے "میں، علی، حسن و حسین اور حسین کے نو فرزند (امام زین العابدین تا حضرت امام مہدی) مطہر و معصوم ہیں"۔ اس قدر صراحت کے بعد بھی وضاحت کا کوئی درجہ باقی رہ جاتا ہے؟ اگر باایں ہمہ کوئی شکی مزاج شکوک و شبہات کی وادیوں میں چکر لگاتا ہے تو ان دلائل و براہین ساطعہ کی روشنی سے اپنی چشم بصیرت کو جلا دے کر اپنے قلب کو نور ایمان سے منور کرے ورنہ اس کی شپرہ چشمی کا کیا علاج ہے اس میں مانے سبیل ختم رسل کا کوئی قصور نہیں ہے۔ سچ ہے: ؎

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل ٭ کہ خضر از آب حیوان تشنہ می آرد سکندر را

افضلیت یازدہ ائمہ معصومین علیہم السلام

اگرچہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی افضلیت ثابت ہو جانے کے بعد باقی ائمہ علیہم السلام کی افضلیت ثابت کرنے کی چنداں ضرورت نہیں رہتی کیونکہ دلائل نقلیہ سے ثابت ہے کہ یہ حضرات فضائل و کمالات میں یک دوسرے کے مثل ہیں، والا ان کا لہ شرف النبوۃ والابوۃ الجبلیۃ وبعض الخصائص مخصوصاً بامیر المومنین ولکن لا بقر بانحن بصدد اثباتہ فی ھذا المقام کما لا یخفی علی اولی الافہام واللہ العاصم من زلۃ الاقدام وبہ الاعتصام فی المبدء والختام" محض مزید وضاحت کے پیش نظر باقی ائمہ معصومین کی فضیلت کی طرف بھی اشارہ کیا جاتا ہے:

افضلیت ائمہ دین از روئے کتاب مبین

سابقہ بیانات میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ آیہ مبارکہ "ثم اورثنا الکتٰب الذین اصطفینا من عبادنا الخ" انہی بزرگواروں کی شان میں وارد ہے اور یہی حضرات وارثان علم کتاب ہیں۔ علاوہ بریں نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ بزرگوار آیۂ تطہیر میں بھی داخل ہیں۔ اور وہ ہر قسم عصمت و طہارت پر دال ہے اور ظاہر ہے کہ وہ صفات کہ جو معیار فضیلت قرار دی جا سکتی ہیں، یہی دو صفتیں یعنی علم و عصمت ہیں۔ جب ان دو صفتوں میں ان کی افضلیت و برتری ثابت ہو گئی تو اس سے ان کی افضلیت بھی ثابت ہو گئی۔

باقی رہی دوسری قسم کی افضلیت یعنی کثرت ثواب تو اس کے متعلق بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ ثواب کی کثرت عبادت کی کثرت و گرانقدری پر موقوف ہے۔ کتب سیر و تواریخ سے واقفیت رکھنے والے حضرات پر مخفی و محتجب نہیں ہے کہ ائمہ اہل بیت کا زہد و تقویٰ اور ورع و تقدس اور کثرت اطاعت و عبادت ضرب المثل کا حکم رکھتی ہے۔ یہیں اس کے متعلق مزید خامہ فرسائی کرنے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے کیونکہ ؎

آفتاب آمد دلیل آفتاب

بے شک جو لوگ ان بزرگواروں کے حالات گرامی کتب فریقین میں ملاحظہ کرکے اطمینان قلب حاصل کر سکتے ہیں۔ ہم بعد ازیں ان کے حالات و صفات کا ایک مختصر سا مرقع پیش کریں گے۔ جس سے ان کے کمالات نفسانیہ کا کچھ اندازہ ہو سکے گا۔

علاوہ بریں دیگر بہت سی آیات مبارکہ سے ان ذوات قدسی صفات کی افضلیت پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔
جیسے آیہ مودۃ "قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ" اس آیت مبارکہ سے بالاصالۃ حضرت علی و فاطمہ و حسن و
حسین علیہم السلام اور بالتبع دیگر ائمہ معصومین مراد ہیں۔ یہ بھی ادلہ قطعیہ سے ثابت ہے کہ خلاق عالم نے محبت و مودت اہلبیتؑ
کو اجر رسالت قرار دیتے ہوئے تمام لوگوں پر واجب و لازم قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ وجوب محبت مستلزم وجوب اطاعت
ہے لہٰذا جب ذوات مقدسہ کی محبت اجر رسالت ہوا اور تمام مسلمانوں کے اوپر جن میں خلفائے ثلاثہ بھی شامل ہیں بہر قسم کا اکرام و احترام
واجب اور ہر قول و فعل میں ان کی اطاعت و فرمانبرداری لازم ہوا تو لامحالہ یہ حضرات باقی سب مسلمانوں سے افضل و برتر ہوں گے۔
اسی طرح آیہ "اولی الامر" اور آیہ "کونوا مع الصادقین" بھی افضلیت اہل بیتؑ پر دلالت کرتی ہیں۔ اس
کا تفصیلی بیان و اثبات امامت ائمہ ہدیٰ از نصوص قرآنیہ کے ذیل میں آئے گا ان شاء اللہ۔

افضلیت ائمہ دین از احادیث رسول کریم

اس موضوع کے متعلق احادیث نبویہ کا ایک معتد بہ ذخیرہ موجود ہے ہم یہاں فقط چند احادیث شریفہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۱) حدیث ثقلین ہے جو بوجوہ تام وکمال افضلیت ائمہ علیہم السلام پر دلالت کرتی ہے وجہ استدلال بعض کے دو عالموں کے
قلم سے بیان کی جاتی ہے کتاب "ماضی الاسلام وحاضرہ" طبع بیروت . . . . . بذیل حدیث ثقلین
ائمہ اہل بیتؑ کا ذکر خیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: "ہم الاتقیاء وہم الخیرۃ الا ولاما تعارفوت بکنہ الدین الکریم ویدعون
الی الرشاد فصحبتہم عصمۃ وللناس الدین فی اعمالہم ہدایۃ ولذلک دل النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیہم
وامر باتباعہم (الی ان قال) ولذلک ایضاً جعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم بینہم وبین القرآن ملازمۃ وذلک من
السید الرسول صلی اللہ علیہ وسلم تنویہ بشانہم وتعلیم انہم اقرب الی الرشاد من غیرہم (الی ان قال) فقد سفر
لک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طریق الہدایۃ لک فی کل امرہ (الی ان قال) ولکنہم رضی اللہ عنہم من
غیرہم احق وہم کما قال الزیانی فی غیرہم (نظم)

فانک شمس والملوک کواکب * اذا طلعت لم یبد منہن کوکب

یعنی ائمہ اہل بیتؑ متقی و پرہیزگار اور سب لوگوں سے برگزیدہ ہیں اور راہ رشد و ہدایت کی راہبری کرنے والے ہیں
دین کریم کی کنہ و حقیقت سے واقف اور رشد و صلاح کی طرف لوگوں کو پھیرنے والے ہیں۔ ان کی صحبت و ہم نشینی عصمت ہے۔
گناہوں سے بچاتی ہے؟ اور ان کے اعمال و اقوال میں دین کی تلاش عین ہدایت ہے اسی وجہ سے کہ یہ حضرات فضائل و کمالات علمیہ
عملیہ میں سرآمد روزگار تھے پیغمبر اسلام نے ان کے اتباع کا حکم دیا۔ اور اسی سبب سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو
اور قرآن کے درمیان تلازم قرار دیا ہے "ولن یفترقا حتی یردا علی الحوض" اور یہ تلازم جناب سرور رسل اعظم کی طرف سے
ان حضرات کی شان و شوکت اور عظمت و جلالت کی طرف اشارہ ہے اور لوگوں کو اس امر کی تعلیم و تلقین ہے کہ یہ بزرگوار دوسروں

تعصب و عناد اور تقلید آباؤ اجداد کی پٹی ہٹا دے تاکہ وہ حقیقت کو بآسانی دیکھ سکیں، یہی تعصب و عناد یا تقلید آباؤ اجداد ہی حقیقت کے اتباع سے انسان کو روکتی ہے۔

صاحب ینابیع المودۃ نے باب ۸۰ صفحہ ۴۱۵ طبع اسلامبول پر حافظ کا ایک زریں مقولہ نقل کیا ہے، لکھتے ہیں:

ان الخصومات نقصت العقول السلیمۃ و افسدت الاخلاق الحسنۃ من منازعۃ فی تفضیل اهل البیت عن غیرهم فانه یجب علینا طلب الحق واتباعه وطلب مراد الله فی کتاب الله وترک التعصب والهوی وطرح تقلید السلف والاصحاب والآباء۔ "افضلیت اہل بیت پر تکرار کی وجہ سے پیدا شدہ خصومتوں نے عقول سلیمہ کو ناقص اور اخلاق حسنہ کو فاسد کر دیا۔ یعنی منکرین افضلیت اس مقام پر ضد میں آ کر عقل سلیم اور خلق کریم سب ہی سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں، ہم سب پر واجب ہے کہ حق کو طلب کریں اور اس کی اتباع کریں۔ کتاب اللہ میں خداوند عالم کی مراد کو تلاش کریں (کہ خلاق عالم کے نزدیک کون افضل ہے) اور تعصب و عناد کو ترک کر دیں، اپنے اسلاف، اساتذہ اور آباؤ اجداد کی تقلید کو دور پھینک دیں۔" خواہش نفسانی تعصب و عناد و تقلید آباؤ اجداد وغیرہ سے پیدا شدہ مفاسد اور ان کے ترک کرنے کے فوائد اور طالب حق و حقیقت کو ان سے دست بردار ہونے کی ضرورت وہ کھلی ہوئی حقیقتیں ہیں جن کی وضاحت کی احتیاج نہیں ہے۔ ہمیں یقین کامل ہے کہ اگر ان شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے قرآن و حدیث کی روشنی میں اس موضوع کی تحقیق کی گئی تو تفضیل اہل بیت کالشمس فی نصف النہار ہر صاحب عقل و انصاف پر واضح و آشکار ہو جائے گی۔ فهذه تلك الآيات لقوم يتفكرون۔

آئمہ اہل بیت بنی ہاشم سے ہیں

اس کتاب کے دوسرے باب میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ عقیدہ امامیہ کے لئے خاندان بنی ہاشم سے ہونا ضروری ہے۔ دوسری شرائط کی طرح یہ شرط بھی بدرجہ اتم و اکمل آئمہ اہل بیت میں پائی جاتی ہے۔ ان حضرات قدسی صفات کا بنی ہاشم بلکہ فخر بنی ہاشم ہونا عیاں راچہ بیان کا مصداق ہے۔ یہ تمام بزرگوار اولاد ابو طالبؑ ہیں جو ددھیال و ننھیال کی طرف سے ہاشمی ہیں۔

آئمہ ہدیٰ مدعی خلافت و امامت تھے

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے بعد دوسرے آئمہ طاہرینؑ کا ہمیشہ اپنے اپنے دور میں اپنی امامت کا ادعا کرتے رہنا ایک ایسا تاریخی مسلمہ ہے جس کا کوئی باخبر انسان انکار نہیں کر سکتا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ بعض اوقات بعض بزرگوار بوجہ شدت خوف ظلم اعداء دین سے اسے مخفی رکھتے تھے۔

لیکن تاہم ان کے ماننے والوں کی ایک کثیر جماعت ہمیشہ ان کے اعتبار امامت وغیرہ من روایت و برکات علم و فضل سے اپنے نفوس کا تزکیہ اور قلوب کا تصفیہ کر کے اپنے عمل کو بارگاہ احدیت میں قابل قبول بناتی رہتی تھی اور اقوام عالم کے سامنے کردار کی پاکیزگی و بلندی کا عملی نمونہ پیش کرتی تھی۔

آئمہ اطہار صاحب معجزات تھے

آئمہ اطہار کو اپنی امامت و خلافت کے اثبات کے متعلق بوقت ضرورت

دکھانا ناقابلِ انکار حد تک تاریخی تواتر سے ثابت ہے۔ تفصیل کے لئے شافعی کتب سیر و فضائل مدینۃ المعاجز، مناقب
ابن شہر آشوب، مجلداتِ بحار الانوار اور مصائب الانوار وغیرہ کی طرف رجوع کریں۔ اختصار مانع ہے ورنہ ان
معجزاتِ جلیلہ کا کچھ حصہ پیش کیا جاتا۔ ان حقائق کی روشنی میں جب عقل سلیم ائمہ طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین کی امامت کے
برحق ہونے میں ذرہ بھر تامل و ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتی، بلکہ بڑی مسرت اور طمانیت قلب سے ان کی امامت حقہ و خلافت مطلقہ کے
برحق ہونے کا فیصلہ صادر کرتی ہے۔ ان فی ذالک لآیۃ لمن کان لہ قلب او القی السمع و ہو شہید۔

اثباتِ امامت یازدہ ائمہ طاہرین بنصوص قرآن کریم

قرآن کریم میں بکثرت ایسی آیات و حقہ ہدایات موجود ہیں جو آئمہ اہل بیت کی خلافت و امامت اور وصایت و ولایت پر دلالت کرتی ہیں جن میں سے چند آیات کریمہ حضرت امیر المومنین کی خلافت کے اثبات میں ذکر ہو چکی ہیں۔ اب ہم اختصار کے پیش نظر اپنے التزام کے مطابق اس مقام پر چند آیات شریفہ کا ذکر کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

پہلی آیت قال اللہ تبارک و تعالیٰ یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم (پ۵ ع۵)
اے ایمان والو! اطاعت کرو خدا کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی اور ان ذوات کی جو تم میں سے صاحبان امر ہیں۔

اس آیت مبارکہ سے استدلال کرنے سے پہلے چند امور کی تنقیح ضروری ہے۔

(۱) علم اصول فقہ میں یہ امر پایۂ ثبوت تک پہنچ چکا ہے کہ صیغۂ امر وجوب میں حقیقت ہے جب تک استحباب کے متعلق کوئی قرینہ قطعیہ موجود نہ ہو مطلق صیغۂ امر کو وجوب و لزوم پر ہی محمول کرنا لازم ہے بنا بریں اس آیہ ولی اللہ میں اطاعت اولی الامر کے وجوب و لزوم کے لئے استحباب کے قرینہ کا نہ ہونا ہی کافی تھا۔ چہ جائیکہ جب اس کے وجوب کے لئے آیہ میں قرینہ قطعیہ بھی موجود ہے اور وہ یہ کہ اطاعت اولی الامر کو اطاعت خدا و رسول کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ جبکہ رسولؐ اور اولی الامر کے درمیان صیغہ "اطیعوا" کی تکرار بھی نہیں کی گئی۔ ظاہر ہے اطاعت خدا و رسولؐ بالاتفاق واجب و لازم ہے پس اسی طرح اطاعت اولی الامر بھی لازم ہو گئی۔

(۲) واضح ہے کہ خدا و رسولؐ کی اطاعت کا وجوب کسی خاص زمان و مکان یا کچھ خاص اشخاص کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ ہر مکان و زمان غرضیکہ ہر حال اور ہر امر میں ہر شخص پر روز قیامت تک اطاعت مطلقہ لازم و متحتم ہے بعینہٖ اسی طرح اطاعت اولی الامر بھی ہر وقت و ہر حال و ہر امر میں اور ہر شخص پر واجب و لازم ہو گی۔ پہلے مقام پر ادلہ مبین و مبرہن کیا جا چکا ہے کہ جن ذوات مقدسہ کی اطاعت مطلقہ کو واجب و لازم قرار دیا جائے عقل و نقل کی رو سے ان کو ہر قول و فعل میں ہر خطا و زلل سے منزہ و معصوم ہونا ضروری ہے ورنہ عدم عصمت کی صورت میں اس قسم کے مفاسد لازم آتے ہیں جن کا حصر مشکل ہے دیگر مفاسد سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف یہی مفسدہ عظیمہ کیا کم ہے جو امر محال محال ہے وہ لازم آتا ہے۔ اسی وجہ سے شیخ فخر الدین رازی نے جو امام المشککین ہیں عصمت اولی الامر تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے

ہیں، انہوں نے اپنی تفسیر کبیر ج ۳۔ ص ۳۵۵ طبع استانبول پر اس آیہ کے ذیل میں ایک طویل القرآنی تقریر دل پذیر فرمائی ہے جو بالاختصار ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ فرماتے ہیں ان اللہ تعالیٰ امر بطاعتہ اولی الامر علی سبیل الجزم فی هذہ الآیۃ ومن امر اللہ بطاعتہ علی سبیل الجزم والقطع لابد ان یکون معصوماً عن الخطاء فیکون ذالک امراً بفعل ذلک الخطاء والخطاء لکونہ خطاء منھی عنہ فھذا یفضی الی اجتماع الامر والنھی فی الفعل الواحد وانہ محال (الی ان قال) فثبت قطعاً ان اولی الامر المذکور فی هذہ الآیۃ لابد وان یکون معصوماً۔ یعنی خداوند عالم نے اولی الامر کی اطاعت کو بطور جزم واجب قرار دیا ہے لہٰذا ان کا معصوم ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ اگر یہ احتمال ہو کہ وہ کبھی کسی غلطی کا مرتکب ہو سکتا ہے تو اس صورت میں کہ اگر غلطی کا اقدام کرے تو گویا خدا نے اس غلطی میں اس کی پیروی کا حکم دے رکھا ہے اور چونکہ وہ غلطی ہے اور غلطی کے ارتکاب سے خدا نے ممانعت فرمائی ہے لہٰذا ایک ہی چیز میں امر و نہی کا اجتماع لازم آئے گا۔ حالانکہ یہ قطعاً محال ہے لہٰذا ماننا پڑے گا کہ اولی الامر کو معصوم ہونا چاہیئے۔"

ان حقائق کی روشنی میں ظاہر و باہر ہو گیا کہ اولی الامر کو مثل رسولؐ درجہ رفیعہ عصمت و طہارت پر فائز ہونا چاہیئے۔ واضح ہے کہ باتفاق فریقین امت محمدیہ میں سوائے آئمہ اہل بیتؑ کے اور کوئی شخص مطہر و معصوم نہیں ہے۔ ہاں البتہ ان بزرگواروں کی عصمت و طہارت عقل سلیم و قرآن کریم اور احادیث سید المرسلین صلوات اللہ علیہ وآلہ اجمعین کی رو سے محقق و ثابت ہے۔ (جیسا کہ سابقہ صفحات میں ثابت کیا جا چکا ہے)۔

بنا بریں ماننا پڑے گا کہ اولی الامر سے یہی بزرگوار مراد ہیں۔ اس کی تائید مزید فریقین کی روایات سے بھی ہوتی ہے (علی ما نقلہ مولانا السید ابو القاسم النقوی ثم اللاھوری فی بعض تصانیفہ)۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرات شیخین نے ایک دفعہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چند آیات کی تفسیر دریافت کی منجملہ ان کے ایک یہ آیہ وافی ہدایہ بھی تھی۔ عرض کیا یا رسول اللہ! یہ آیت کن لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا "فی اوصیائی الی یوم القیامۃ" "قیامت تک میرے آنے والے اوصیاء کے حق میں"۔ عرض کیا یا رسول اللہ! ان اوصیاء کے نام تو ارشاد فرمائیے۔ فرمایا "علی اخی ووزیری ووارثی وخلیفتی فی امتی وولی کل مومن بعدی ثم ابنی الحسن ثم الحسین ثم تسعۃ من ولد الحسین واحد بعد واحد" "اول اوصیاء میرے بھائی میرے وزیر و وارث اور خلیفہ حضرت علیؑ ہیں اور ان کے بعد میرا بیٹا حسنؑ اور ان کے بعد ان کی اولاد میں سے یکے بعد دیگرے نو امام ہیں"۔ نیز اس امر کی تائید کتاب کفایۃ الاثر کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ جابر بن عبد اللہ انصاریؓ بیان کرتے ہیں کہ جب آیہ مبارکہ یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم نازل ہوئی تو میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا یا رسول اللہ! عرفنا اللہ ورسولہ فمن اولی الامر الذین قرن اللہ طاعتھم بطاعتک فقال رسول اللہ ھم خلفائی یا جابر وائمۃ المسلمین بعدی اولھم علی ابن ابی

تاویل سوم اور اس کا ابطال اس سے اہل حل و عقد یا قاضی و حکام مراد ہیں۔ اس تاویل علیل کا کساد و فساد بھی سابقہ دو تاویلوں کے جواب شافیہ و کافیہ سے ظاہر و باہر ہو چکا ہے

فلا معنی للکلام بالاعادۃ فانہ خال عن الافادۃ

ان مقدمات کو ذہن نشین کرنے کے بعد اس آیہ مبارکہ کی آئمہ طاہرین کی خلافت و امامت پر دلالت محتاج بیان نہیں کیونکہ ہر صاحب عقل و دانش اور بصیرت رکھنے والا مسلمان جانتا ہے کہ جن ذوات مقدسہ کی اطاعت ہر وقت، ہر حال و ہر امر میں ہر شخص پر واجب و لازم ہو وہ انبیاء یا ان کے حقیقی خلفاء و اوصیاء ہی ہو سکتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ اولی الامر انبیاء تو نہیں ہیں کیونکہ حضرت محمد مصطفےٰ خاتم الانبیاء ہیں۔ لہٰذا دوسری شق متعین ہو جائے گی یعنی ماننا پڑے گا کہ صاحبان امر سے مراد سید المرسلین کے حقیقی جانشین ائمہ طاہرین ہیں۔ بحمدہ تعالیٰ اس بیان حقیقت ترجمان سے اس آیہ کا آئمہ اہل بیت کی خلافت و امامت پر نص صریح و دلیل صحیح ہونا روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو گیا

دوسری آیت قال اللہ تعالیٰ یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین

اے ایمان والو۔ تقویٰ الٰہی اختیار کرو اور صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔ واضح ہو کہ اس آیہ مبارکہ میں چند امور قابل غور ہیں ان کے بیان کرنے سے آئمہ اہل بیت کی خلافت و امامت پر اس کی دلالت واضح و لائح ہو جائے گی۔

(۱) آیت سابقہ میں بیان کیا جا چکا ہے کہ صیغہ امر وجوب میں حقیقت ہے۔ بنا بریں جس طرح تقویٰ الٰہی اختیار کرنا واجب ہے اسی طرح صادقین کی معیت بھی واجب و لازم ہوگی۔

(۲) یہ امر اپنے مقام پر محقق و مبرہن ہو چکا ہے کہ جہاں جہاں تک حدود شریعت پھیلے ہوئے ہیں وہاں وہاں تک خطابات شرعیہ بھی پھیلے ہوئے ہیں ظاہر ہے کہ شریعت اسلامیہ کسی خاص ملک وقت یا قوم و قبیلہ کے ساتھ مختص نہیں بلکہ وہ تمام بنی نوع انسان کی روحانی و سماجی فلاح کی ضامن ہے اور اس کے حدود حدود قیامت سے ملے ہوئے ہیں بنا بریں اس کے اوامر و نواہی بھی قیامت تک کے لئے سب لوگوں کو شامل ہوں گے۔ اس لئے یہ خطاب یا ایہا الذین آمنوا عہد رسالت سے لے کر قیامت تک ہونے والے تمام افراد مسلمین کو شامل ہوگا۔

(۳) عقل سلیم یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ جن افراد کو یہ حکم دیا جا رہا ہے وہ اور ہیں اور جن کی معیت اختیار کرنے کا حکم ہے وہ صادقین اور ہیں ورنہ بصورت اتحاد لازم آئے گا کہ مخاطبین حضرات خود ہی تابع اور خود ہی متبوع خود ہی صادق اور خود ہی مصدق قرار پائیں اور یہ امر بالبداہت باطل ہے۔ ماننا پڑے گا کہ صادقین سے کچھ مخصوص ذوات قدسیہ مراد ہیں جن کی معیت اختیار کرنے کا عام مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے۔

(۴) ارباب دانش و بینش پر مخفی نہیں ہے کہ اس معیت سے معیت جسمانیہ اور ظاہری مراد نہیں ہے

بہ حوالہ تفسیر ثعلبی ابن عباس سے مروی ہے کہ ہم حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں موجود تھے کہ ایک اعرابی نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ وہ حبل اللہ کون ہے جس سے اعتصام کا ہمیں خداوند عالم نے حکم دیا ہے؟ فضرب یدہ فی ید علی وقال تمسکوا بھذا ھو حبل اللہ المتین۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست مبارک حضرت امیر علیہ السلام کے ہاتھ پر مار کر فرمایا کہ اس کے ساتھ تمسک کرو کیونکہ یہی خداوند عالم کی محکم ریسمان ہے۔ (یعنی اس دست مبارک کی حبل کڑی یہی ہے۔ علامہ زمخشری ربیع الابرار میں روایت کرتے ہیں (حق ما نقل عنہ) کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمۃ مھجۃ قلبی وابناھا ثمرۃ فؤادی وزوجھا قرۃ عینی والائمۃ من ولدھا امناء ربی وحبلہ الممدود بینہ وبین خلقہ فمن تمسک بھم نجیٰ ومن تخلف عنھم ھلک والی جہنم سلک۔ آنحضرتؐ نے فرمایا فاطمہؑ میرے دل کا ٹکڑا ہے اس کے دونوں بیٹے حسنؑ وحسینؑ میرے دل کا ثمرہ اور اس کا شوہر میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں اور ان کی اولاد میں جو امام ہیں وہ میرے پروردگار کے امین اور اس کی وہ ریسمان ہیں جو اس کے اور اس کے بندوں کے درمیان کھنچی ہوئی ہے۔ جو شخص ان سے تمسک کرے گا وہ نجات پا جائے گا اور جو شخص ان سے اعراض و انحراف کرے گا۔ وہ ہلاک ہو جائے گا۔ اور جہنم کی طرف جائے گا

تقریب استدلال

جب یہ امر واضح ہو گیا کہ آیۂ مبارکہ آئمہ اہل بیتؑ کے حق میں نازل ہوئی ہے تو ثابت ہو گیا کہ ان کی خلافت و امامت پر نص ہذا ظاہر ہے کیونکہ یہاں "حبل" سے مراد وہ چیز ہے جو خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ ہو جیسا کہ ربیع الابرار کی روایت میں فقرہ "حبلہ الممدود بینہ و بین خلقہ" بھی اس مطلب پر دلالت کرتا ہے اس کے ظاہری معنی "رسی" ہرگز مراد نہیں ہیں۔ اسی طرح واعتصام سے اس کے معنی لغوی مراد نہیں ہیں کہ انسان ان کے ظاہری دامن سے لپٹ جائے بلکہ اس سے مراد وجوب تمسک واتباع ہے جیسا کہ ربیع الابرار والی حدیث میں وارد شدہ فقرہ "من تمسک بھم نجیٰ" اور تاریخ المودۃ والی روایت میں "تمسکوا بھذا" سے بھی ظاہر و باہر ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ وہ ذوات قدسیہ جو حقیقی طور پر خالق و مخلوق کے درمیان دینی اور دنیوی امور میں وسیلہ ہوں اور جن کی ہر حال میں متابعت واقتدار واجب ہو۔ ایسی معصوم ہستیاں انبیاء یا ان کے حقیقی خلفاء و اوصیاء ہی ہو سکتی ہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ حضرات آئمہ معصومینؑ انبیاء نہیں تھے لامحالہ خلفاء و اوصیاء ہی ہوں گے۔ وھو المطلوب

تنبیہ ہم نے اس آیت کے بیان میں نہایت اختصار سے کام لیا ہے ورنہ جو امور آیۂ مبارکہ "وکونوا مع الصادقین" سے سابقاً استنباط کیے گئے ہیں مثلاً یہ کہ صیغہ امر وجوب میں حقیقت ہے اور یہ خطاب قیامت تک سب مسلمانوں کو شامل ہے لہٰذا تا قیام قیامت اس جماعت مقدسہ میں سے کسی نہ کسی فرد کا ہر زمانہ میں موجود رہنا ضروری ہے اور حکم علی الاطلاق وجوب اتباع و اقتدار ان بزرگواروں کی عصمت پر دلالت کرتا ہے جن کی اتباع و اقتدار واجب ہے اور امت محمدیہ میں سوائے محمد و اہل بیت کے اور کوئی معصوم نہیں۔ الی غیر ذلک یہ سب امور اس آیۂ مبارکہ سے جو مستفاد ہوتے ہیں پہلا ان مقدمات کو پیش نظر رکھ کر اس آیت سے خاطر خواہ نتیجہ اخذ کرنے میں مزید آسانی ہو جاتی ہے۔ اب ہم ان تین آیتوں پر اکتفا کرتے ہوئے متلاشیان حق کو ان نصوص کے ذکر کی طرف پھیرتے ہیں جو سرکار خاتم الانبیاء کی احادیث سے ماخوذ ہیں وفی ہذا المقدار من الآیات الشریفۃ کفایۃ لمن لہ ادنیٰ درایۃ لان من لا ینفعہ الاشارۃ لا یفیدہ الف عبارۃ و اللّٰہ الموفق لضیاء القلب والانارۃ۔ مگر آگے بڑھنے سے پہلے ایک مشہور اعتراض کا جواب پیش کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ایک مشہور اعتراض کہا جاتا ہے کہ اگر مسئلہ امامت اس قدر اہم تھا کہ جتنا شیعہ حضرات خیال کرتے ہیں تو خداوند عالم نے ائمہ کے اسماء گرامی صراحتاً قرآن میں کیوں نہ ذکر کر دیئے تاکہ مسلمانوں کا اس مسئلہ میں اختلاف ختم ہو جاتا اور سب مسلمان ایک مسلک میں منسلک ہو جاتے۔

(الجواب بعون اللّٰہ الوہاب) اس ایراد کا دو طرح جواب دیا جا سکتا ہے ایک الزامی اور دوسرا حلی۔ **الزامی جواب:۔** جس کی تفصیل اس طرح ہے کہ اگرچہ شیعہ و سنی کے درمیان اس بات میں اختلاف ہے کہ امامت کا تعلق اصول سے ہے یا فروع سے؟ شیعہ اسے اصول میں داخل سمجھتے ہیں اور سنی فروع میں (جیسا کہ اس کی تحقیق پہلے باب میں گزر چکی ہے) لیکن اہل سنت کے نزدیک بھی امامت ہے اس قدر اہم کہ تقرر امام کے لئے جنازۂ رسول کو موخر بلکہ ترک کیا جا سکتا ہے اور اس کی عدم معرفت سے جاہلیت کی موت لازم آتی ہے بنابریں جب خداوند عالم نے معمولی معمولی فروعی مسائل از قسم وضو و غسل بیع و شراء وغیرہ کی تفصیل بیان کر دی ہے تو امامت جیسے اہم مسئلہ کو کیوں نظر انداز کیا ہے اور ان کے نام کیوں نہیں بتائے؟ اس سوال کا جو جواب اہل سنت دیں گے وہی ہمارا جواب متصور ہوگا!! **حلی جواب:۔** حل و تحقیق جواب یہ ہے کہ فریقین کی بعض روایات کے مطابق آئمہ اطہار علیہم السلام کے اسمائے گرامی قرآن مجید میں موجود تھے مگر جمع قرآن کے وقت انہیں نظر انداز کر دیا گیا چنانچہ ہماری تفسیر کے صفحہ مقدمہ ششم طبع ایران بحوالہ تفسیر عیاشی حضرت امام جعفر صادق سے مروی ہے فرمایا لو قرأ القرآن کما انزل لالفیتمونا فیہ مسمین یعنی اگر قرآن کو اس طرح پڑھا جاتا جس طرح وہ نازل ہوا تھا تو تم اس میں ہمارے نام موجود پاتے:

اور علامہ سیوطی کی تفسیر در منثور جلد ۲ صفحہ ۲۹۸ طبع مصر میں ابو مسعود سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ کنا نقرأ علی عہد رسول اللہ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ان علیاً مولی المؤمنین وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ۔ ہم زمانۂ رسول میں آیت تبلیغ کو اس طرح پڑھا کرتے تھے۔ یا ایھا الرسول۔ (مگر اب نام علی موجود نہیں ہے) سورہ توبہ کے بارے میں وارد ہے کہ اس میں متعدد منافقین کے نام موجود تھے جو حذف کر دیئے گئے حضرت عمر بیان کرتے ہیں، ما برحت تنزل براءۃ حتی خفنا ان لن یبقی منا احد الا ذکر فیہ وکانت تسمی الفاضحۃ۔ یعنی سورہ براءۃ (توبہ) کی تنزیل مکمل نہیں ہوئی تھی یہاں تک ہمیں ظن غالب ہو گیا کہ ہم میں سے کوئی شخص باقی نہیں رہے گا مگر یہ کہ اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ (مذمت میں) نازل ہو ہی جائے گا اسی بنا پر اس سورہ کو فاضحہ (رسوا کنندہ) کہتے تھے۔ علاوہ بریں ارباب عقل و دانش جانتے ہیں کہ اگر اس قسم کی روایات سے صرف نظر بھی کر لیا جائے (کیونکہ وہ موہوم تحریف ہیں) تو بھی اس مسئلہ کی حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ کسی صاحب منصب کا نام بتانا اس قدر مفید نہیں ہوتا جس قدر اس اہل منصب کے صفات کا بیان کر دینا مفید ہوتا ہے کیونکہ نام کے مطابق فرضی نام تو رکھے جا سکتے ہیں مگر صفات پیدا نہیں کئے جا سکتے۔ اس لئے قرآن مجید میں جناب رسول خدا کے صحیح جانشینوں کے اوصاف کاملہ کے بیان کرنے پر اکتفا کی گئی ہے جس کے بعد اہل عقل و فکر کو ان کے موصوف تلاش کرنے میں کوئی خاص دقت محسوس نہیں ہوتی۔

اثبات امامت یازدہ ائمہ طاہرین بنصوص رسول عظیم

خلافت و امامت آل اطہار کے متعلق بکثرت نصوص نبویہ کتب فریقین میں موجود ہیں جن کا عدّ و احصار وضع کتاب سے خارج اور طول طویل کا باعث ہونے کے علاوہ خود ہم جیسے قلیل الفرصت انسان کے لئے مشکل بھی ہے لہذا بموجب "ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ" فقط چند نصوص صحیحہ و صریحہ پر اکتفا کی جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پیشتر حدیث شریف ثقلین کو پیش کیا جاتا ہے۔

نص اول حدیث ثقلین

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی وانھما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض" اے مسلمانو! میں تم میں دو گرانقدر اور نفیس چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ایک کتاب خدا دوسرے اپنی عترت اہل بیت۔ جب تک تم ان کے ساتھ متمسک رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس وارد ہوں۔ (حدیث نبوی متواتر متفق علیہ)

واضح ہو کہ ہم کتاب تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین میں دلائل قاہرہ و براہین باہرہ سے اس حدیث کا

صحیح بلکہ متواتر ہونا ثابت کر چکے ہیں۔ اور اس کتاب میں بھی مناسب مقام پر اس حدیث کی وجہ دلالت برامامت آئمہ اہل بیتؑ پر مفصل روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ تاہم ناظرین کرام کی سہولت کے لئے اس کی دلالت برامامت کے متعلق یہاں چند وجوہ کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

وجہ اوّل ۔ آنحضرتؐ کا اپنی وفات کے قریب یہ حدیث ارشاد فرمانا جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ میں ہے انما انا بشر یوشک ان یاتینی رسول ربی فاجیب وانی تارک فیکم الخ۔۔۔۔ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ آنحضرتؐ اپنے بعد لوگوں کے لئے ایک مرجع و مرکز اور بالفاظ دیگر اپنے جانشین کی تعیین فرما رہے ہیں تاکہ لوگ جن امور میں آپ کے حین حیات آپ کی طرف رجوع کرتے تھے، اب آپ کے بعد اس مقرر کردہ جانشین کی طرف رجوع کریں، جس طرح تمام افعال و اقوال میں آنحضرتؐ کی متابعت و اقتداء مسلمانوں پر واجب تھی، اسی طرح آنحضرتؐ کے اس مقرر کردہ مرکز کی اطاعت و متابعت بھی واجب ہوگی، ولا نعنی من الامامۃ الا ھذا المعنی

وجہ دوم خبر صادق کا قرآن کے ساتھ عترت کا ذکر کرکے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کی باہمی عدم جدائی کی خبر دینا ان حضرات کی عصمت و طہارت کی بیّن دلیل ہے کیونکہ ان جدا نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عترت اہل بیتؑ کسی امر میں قرآن کی مخالفت نہیں کریں گے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص ابتدائے عمر سے انتہائے عمر تک کسی قول و فعل اور کسی حالت میں قرآن کی مخالفت نہ کرے اور نہ قرآن اس کی مخالفت کرے تو ایسا شخص معصوم ہی ہو سکتا ہے کما لا یخفیٰ۔

جب اس سے ان حضرات کی عصمت و طہارت ثابت ہوگئی تو اس سے ان کی خلافت و امامت بھی ثابت ہوگئی کیونکہ شرائط امامت میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ امام کے لئے عصمت ضروری ہے اور جب ان کے علاوہ امت محمدیہ میں اور کوئی معصوم نہیں ہے تو بس یہی بزرگوار خلیفہ و امام ہوں گے۔

وجہ سوم اس حدیث شریف میں ان حضرات سے تمسک کرنے میں رشد و ہدایت اور ترک تمسک میں ضلالت و غوایت قرار دی گئی ہے یہ امر بھی ان بزرگواروں کی عصمت و طہارت کی جلی دلیل ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ جس شخص کے ساتھ تمسک کرنا ہر حال میں موجب رشد و ہدایت اور جس کی مخالفت ہر حال میں موجب ضلالت ہو۔ وہ معصوم کی ذات والا صفات ہی ہو سکتی ہے۔ ورنہ غیر معصوم کی نہ تو اطاعت مطلقہ واجب ہو سکتی ہے اور نہ ہر حال میں اس سے تمسک موجب رشد و ہدایت ہو سکتا ہے بلکہ بعض اوقات حق و صواب اس کی مخالفت میں مضمر ہوتا ہے اور موافقت میں عین ضلالت و گمراہی بس ثبوت عصمت کے ساتھ ساتھ ان کی امامت بھی ثابت ہوگئی۔

وجہ چہارم | اس حدیث شریف میں تمسک کو واجب و لازم قرار دیا گیا ہے اور ارباب دانش و بینش پر مخفی نہیں ہے کہ اس تمسک سے "الاخذ بالید" (ہاتھ سے پکڑنا) مراد نہیں بلکہ اوامر و نواہی اور تمام امور دین و دنیا میں ان کی اقتداء کرنا مقصود ہے "وھذا یدل علی عصمتھم کما لا یخفی" بیانات سابقہ میں مکرر واضح کیا جا چکا ہے کہ جن حضرات کی اطاعت مطلقہ واجب و لازم ہو وہ ہی بارہ نبی ہی ہو سکتے ہیں لیکن واضح ہے کہ حضرت اہل بیت نبی تو نہیں ہیں لہذا لامحالہ وصی ہی ہوں گے۔

وجہ پنجم | بعض طرق حدیث میں اس حدیث کا ایک تتمہ بایں الفاظ موجود ہے "فلا تقدموھم فتھلکوا" "حضرت اہل بیت سے کسی امر میں آگے نہ بڑھنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے" یہ اس امر کی نقلی دلیل ہے کہ ہر امر میں حضرت اہل بیت کو مقدم کرنا چاہئے۔ چنانچہ احمد ابن تاج الجلیل الشافعی ذخیرۃ المآل میں اس فقرہ کی شرح میں رقمطراز ہیں: واما التقدیم فمراد بہ ذلک فی مواضع کثیرۃ منہا الامامۃ الکبریٰ الخ جہاں تک حضرت رسول کو مقدم کرنے کا تعلق ہے وہ کئی مقام پر اس کے زیادہ حقدار ہیں منجملہ ان مقامات کے ایک امامت کبریٰ بھی ہے (رحلۃ ما العقد فی امیقات) اسی طرح ابن حجر کی صواعق محرقہ ص ۱۳۶ طبع جدید میں اسی فقرہ کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں "وفی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تقدموھم الا دلیل علی ان من تاھل منھم للمراتب العلیۃ والوظائف الدینیۃ کان مقدماً علی غیرھم" "آنحضرت کے ارشاد میں اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت رسول میں سے جو شخص ان مراتب کا اہل ہو وہ دوسروں پر مقدم سمجھا جائے گا" واضح ہوا کہ تمام امور میں اور بالخصوص مسئلہ امامت کبریٰ میں حضرت اہل بیت ہی کو مقدم کرنا واجب ہے۔ (دلکھم مکمسوا الاجر ملائم معلی سار)

وجہ ششم | اسی طرح مذکورہ بالا تتمہ کے ساتھ یہ فقرہ بھی ملتا ہے "ولا تعلموھم فانھم اعلم منکم" "اے مسلمانو! تم ان کو تعلیم نہ دینا کیونکہ وہ تم سے زیادہ عالم ہیں" یہ حدیث اعلمیت اہل بیت پر نص صریح ہے اور شرائط امامت میں واضح کیا جا چکا ہے کہ امام کے لئے اعلم ہونا ضروری ہے لہذا جب ان حضرات کی اس حدیث سے اعلمیت ثابت ہو گئی تو اس کے ساتھ ساتھ ان کی امامت بھی ثابت ہو گئی۔

وجہ ہفتم | حضرت امیر المومنین و دیگر بعض آئمہ معصومین کا وقتاً فوقتاً اپنی خلافت و امامت حقہ کی حقانیت کے اثبات میں اس حدیث شریف سے احتجاج و استدلال کرنا اس کے نص امامت

دو صاحب ہونے کی نہایت محکم و مضبوط دلیل ہے (تفصیل کے لئے تحقیقات الفریقین دیکھیں)

نص دوم حدیث سفینہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مثل اہل بیتی کمثل سفینۃ نوح من رکبہا نجی ومن تخلف عنہا غرق وھوی۔ (حدیث نبوی صحیح متفق علیہا) میرے اہل بیت کی مثال کشتی نوح کی سی ہے۔ جو اس پر سوار ہوگا وہ نجات پا جائے گا۔ اور جو اس سے اعراض کرے گا وہ ہلاک و برباد ہو جائے گا (تفسیر کبیر فخرالدین رازی ذیل آیہ مودۃ۔ مرقاۃ شرح مشکوۃ ملا علی قاری لمعات شرح مشکوۃ محدث عبدالحق دہلوی حاشیہ مشکوۃ شریف ...... قرۃ العینین شاہ ولی اللہ دہلوی، تذکرہ خواص الامۃ سبط ابن جوزی۔ مسند احمد ابن حنبل، صحیح مسلم، مسند ابو یعلی مستدرک حاکم ینابیع المودۃ تفسیر درمنثور سیوطی صواعق محرقہ ابن حجر مکی معارف ابن قتیبہ دینوری وغیر ذلک من الکتب المعتمدۃ) یہ حدیث شریف بھی چند وجہ خلافت و امامت آئمہ اطہار پر دلالت کرتی ہے۔

وجہ اول ظاہر ہے کہ اہل بیت کو کشتی نوح سے تشبیہ دینے اور اس پر سوار ہونے کو موجب نجات قرار دینے سے ان حضرات کی متابعت واقتداء کی ترغیب و تحریص۔ اور اس کشتی سے اعراض کو موجب غرق و ہلاکت قرار دینے سے ان بزرگواروں کی معصیت و نافرمانی سے ترہیب و تخویف مقصود ہے۔ سابقاً بکرات و مرات واضح کیا جا چکا ہے کہ جن ذوات مقدسہ کی اطاعت مطلقہ واجب اور معصیت مطلقہ حرام ہو وہ نبی یا امام ہی ہو سکتے ہیں لیکن واضح ہے کہ ائمہ اہل بیت نبی نہیں ہیں لہذا خلیفہ و امام ضرور ہوں گے۔

وجہ دوم اس حدیث شریف میں سفینہ اہل بیت میں رکوب یعنی ہر حال میں ان کی اطاعت و فرمانبرداری کو موجب نجات و باعث رشد و ہدایت اور اس سفینہ نجات سے تخلف اور اعراض یعنی ان کی نافرمانی کو موجب ہلاکت و ضلالت قرار دیا گیا ہے۔ یہ امر ان حضرات کی عصمت و طہارت کی بین دلیل ہے کیونکہ مکرر ثابت کیا جا چکا ہے کہ جن حضرات کا ہر حال میں اتباع موجب نجات اور مخالفت موجب ضلالت ہو وہ معصوم ہی ہو سکتے ہیں۔ شرائط امامت میں امام کے لئے عصمت کا لازم ہونا ثابت کیا جا چکا ہے۔ لہذا جب اس حدیث سے ان بزرگواروں کی عصمت واضح ہو گئی تو اس سے ان کی خلافت و امامت بھی ثابت ہو گئی۔

وجہ سوم اس حدیث شریف سے ان بزرگواروں کی افضلیت واضح ہوتی ہے کیونکہ اگر آنحضرت کی امت میں کچھ اور افراد بھی ایسے موجود ہوتے جن کی اطاعت مطلقہ واجب اور معصیت

مطلق حرام، اطاعت موجب نجات اور مخالفت موجب ہلاکت ہوتی تو حضرات کو بھی آنحضرت سفینۂ نوح سے تشبیہ دیتے مدہ تصریح یا صریح اور آیت کی جو تعلقاً و تشابہی ہے معلوم ہوا کہ ان حضرات کا ہم پلہ اور ہم مرتبہ اور کوئی شخص امت محمدیہ بلکہ تمام امم و عوالم میں نہیں پایا جاتا لہٰذا یہ بزرگوار افضل الامۃ بلکہ افضل خلائق ہوں گے۔ علاوہ امامت میں معتق و مبرہن کیا جا چکا ہے کہ امام کے لئے افضل ہونا لازم ہے لہٰذا اس حدیث سے ان کی افضلیت کے ثبوت کے ساتھ ساتھ ان کی امامت بھی ثابت ہو گی۔

وجہ چہارم اس حدیث شریف سے ائمہ اہل بیت کی محبت و مودت کا وجوب اور ان کے بغض و عداوت کی حرمت مترشح ہوتی ہے ظاہر ہے کہ وجوب محبت مستلزم وجوب اطاعت ہے اور جس کی اطاعت مطلقہ واجب ہو گی، وہ امام یا نبی ہو گا۔ لہٰذا جب یہ بزرگوار نبی نہیں ہیں تو یقیناً امام ہوں گے۔

وجہ پنجم بعض ائمہ معصومین علیہم السلام کا اپنی امامت کے اثبات میں اس حدیث شریف سے احتجاج و استدلال کرنا اس کے نص خلافت و امامت ہونے کی قطعی دلیل ہے چنانچہ کتاب راحۃ الروح فی شرح حدیث سفینۂ نوح میں ائمہ اطہار کا اس حدیث کے ساتھ تمسک کرنا مذکور

[illegible]

ہے۔ (فرائد)

وجہ ششم بعض علمائے اہل سنت نے بھی اس حدیث کی دلالت بر امامت کو بل لفظوں میں تسلیم کر لیا ہے حتیٰ کہ شاہ عبد العزیز دہلوی نے باآں ہمہ تعصب و عناد اتنا تو تسلیم کیا ہے کہ دینی ہدایت اور اخروی فوز و فلاح ان حضرات کی دوستی اور ان کی متابعت میں منحصر ہے اور ان کی دوستی و اتباع سے دست بردار ہونا ہلاکت ابدی کا باعث ہے۔ چنانچہ موصوف تحفہ اثنا عشریہ باب ہفتم میں ذیل حدیث سفینہ رقمطراز ہیں "ہیں "ہم حدیث مثل اهل بیتی فیکم مثل سفینة نوح من رکبها نجی ومن تخلف عنها غرق۔

"دلالت می کند کہ مدار فلاح و ہدایت بر حب اہل بیت و دوستی ایشاں و اتباع ایشاں است تخلف از دوستی و اتباع ایشاں موجب ہلاک"

شاہ صاحب کا یہ تسلیم کر لینے کے بعد کہ یہ "حدیث فلاح و نجات اور رشد و ہدایت کے محبت و اتباع اہل بیت میں منحصر ہونے، اور ان کی اقتدا سے انحراف و اعراض کے موجب ہلاکت ہونے پر دلالت کرتی ہے" یہ کہنا کہ یہ حدیث ان بزرگواروں کی خلافت و امامت پر دلالت نہیں کرتی عجیب مغالطہ ہے کیونکہ خلیفہ و امام سے مراد یہی ہے کہ جس کی دوستی اور اطاعت و فرمانبرداری تمام مسلمانوں پر واجب و لازم

اور جن کی دشمنی و مخالفت ان کے لئے حرام ہو یہی وہ ریاست عامہ ہے جسے امامت کی تعریف میں
ذکر کیا جاتا ہے، ظاہری حکومت و ریاست کو اس کے تحقق و ثبوت میں کوئی دخل نہیں جس طرح کہ
خود نبوت کے ثبوت میں ظاہری اقتدار کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ امامت و خلافت کا حقیقی مفہوم اہلبیتؑ بوت
میں تسلیم کر لینے کے بعد یہ کہنا کہ یہ حدیث ان کی خلافت و امامت پر دلالت نہیں کرتی یعنی اتباع
و اقتداء اہلبیت کی واجب اور ان کی پیروی سے انحراف کرنا باعث ہلاکت ہے لیکن رسول کے خلیفہ
حضرت ابوبکر و عمر وغیرہ ہیں یہ صاف و صریح تناقض نہیں تو اور کیا ہے؟ ممکن ہے شاہ صاحب کی طرف
سے کہا جائے کہ ہم اصحاب ثلاثہ کو محض ملک و بادشاہ سمجھتے ہیں نہ خلیفہ و امام جن کی دوستی واجب
ہے نہ اطاعت لازم نہ دشمنی حرام ہے نہ مخالفت ناجائز۔ ہم عرض کریں گے کہ اگر فی الواقع ایسا ہی ہے تو زہ
ماشاءاللہ چشم ما روشن کیونکہ ایسا تو ہم بھی ان کو مانتے ہیں بہرکیف اس کے سوا شاہ صاحب کی اپنی گلو خلاصی
کرانے کے لئے اور کوئی چارہ نہیں ہے

وجہ ہفتم

کتاب مودۃ القربیٰ سید علی ہمدانی ص۳۳ طبع بمبئی میں یہ حدیث ایسے الفاظ کے ساتھ مروی
ہے جن کا نص بر امامت اہلبیتؑ ہونا اظہر من الشمس ہے آنحضرت فرماتے ہیں: من
احب ان یرکب سفینۃ النجاۃ و یستمسک بالعروۃ الوثقیٰ و یعتصم بحبل اللہ المتین فلیوال علیا
بعدی ولیعاد عدوہ ولیأتم بالائمۃ الھداۃ من ولدہ فانھم خلفائی من بعدی و حجج
اوصیائی و حجج اللہ علی خلقہ بعدی و سادۃ امتی و قادۃ الاتقیاء الی الجنۃ حزبھم
حزبی و حزب اعدائھم حزب الشیطان۔ جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ کشتی نجات پر سوار
ہو، عروۃ الوثقیٰ کے ساتھ تمسک کرے اور خدا کی مضبوط رسی کے ساتھ چنگل زنی کرے، اسے چاہیئے کہ میرے
بعد علی کو اپنا امام بنائے اور ان کے دشمنوں سے دشمنی رکھے اور ان کی اولاد میں سے جو ہادی و امام ہیں ان کی
اقتداء کرے کیونکہ یہی میرے بعد میرے حقیقی خلفاء و اوصیاء ہیں اور یہی مخلوق خدا پر اس کی حجت اور میری
امت کے سردار اور اہل تقویٰ و طہارت کو جنت میں لے جانے کے قائد ہیں، ان کا گروہ میرا گروہ ہے اور ان کے
دشمنوں کا گروہ شیطان کا گروہ ہے۔

وضاحت

اس حدیث شریف سے یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ جب تک ضلالت و ہلاکت کا خوف
موجود ہے اس وقت تک اس سفینۂ نجات یعنی ائمہ اہل بیتؑ میں سے کسی نہ کسی
فرد فرید کا ہمیشہ موجود رہنا بھی ضروری ہے واضح ہے کہ یہ اندیشۂ ضلالت قیام قیامت تک باقی ہے لہٰذا
اس سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ قیامت تک ہر زمانہ میں ائمہ اہل بیتؑ میں سے کوئی فرد موجود رہ

جن کی محبت و اتباع باعث امن اور موجب رشد و نجات قرار پائے۔ ورنہ دنیا ایک لحظہ بھی جن کے وجود کے بغیر باقی نہیں رہ سکتی حدیث نجوم میں بھی اس امر کو بیان کیا گیا ہے۔ قال رسول اللہ النجوم امان لاهل السماء واهلبیتی امان لاهل الارض (ملاحظہ ہو مسند امام احمد، فرائد السمطین حموینی وغیرہ) قطع نظر باقی ادلہ و براہین کے صرف یہی حدیث حضرت سلطان عصر، امام زمان عجل اللہ تعالیٰ فرجہ کے وجود ذی جود کو ثابت کرنے کے لئے کافی و وافی ہے۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم

فصل سوم حدیث اثنا عشر خلیفہ

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لا یزال الدین قائما عزیزا منیعا حتی تقوم الساعۃ ویکون علیہ اثنا عشر خلیفۃ کلھم من قریش "فرمایا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ دین ہمیشہ قائم و دائم (یا فرمایا، معزز و مکرم اور سربلند) رہے گا۔ یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے اور اس میں بارہ خلیفہ ہوں گے۔ جو تمام قریش سے ہوں گے" یہ حدیث نہایت مشہور و معروف بلکہ متواتر اور کتب فریقین میں مذکور ہے ینابیع المودۃ ص۴۴۳ طبع اسلامبول پر لکھا ہے کہ یحییٰ ابن حسن نے کتاب عمدہ میں اس حدیث کو بیس طرق سے بخاری نے تین طرق سے مسلم نے نو طرق سے، ابو داؤد نے تین طرق سے ترمذی نے ایک طرق سے اور حمیدی نے جمع بین الصحیحین میں تین طرق سے روایت کیا ہے۔ نیز ینابیع المودۃ باب ۷۷ ص۴۴۴ پر لکھا ہے کہ ابن عمرو (راوی حدیث) بیان کرتے ہیں کہ جب آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یکون بعدی اثنا عشر خلیفۃ کہ میرے بعد بارہ خلیفہ ہوں گے۔ ثم خفی صوتہ پھر آپ نے اپنی آواز مبارک آہستہ کر لی اور کچھ ارشاد فرمایا جسے میں نہ سمجھ سکا۔ میں نے قریب بیٹھے ہوئے لوگوں سے پوچھا کہ آپ نے کیا فرمایا؟ کہا! فرماتے ہیں۔ کلھم من بنی ہاشم یہ سب ائمہ بنی ہاشم میں سے ہوں گے۔

توضیح

مخفی نہ رہے کہ صحیح مسلم وغیرہ کی روایت میں یہ مذکور ہے کہ فرمایا کلھم من قریش "یہ سب ائمہ قبیلہ قریش سے ہوں گے" ان دو روایتوں کے درمیان کسی قسم کا تعارض و تباین نہیں ہے بلکہ ان کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے کیونکہ بنی ہاشم قریش ہی کا ایک خاص خاندان ہے "ظاہر ہے کہ عام اور خاص کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہوتا بلکہ خاص کو عام کا بیان و کاشف مراد سمجھا جاتا ہے لہٰذا بنا بریں عام قریش والی روایت کو اس خاص بنی ہاشم والی روایت پر محمول کیا جائے گا۔ کما لا یخفیٰ علی من لہ ادنیٰ المام بالعلوم العربیۃ بہرکیف تمہ حدیث جو بھی ہو صدر حدیث یعنی یکون بعدی اثنا عشر خلیفۃ کی صحت پر تو تمام مسلمانوں کا اجماع ہے چنانچہ ابن حجر مکی

صواعق محرقہ صفحہ ۸ پر لکھتے ہیں "قال الائمة صدر هذا الحدیث مجمع علی صحته" ائمہ حدیث کہتے ہیں
کہ اس حدیث کے ابتدائی حصے کی صحت پر اجماع ہے۔
اب خود طلب امر یہ ہے کہ ان بارہ خلفاء سے مراد کون سے بارہ خلیفے ہیں؟ آیا

ائمہ اثنا عشر کی تعیین

خلفائے بنی امیہ یا خلفائے بنی عباس؟ یا خلفائے اہل بیت علیہم السلام؟ قطع نظر
دلائل و قرائن خارجیہ کے خود اس حدیث شریف میں متعدد ایسے شواہد قطعیہ موجود ہیں جو ائمہ اہل بیت ہی
کے مراد و مقصود ہونے پر صریحی دلالت کرتے ہیں۔

شواہد داخلیہ

(۱) بعض نصوص حدیث میں وارد ہے "لن یزال هذا الدین قائما" اور بعض طرق
میں "لا یزال الاسلام عزیزا منیعا" یعنی اسلام ہمیشہ مکرم و معظم اور قائم و دائم
رہے گا جب تک اس میں بارہ ائمہ گزریں گے یعنی وہ ائمہ دین اسلام کے لیے باعث عزت و افتخار ہوں گے۔
ظاہر ہے کہ یہ صفت ائمہ اہل بیت ہی میں نظر آتی ہے کیونکہ مسلمانوں کے مزعومہ خلفاء میں کچھ ایسے گزرے
ہیں جن کا وجود اسلام کے صاف و سفید دامن پر بدنما دھبہ تھا۔

دوسرا شاہد

اس حدیث شریف کے بعض طرق میں وارد ہے کہ یہ مبارک سلسلہ قیامت تک قائم و
دائم رہے گا "ما دام من الناس اثنا عشر خلیفة" یا "الی ان تقوم الساعة" وغیرہ الفاظ
وارد ہیں ظاہر ہے کہ ان مسلمانوں کے خود ساختہ خلفاء کا سلسلہ صدیوں سے منقطع ہو چکا ہے لیکن اسلام اب بھی
بحمدہ تعالیٰ عزیز و منیع ہے۔ ماننا پڑے گا کہ پیغمبر اسلام کا کوئی حقیقی خلیفہ و جانشین اب بھی ایسا موجود ہے
جس کے برکات وجود سے زمین و زمان، مکین و مکان اور اسلام و ایمان قائم و برقرار اور حوادث دہر سے
محفوظ و مصئون ہیں اور یہ بزرگ نہیں ہیں مگر حضرت محمد بن الحسن صاحب العصر و الزمان
عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف۔

تیسرا شاہد

بعض طرق حدیث میں وارد ہے کہ "کلهم من بنی هاشم" یہ سب ائمہ بنی ہاشم سے ہوں گے (ینابیع المودة و عمدہ ابن بطریق وغیرہ) واضح ہے کہ وہ
ائمہ خاندان بنی ہاشم میں سے ہوئے وہ وہی بارہ ائمہ ہیں جن کی خلافت و امامت کے شیعہ خیر البریہ قائل
ہیں نہ کوئی اور۔

چوتھا شاہد

بعض طرق حدیث میں وارد ہے "لا تهلک هذه الامة حتی یکون فیها اثنا عشر خلیفة کلهم یعمل بالهدی و دین الحق" یہ امت ہلاک
نہیں ہوگی جب تک ان میں بارہ ائمہ گزریں گے ان میں سے ہر ایک رشد و ہدایت اور دین حق پر عمل

کرنے والا ہوگا۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری طبع مصر پارہ ۲۹ ص ۲۳۳) واضح ہے کہ یہ صفات جیدہ صرف اہلبیت محمدی میں پائی جاتی ہیں۔ ورنہ دوسرے سلسلہ میں تو اکثریت ایسے افراد کی ہے جو باقرار اہلسنت ظالم و جابر اور فاسق و فاجر تھے (تاریخ الخلفاء سیوطی ملاحظہ ہو) نیز اس حدیث شریف میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب تک بارہ آئمہ میں سے کسی نہ کسی امام کا وجود دنیا میں رہے گا، امت ہلاک نہیں ہوگی۔ یعنی جب ان کا وجود دنیا سے اٹھ جائے گا تو امت کی ہلاکت واقع ہو جائے گی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ امت بدستور بلکہ پہلے سے بیش صحت و سلامتی کے ساتھ موجود ہے۔ مگر مسلمانوں کے مزعومہ خلفاء تو مدتوں سے ختم ہو چکے ہیں۔ لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ حقیقی خلفاء رسول مقبول نہ تھے۔ ورنہ لازم تھا کہ ان کی موت کے ساتھ ساتھ امت بھی موت کے گھاٹ اتر جاتی بلکہ بساط عالم ہی لپیٹ دی جاتی۔ امت مرحومہ کا وجود اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ اب بھی کوئی حقیقی نائب و خلیفہ رسول اس دنیا میں زندہ و سلامت موجود ہے جس کے برکات وجود کے طفیل میں امت مرحومہ موجود ہے اور نظام عالم درہم برہم ہونے سے محفوظ ہے۔

قدم سے مہدی دیں کے زمیں قائم ہے پانی پر ٭ قرار کشتی دنیا کے لنگر ایسے ہوتے ہیں

بعض علماء اہلسنت کا اعتراف حقیقت

انہی حقائق کی بنا پر بعض محققین علماء اہل سنت کو یہ اقرار کرنا پڑا کہ اس حدیث میں وارد شدہ خلفاء سے مراد آئمہ اہل بیت ہیں

چنانچہ شیخ سلیمان حنفی قندوزی اپنی کتاب ینابیع المودۃ ص ۴۴۶ طبع اسلامبول اس حدیث کو متعدد طرق سے نقل کرنے کے بعد رقمطراز ہیں: ذکر بعض المحققین ان الاحادیث الدالۃ علی کون الخلفاء بعدہ صلی اللہ علیہ وسلم اثنا عشر قد اشتہرت من طرق کثیرۃ فبشرح الزمان وتعریف الکون والمکان علم ان مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حدیثہ ھذا الائمۃ الاثنا عشر من اھل بیتہ وعترتہ اذ لا یمکن ان یحمل ھذا الحدیث علی الخلفاء بعدہ من اصحابہ لقلتھم عن اثنا عشر ولا یمکن ان نحملہ علی الملوک الامویۃ لزیادتھم علی اثنا عشر ولظلمھم الفاحش الا عمر بن عبد العزیز ولکونھم غیر بنی ھاشم لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کلھم من بنی ھاشم فی روایۃ عبد الملک عن جابر واخفاء صوتہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ھذا القول یرجح ھذہ الروایۃ لانھم لا یحسنون خلافۃ بنی ھاشم ولا یمکن ان نحملہ علی الملوک العباسیۃ لزیادتھم علی العدد المذکور ولقلۃ رعایتھم الآیۃ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ، وحدیث الکساء فلا بد من ان یحمل ھذا الحدیث

على الائمة الاثنى عشر من اهل بيته و عترته صلى الله عليه و سلم،
لانهم كانوا اعلم اهل زمانهم و اجلهم و اورعهم و اتقاهم و اعلاهم
و افضلهم حسباً و اكرمهم عند الله و كان علومهم عن آبائهم متصلاً
بجدهم صلى الله عليه و سلم و بالوراثة اللدنية كذا عرفهم اهل العلم
و التحقيق و اهل الكشف و التوفيق و يؤيده هذا المعنى اى ان مراد النبى صلى الله
عليه و سلم الائمة الاثنى عشر من اهل بيته و يشهده و يرجحه حديث الثقلين
و الاحاديث المتكثرة المذكورة فى هذا الكتاب و غيرها. انتهى كلامه" بعض محققین
اہل سنت نے بیان کیا ہے کہ وہ احادیث جو خلفاء کے بارہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں بہت مشہور اور
طرق کثیرہ سے مروی ہیں۔ شرح زمان و تعریف کون و مکان کی واقعاتی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد ان بارہ خلفاء سے وہی بارہ امام ہیں جن کا تعلق آپ کی عترت طاہرہ
سے ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ اس حدیث کو ان خلفاء پر محمول کیا جائے جو آپ کے صحابہ میں سے آپ کے
بعد ہوئے۔ اس لئے کہ ان کی تعداد بارہ سے کم ہے۔ یہ بھی ممکن نہیں کہ اس حدیث کو شاہان بنی امیہ
پر محمول کیا جائے کیونکہ اول تو ان کی تعداد بارہ سے زائد ہے۔ دوسرے سوائے عمر بن عبد العزیز
کے ان کا ظلم و جور ظاہر ہے۔ تیسرے اس لئے کہ وہ غیر بنی ہاشم تھے۔ حالانکہ آنحضرت نے عبد الملک
(جابر) کی روایت میں فرمایا ہے کہ وہ سب کے سب بنی ہاشم میں سے ہوں گے۔ نیز اس روایت
(عبد الملک) میں آنحضرت کا پست آواز سے بنی ہاشم کا ذکر کرنا اس خیال کی تائید کرتا ہے اس لئے کہ
لوگ بنی ہاشم کی خلافت کو پسند نہیں کرتے تھے۔ یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ اس کو ملوک بنی عباس پر
محمول کیا جائے کیونکہ اولاً تو ان کی تعداد بارہ سے زیادہ ہے۔ ثانیاً انہوں نے آیہ مودت کی مخالفت
کرتے ہوئے سادات پر جو ظلم و ستم کئے ہیں وہ ظاہر ہیں۔ بنابریں ضروری ہے کہ اس حدیث شریف
کو ان اہل بیت پر ہی محمول کیا جائے کیونکہ وہ سب سے زیادہ عالم، سب سے زیادہ حلیم و بردبار،
سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار اور از روئے حسب و نسب سب سے بلند و برتر تھے۔ ان کے علوم
اپنے آباؤ اجداد کے ذریعے آنحضرت سے ماخوذ ہیں۔ اہل معرفت و تحقیق نے ان کو اسی طرح پہچانا ہے
اور اسی طرح ان کا تعارف کرایا ہے اور اس مطلب کی تائید حدیث شریف ثقلین اور دوسری ان احادیث
سے بھی ہوتی ہے جو اس کتاب میں درج ہیں۔"

؎ خوشتر آں باشد کہ سرّ دلبراں ٭ گفتہ آید در حدیث دیگراں

یہ مطلب جو بعض محققین نے بیان کیا ہے کوئی ایسا دقیق و عمیق فلسفیانہ مطلب نہیں ہے جس کے سمجھنے میں بہت علم و فضل یا زیادہ تحقیق و تدقیق درکار ہو۔ بلکہ یہ ایسا صاف و صریح اور عام فہم مفہوم ہے جسے ہر معمولی عقل و انصاف رکھنے والا انسان معمولی تامل و تفکر کے بعد تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اس میں نہ کسی قسم کا تکلف ہے۔ نہ تعسف نہ اعوجاج ہے اور نہ تعصب۔ بلکہ ایک واضح حقیقت ہے جس کی صحت کا کوئی صاحب عقل و انصاف انکار نہیں کر سکتا۔ ادنیٰ تدبر سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث ائمہ اہل بیتؑ پر اس طرح منطبق ہوتی ہے جس طرح کسی کے قد و قامت کے مطابق سلا ہوا پیراہن اس کے جسم پر پورا اترتا ہے۔

امت کا اختلاف دامن اہل بیتؑ چھوڑنے کا نتیجہ ہے

لیکن جب مسلمانوں نے ان ذوات قدسیہ کے دامن کو اپنے ہاتھ سے چھوڑ دیا جن کے ساتھ تمسک و اعتصام کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ تو اس کا نتیجہ وہی نکلا جو نکلنا چاہیئے تھا یعنی اختلاف و افتراق میں مبتلا ہو گئے کیونکہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس تلخ حقیقت کی خبر دے چکے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے (اھل بیتی امان من الاختلاف فاذا خالفتها قبیلة من العرب اختلفوا فصاروا حزب ابلیس (صواعق محرقہ صفحہ ۹۱ وغیرہ)۔ "میرے اہل بیتؑ اختلاف و افتراق سے بچنے کا واحد ذریعہ ہیں۔ جب بھی کوئی قبیلہ ان کی مخالفت کرے گا۔ تو وہ باہمی اختلاف میں مبتلا ہو کر شیطان کا گروہ بن جائے گا۔" چنانچہ جب لوگوں نے اہل بیتؑ کے انوار سے استفادہ نہ کیا تو زیر غلط اختلاف و افتراق میں مبتلا ہو گئے اسی کا نتیجہ ہے کہ یہ لوگ دوسرے مسائل حلال و حرام کی طرح خود خلفاء کی تعیین میں آج تک متحیر و سرگرداں نظر آتے ہیں۔

خلفاء اثنا عشر کی تعیین میں علمائے اہل سنت کی سراسیمگی

کبھی تو آنحضرتؐ کے بعد متصل اور پے در پے ہونے والے خلفاء کو مراد لیتے ہیں جن میں خلفاء اربعہ کے علاوہ پانچویں معاویہ اور چھٹے یزید الخ ہیں کبھی سلسلۂ اتصال کی کڑی کو توڑ کر خلفائے بنی امیہ و بنی عباسیہ میں انتخاب در انتخاب اور نہایت کانٹ چھانٹ کر کے بزعم خود ان میں سے جو نیک و صالح تھے۔ وہ مراد لیتے ہیں اس سلسلہ میں چار خلفائے راشدین اور پانچویں عمر ابن عبد العزیز اور چھٹے مہدی عباسی تجویز کئے جاتے ہیں۔ الی غیر ذلک من الاختلافات الفاحشة۔

ارباب دانش و بینش پر مخفی و محتجب نہیں ہے کہ ان حضرات کے ان اقوال کو اگر حقیقت کے معیار پر رکھا جائے تو سب غیر معتبر و متناقض المعیار ثابت ہوتے ہیں کیونکہ اگر مطلق ادعائے خلافت اور لوگوں کی بیعت کر لینے کو معیار خلافت و امامت سمجھا جائے تو یہاں کئی سلسلے موجود ہیں۔

حدیث مشکل ہو گئی ہے علماء پر کیونکہ چار ہی علماء ایسے گذرے ہیں جن سے دین قائم ہوا۔ درکل یا اکثر منتخب نے ان پر اتفاق کیا مانی خلفائے عباسیہ اور بنی امیہ تو ظالم و جابر تھے اگر یا یہ علماء زمان حال سے بیکار ہیں ؎

کبھی جھکتا ہوں ساغر پر کبھی گرتا ہوں مینا پر ؎ میری بے ہوشیوں سے ہوش ساقی کے ٹکڑے ہیں

اس خبط و جنون کو دیکھا ائمہ اہل بیتؑ سے ترک تمسک کا نتیجہ عبرت سمجھا چاہیے جس قدر عبرت و تعجب کا مقام ہے۔ اس خبط و تحیر اور تردد و سراسیمگی کی وجہ سے جو ان حضرات کو اس حدیث شریف کی تطبیق میں عارض ہے۔ بیسیوں احتمال ذکر کئے جا رہے ہیں لیکن واسطے عداوت اہل بیتؑ ان کے سب قد مسلمانوں کو کچھ ایسی قلبی کدورت و پرخاش ہے کہ اہل بیتؑ کا تو بھول کر بھی نام نہیں لیتے اور نہ اس خانوادۂ عصمت و طہارت کی طرف کبھی آنکھ اٹھا کر دیکھتے ہیں۔ اگر مسلمانوں میں ادنیٰ سا بھی عدل و انصاف ہوتا تو اور کچھ نہیں تو کم از کم جہاں اور احتمالات ذکر کر رہے ہیں وہاں بطور احتمال ہی اہل بیتؑ کا ذکر کر دیتے تاکہ طالبان حق و حقیقت کو حق و باطل میں تمیز دینے میں مدد مل سکتی لیکن افسوس۔

؎ ہم کو ان سے وفا کی ہے امید ؎ جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

اگر ایسا کرنا بھی ناگوار خاطر تھا تو پھر بہتر یہ ہوتا کہ ان بزرگواروں سے بالکل تعرض ہی نہ کرتے، نہ اقرار کرتے نہ انکار لیکن کیا قیامت ڈھائی کہ بے ساختہ پرداختہ خلفاء کے نام گنوانے کے بعد ائمہ اہل بیتؑ کی خلافت و امامت کی صریحاً نفی کر دی چنانچہ شرح عقائد طبع نولکشور لکھنؤ ص شرح فقہ اکبر مطبوعہ ہندو پریس لاہور ص شرح مقاصد مطبوعہ استنبول ج ۲ ص ۲۷۷ وغیرہ کتب میں اپنے مزعومہ بارہ خلفاء کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے۔

" لاکن زعمت الشیعۃ خصوصاً الامامیۃ ان امام الحق بعد رسول اللہ علیؑ ثم ابنہ الحسن ثم اخوہ الحسین ثم ابنہ علی زین العابدین ثم ابنہ محمد الباقر ثم ابنہ جعفر الصادق ثم ابنہ موسیٰ الکاظم ثم ابنہ علی الرضا ثم ابنہ محمد التقی ثم ابنہ علی النقی ثم ابنہ الحسن العسکری ثم ابنہ القائم المنتظر المہدی (صلوات اللہ علیہم اجمعین) یعنی حقیقی خلفائے رسول تو وہ تھے جو ہم نے ذکر کئے ہیں جیسے خلفاء بنی امیہ کے چشم و چراغ یزید بن معاویہ اور اس کے بعد والے ائمہ بارگاہ مروان بن الحکم کی اولاد سے ہیں مگر وہ کہ جن کا شیعہ اور بالخصوص امامیہ حضرات گمان کرتے ہیں یعنی یہ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امام حق حضرت علیؑ ہیں پھر ان کے بیٹے حسنؑ پھر ان کے بھائی حسینؑ پھر ان کے بیٹے علی زین العابدینؑ (یہاں تک کہ پورے بارہ ائمہ معصومین کے نام گنوائے ہیں)۔

اے کاش! ان لوگوں نے ان ائمہ ہدیٰ علیہم التحیۃ والثناء سے اعراض و انحراف کی وجہ تو ذکر کر دی ہوتی

جس کی بنا پر ان کو درخورِ اعتنا نہیں لایا گیا ؟ آیا ان میں علم و عمل کی کمی تھی یا فضل و کمال کی خامی ؟ کیا زہد و
تقویٰ کی قلت تھی یا دیگر صفاتِ حسنہ کی ندرت ؟ کیا ان کے یہاں طالبانِ ہدایت کے لئے رشد و ہدایت کی
شمعیں روشن نہ تھیں یا عصمت و طہارت کی قندیلیں تو ویران نہ تھیں ؟ کیا ان کے یہاں صدق و صفا اور جود و
سخا کے چراغ روشن نہ تھے ۔ یا شجاعت و شہامت کے جوہر نمایاں نہ تھے ؟ کیا اطاعت و عبادت پروردگار
کے انوار سے ان کے بیوت عالیہ منور و درخشاں نہ تھے ۔ یا تکبیر و تہلیل اور تسبیح و تقدیس کی مقدس آوازیں ان کے
در و دیوار سے بلند نہ تھیں ؟ کیا آیہ مبارکہ فی بیوت اذن اللہ ان ترفع و یذکر فیھا اسمہ یسبح لہ فیھا رجال لا تلھیھم
تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ ۔ ان بیوت کی شان میں نہ تھی ؟ غرضیکہ خصائل و شمائل کمالیہ اور فضائل و فواضل نفسانیہ میں سے
وہ کونسی صفت کمال تھی جس سے یہ حضرات متصف نہ تھے ۔ بھلا کیونکر ایسے نہ ہوتے جب کہ صاحب ما ینطق عن الھویٰ
ان ھو الا وحی یوحیٰ نے فرمایا تھا ۔ نحن اھل بیت لا یقاس بنا احد من الناس ۔ کہ ہم وہ اہل بیت ہیں کہ
انسانوں میں سے کسی کا قیاس نہیں کیا جا سکتا ۔"

۞ آں دبستاں را آستانے دیگر است

اسی طرح حضرت امیر علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی فرمایا کرتے تھے ۔ نحن اھل بیت لا یقاس بنا احد (ملاحظہ ہو کنز العمال
ج ۶ مطبوعہ حیدرآباد دکن) البتہ جو چیزیں ان بندگان عالم کے یہاں موجود نہ تھی وہ ہے جہل و نادانی ، تکبر و غرور کی فراوانی ، کذب و
افترا ، جور و جفا ، سفاکی و بے باکی ، شراب خوری و زناکاری ، قمار بازی و شیطان نوازی ، کیونکہ بلحاظ آیہ تطہیر ان افعال
قبیحہ اور صفات خبیثہ سے ان کا دامن عصمت و طہارت آلودہ و داغدار نہ تھا بخلاف ان کے ان کے مقابل جماعت کے ان
کے یہاں ان امور کی بہتات اور فراوانی تھی ۔ آنحضرتؐ نے فرمایا : الا ان ائمتکم وفدکم عند اللہ فانظروا من توفدون ۔
آگاہ ہو جاؤ کہ تمہارے امام خدا کے سامنے تمہارے پیشرو ہیں ۔ لہٰذا اچھی طرح دیکھ بھال کر لیا کرو کہ کسے اپنا پیشرو
بنا رہے ہو ؟ مسلمانو ! جب ان عصمت و طہارت کے پیکر مجسمۂ علم و فضل ، گلدستۂ فضائل و کمالات آئمہ اہل
بیتؑ کو چھوڑ کر ظلم و جور کے پیکر ، جہل و نادانی کے مجسمہ ، رذائل و خصائل کے مجموعہ ملوک بنی عباس و بنی امیہ کو اپنا
امام و پیشرو بنا کر بروز حشر خداوند عالم کی بارگاہ میں حاضر ہو گے اور تمہارے جرائم کی بازپرس کا سلسلہ
شروع ہو گا تو اوّل الذکر ائمہ کو ترک کرکے ثانی الذکر کو اختیار کرنے کا کیا جواب دو گے ! کیا یہ کہو گے کہ حضرت رسولؐ
نے ان کو نامزد کیا تھا ؛ یہ تو تمہارے اصول مذہب کے خلاف ہے یا یہ کہو گے کہ فضل و کمالات میں یہ سرآمد روزگار تھے
اس لئے ہم نے ان کو اپنا امام و مقتدا بنایا تھا ۔ یہ کذب و افترائے عظیم ہے جس کی تکذیب کے لئے خود تمہاری کتابیں
شاہد عادل ہیں ۔ کیا اس وقت حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ندامت و خجالت دامن گیر نہ ہو گی جنہوں نے
زندگی بھر ائمہ اہل بیتؑ کا تعارف کرانے اور ان سے تمسک و اعتصام کی ترغیب و تحریص دلانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت

نہیں کیا تھا. لیکن تم بایں ہمہ ان کے دامن کو چھوڑ کر اور ان سے منہ موڑ کر ان لوگوں کے دروازوں پر جا
پہنچے جو خود اپنی نجات و فلاح کے لئے اہل بیت کے محتاج تھے. حضرت ابو بکر راوی ہیں:-
قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یجوز احد الصراط الا من کتب لہ علی
الجواز (۱) میں نے حضرت رسول خدا کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کوئی شخص بھی اس وقت تک
پل صراط سے عبور نہیں کر سکے گا. جب تک حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ کا لکھا ہوا پروانۂ
راہداری اس کے پاس نہ ہوگا. (صواعق محرقہ ص ۱۲۳ طبع مصری) ہمیں یقین ہے کہ اس
دن اپنے کئے پر ضرور تم نادم و پشیمان ہوگے. اور اپنے ان خود ساختہ خلفاء سے
اظہار برائت کروگے. لیکن اس وقت کی پشیمانی و بیزاری کچھ فائدہ نہ دے سکے گی
اس امر کی خداوند عالم نے ان الفاظ میں خبر دی ہے:- "اذ تبرأ الذین اتبعوا من
الذین اتبعوا ورأوا العذاب وتقطعت بہم الاسباب. الآیۃ"

ہم نے اس سلسلہ میں جس قدر غور و تأمل کیا ہے کہ آخر مسلمانوں کی چشم بصیرت پر کیا پردے
پڑ گئے تھے. کہ انہوں نے ایسے آئمہ کی امامت کو اپنا شعار قرار دیا. جن میں یزید جیسے
نابکار بھی موجود تھے! ہمیں اس کی کوئی معقول وجہ سوائے اس کے معلوم نہیں ہو سکی.
کہ شاید ان حضرات نے یہ خیال کیا. کہ اگر ان خلفاء کی خلافت کا انکار اور ائمہ
اہل بیت کی امامت کا اقرار کرتے ہیں. تو خلفائے ثلاثہ کا دامن بھی ہاتھ سے چھوٹا جاتا
ہے (جسے یہ کسی صورت میں گوارا نہیں کر سکتے تھے) کیونکہ ظاہر ہے کہ خلفائے بنی امیہ
وغیرہ انہی خلفائے ثلاثہ اور بالخصوص خلیفہ ثانی کی کاشت کاری کا نتیجہ ہیں. خدا را
ارباب انصاف ہمیں بتائیں. کہ اس خفیف و ضعیف وجہ کی بنا پر ان کی تکذیب حق روا
ہو سکتی ہے؟ کیا عند اللہ و عند الرسول و عند العقلاء یہیں معذور ہوا جا سکتا ہے؟
حاشا وکلا و معاذ اللہ! بلکہ ارباب حق و حقیقت ان سے یہی کہیں گے. کہ اگر ان خلفاء
کے ترک کرنے سے خلفائے ثلاثہ کا دامن بھی ہاتھ سے چھوٹتا ہے تو چھوٹنے دو
آخر خلفائے ثلاثہ بھی تو تمہارے خود ساختہ پرداختہ ہیں. لہٰذا اگر خدا و رسول کے مقرر کردہ
ائمہ کی امامت تسلیم کرنے سے تمہارے خود ساختہ ائمہ کا دامن ہاتھ سے چھوٹتا ہے.
تو ہزار بار چھوٹے. آؤ ہم تم مل جل کر ان ائمہ طاہرین کے دامن سے متمسک ہو جائیں. جن کو
پیغمبر اسلام نے ہماری دینی و دنیوی فوز و فلاح کے لئے مقرر فرمایا ہے. وہ یہی ائمہ اہل

ثابت ہیں۔ جن کا ذکر اس بارہ[12] خلفا والی حدیث و حدیث ثقلین اور حدیث سفینہ وغیرہ
بیسیوں احادیث نبویہ میں موجود ہے۔ قرآن مجید میں خداوند عالم نے دو ہی قسم کے ائمہ کا
ذکر فرمایا ہے۔ ایک وہ ائمہ ہیں جن کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔ وجعلناهم ائمة يهدون
بامرنا لما صبروا واوحينا اليهم فعل الخيرات واقام الصلوة وايتاء الزكوة
وكانوا بامرنا يعملون (پ۔ س انبیاء ع ۵) ہم نے ان کو ایسا امام بنایا ہے۔ جو ہمارے حکم کے مطابق
ہدایت کرتے ہیں اور ہم نے ان کو فعل خیرات اقامہ صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ کی وحی کی ہے اور وہ ہمارے
حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں ۔

دوسرے وہ ائمہ ہیں جن کے بارے میں فرماتا ہے: وجعلناهم ائمة يدعون الى النار
یعنی کچھ ایسے امام بھی ہم نے خلق کئے ہیں۔ جو لوگوں کو جہنم کی طرف بلاتے ہیں۔ سابقہ حقائق کو
پیش نظر رکھتے ہوئے ارباب عقل و انصاف کو یہ فیصلہ کرنے میں کوئی دقت در پیش
نہیں آتی کہ پہلی آیت مبارکہ کن ائمہ پر منطبق ہوتی ہے اور دوسری آیت کس ائمہ
پر صادق آتی ہے

ان فی ذالک لآیات لقوم یعقلون ۔

باب ہشتم

مختصر موازنہ صفات ائمہ اہلبیتؑ با خلفاء اہلسنت

اس کتاب کے تیسرے باب میں یہ امر واضح و مبرہن کیا جا چکا ہے کہ حقیقی موازنہ اور مقابلہ کے لئے دو شخصوں یا دو فریقوں کا اس صفت میں باہم شریک ہونا اور پھر اس صفت کے ظہور کا ایک میں خفیف اور دوسرے میں شدید ہونا لازم ہے بنابریں اگرچہ ائمہ اہل بیتؑ علیہم السلام کا خلفائے اہل سنت کے ساتھ تقابل کرنا بالکل ایک بے معنی سی بات معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہاں جو اخلاق فاضلہ، صفات جلیلہ، سمات نبیلہ ائمہ اہل بیتؑ کا طرۂ امتیاز ہیں۔ دوسرے فریق میں ان کا بالکل ہی فقدان ہے۔ اس طرف سراسر علم و فضل ہے تو اس طرف سراسر جہل و نادانی۔ ادھر سب عصمت و طہارت ہے۔ تو ادھر تمام تر معصیت و گناہ۔ اس جانب بالکل ورع و تقدس ہے تو اس جانب بالکل فسق و فجور۔ اس خانوادۂ عصمت میں اخلاق حسنہ کی کثرت ہے تو اس خانوادۂ ظلمت میں اخلاق سیئہ کی بھرمار۔ غرضیکہ ان دونوں سلسلوں کے ائمہ و خلفاء کے درمیان کوئی قدر مشترک متصور ہی نہیں ہو سکتی۔ مگر کیا کیا جائے۔ مسلمانوں کی روش و رفتار ہی اس وادیٔ پُرخار میں داخل ہونے پر مجبور کرتی ہے۔ جب وہ دن کو رات اور رات کو دن۔ نور کو ظلمت اور ظلمت کو نور، علم کو جہل اور جہل کو علم، صواب کو خطاء اور خطاء کو صواب قرار دے کر ائمہ اہل بیتؑ علیہم السلام پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہوئے ان کی خلافت کا اقرار اور آل رسولؐ کی امامت کا انکار کرتے ہیں تو اہل حق و حقیقت مجبور ہو جاتے ہیں۔ کہ ان کے ساتھ مماشات کرتے ہوئے حقائق کے چہرے سے نقاب کشائی کریں تاکہ تصویر کے دونوں رخوں کے سامنے آ جانے کے بعد طالبان حق کو حق و باطل، صحیح و غلط اور سلیم و سقیم کے درمیان امتیاز کر کے باطل سے کنارہ کشی اور حق کے ساتھ تمسک کرنے میں آسانی ہو جائے گی۔ اسی غرض و غایت کے ماتحت ہم نے اس باب میں بڑے اجمال و اختصار کے ساتھ برادران اسلامی کی کتب سے ائمہ فریقین کے حالات و کوائف کا ایک مختصر مگر جامع مرقع پیش کر دیا ہے۔ جس کے دیکھنے کے بعد یقیناً حق و باطل کے درمیان خط امتیاز کھینچنے کے سلسلہ میں ایک

نئے باب کا اضافہ ہوگا۔ انشاء اللہ العزیز۔ واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

ائمہ اہل بیت علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مختصر مگر جامع حالات

(۱) امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام

ولادت باسعادت آپ کی ولادت باسعادت ۱۳ رجب المرجب عام الفیل کے تیس سال بعد کعبہ کے اندر واقع ہوئی۔ (مطالب السئول کمال الدین ابن طلحہ شافعی ص۱۱ طبع عراق، نور الابصار مومن شبلنجی ص۶۹ طبع مصر وغیرہ) ابن صباغ مالکی لکھتے ہیں: لم یولد فی البیت الحرام قبلہ احد سواہ وھی فضیلۃ خصہ اللہ بہا اجلالاً لہ واعلاءً لمرتبتہ (الفصول المہمہ ص۱۲) "آپ سے پہلے کعبہ میں کسی کی ولادت نہیں ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی عظمت و جلالت کو زیادہ اور آپ کے رتبہ کو بلند کرنے کے لئے آپ کو اس فضیلت کے ساتھ مخصوص کیا۔"

ولدتہ فی الحرم المعظم امہ طابت وطاب ولیدہا والمولد

شاہ ولی اللہ دہلوی ازالۃ الخفاء ص... بحوالہ حاکم نیشاپوری لکھتے ہیں: "فقد تواترت الاخبار ان فاطمۃ بنت اسد ولدت علیاً فی جوف الکعبۃ" یعنی اخبار متواترہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ بنت اسد نے حضرت علی کو وسط کعبہ میں جنم دیا۔

کسے را میسر نشد ایں سعادت بکعبہ ولادت بمسجد شہادت

گو ہر چوں یکسالہ و صدف نیز پاک بود آمد میانہ حرم کعبہ در وجود

سنہ خوشت بخت اوز بخت دیدہ شرف تو زمی و کعبہ صدف ستاں سلامت می کند

پرورش اور بچپن آپ کی پرورش آنحضرتؐ نے اپنے کنارِ تربیت میں فرمائی۔ آنحضرتؐ کے آغوشِ مبارک میں آنکھیں کھولیں۔ آنحضرتؐ آپ سے بے حد مانوس تھے اور سوتے وقت آپ کے گہوارہ جنبانی فرماتے اور جاگتے وقت آپ کو سینے سے لگاتے۔ (اثبات الوصیۃ مسعودی ص۱۱۵ طبع نجف، تاریخ طبری جلد ۲ ص۵۶ طبع مصر، کامل ابن اثیر ج۲ ص۲۲ طبع مصر) آپ نے خود اپنے ایک خطبہ میں فرمایا: "وضعنی فی حجرہ وانا ولید یضمنی الی صدرہ"۔

يكنفنى الى فراشه و يمسنى جسده و يشمنى عرفه (خطبہ قاصعہ) میں بچہ ہی تھا کہ آنحضرتؐ نے مجھے اپنے آغوش مبارک میں لیا اور مجھ کو ہمیشہ اپنے سینہ سے لگایا کرتے تھے، اور رخت خواب میں مجھ کو اپنے پہلو میں لٹاتے اور اپنے جسم اقدس کو میرے جسم سے مس کرتے اور اپنی خوشبو مجھ کو سونگھاتے تھے۔

اخلاق کریمانہ

زہد و تقویٰ، جود و سخا، علم و حلم اور دیگر فضائل حمیدہ میں آنجناب کا جو بلند مقام ہے وہ پوشیدہ نہیں ہے جود و سخا میں آپ کو قرآنی تمغہ حاصل ہے ويطعمون الطعام على حبه مسكيناً ويتيماً واسيراً ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ ج ۱ ص ۸ میں لکھتے ہیں ایک مرتبہ آپ کے پاس کل چار درہم تھے آپ نے ایک درہم رات کو اور ایک دن کو ایک پوشیدہ اور ایک علانیہ صدقہ دیا تو آیہ مبارکہ الذين ينفقون اموالهم سراً وعلانيةً نازل ہوئی اور آپ نے ساری زندگی کسی سائل کو بے نیل مرام نہیں لوٹایا ایک مرتبہ معاویہ کے پاس کسی دین فروش نے امیرالمومنین کے بارے میں کہا جئتك من ابخل الناس میں تمہارے پاس بخیل ترین شخص سے ہو کر آیا ہوں۔ معاویہ نے کہا اے مدح گر! اس کا تو یہ حال تھا کہ اگر ان کے پاس ایک مکان بھوسے کا ہو اور دوسرا سونے کا تو سونے کا مکان بھوسے والے مکان سے پہلے خرچ کر دیں گے وہ تو خود بیت المال میں جاروب کشی کرتے ہیں۔ حلم کا یہ عالم کہ آپ نے جنگ جمل میں اپنے بدترین دشمن مروان کو معاف کر دیا اور عبداللہ بن زبیر جو آپ کی شان میں علانیہ گستاخی کرتا تھا۔ جنگ جمل میں اس کو گرفتار کر کے معاف کر دیا۔ جب جنگ صفین میں معاویہ نہر فرات پر قابض ہو گیا تو اس نے آپ کے لشکر پر پانی بند کر دیا تھا مگر جب آپ کے لشکر نے حملہ کر کے فرات پر قبضہ کر لیا۔ تو معاویہ کا لشکر جنگل بیابان میں جا پہنچا اور پانی کا ایک قطرہ بھی ان کے پاس نہ رہا آپ کے بعض اصحاب نے آپ سے بہت کہا کہ آپ بھی پانی بند کر دیں مگر آپ نے فرمایا لا واللہ لا اكافيهم بمثل فعلهم افسحوا لهم عن الشريعة میں ان کی بدکرداری کا بدلہ بدکرداری سے نہیں دے سکتا۔ ان کے لئے فرات کا راستہ کھول دو اور پانی سے منع نہ کرو۔ (شرح ابن ابی الحدید ص ۱۱ ج ۱)

عبادت و زہادت

آپ کی عبادت اور زہد و تقویٰ ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکا ہے ابن ابی الحدید لکھتے ہیں: كان اعبد الناس واكثرهم صلاة وصوماً ومنه تعلم الناس صلاة الليل (الى ان قال) وما ظنك برجل يبلغ من محافظته على اوراده ان يبسط له نطع بين الصفين ليلة الهرير فيصلي عليه ورده والسهام

تقع بین یدیہ و تمر علی صماخیہ ہمیا فلا یرتاع لذلک و لا یقوم حتی یفرغ آپ
تمام لوگوں سے زیادہ عبادت گزار تھے نماز خوانی میں شب زندہ دار اور روزہ کے سلسلہ میں صائم النہار تھے
آپ ہی سے لوگوں نے نماز تہجد سیکھی ایسے شخص کے حق میں تم کیا خیال کرتے ہو جس کی عبادت اور ورد
خوانی کی پابندی کا یہ عالم ہو کہ لیلۃ الہریر میں دونوں صفوں کے درمیان مصلیٰ بچھایا جاتا ہے اور وہ عبادت
الٰہی بجالانے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ تیر آپ کے سامنے آرہے ہیں اور گوش مبارک سے گزر کر
گر رہے ہیں مگر آپ ان کی پروا تک نہیں کرتے اور اسی حالت میں اپنے وظائف عبودیت کو انجام
دیتے ہیں (شرح ابن ابی الحدید ج۱ ص۷)

فضائل و کمالات

آپ کے فضائل و کمالات کے متعلق اتنا ہی لکھ دینا کافی ہے کہ آنحضرتؐ فرماتے ہیں۔ جعل اللّٰہ لاخی علی فضائل لا تحصیٰ کثرۃ خداوند عالم نے میرے بھائی علیؑ کو اس قدر فضائل عطا فرمائے ہیں کہ بوجہ کثرت ان کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔ (مطالب السئول ص۔ ریاض النضرۃ ج۲ ص۲۳ وغیرہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خاص عنایت سے آپ کو اپنے فیوض قدسیہ سے فیضیاب فرمایا۔ کئی مرتبہ اپنے صحابہ کے سامنے آپ کی علمی لیاقتوں کا اظہار ان کلمات سے فرمایا۔ اعلم امتی من بعدی علیؑ ابن ابی طالب میرے بعد میری امت میں سب سے بڑے عالم علیؑ ابن ابی طالب ہیں (منتخب کنز العمال ص۳۲ مناقب خوارزمی ص۴۹ کنوز الحقائق ص۱۹ اخبار القضاۃ ص۸۸ ج۱) جامع مصر کے مشہور مورخ مصطفیٰ بک نجیب نے حماۃ الاسلام ص۹۸ ج۱ میں آپ کے متعلق اپنی رائے کا اظہار یوں فرمایا ہے۔ ما ان یقول القائل فی ھذا الامام وکل وصاف منسوب الی العجز لتقصیرہ عن الغایۃ مھما انتھی بہ العقول وکفی بشہادتہ صلعم بانہ باب مدینۃ العلم دلیلا علی مکنون السر الذی فیہ "کہنے والا اس امام کے متعلق کیا کہہ سکتا ہے جب کہ آپ کے صفات بیان کرنے والا ہر شخص آپ کے فضائل و کمالات کی انتہا تک پہنچنے سے عاجز و قاصر نظر آتا ہے اور آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہی اس پوشیدہ راز پر نشان دہی کرنے کے لیے کافی ہے کہ میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے یہی وجہ ہے کہ تمام علوم اسلامی اسی سرچشمہ علوم الٰہیہ کی ذات والا صفات تک منتہی ہوتے ہیں جیسا کہ اس مطلب کی پہلے کسی مناسب مقام پر وضاحت کی جا چکی ہے۔ مشہور فرانسیسی گابریل انگیری اپنی کتاب شہسوار اسلام میں لکھتا ہے کہ "علیؑ کی بلند شخصیت میں دو صفتیں حد کمال ایسی پائی جاتی ہیں کہ جن

بلکہ ایک مقام پر جمع ہونا مجھ سے بایں سبب ہے تاریخ عالم میں علیؑ کے سوا کوئی ایسی شخصیت نہیں ملتی جو قربان جنگ اور فاتح دو منزل ہونے کے علاوہ زبردست عالم و صحیح تین خطیب بھی ہو آپ کے فضائل و کمالات کے متعلق بے شمار شواہد و دلائل آپ کو اس کتاب کے متفرق مقامات میں نظر آئیں گے انہی حقائق کے پیش نظر علمائے اہل سُنت کو اقرار کرنا پڑا۔ ماجاء لاحد من اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم من الفضائل بالاسانید الحسان ماجاء لعلی بن ابی طالب (صحیح حاکم ج ۳ ص ۱۰۷ استیعاب ج ۲ ص ۴۷۸) عبداللہ عمدہ سندوں کے ساتھ کسی صحابیٔ رسول کے اس قدر فضائل وارد نہیں ہوئے جس قدر حضرت علیؑ کے متعلق وارد ہوئے ہیں۔

شہادت امیر المومنینؑ نے ۶۳ سال کی عمر میں بتاریخ ۱۹ رمضان المبارک سنہ ۴۰ ہجری مسجد کوفہ میں ابن ملجم مرادی کے دستِ باطل پرست سے زخمی ہو کر شہادت پائی اور آپؑ دلہن دیب مصر عبداللہ علائی۔ جو اسلام کو حیات بخش اسلامی کا پیغام سناتے ہوئے خون میں غلطاں ہوئے اور اسی حالت میں رمضان مبارک کی ایک تاریک رات لوگوں کو زہد و تقویٰ کی طرف بلاتے ہوئے شہید کر دیئے گئے آپ کا مزار مبارک نجف اشرف عراق میں ہے اور وہاں ہر وقت آپ کی بدولت لوگوں کو فیوض و برکات ربانیہ حاصل ہو رہے ہیں (تاریخ کامل ابن اثیر ج ۳ فصول مہمہ ص ۱۱۸ نور الابصار ص ۱۰۲ طبع مصر وغیرہ)

(۲) حضرت امام حسن علیہ السلام

ولادت باسعادت ابن صباغ مالکی کہتے ہیں ولد الحسن علیہ السلام فی المدینۃ النصف من شہر رمضان سنۃ ثلاث من الہجرۃ (فصول مہمہ ص ۱۴۳ مطالب السئول ص ۱۸۹) امام حسنؑ مدینہ منورہ میں ۱۵ رمضان المبارک سنہ ۳ھ کو پیدا ہوئے آپ کی ولادت کے ساتویں روز آنحضرت صلعم نے آپ کا عقیقہ کیا۔ آپ کے بال منڈوائے اور بالوں کے وزن چاندی صدقہ میں دی۔ (اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۰ فصول مہمہ ص ۱۴۴ مطالب السئول ص ۱۸۹) آپ شکل و صورت میں آنحضرتؐ کے بہت مشابہ تھے۔ اور آپ کا نام گرامی حسنؑ آپ کے جد امجدؐ نے ہی بحکم خدا رکھا۔ (فصول مہمہ ص ۱۴۴)

آپ کی تربیت اور فضائل

آپ کی تربیت بھی آنحضرتؐ کی آغوش مبارک میں ہوئی چنانچہ بخاری اور مسلم نے براء ابن عازب سے روایت کی ہے۔ روایت رسول اللہ واحسن علی عاتقہ و یقول اللھم انی احبہ فاحبہ۔ میں نے رسول اللہ کو دیکھا جب کہ حسنؑ آپ کے دوش مبارک پر تھے اور آپ فرماتے تھے اے میرے معبود! میں اس بچے سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر۔ (ذخائر العقبیٰ صـ۱۲۳) ابن عباس روایت کرتے ہیں۔ ایک دفعہ آنحضرتؐ دولت سرائے بتولؑ سے باہر تشریف لائے جب کہ آپ نے حسنؑ بن علیؑ کو دوش مبارک پر اٹھا رکھا تھا کسی نے کہا، نعم مرکب رکبت یا غلام اے بچے! تو بہت اچھی سواری پر سوار ہوا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا و نعم الراکب ھو۔ اگر سواری اچھی ہے تو سوار بھی تو اچھا ہے (صواعق محرقہ صـ۱۴۵ طبع مصر) شیخ قطب الدین راوندی نے الخرائج میں روایت کی ہے۔ کان رسول اللہ یاتی من صبح فاطمۃ فیتفل فی افواھھم۔ آنحضرتؐ جناب فاطمہؑ کے گھر تشریف لے جاتے تھے اور بچوں کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا کرتے تھے۔ صواعق محرقہ صـ۱۰۶ میں مروی ہے کان رسول اللہ یدفع لسانہ للحسنؑ فاذا رای الصبی حمرۃ اللسان یھش الیہ۔ رسول اکرمؐ اپنی زبان مبارک امام حسنؑ کے منہ میں ڈال دیا کرتے تھے اور جب حسنؑ زبان کی سرخی دیکھتے تو اس کی طرف دوڑ پڑتے۔ تمام امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا الحسنؑ و الحسینؑ امامان قاما او قعدا۔ حسن و حسین دونوں امام ہیں خواہ جہاد کے لئے کھڑے ہوں یا صلح کر کے بیٹھیں (ینابیع المودۃ ارجح المطالب وغیرہ)

نیز آنحضرتؐ کے اس ارشاد پر بھی تمام فرق اسلامیہ متفق ہیں کہ فرمایا الحسن و الحسین سیدا شباب اھل الجنۃ۔ و ابوھما افضل منھما۔ حسن و حسین جوانان جنت کے سردار ہیں اور ان کے والد ماجد ان سے بھی افضل ہیں۔ (مسند احمد، ترمذی، سنن ابن ماجہ، حلیۃ الاولیاء، مناقب خوارزمی، کنز العمال ج۷ صـ۱۰۷، صواعق محرقہ صـ۱۱۱، تاریخ الخلفاء صـ۱۲۳ وغیرہ)

صاحب مطالب السئول نے لکھا ہے کہ حسنؑ بن علیؑ تمام اہل زمانہ سے بڑے عالم تھے۔

آپ کے مکارم اخلاق اور زہد و تقویٰ

جود و سخا اور زہد و تقویٰ میں آپ کا مقام بہت ہی بلند ہے فصول مہمہ صـ۱۴۹ میں ہے کہ آپ نے ایک شخص کو دیکھا جو کہ دعا کر رہا تھا کہ اے میرے معبود! مجھ کو ایک لاکھ درہم عطا فرما۔ آپ گھر تشریف لے گئے اور ایک لاکھ درہم اس شخص کے پاس بھیج دیئے۔ اس طرح ایک اعرابی کو آپ نے ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار درہم عطا فرمائے۔ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ آپ نے بیس مرتبہ پیدل حج کیا۔ اسد الغابہ ج۲ صـ۱۳

پھر لکھا ہے کہ ۲۵ حج پاپیادہ کئے اس طرح کہ سواریاں ہمراہ ہوتی تھیں مگر سوار نہیں ہوتے تھے۔ فرماتے مجھے اپنے پروردگار سے شرم آتی ہے کہ اس کے گھر کی زیارت کے لئے جاؤں اور سوار ہو کر جاؤں۔

ابن صباغ کا قول ہے کان من ازھد الناس فی الدنیا ولذاتھا۔ آپ دنیا اور اس کی لذات کے متعلق تمام لوگوں سے زیادہ زاہد تھے۔ (فصول مہمہ ص۱۴۸) جناب کے زہد کا یہ عالم تھا کہ تین بار اپنا کل مال اور دو مرتبہ آدھا مال راہ خدا میں فقراء و مساکین میں تقسیم کر دیا۔ (مرآۃ الجنان یافعی ج۱ ص۱۲۳ و نور الابصار ص۱۱۰ وغیرہ) آپ علم و بردباری میں ضرب المثل ہیں آپ کے صبر و تحمل کے بکثرت واقعات ہیں یہاں صرف ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔ مطالب السئول ص ج۲ میں مروی ہے کہ ایک شامی مدینہ میں آیا اور امام حسن علیہ السلام کی شان میں ناگفتہ بہ گستاخانہ کلمات کہے جب وہ تھک کر خاموش ہوا تو آپ نے فرمایا ان احتجت الی منزل انزلناک او مال رفدناک او حاجة عاوناک اے شامی! اگر تم کو کسی مکان کی ضرورت ہے تو ہم تم کو رہائش کے لئے مکان دیں اگر مال کی ضرورت ہے تو تم کو مال و دولت دیں اور اگر کوئی اور حاجت ہے تو اس کو پورا کرنے میں ہم تیری معاونت کریں۔ شامی اپنے فعل پر بے حد پشیمان ہوا اور آپ سے معافی طلب کی اور کہا اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ (کامل ج۲ ص۱۲)

آپ کی شہادت

شیعہ کی طرح علماء اہل سنت کے محققین کے نزدیک یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ آپ کی شہادت معاویہ کی خفیہ سازش کی وجہ سے ہوئی اس نے جعدہ بنت اشعث کے ذریعہ آپ کو زہر دلوایا۔ مروج الذہب میں مروی ہے کہ معاویہ نے جعدہ کو ایک لاکھ درہم انعام اور یزید سے شادی کرنے کا لالچ دیا۔ (کذا فی الفصول المہمہ ص۱۵۱) ابن شحنہ حنفی نے اپنی تاریخ ابن شحنہ مطبوعہ برحاشیہ کامل ج۱۱ طبع مصر ص۱۳۳ میں لکھا ہے سمتہ امرأتہ جعدة بنت اشعث وقالت طائفة کان ذلک منھا بتدسیس معاویة الیھا۔ آپ کو جعدہ نے زہر دیا اور علماء کے ایک گروہ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ معاویہ کی خفیہ سازش تھی ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ ج۴ ص۱۱ میں ابوالفرج اصفہانی سے روایت کی ہے بعث الیھا معاویة بمائة الف درھم فقبلت وسمت الحسن معاویہ نے ایک لاکھ درہم جعدہ کے پاس بھیجے اور اس نے آپ کو زہر دے دی آپ کی شہادت ۲۸ صفر سنہ۵۰ھ میں واقع ہوئی۔ (فصول مہمہ ص۱۵۱ تاریخ ابن شحنہ ص۱۳۳ برحاشیہ کامل ابن اثیر ج۱۱) میں ہے کہ آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ آپ کو رسول اللہ صلعم کے پاس دفن کیا جائے مگر عائشہ صاحبہ نے دفن نہ ہونے دیا اس لئے ان کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ آج وہاں ان کا مزار مقدس مسلمانوں کے ظلم و جور کی بولتی ہوئی تصویر اور اس کے خلاف خاموش احتجاج ہے۔

لکھتے ہیں اکرم۔ ثابت لمعنی لازالقوم حقیقۃ ولغیرھم مجازاً (فصول مہمہ صفحہ) اہل بیت عصمت کے لئے جود و کرم درحقیقت ثابت ہے اور دوسروں کے لئے مجازاً ہے۔ آپ کی عبادت گزاری کے متعلق اس قدر کہہ دینا ہی کافی ہے کہ نویں محرم کی عصر کو جب کہ دشمنوں کی فوجیں آپ کو شہید کرنے پر آمادہ تھیں تو آپ نے ان سے آخری درخواست یہی کی کہ ہم کو اس رات کی مہلت دی جائے تاکہ ہم دل کھول کر عبادت الٰہی اور دعا و استغفار میں رات بسر کریں۔ ابن اثیر نے لکھا ہے۔ علما امسوا قموا الیل کلہ یصلون ویستغفرون ساری رات آپ مع اصحاب کے عبادت و استغفار میں مصروف رہے۔ (تاریخ احمدی صفحہ ۲۴۲) حتیٰ کہ بنا بر مشہور آپ کی شہادت بھی سجدہ کی حالت میں ہوئی (روضۃ الاحباب بحوالہ تاریخ احمدی صفحہ ۳۱۶) ؎

عبادت ہو تو ایسی ہو

آپ کی شہادت آپ کی شہادت جلیلہ ۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ کو کربلا میں واقع ہوئی جس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد احادیث میں پیش گوئی فرما چکے تھے۔ چنانچہ مسند میں عائشہ سے مروی ہے۔ خبرنی جبرئیل ان ابنی ھذا یقتل بعدی بارض الطف۔ مجھ کو جبرئیل نے خبر دی ہے کہ میرا یہ بیٹا میرے بعد زمین کربلا میں شہید کر دیا جائے گا ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن   خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

(۴) حضرت امام زین العابدین علیہ السلام

ولادت باسعادت آپ کی ولادت مدینہ منورہ میں ہوئی۔ تاریخ ولادت ۱۵ جمادی الاول سنہ ۳۸ھ ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ شاہ زنان بنت یزدجرد ہیں ؎

وان غلاما بین کسریٰ و ہاشم   لاکرم من نیطت علیہ التمائم

زہد و تقویٰ اور عبادت مورخین متفق اللفظ ہیں کہ آپ اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ زاہد و متقی تھے۔ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے: انہ کان یصلی فی الیوم واللیلۃ الف رکعۃ۔ دن رات میں آپ ہر شب و روز میں ایک ہزار رکعت نماز پڑھتے تھے۔ اسی حالت میں آپ سجدے میں

[illegible] آپ کا نام ... سجادۃ العابدین ... [illegible]

جہانِ فانی سے رحلت فرمائی (فصول مہمہ ص۲۰۱ تاریخ احمدی ص۳۲۶) احیاء العلوم غزالی میں ہے کان اذا توضا للصلوٰۃ
یصفر لونہ فقیل لہ ما ھذا الحال الذی یعتریک قال أتدرون بین یدی من ارید ان اقف۔
امام زین العابدین علیہ السلام جس وقت وضو کرتے تھے آپ کا رنگ زرد پڑ جاتا تھا۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو آپ
نے فرمایا کہ تم نہیں جانتے کہ میں کس کے سامنے کھڑا ہونے والا ہوں۔ (کذا فی تاریخ احمدی ص۳۲۶) صواعق محرقہ
ص۱۱۹ الفصول المہمہ ص۲۰۱ نور الابصار ص۱۲۶ میں جناب ابن شہاب زہری سے روایت ہے کہ لم ار ھاشمیا افضل
من علی بن الحسین میں نے علی بن حسین سے افضل کوئی ہاشمی نہیں دیکھا (فصول مہمہ ص۲۰۱ حلیۃ الاولیاء) ابی سعید بن مسیب
کا قول ہے لم ار اورع منہ۔ میں نے امام زین العابدین سے زیادہ کوئی پرہیزگار نہیں دیکھا۔ (کذا فی نور الابصار ص۱۲۶)
دوست و دشمن سب تسلیم کرتے ہیں کہ آپ فی الحقیقت زین العابدین تھے۔

آپ کا علم و فضل

یحییٰ عامری نے ریاض المستطابہ میں لکھا ہے فکان رضی اللہ عنہ بنہایۃ فی العلم [illegible] فی العبادۃ وکان لہ فی الیوم واللیلۃ الف رکعۃ لا یطیق القیام بھا جماعۃ من الناس مدلہ فی ذالک اخلوہ سعۃ۔ آپ کی ذات ستودہ صفات علم کی انتہائی بلندیوں اور عبادت کی انتہا تک پہنچی ہوئی تھی آپ شب و روز میں اس قدر اوراد و وظائف پڑھا کرتے تھے کہ لوگوں کی ایک جماعت [illegible] سکتی۔ اور اس سلسلہ میں آپ کے بارے میں بکثرت روایات وارد ہوئی ہیں (ریاض المستطابہ ص[illegible] سیرت) آپ کے علمی کمالات کا اندازہ لگانے کیلئے آپ کی مقدس دعاؤں کے مجموعہ صحیفہ کاملہ اور آپ کے ان عدیم النظیر خطبوں کا مطالعہ کرنا ہی کافی ہے جو آپ نے انتہائی پریشانی اور مصیبت [illegible] کے عالم میں کوفہ و شام کے درباروں اور بازاروں میں دیئے۔

آپ کے اخلاق کریمانہ

آپ کے [illegible] کریمانہ میں سے صرف ایک واقعہ کا نقل کر دینا ہی کافی ہوگا۔ نور الابصار ص۱۲۶ طبع مصر میں مروی ہے ان علی بن زین العابدین خرج من المسجد فلقیہ رجل فسبہ فثارت الیہ العبید والموالی فکفہم عنہ ماقبل علیہ وقال ما ستر عنک من امرنا اکثر الک حاجۃ نعینک علیہا فاستحی الرجل فالقی الیہ خمیصۃ والقی الیہ خمسۃ الاف درھم فقال اشھد انک من اولاد الرسول۔ ایک مرتبہ آپ مسجد سے برآمد ہوئے تو ایک شخص سے آپ کی ملاقات ہوگئی جس نے آپ کی شان میں بہت ہی گستاخانہ کلمات کہے۔ آپ کے غلام اس کی طرف بڑھے۔ مگر آپ نے ان کو روک دیا اور فرمایا اے شخص ہمارے حالات کا بہت سا حصہ تو تجھ سے مخفی ہے! اگر تجھ کو کوئی حاجت ہو تو بیان کر تاکہ ہم تمہاری اعانت کریں پھر آپ نے اپنا جبہ اور پانچ ہزار درہم اس کی طرف پھینک دیئے۔ اس کو حیا آگئی اور اس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ واقعی آپ اولاد رسول ہیں۔ [illegible] کا یہ عالم تھا کہ رات کی تاریکی میں ان کے گھروں میں نان و نفقہ پہنچاتے

واضح کیا اس وجہ سے کہا جاتا ہے آپ ہی علم کے شگافتہ کرنے والے اس کو جمع کرنے والے اور اس
کے علمبردار ہیں۔ آپ کا یہ لقب گرامی خود رسول اللہ نے تجویز فرمایا تھا۔ چنانچہ الفصول المہمہ ص۱۹۳ اور صواعق
محرقہ ص۱۲۱ میں جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: یا
جابر یوشک ان تلحق بی ولد من ولد الحسین اسمہ کاسمی یبقر العلم بقراً ای یفجرہ
تفجیراً فاذا رأیتہ فاقرأہ منی السلام۔ اے جابر عنقریب تم امام حسین کی اولاد میں سے میرے
ایک فرزند سے ملاقات کروگے۔ جو میرا ہم نام ہوگا، جو کہ علم کو شگافتہ کرے گا۔ یعنی اس کے چشمے جاری
کرے گا۔ جب تم ان کو دیکھو تو ان کو میرا سلام کہہ دینا۔ (روضۃ الاحباب، تاریخ طبری، بحوالہ تاریخ احمدی ص۳۶۹)

آپ کا علم و فضل

صاحب نور الابصار ص۱۳۱ میں اور ابن صباغ مالکی فصول مہمہ ص۱۲۱ میں بحوالہ الارشاد لکھتے ہیں: کان اشہرہم ذکراً واکملہم فضلاً واعظمہم نبلاً لم
یظہر من احد من ولد الحسن والحسین من علم الدین والسنن وعلم القرآن وفنون
الادب ما ظہر من ابی جعفر الباقر علیہ السلام۔ "آپ تمام ائمہ علیہم السلام سے زیادہ مشہور
اور زیادہ صاحب فضل و جلالت تھے۔ اولاد امام حسن و امام حسین علیہما السلام میں سے کسی سے اس قدر
علم دین و سنن اور علم قرآن اور فنون ادب ظاہر نہیں ہوئے۔ جس قدر امام محمد باقر علیہ السلام سے ظاہر
ہوئے ہیں۔ آپ سے جلیل القدر تابعین اور جید علماء نے علوم دینیہ حاصل کئے اور آپ کے متعلق محدث
شہیر مالک بن اعین جہنی کہتا ہے: اذا طلب الناس علم القرآن کانت القریش علیہ عیالاً
"اگر لوگ علم قرآن حاصل کریں تو قریش اس علم میں امام باقر علیہ السلام کے عیال دستِ نگرِ احسان ہیں۔ انہ باقر
علوم الاولین والآخرین وکاشف رموز الاولین والآخرین حقاً ہے

یا باقر العلم لاہل التقی   وخیر من لبی علی الجبل

آپ کا زہد و تقویٰ اور اخلاق فاضلہ

ابن حجر کی صواعق محرقہ ص۱۲۱ میں فرماتے ہیں: آپ علم و عبادت اور زہد و تقویٰ میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے
تام مقام تھے۔ ابن صباغ مالکی الفصول المہمہ ص۱۹۳ میں فرماتے ہیں: ہو باقر العلم وجامعہ وشاہر
وراقعہ ومتفوق دُرّہ وراصعہ صفی قلبہ وزکی عملہ وطہرت نفسہ
وشرفت اخلاقہ وعمرت اوقاتہ بطاعۃ اللہ ورسخ فی مقام التقوی قدمہ
و میثاق۔ "آپ ہی علم کے سینہ کو چیرنے والے اس کے جامع اور اس کے علمبردار ہیں اور اس کے
آبدار موتیوں کو ٹانکنے والے ہیں۔ آپ پاکیزہ دل، نیک سیرت، طاہر النفس اور شریف الاخلاق تھے جن کے

اوقات اللہ کی اطاعت سے آباد رہتے تھے اور مقام تقویٰ وطہارت میں راسخ القدم تھے۔ ابن صباغ لکھتے ہیں کہ امام محمد باقر علیہ السلام اپنے علم وفضل، ریاست علمیہ اور امامت کبریٰ کے حامل رہنے کے ساتھ ساتھ مشہور ترین سخی تھے۔ اسود بن کثیر نے آپ کی خدمت میں تنگدستی کی شکایت کی۔ آپ نے اس کو سات سو درہم عطا فرمائے، اور فرمایا کہ اس مال کو صرف کرو، جب یہ ختم ہو جائیں تو مجھ کو آگاہ کر دینا (الفصول المہمہ ص۲۱۱)

آپ کی شہادت

آپ کی شہادت زہر کی وجہ سے ہوئی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ (صواعق محرقہ ص۱۲۰) میں ہے (نور الابصار ص۱۳۱) "توفی فی سنۃ سبع عشر ومأۃ عن ثمان وخمسین سنۃ مسموما کابیہ"۔ آپ ۵۸ برس کی عمر میں اپنے والد ماجد کی طرح زہر سے شہید ہوئے اور سن شہادت سنہ ۱۱۴ھ ہے۔ صحیح سنہ ۱۱۴ھ ہی اقرب ہے۔ آپ کی شہادت ہشام بن عبدالملک کے دور حکومت میں واقع ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ ابراہیم بن ولید بن عبدالملک بن مروان نے ہشام کے اشارہ سے آپ کو زہر دیا (منتہی الآمال ج ۲ ص ۱۱۸)

(۶) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

ولادت باسعادت

آپ کی ولادت ۱۷ ربیع الاول سنہ ۸۳ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ آپ کی والدہ ماجدہ جناب ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر ہیں۔ (مطالب السئول ص۲۸۱)

آپ کا علم وفضل

ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں "هو من عظماء اهل البيت و سادتهم عليهم السلام ذو علوم جمة و عبادة موفرة و اوراد متواصلة و زهادة بينة" (مطالب السئول ص۲۸۱) آپ اہلبیت علیہم السلام کے عظیم الشان لوگوں میں سے تھے اور صاحب علم جلیل القدر عالم اور کثیر العبادت عابد و زاہد اور مسلسل اوراد و استغفار میں مشغول رہنے والے فاضل تھے۔ نیز صاحب المطالب نے لکھا ہے "علوم انتی تقصر الافہام عن الاحاطۃ بحکمها تضاف الیه و تروی عنه" وہ علوم جن کے حکم واسرار کے احاطہ سے عقول وافہام قاصر ہیں وہ انہی جناب کی طرف منسوب اور انہی سے مروی ہیں۔

ابن خلکان نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے "کان من سادات اهل البيت و لقب بالصادق لصدقه فی مقالته وفضله اشهر من ان یذکر" (تاریخ ابن خلکان) آپ سادات اہل بیت علیہم السلام میں سے تھے۔ اور صدق مقال کی وجہ سے آپ کا لقب صادق مشہور ہوا اور آپ کا فضل وکمال محتاج بیان نہیں ہے۔

حلیۃ الاولیاء میں عمرو بن مقدام سے مروی ہے "کنت اذا نظرت الی جعفر بن محمد علمت انه من

سلالۃ النبیین۔ جب میں امام جعفر صادق کو دیکھتا تھا تو میرا دل گواہی دیتا تھا۔ کہ یہ انبیاء کی اولاد میں سے ہیں۔ ابن طلحہ لکھتے ہیں۔ استفاد منہ العلم جماعۃ من الائمۃ و اعلامھم مثل یحیی بن سعید و ابن جریج و مالک بن انس والثوری و ابن عیینۃ و شعبۃ و ایوب وغیرھم و عدوا اخذھم منہ منقبۃ شرفوا بھا و فضیلۃ اکتسبوھا۔ (مطالب السئول ص۸۱) آپ سے ائمہ دین اور علمائے اعلام کی ایک جماعت نے علم حاصل کیا جن میں سے یحیی بن سعید، ابن جریج، مالک ابن انس، ثوری، ابن عیینہ، شعبہ اور ایوب جیسے محدثین بھی ہیں اور یہ لوگ آپ کی شاگردی کو اپنے لئے باعث شرف و افتخار قرار دیتے تھے۔ جسٹس امیر علی نے لکھا ہے "حضرت علی ابن الحسین کے پوتے امام جعفر صادق نے اپنے جد امجد حضرت علی المرتضیٰ کی عظیم الشان تعلیم کا چشمہ مدینہ میں جاری کی۔ مگر یہ صحرا میں ایک ہی نخلستان تھا۔ اس کے چاروں طرف ظلمت و ضلالت چھائی ہوئی تھی۔ (تاریخ اسلام ص۱۲)

آپ کا زہد و تقویٰ اور اخلاق کاملہ

آپ کے اخلاق کاملہ اور زہد و تقویٰ سے متاثر ہو کر ابن طلحہ لکھتے ہیں۔ خصال شاھدۃ علی انہ من سلالۃ النبوۃ وطھارۃ افعال تصدع [illegible] من ذریۃ الرسالۃ آپ کے خصال حسنہ اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آپ رسول اللہ کی اولاد میں سے تھے اور آپ کے افعال بتلاتے ہیں کہ آپ رسول اللہ کی ذریت طاہرہ میں سے تھے۔ انس بن مالک کہتے ہیں۔ کان لا یخلو من احدی ثلاث خصال اما صائما و اما قائما و اما ذاکرا و کان من عظماء العباد و اکابر الزھاد الذین یخشون اللہ و کان کثیر الحدیث و اذا قال قال رسول اللہ اصفر لونہ۔ آپ کبھی تین حالتوں سے خالی نہ رہتے تھے یا عبادت میں مشغول رہتے یا اللہ کی یاد میں اور آپ اپنے زمانہ کے جلیل القدر عبادت گزار اور خدا سے ڈرنے والے عباد و زہاد میں سے عظیم المرتبہ زاہد تھے اور کثیر الحدیث تھے اور نقل حدیث کے وقت جب "قال رسول اللہ" فرماتے تو آپ کا رنگ زرد ہو جاتا تھا۔ آپ نہایت ہی مستجاب الدعوات تھے۔ جب آپ نے حکیم اسدی کا یہ شعر سنا۔ جو اس نے حضرت زید کے متعلق کہا

صلبنا لکم زیدا علی جذع نخلۃ   و لم نر مھدیا علی الجذع یصلب

تو آپ نے فرمایا۔ اللھم سلط علیہ کلبا من کلابک۔ اے میرے معبود اس پر اپنے درندوں میں سے ایک درندہ مسلط کر۔ چنانچہ اس کو ایک شیر نے چیر پھاڑ دیا۔ (صواعق محرقہ ص۱۲۰ نور الابصار ص۱۳۲ ارجح المطالب ص۴۴۸)

آپ کی شہادت

ابن حجر صواعق محرقہ ص۱۲۱ میں لکھتے ہیں۔ توفی سنۃ اربع وثمانین ومائۃ مسموما آپ نے ۱۴۸ھ میں زہر کی وجہ سے ۶۵ سال کی عمر میں شہادت پائی۔ اور جنۃ البقیع میں دفن ہوئے۔ (کذافی نورالابصار ص۱۴۲) صحیح تاریخ ۲۵ شوال ۱۴۸ھ ہے منصور دوانقی نے انگور میں زہر دے کر آپ کو شہید کیا۔ (منتہی الآمال ج ۲ ص[illegible])

(۷) حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

ولادت باسعادت

آپ کی ولادت باسعادت ۷ صفر ۱۲۸ھ کو مقام ابواء میں ہوئی جو کہ مکہ اور مدینہ منورہ کے درمیان واقع ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ جناب حمیدہ خاتون بربریہ ہیں۔ آپ کی کنیت ابوالحسن اور لقب کاظم ہے صواعق ص۱۲۱ میں مروی ہے کہ سمی الکاظم لکثرۃ تجاوزہ وحلمہ آپ اپنی بے پناہ بردباری اور خطاکاروں کی خطاؤں سے عفو و درگزر کرنے کی وجہ سے کاظم مشہور ہوئے۔ (کذافی تاریخ الخمیس ج ۲ ص[illegible])

آپ کا علم وفضل اور عبادت

ابن حجر لکھتے ہیں آپ علم ومعرفت اور کمالات وفضائل میں اپنے والد بزرگوار کے صحیح جانشین قرار پائے۔ وکان معروفا عند اهل العراق بباب قضاء الحوائج عند اللہ وکان اعبد الناس فی زمانہ واعلمهم واسخاهم (صواعق محرقہ ص۱۲۱) اہل عراق میں آپ کا لقب "باب قضاء الحوائج عند اللہ" مشہور تھا یعنی خدا کے نزدیک حاجت برآری کے در۔ اور اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عابد، عالم اور سخی تھے۔ تاریخ ابن خلکان میں منقول ہے۔ کان یدعی بالعبد الصالح من عبادتہ واجتہادہ آپ بلحاظ عبادت واجتہاد عبد صالح کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں ھو الامام الکبیر القدر العظیم الشان الکبیر المجتهد الجاد فی الاجتہاد المشہور بالعبادۃ المواظب علی الطاعات (مطالب السؤل ص[illegible]) آپ جلیل القدر امام اور عظیم الشان اور جید مجتہد تھے اور اپنی عبادت کی وجہ سے مشہور تھے اور طاعت الٰہی پر مواظبت رکھتے تھے۔ ابن صباغ لکھتے ہیں۔ اما مناقبہ وکراماتہ وفضائلہ وصفاتہ الباهرۃ تشهد لہ بانہ افترع قبۃ الشرف وعلاها (الفصول المہمہ ص[illegible]) آپ کے مناقب کرامات وفضائل وخصائل اس بات کے شاہد ہیں کہ آپ نے شرف کمال کی چوٹی کو سر کر لیا تھا۔ اہل سنت کے جید عالم خواجہ محمد پارسا بخاری فصل الخطاب میں لکھتے ہیں۔ قال الرشید للمامون یا بنی هذا وارث علم النبیین هذا موسیٰ بن جعفر ان اردت العلم الصحیح تجدہ عندہ۔ اے بیٹے یہ وارث

(۸) حضرت امام علی رضا علیہ السلام

ولادت باسعادت

ابن صباغ مالکی نے الفصول المہمہ ص۲۲۵ میں لکھا ہے کہ آپ کی ولادت ۱۱ ذی القعدہ سنہ ۱۴۸ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ آپ کی والدہ ماجدہ جناب نجمہ خاتون ہیں۔ حبیب السیر میں منقول ہے کہ آپ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی اولاد میں سے بلکہ تمام مخلوق سے اشرف ترین شخص تھے۔ آپ کی کنیت ابوالحسن اور لقب صابر، زکی، ولی اور سب سے زیادہ مشہور رضا ہے۔ (تذکرۃ المحسن ص۱۴۸)

آپ کا علم وفضل

آپ کے علوم وعلمیہ کے متعلق فاضل مرزا علی نے وسیلۃ النجات میں لکھا ہے: "آنحضرت را از آباء واجداد علم ماکان و مایکون بوراثت رسیدہ"۔ آپ کو علم ماکان و مایکون اپنے آباء واجداد کی جانب سے وراثۃً حاصل تھا۔ روضۃ الاحباب میں مروی ہے کہ آپ ہر زبان اور ہر لغت میں فصیح اور دانا ترین مردم تھے اور ہر اہل زبان کو اس کی زبان میں جواب دیا کرتے تھے۔ (تاریخ احمدی ص۳۵۱) ابن طلحہ شافعی نے لکھا ہے کہ جو آپ کے حالات کو غور سے دیکھے گا تو اس کو یقین ہو جائے گا کہ آپ فضائل وکمالات کے اعتبار سے تیسرے علیؑ ہیں۔ (مطالب السئول ص۲۸۱) ابن اثیر جزری نے جامع الاصول میں لکھا ہے کہ دوسری صدی کے آغاز میں آپ ہی مذہب امامیہ کے مجدد تھے۔ (کشکول ص۳۵۱ طبع مصر، تاریخ احمدی ص۳۵۶) ابراہیم بن عباس کہتا ہے: "ما رأیت اعلم منہ بما کان فی الزمان" میں نے آپ کے عہد میں آپ سے بڑا کوئی عالم نہیں دیکھا۔ (نور الابصار ص۱۴۳)

آپ کا زہد وتقویٰ اور اخلاق کریمانہ

ابن صباغ کا قول ہے: "مناقبہ علیۃ وصفاتہ سنیۃ ونفسہ الشریفۃ زکیۃ ہاشمیۃ الارومۃ نبویۃ الجرثومۃ"۔ آپ کے مناقب نہایت ہی بلند مرتبہ اور صفات جلیل، آپ کا ہاشمی نفس مبارک بڑا پاکیزہ اور آپ نبوت کے جلیل القدر خانوادہ میں سے تھے۔ نور الابصار ص۱۴۳ میں ہے کہ "کان کثیر المعروف والصدقۃ واکثر ما یکون ذلک منہ فی اللیالی المظلمۃ"۔ آپ غرباء ومساکین کو بہت صدقات وخیرات دیتے اور اکثر اوقات یہ صدقہ تاریک راتوں میں دیا کرتے تھے۔ ابن صباغ نے آپ کے اخلاق کے متعلق لکھا ہے: "واما اخلاقہ وسماتہ وصفاتہ ودلائلہ وعلاماتہ فناہیک من فخر وحسبک من علو مقام ارجا علی طریقۃ

در شواہد (الآثار) پر آپ کے اخلاق وخصائل اور آپ کی سیرت وصفات اور دلائل وعلامات کے متعلق آپ کا فخر اور بلند مرتبہ معلوم کرنے کے لئے اسی قدر کافی ہے کہ آپ ان صفات فاضلہ میں اسی مقام پر تھے جو آپ کو اپنے آباء طاہرین سے وراثۃً ملا تھا۔ (فصول مہمہ ص۲۵۵)

مطہرون نقیات ثیابہم — تجری الصلوٰۃ علیہم کلما ذکروا
من لم یکن علویا حین تنسبہ — فمالہ فی قدیم الدہر مفتخر
اللہ لما بری خلقا فاتقنہ — صفاکم واصطفاکم ایہا البشر
فانتم الملأ الاعلیٰ وعندکم — علم الکتاب وما جاءت بہ السور
(ابونواس)

(وفیات الاعیان ج ۱ ص ۳۲۲)

(۹) حضرت امام محمد تقی علیہ السلام

ولادت باسعادت آپ کی ولادت باسعادت ۱۹ ماہ رمضان ۱۹۵ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔ آپ کی والدہ ماجدہ جناب سبیکہ یا ریحانہ خاتون نوبیہ ہیں آپ کی کنیت ابوجعفر اور لقب قانع اور تقی ہے۔ (مطالب السؤل ص ۲۹۰ فصول مہمہ ص ۲۶۶)

علم وفضل ابن طلحہ لکھتے ہیں: ان کان صغیر السن فھو کبیر القدر رفیع الذکر القائم بالامامۃ بعد علی بن موسیٰ آپ اگرچہ باعتبار سن وسال صغیر تھے مگر قدر ومنزلت کے لحاظ سے کبیر تھے اور اپنے والد ماجد کے بعد منصب امامت پر فائز ہوئے جب کہ آپ کی عمر تین سال کی تھی۔ صفوان بن یحییٰ کہتے ہیں کہ جب آپ کو اس کم سنی میں منصب امامت ملا تو میں نے بڑا تعجب کیا پس امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: ما یضرہ ذلک فقد قام عیسیٰ بالحجۃ وھو ابن اقل من ثلاث سنین اس میں کیا حرج ہے حضرت عیسیٰ تو تین سال سے کم عمر میں حجت خدا قرار پائے تھے (فصول مہمہ ص ۲۶۷) ابن حجر مکی نے لکھا ہے کہ آپ ایک مرتبہ بغداد میں کسی گزرگاہ پر کھڑے تھے وہاں چند بچے بھی کھیل رہے تھے اچانک مامون کی سواری آگئی اور تمام بچے بھاگ گئے مگر آپ وہیں کھڑے رہے مامون نے پوچھا صاحبزادے تم کیوں نہ بھاگے؟ آپ نے فرمایا میرے کھڑے ہونے سے تیرا راستہ تنگ نہ تھا جو کہ ہٹ جانے سے وسیع ہو جاتا اور نہ میں نے کوئی جرم کیا تھا کہ میں ڈر

کر جاگا چنانچہ جب وہ شکار کر کے واپس آیا تو اس نے آپ کو وہاں کھڑا ہوا دیکھ اور کہا بتاؤ میرے ہاتھ میں کیا چیز ہے آپ نے فرمایا ان اللہ خلق فی بحر قدرتہ سمکا صغارا یصیدھا بازات الملوک فیختبرون بہا سلالۃ اھل بیت المصطفیٰ اللہ نے اپنے دریائے قدرت میں چھوٹی چھوٹی مچھلیاں پیدا کی ہیں اور سلاطین اپنے بازوں سے ان کا شکار کر کے اہل بیت رسالت کے علم کا امتحان لیتے ہیں مامون نے تعجب سے کہا "انت ابن الرضا حقا" آپ واقعی امام رضاؑ کے فرزند ہیں (صواعق محرقہ ص۱۲۳ مطالب السؤل ص۲۹۲ الفصول المہمہ ص۲۷۵) ابن صباغ مالکی لکھتے ہیں ساید بل مشتق بہ لما ظہر من برکاتہ ومکاشفاتہ وکراماتہ وعلمہ وفضلہ وکمال عقلہ وظہور برہانہ مع صغر سنہ (فصول ص۲۷۴) باوجود صغر سنی کے آپ کی برکات اور مکاشفات کرامات اور آپ کے علم و فضل اور کمال عقل و دلائل کے ظہور کی وجہ سے مامون آپ پر بڑا مہربان ہوتا تھا اور آخر کار اپنی بیٹی ام الفضل کا امام سے عقد کر دیا اور اس کم سنی میں یحییٰ بن اکثم جیسے علماء وقت کو آپ سے مناظرہ کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ امام علیہ السلام نے صغر سنی میں یحییٰ مذکور کے ساتھ جو مناظرہ کیا اور جس طرح اسے ذلیل و خوار کیا وہ اس قدر مشہور ہے کہ محتاج بیان نہیں ہے ؎

اینہا ہمہ روز است کہ معلوم عوام ست

آپ کا زہد و تقویٰ

آپ کے صفات فاضلہ اور زہد و تقویٰ کے متعلق اس قدر لکھنا کافی ہے کہ آپ علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں اپنے والد ماجد کے صحیح جانشین تھے اور زہد و تقویٰ کی وجہ سے آپ کا لقب تقی اور قانع مشہور ہیں۔

شہادت

۲۵ جمادی الثانی یا بنا بر مشہور آخر ذیقعدہ ۲۲۰ھ میں آپ کی شہادت واقع ہوئی جب کہ آپ کی عمر صرف ۲۵ سال تھی صواعق محرقہ ص۱۲۳ اور نور الابصار ص۱۴۷ اور تاریخ احمدی ص۲۴۹ میں منقول ہے کہ معتصم عباسی نے آپ کو زہر سے شہید کیا اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے مدفن میں مدفون ہوئے۔

(۱۰) حضرت امام علی نقی علیہ السلام

ولادت باسعادت

آپ کی ولادت ۱۵ ذی الحجہ ۲۱۲ھ میں بمقام مدینہ منورہ ہوئی والدہ ماجدہ جناب سمانہ خاتون مغربیہ ہیں اور آپ کے لقب ادب السؤل

الرتضیٰ الناصح المتقی الفقیہ اور الامین وغیرہ میں صاحب وسیلۃ النجات نے لکھا ہے کہ جب امام محمد تقی علیہ السلام کو معتصم نے طلب کیا تو آپ نے امام علی نقی کو اپنا وصی اور خلیفہ مقرر کیا اور کتب علوم الٰہی اور اسبابِ رسالت آپ کے سپرد کئے (ذکر تاریخ احمدی ص۳۵۲)

علم و فضل

ابن حجر نے لکھا ہے: کان وارث ابیہ علماً و سخاءً آپ علم و فضل اور جود و سخا میں اپنے والد ماجد کے صحیح جانشین تھے (صواعق محرقہ ص۱۲۳)

زہد و تقویٰ

آپ کے زہد و تقویٰ کے متعلق مورخین کا بیان ہے کہ آپ قائم اللیل و صائم النہار عبادت گذار اور دنیوی لذائذ و حظائظ سے مجتنب تھے متوکل عباسی نے آپ کو بھوکے درندوں کے سامنے ڈال دیا مگر انہوں نے آپ کی خداداد ہیبت و عبادت اور زہد و تقویٰ کی بدولت آپ کو کوئی گزند نہ پہنچایا (صواعق ص۱۲۴)

آپ کی عبادت اور ناصحانہ اشعار آبدار

آپ کا دور مشکلات و مصائب میں گھرا ہوا تھا اس بات کا اندازہ لگانے کے لئے صرف یہ کہہ دینا کافی ہے کہ آپ کا سابقہ متوکل عباسی جیسے دشمن اہلبیت سے تھا جن دنوں آنجناب بحالت نظربندی سامرا میں تھے بعض لوگوں نے متوکل سے چغلی کھائی کہ امام علی نقی گھر میں ہتھیار جمع کر رہے ہیں۔ متوکل نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ بوقتِ شب جس حال میں امام کو پائیں گرفتار کر کے دربار میں لائیں۔ چنانچہ اچانک رات کے وقت سپاہی امام کے گھر داخل ہوئے دیکھا کہ امام بالوں کا کرتہ زیب تن کئے، اور صوف کی چادر اوڑھے تنہا اپنے حجرہ میں سنگ ریزوں کے فرش پر رو بقبلہ بیٹھے تلاوت قرآن مجید کر رہے ہیں۔ متوکل کے آدمی اسی حالت میں امام کو دربار میں لے گئے۔ اور تمام وجلا جان کیا متوکل اس وقت جام شراب ہاتھ میں لئے مے نوشی میں مشغول تھا۔ امام کو اپنے پہلو میں بٹھایا اور جام شراب امام کی طرف بڑھایا۔ امام نے فرمایا میرا خون اور گوشت کبھی شراب کی آلائش سے آلودہ نہیں ہوا مجھے اس سے معاف رکھ۔ متوکل نے کہا اچھا اگر شراب نہیں پیتے تو کچھ شعر پڑھیے امام نے فرمایا مجھے شعر گوئی سے چنداں شغف نہیں۔

متوکل نے یہ عذر قبول نہ کیا اور اصرار کیا کہ کچھ اشعار پڑھیے تب امام نے مجبوراً یہ اشعار پڑھے۔

باتوا علی قلل الاجبال تحرسہم	غلب الرجال فما اغنتہم القلل
واستنزلوا بعد عز من معاقلہم	فاودعوا حفرۃ یا بئس ما نزلوا
ناداہم صارخ بعد ما قبروا	این الاسرۃ والتیجان والحلل

أين الوجوه التي كانت منعمة — من دونها تضرب الأستار والكلل

فأفصح القبر عنهم حين سائلهم — تلك الوجوه عليها الدود تنتقل

قد طال ما أكلوا دهراً وما شربوا — فأصبحوا بعد طول الأكل قد أكلوا

ان اشعار آبدار کا یہ اثر ہوا کہ پورا دربار گریہ و بکا میں ڈوب گیا اور متوکل کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی اور داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی (وفیات الاعیان ج ۲ ص ۴۳۴)

شہادت آپ کی شہادت ۳ رجب المرجب ۲۵۴ھ میں تقریباً چالیس سال کی عمر میں ہوئی۔ تذکرہ خواص الامۃ میں ہے آپ کو معتمد باللہ عباسی نے زہر سے شہید کیا (تاریخ ائمہ ص ۳۴۴)

(۱۱) حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام

ولادت باسعادت آپ کی ولادت ۱۰ ربیع الاول ۲۳۲ھ میں بمقام سامرا ہوئی۔ آپ کی والدہ ماجدہ حدیثہ یا سلیل خاتون ہیں۔ آپ کے القاب جلیلہ میں سے خالص، سراج، عسکری زیادہ مشہور ہیں (نور الابصار ص ۱۵۲)

علم و فضل اور زہد و تقویٰ آپ اپنے والد کے پانچ فرزندوں میں سب سے زیادہ اجل و افضل تھے۔ بچپن ہی میں معدن فیوض الٰہیہ ہو گئے تھے۔ ایک مرتبہ آپ چند لڑکوں کے ساتھ کھڑے ہوئے رو رہے تھے اور باقی بچے کھیل رہے تھے۔ تو بہلول نے پوچھا آپ کیوں رو رہے ہیں؟ کیا میں آپ کے لئے کوئی کھلونا خرید لاؤں؟ آپ نے فرمایا یا قلیل العقل ما للعب خلقنا اے کم عقل ہم کھیل کود کے لئے نہیں پیدا کئے گئے۔ بہلول نے پوچھا۔ فلماذا خلقنا پھر ہم کیوں پیدا کئے گئے؟ آپ نے فرمایا للعلم والعبادۃ علم و عبادت کے لئے۔ جب بہلول نے دلیل کا مطالبہ کیا تو جناب نے یہ آیت قرآنی پڑھی افحسبتم انما خلقناکم عبثاً وانکم الینا لا ترجعون کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم نے تمہیں بے فائدہ پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے (سورۂ مومنون آیۃ ۱۱۵ نور الابصار ص ۱۵۰) آپ بڑے عبادت گزار اور جمیع جود و سخا تھے۔ ابن صباغ مالکی نے لکھا ہے کانت نفسہ مہذبۃ واخلاقہ متھذبۃ وسیرتہ عادلۃ وخلالہ فاضلۃ آپ کا نفس مہذب، اخلاق شریف، سیرت نیک اور عادات و خصائل فاضلہ تھے (فصول مہمہ ص ۲۹۵)

حفاظت قرآن کا عجیب واقعہ

آئمہ اہلبیت کی یہ خداداد خصوصیت بہت ہی نمایاں ہے کہ وہ جس حال میں بھی رہے کبھی دین مبین کی خدمت سے غافل نہیں رہے امام حسن عسکری دیکھا تھے امام علی نقیؑ کے وقت عراق کے فیلسوف اسحاق کندی نے بزعم خویش قرآن میں اختلاف و تناقض ثابت کرنے کی خاطر "تناقض القرآن" نامی کتاب لکھنی شروع کی۔ جب امام علیہ السلام کو اس شخص کی اس جسارت کا علم ہوا، قرآن کو سخت صدمہ ہوا۔ اور اپنے ایک صحابی کو حکم دیا کہ تم جا کر کندی کی شاگردی اختیار کرو۔ اور اس سے روابط بڑھاؤ، جب وہ تم سے مانوس ہو جائے اور تمہیں اس کا اعتماد حاصل ہو جائے۔ تو اس سے دریافت کرو، کہ قرآن سے جو کچھ تم نے سمجھا ہے آیا ممکن ہے کہ وہ صحیح نہ ہو اور خدا کا منشاء کچھ اور ہو، چونکہ وہ فلسفی اور ذہین آدمی ہے وہ کہیگا کہ ہاں ایسا ہو سکتا ہے جب وہ یہ اقرار کرلے تو تم کہنا کہ پھر تمہاری اس کتاب لکھنے کا مقصد کیا ہے؟ ممکن ہے تم جس معنی پر اعتراض کر رہے ہو، وہ مقصود خدا نہ ہو۔ چنانچہ وہ شخص حسب ہدایت کندی کے پاس گیا اور ایک دن یہ سوال کر دیا۔ کندی سن کر متحیر ہوگیا اور کہا پھر بیان کرو۔ شاگرد نے پھر بیان کیا۔ کندی نے کچھ دیر غور و فکر کرنے کے بعد کہا ہاں ایسا ممکن ہے۔ پھر شاگرد سے کہا سچ بتاؤ۔ نہیں یہ بات کس نے سکھلائی ہے؟ شاگرد نے کہا میرے ذہن میں پیدا ہوئی ہے۔ کندی نے کہا تم جیسا آدمی ایسی بات نہیں کر سکتا۔ میں تمہیں قسم دیتا ہوں۔ سچ بتاؤ یہ بات تمہیں کس نے سکھلائی ہے؟ تب شاگرد نے کہا، امام حسن عسکری نے بتائی ہے۔ کندی نے کہا "الآن جئت بہ وما کان لیخرج مثل ھذا الامن ذلک البیت"۔ اب تم نے صحیح بات کہی ہے۔ ایسی دقیق علمی بات اس خاندان کے سوا اور کہیں سے نہیں نکل سکتی۔ پھر آگ طلب کی اور کتاب کا مسودہ جلا دیا۔ (بحار ج ۲ ص ۱۴۳ مناقب ص ۱۴۲ وغیرہ)

شہادت

آپ کی شہادت اٹھائیس برس کے سن میں ۸ ربیع الاول سنہ ۲۶۰ھ میں سامرا میں ہوئی۔ صواعق محرقہ ص ۱۲۴ میں ہے قیل انہ سم کہا جاتا ہے کہ آپ کو بھی زہر سے شہید کیا گیا (کذا فی الفصول المہمہ ص ۲۲۵) جناب ابن بابویہ اور دیگر بعض علماء کا قول ہے کہ معتمد عباسی نے آپ کو زہر سے شہید کیا۔ (منتہی الآمال ج ۲ ص ۲۶۱)

اتنا طویل کر دے گا۔ کہ وہ خلیفہ برسرِ اقتدار آئے گا۔ جو کہ آلِ رسولؐ میں سے ہے اور فاطمہؑ کی ذریت سے ہیں کہ جدِ اعلیٰ حضرت امام حسین علیہ السلام اور والد بزرگوار حضرت امام حسن عسکری بن امام علی نقی علیہ السلام ہیں۔

عقیدۂ مہدیؑ کا اتفاقی ہونا

جہاں تک تاریخ مذاہب و ادیانِ عالم کے مطالعہ کا تعلق ہے اس سے معلوم ہے کہ مذہب یہود ہو یا نصاریٰ ہنود ہو یا زرتشت وغیرہ۔ غرضیکہ تمام مذاہب و ادیان میں کسی نہ کسی رنگ میں ایک مصلح اعظم کے آنے کا تخیل موجود ہے بالخصوص اہل اسلام کا تو حضرت مہدیؑ کے ظہور پر اتفاق ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ اس کی بعض خصوصیات میں قدرے اختلاف ہے۔ عقل سلیم بھی یہی فیصلہ کرتی ہے کہ جس مذہب کی بنیاد ہی خدا کی قدرت اور عدالت پر ہے۔ بایں ہمہ دنیا میں ظلم و جور باطل پرستی اور ناحق کوشی کا دور دورہ ہے اس لئے اس دنیا میں ایک ایسا دور ضرور آنا چاہیئے جس میں صفحۂ عالم سے ظلم و جور حرفِ غلط کی طرح مٹ جائے۔ اور عدل و انصاف کا دور دورہ ہو یہ مقصد آنجناب کے ظہور کے وقت ہی کماحقہٗ پیدا ہو سکتا ہے جیسا کہ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا ہے۔ لو لم یبق من الدنیا الا یوم واحد لطول اللہ ذلک الیوم حتی یبعث رجل من اھلبیتی اسمہ اسمی یملا الارض قسطاً و عدلاً کما ملئت ظلماً و جوراً (ترمذی مشکوٰۃ المصابیح۔ ابوداؤد وغیرہ)

اگر عمر دنیا کا ایک ہی دن باقی رہ جائے تو خداوند عالم اسے اس قدر دراز کر دے گا۔ (اور اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی۔ جب تک کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص مبعوث نہ ہو جو میرا ہم نام ہوگا۔ اور زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر دے گا جس طرح پہلے وہ ظلم و جور سے پُر ہو چکی ہوگی۔ ع

ڈھونڈ کو ہے اس مہدی برحق کی ضرورت
ہو جس کی نگہ زلزلۂ عالم افکار

چونکہ جناب رسالت مآبؐ علم نبوت سے جانتے تھے۔ کہ دنیا میں کئی جھوٹے مدعیان مہدویت پیدا ہوں گے لہٰذا ان کا فرض منصبی تھا کہ حضرت مہدیؑ دوراں کی معرفت کرانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔ ورنہ جھوٹے مدعیوں کے دامِ تزویر میں پھنسنے والوں کی ضلالت و گمراہی کی ذمہ داری خود آنحضرتؐ پر عائد ہوتی اس لئے انہوں نے جناب مہدیؑ کی ذات و صفات اور

شکل وشمائل وغیرہ تمام متعلقہ امور تفصیل کے ساتھ بیان کردیئے۔ تاکہ اتمام حجت میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔

حضرت مہدیؑ اہل بیت رسولؐ سے ہوں گے

آنجناب کس خاندان سے ہوں گے؟ اس سلسلہ میں آنحضرتؐ فرماتے ہیں: المہدی من عترتی من ولد فاطمۃ (ابو داؤد) مہدی میری عترت یعنی اولاد فاطمہ زہراؑ میں سے ہو گا۔ المہدی منا اهل البیت (سنن ابن ماجہ ص ...) مہدی ہم اہل بیت میں سے ہوگا جناب سلمانؓ فارسی روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا المہدی من اهل بیتی مہدی میری اہل بیتؑ سے ہوگا۔ اس وقت شہزادگان کونین جناب امام حسنؑ و حسینؑ بھی موجود تھے میں نے عرض کیا من ای ولدک هذین یارسول اللہ آپ کے ان دونوں صاحبزادوں میں سے کس کی نسل سے ہوگا؟ آنجناب نے امام حسینؑ کے کاندھوں پہ ہاتھ رکھ کر فرمایا: من ولدی هذا میرے اس بیٹے کی اولاد میں سے ہوگا (ینابیع المودۃ وغیرہ) اس حدیث شریف سے متنبی قادیان کے اس دعویٰ کا بطلان بھی واضح وعیاں ہو جاتا ہے کہ وہ سلمانؓ سے ہونے کی وجہ سے (جو کہ سلمان منا اہل البیت کے مصداق ہیں) مہدی موعود ہے قطع نظر اس سے کہ اس کے اس دعویٰ میں کہاں تک صداقت ہے کہ وہ نسل جناب سلمان سے ہے جو کہ بظاہر بلادلیل صرف ایک دعویٰ ہی ہے لیکن اگر بالفرض اسے صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس سے اس کی مہدویت ہرگز ثابت نہیں ہوتی کیونکہ جب حضرت سلمان خود راوی ہیں کہ سرکار ختمی مرتبتؐ نے فرمایا کہ مہدی میری ذریت اور اولاد حسینؑ سے ہوگا تو اولاد سلمانؓ کو مہدویت سے کیا رابطہ وتعلق ہے؟

حضرت مہدی کی شکل وشمائل

آنجناب کے خصائل وشمائل کیا ہوں گے۔ اور شکل وصورت کیسی ہوگی؟ اس سلسلہ میں آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ المہدی رجل من ولدی لونہ لون عربی و جسمہ جسم اسرائیلی علی خدہ الایمن خال کانہ کوکب دری یملأ الارض عدلا کما ملئت ظلما وجورا یرضی فی خلافتہ اهل الارض و اهل السماء والطیر فی الجو (بحار الانوار ج ۳ ص ۲۲) مہدی میری اولاد میں سے ہوگا اس کا رنگ عربی جسم اسرائیلی ہے اور اس کے داہنے رخسارے پر ایک خال ہے جو درخشندہ ستارہ کی مانند چمکتا ہے وہ زمین کو عدل وانصاف سے اس طرح بھر دے گا جس طرح وہ ظلم وجور سے بھر چکی ہوگی ان کی خلافت میں زمین والے زمین پر آسمان والے آسمان پر حتی کہ پرندے

براہین خوش ہوں گے: علاوہ دیگر ادلہ و براہین کے یہی امور جھوٹے مدعیان مہدویت جیسے مرزائے باب وبہا اور مرزائے قادیان وغیرہم کے دعاوی کے ابطال کے لئے کافی ہیں کیونکہ نہ تو ان کی شکل وصورت آنجناب سے ملتی ہے اور نہ ان کے عہد میں عدل و انصاف کا دور دورہ ہوا ہے بلکہ روز بروز ظلم و تعدی اور جور و جفا میں اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ کما لا یخفی علی احد من العوام فضلاً من العلماء الکرام۔

حضرت مہدیؑ کی ولادت باسعادت

اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے کہ اگرچہ عقیدۂ ظہور مہدیؑ پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے مگر اس سلسلہ میں بعض جزوی اختلافات موجود ہیں۔ منجملہ ان اختلافات کے ایک یہ بھی ہے کہ آیا آنجناب کی ولادت باسعادت ہو چکی ہے یا آخری زمانہ میں قریب بظہور ہوگی۔ چنانچہ تمام شیعہ خیر البریہ اور بعض علماء اعلام اہل سنت اس امر کے قائل ہیں کہ آپ کی ولادت باسعادت نیمۂ شعبان المعظم ۲۵۵ھ میں بمقام سر من رائے (سامرا) میں واقع ہو چکی ہے مگر جمہور اہل سنت کا یہ خیال ہے کہ ان کی ولادت بعد میں واقع ہوگی۔ ہم یہاں ان بعض علمائے اہل سنت کے نام مع ان کی کتب کے ذکر کرتے ہیں جنہوں نے آنجناب کی ولادت ۲۵۵ھ میں تسلیم کی ہے۔ شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید ج صـ۹۲ ج ۲ صـ۹۱، اسعاف الراغبین مطبوعہ برحاشیہ نور الابصار صـ۱۴۲/۱۱۹، شواہد النبوۃ جامی، فصول مہمہ ابن صباغ مالکی، ینابیع المودۃ اور ارجح المطالب وغیرہ بلکہ بعض منصف مزاج علماء اہل سنت نے تو آنجناب کے حالات پر مشتمل مستقل کتب تالیف کی ہیں جیسے کتاب البیان تالیف حافظ محمد بن یوسف گنجی (۲) کشف المخفی فی مناقب المہدی (۳) التوضیح فی تواتر ما جاء فی المنتظر المہدی والمسیح شوکانی (۴) العرف الوردی حافظ جلال الدین سیوطی (۵) القول المختصر فی علامات المہدی المنتظر ابن حجر مکی نے چونکہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی شہادت ۲۶۰ھ میں واقع ہوئی اس طرح بہ پانچ سال کی عمر میں یہ فخر عیسیٰ و یحییٰ ظاہری لحاظ سے رتبۂ امامت کبریٰ پر فائز ہوئے

ہر زمانہ میں حجت خدا کا وجود ضروری ہے

اس مطلب پر یہاں تفصیلی تبصرہ کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اجمالاً اس قدر واضح ہے کہ ارباب علم و بصیرت جانتے ہیں کہ خلاق عالم نے موجودہ عالم کو ایسے خاص نظام اور قانون پر بنایا ہے کہ اس کی ہر ہر چیز علل و اسباب کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے۔ صحت و مرض، موت و حیات، توالد و تناسل، فقر و غنا غرضیکہ کائنات عالم کی ہر شے میں یہی قانون قدرت جاری و ساری ہے کہ ہر چیز اپنے مخصوص علل و اسباب کے تحت وجود میں آتی ہے۔ اور خاص اسباب کے پیش نظر پردۂ عدم میں روپوش ہو جاتی ہے

اگر کبھی اس کے خلاف ہو جائے تو اسی کا نام معجزہ ہے۔ جو خرق عادت کا دوسرا نام ہے۔ یہ اور بات ہے کہ یہ سلسلۂ علل و اسباب تمام مادیات پر مشتمل ہو یا اس کی بعض کڑیاں مادی اور بعض غیر مادی ہوں۔ بہرکیف اسی قانون کے تحت خدائے حکیم نے اس عالم کی بقاء کو اپنی حجت یعنی امام کے وجود کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے اگر ایک لمحہ کے لئے حجت خدا زمین سے اٹھ جائے۔ تو تمام نظام عالم درہم برہم ہو کر رہ جائے اور دنیا و ما فیہا ہلاکت سے ہمکنار ہو جائے۔ متعدد روایات میں صادقین علیہم السلام سے مروی ہے فرمایا لو لا الامام لساخت الارض باھلہا۔ اگر حجت خدا کا وجود نہ ہو تو دنیا اپنے اہل کو لے کر نیچے دھنس جائے (اصول کافی)

اسی بنا پر پیغمبر اسلام نے فرمایا تھا۔ اھل بیتی امان لاھل الارض کما ان النجوم امان لاھل السماء (صواعق محرقہ صفحہ طبع جدید) میرے اہل بیت زمین والوں کے لئے ہلاکت سے باعث امن و امان ہیں۔

حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: لو لم یبق علی الارض الا اثنان لکان احدھما حجۃ۔ اگر بالفرض تمام روئے زمین پر صرف دو ہی شخص رہ جائیں تو ان میں بھی ضرور ایک حجت خدا ہوگا (اصول کافی) کیونکہ حجت خدا کے بغیر کوئی شخص زندہ نہیں رہ سکتا الحجۃ قبل الخلق و مع الخلق و بعد الخلق حجت خدا کا وجود خلق سے قبل مخلوق کے ساتھ اور مخلوق کے بعد ضروری ہے بنا بریں ضروری ہے کہ اس وقت کوئی حجت خدا موجود ہو جس کے طفیل یہ عالم قائم و دائم ہے اور وہ بالاتفاق سوائے حضرت مہدی دوراں صاحب العصر والزمان حضرت حجت بن الحسن عجل اللہ تعالیٰ فرجہ کے اور کوئی نہیں ہے۔ فبیمنہ رزق الوریٰ و بوجودہ ثبتت الارض والسماء۔

قدم سے مہدیؑ دیں کے زمیں قائم ہے پانی پر
قرار کشتیٔ دنیا کے لنگر ایسے ہوتے ہیں

اگر وہ تمام دنیا کو دکھائی نہیں دیتے تو اس کا تقاضا یہ تو نہیں کہ ان کے وجود ذی جود کا انکار کر دیا جائے خدائے عزوجل نے اہل ایمان کا یہ وصف بیان فرمایا ہے کہ یؤمنون بالغیب۔ وہ غیب پر ایمان رکھتے ہیں جنت و دوزخ حشر و نشر برزخ و صراط اور ملائکہ حتیٰ کہ خود خدائے قدوس کی ذات بابرکات وغیرہ چیزیں اور ایسے ہیں جو غائب ہیں مگر ان پر ایمان ضروری ہے تو اگر امام زمانہ غائب ہیں اور ان پر ایمان لانا ضروری ہے تو اس میں کون سی تعجب کی بات ہے؟

حضرت امام زمانہ کے وجود مسعود کے متعلق بعض شبہات کے جوابات!

اگرچہ مذکورہ بالا حقائق کی بناء پر حضرت امام زمانہ کا اس وقت موجود ہونا ایک ایسی حقیقت معلوم حق ہے جس میں ہرگز کوئی عاقل و متدین انسان شک و شبہ نہیں کر سکتا مگر بموجب۔

ان اسمہ تکن ملی رمینیٰ صحیحۃ"

فلا غروان یرتاب والصبح مسفر

کچھ کور باطن اللہ کوتاہ اندیش مخالفین و معاندین ہمیشہ آپ کے موجود ہونے پر بعض رکیک شبہات وارد کرتے رہتے ہیں جن کے بیسیوں مرتبہ مدلل و مکمل جوابات دیئے جا چکے ہیں خود ہم بھی اپنے بعض مضامین میں ان کا تفصیلی رد لکھ چکے ہیں، یہاں بعض شبہات اور ان کے اجمالی جوابات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

پہلا شبہ اور اس کا جواب

امام العصر کی ولادت ۲۵۵ھ ہے کے کر ۱۳۸۸ھ تک ۱۱۳۳ سال ہوتے ہیں، اس قدر طویل عرصہ تک کوئی شخص زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس شبہ کا مختصر جواب یہ ہے کہ ایسا اعتراض وہی شخص کر سکتا ہے جو قدرت خدا کا منکر ہو ورنہ جو شخص خدا کو علیٰ کل شیئ قدیر جانتا ہے اور یہ بھی معتقد رکھتا ہے کہ اس قادر و قیوم نے اپنی قدرت کاملہ سے اب تک بعض انبیاء جیسے حضرت خضر و ادریس و الیاس اور عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ رکھا ہوا ہے۔ جن کی عمریں امام صاحب العصر سے کئی گنا زیادہ ہیں تو کیا وہی خدائے قادر مطلق اپنی آخری حجت کو اس قدر عرصہ تک زندہ نہیں رکھ سکتا شیخ محمد بن یوسف الکنجی الشافعی نے اپنی کتاب البیان فی اخبار صاحب الزمان میں امام زمان کے زندہ موجود ہونے پر دلائل لکھتے ہوئے لکھا ہے۔

"فانہ لا امتناع فی بقائہ کبقاء عیسیٰ بن مریم والخضر والالیاس من اولیاء اللہ و بقاء الاعور الدجال و الابلیس اللعین من اعداء اللہ تعالیٰ وھولا، قد ثبت بقائہم بالکتاب والسنۃ"

- یعنی امام زمان کا اس قدر طویل عرصہ تک زندہ رہنا ممتنع نہیں ہے جیسا کہ دوستان خدا میں سے حضرت عیسیٰ و خضر و الیاس اور دشمنان خدا میں سے اعور دجال اور ابلیس لعین اب تک زندہ ہیں۔ جن کا وجود قرآن و سنت سے ثابت ہے۔ (ارجح المطالب)

سیر و تواریخ بلکہ قرآن مجید سے مستفاد ہوتا ہے کہ جس قدر امام زمانہ کی عمر ہے اتنی یا اس سے زیادہ طویل العمر لوگ اسی دنیا میں گزر چکے ہیں، چنانچہ حضرت آدم کی عمر کتب سیر میں نو سو تیس برس

اور حضرت شیث کی نو سو بارہ برس عمر لکھی ہے۔ اور حضرت نوحؑ کے متعلق تو خود قرآن میں موجود
ہے کہ ساڑھے نو سو برس تک اپنی قوم کو دعوت رشد و ہدایت دی فلبث فیھم الف سنۃ الا
خمسین عاما (پ ۲۰ سورہ عنکبوت ع ۱۴) اس سے قبل کتنا عرصہ گزرا اور ہلاکت قوم کے بعد کتنی مدت
تک زندہ رہے اس کے متعلق قرآن خاموش ہے مجمل طور پر ڈھائی ہزار سال کے اقوال ملتے ہیں۔
بنا بر قاعدہ مسلمہ ادل دلیل علی امکان الشئ وقوع الشئ کسی چیز کے ممکن ہونے کی بڑی دلیل اس
کا وقوع پذیر ہونا ہے حضرت حجۃ بن الحسنؑ کی طویل العمری پر اعتراض کرنا بالکل ہی لغو و عبث
ہے جب کہ ان سے قبل اسی عالم میں بہت سے طویل العمر لوگ گزر چکے ہیں۔ موجودہ سائنسی دور میں
تو بعض ڈاکٹروں نے تحقیق کی ہے کہ ایک انسان اگر اصول حفظان صحت کی پابندی کرے تو وہ ہزار ہا
سال تک زندہ رہ سکتا ہے بنا بریں حقائق اس شبہ کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے؟

دوسرا شبہ اور اس کا جواب

ایسے امام غائب کے وجود کا کیا فائدہ ہے۔ جسے نہ ہم دیکھ سکتے ہیں اور نہ ان سے مسائل دریافت کر سکتے ہیں اس
شبہ کا اجمالی جواب یہ ہے کہ وجود امام کے فائدہ کو فقط مسائل بیان کرنے میں منحصر قرار دینا ہی کج ذہنی
کا نتیجہ ہے ورنہ ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ ان کے وجود مسعود کا فائدہ فقط مسائل دینیہ بیان کرنے میں
منحصر نہیں ہے ابھی اوپر بیان ہو چکا ہے کہ زمین و زمان کا قیام و دوام وجود حجت خدا امام سے وابستہ
ہے لہٰذا یہی کیا کم فائدہ ہے کہ ان کے طفیل سب کائنات موجود ہے۔ یہی وجہ ہے محقق طوسیؒ نے تجرید
میں لکھا ہے: وجود الامام لطف و تصرفہ لطف آخر و عدمہ منا۔ امام کا وجود
لطف خداوندی ہے اور اس کا ظاہری تصرف یہ خدا کا دوسرا لطف ہے اور اس تصرف کا نہ ہونا ہماری
وجہ سے ہے۔ "خود کردہ را علاجے نیست" علاوہ بریں ارباب دانش و بینش جانتے ہیں کہ ہدایت
و گمراہی کے لئے ہادی یا مضل کا آنکھوں کے سامنے موجود ہونا ضروری نہیں ہے۔ خداوند عالم غائب
رہ کر ہدایت کرتا ہے۔ اور شیطان مخفی رہ کر گمراہ کرتا ہے تو بلا تشبیہ امام زمانؑ بھی مستور رہ کر فریضۂ
ہدایت کیوں انجام نہیں دے سکتے؟ خود امام العصرؑ سے پوچھا گیا تھا۔ کہ آپ کی غیبت کے زمانہ میں
آپ کے وجود مسعود سے لوگ کس طرح استفادہ کریں گے؟ امام عالی مقام نے فرمایا تھا: کالشمس
اذا جللھا السحاب۔ جس طرح لوگ آفتاب سے فائدہ حاصل کرتے ہیں جب کہ وہ زیر
بادل چلا جائے۔ (احتجاج طبرسی، بحار الانوار ج ۱۳، ینابیع المودۃ وغیرہ)

(ماخوذ از احسن الفوائد تصنیف ابن حضرت حق علیہ)

(آئمۂ اہلِ سنّت کے مختصر حالات)

ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر ص۱۳۹ طبع دہلی میں لکھا ہے فالاثنا عشر ھم الخلفاء ان شئت الاربعۃ ومعاویۃ وابنہ یزید وعبدالملک بن مروان واولادہ الاربعۃ وبینھم عمر بن عبدالعزیز۔ اہلِ سنت کے بارہ امام یہیں۔ ابوبکر، عمر، عثمان، علی، معاویہ، یزید، عبدالملک بن مروان اور اس کے چار بیٹے یزید، سلیمان، ہشام، ولید اور ان کے درمیان میں عمر بن عبدالعزیز

(کذا فی تاریخ الخلفاء ص۱۰ طبع مصر)

جناب سید سلیمان ندوی نے سیرت النبیؐ ج۳ ص۶۱۱ میں لکھا ہے "قاضی عیاض اس حدیث کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ بارہ خلفاء میں سے بارہ وہ شخص مراد ہیں جن سے اسلام کی خدمت بن آئی اور وہ متقی تھے۔ حافظ ابن حجر ابوداؤد کے الفاظ کی بنا پر خلفاء راشدین اور بنی امیہ میں سے ان بارہ خلفاء کو گنا تے ہیں جن کی خلافت پر تمام امت کا اجتماع رہا۔ یعنی حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت عثمان حضرت علی امیر معاویہ، یزید، عبدالملک، ولید، سلیمان عمر بن عبدالعزیز، یزید ثانی ہشام، شیعہ فرقہ تو اس حدیث کی تشریح میں اپنے بارہ اماموں کو پیش کرے گا" اب ہم ذیل میں ان خلفاء کے مختصر حالات کا مرقع باتصویر پیش کرتے ہیں۔ جو خود کتب اہل سنت سے تیار ہوتا ہے۔

(۱) (خَلیفہ اوّل)

موہوم اعظم کے خلیفہ اوّل بنی تیم کے چشم و چراغ ہیں زمانۂ جاہلیت میں انہیں دنیوی اعتبار سے کوئی اہمیت حاصل نہ تھی بلکہ بازاروں میں کپڑے بیچا کرتے تھے۔

ذریعۂ معاش چنانچہ امام ابن جریر طبری اپنی تاریخ الامم والملوک ج۴ ص۲۲۱ طبع مصر میں لکھتے ہیں۔ کان ابوبکر قبل ان یشتغل بامور المسلمین تاجراً یغدو کل یوم فی سوق یبتاع الثیاب وکانت لہ قطعۃ غنم تروح علیہ وربما خرج ھو بنفسہ فیھا وربما کفیھا فرعیت لہ وکان یحلب للحی اغنامھم ابوبکر خلیفہ۔

ہونے سے قبل تاجر تھے ۔ ہر روز صبح کو اپنے گاؤں سُنح سے مدینہ کے بازار میں کپڑے بیچنے آتے تھے ۔ اور چند بھیڑ بکریاں بھی پال رکھی تھیں ۔ کبھی خود چراتے تھے اور کبھی دوسرا چراتا تھا اور قبیلہ کی بھیڑ بکریوں کا دودھ بھی دوہا کرتے تھے ۔

ایمان واسلام کی کیفیت

تفسیر ابن کثیر ج ۵ صفحہ ۲۲ میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ۔ الشرک فیکم اخفی من دبیب النمل فقال ابوبکر وھل الشرک الا من دعا مع اللہ الھا آخر فقال رسول اللہؐ الشرک فیکم اخفی من دبیب النمل (کذا فی الدر المنثور ج ۲ صفحہ ۲ وکنز العمال ج ۲ صفحہ ۲) شرک تمہارے اندر چیونٹی کی رفتار سے بھی زیادہ مخفی طور پر چلتا ہے ۔ ابوبکر نے کہا ۔ کیا شرک یہ نہیں ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی غیر کو معبود مانا جائے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم میں شرک چیونٹی کی رفتار سے بھی آہستہ چلتا ہے ۔

ازالۃ الخفاء مقصد ۲ صفحہ ۲ میں ہے کہ راہب در تاویل خواب ابوبکر گفت خداتعالیٰ درمیان شما پیغمبری خواہد برانگیخت و تو در ایام وی وزیر وی خواہی بود و بعد از وفات خلیفہ ؛

راہب نے ابوبکر کے خواب کی تعبیر میں کہا کہ خداتعالیٰ تمہارے درمیان ایک پیغمبر پیدا کرے گا تو اس کی حیات میں اس کا وزیر اور اس کی وفات کے بعد خلیفہ ہوگا ۔

صواعق محرقہ صفحہ ۲ (سیرۃ حلبیہ ج ۱ صفحہ ۲۱) میں ہے فقد آمن ابوبکر بالنبی صلعم من بحیرا الراھب حین مر بہ ۔ ابوبکر زمانۂ بحیرا راہب میں آنحضرتؐ پر ایمان لائے تھے ۔ جس میں ان کے برسر اقتدار آنے کی پیش گوئی بھی تھی جب پیغمبر اسلامؐ شہداء احد کے پاس سے گزرے تو فرمایا ۔ ہؤلاء اشہد علیہم ۔ یہ وہ ہیں جن کے ایمان کی میں گواہی دیتا ہوں ۔ ابوبکر صاحب نے کہا یارسول اللہ کیا ہم ان کے بھائی نہیں ہیں کیا ہم اسلام نہیں لائے ؛ اور کیا ہم نے جہاد نہیں کیا ؟ آنحضرتؐ نے فرمایا ۔ بلی ولا ادری ما تحدثون بعدی ۔ ہاں مگر کیا معلوم ہے میرے بعد تم کیا بدعات پھیلاؤ گے ۔ (موطائے امام مالک صفحہ ۱۷۲ مجتبائی دہلی)

علم وفضل کے کرشمے

علم وفضل کے اعتبار سے ان کو کوئی مقام حاصل نہیں تھا شاہ ولی اللہ دہلوی نے ازالۃ الخفاء میں میمون بن مہران سے روایت کی ہے ۔ ان اعرابیا اتی ابابکر فقال قتلت صیداً وانا محرم فما تری علی من الجزاء فقال ابوبکر لابی بن کعب وھو جالس عندہ ما تری فیھا فقال الاعرابی اتیتک وانت خلیفۃ رسول اللہ اسئلک وانت تسئل غیرک ۔ ایک اعرابی ابوبکر

کے پاس آیا۔ اور کہا کہ میں نے حالت احرام میں ایک شکار قتل کیا ہے اس کے لئے میرے اوپر کس قدر کفارہ واجب ہے؟ ابوبکر نے ابی بن کعب سے دریافت کیا جو ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اس میں تیرا کیا خیال ہے؟ اعرابی نے کہا کہ میں تم کو رسول اللہ کا خلیفہ سمجھ کر مسئلہ پوچھنے آیا ہوں اور تم دوسروں سے پوچھ رہے ہو؟

ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر سے کسی آیت کا مفہوم دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا: ای ارض تسعنی او ای سماء تظلنی اذا قلت فی کتاب اللہ ما لا یرید اللہ۔ اگر میں کتاب خدا میں کوئی ایسی بات کہہ دوں جو کہ اللہ کی مراد نہ ہو تو مجھ پہ کون سا آسمان سایہ کرے گا اور کون سی زمین اٹھائے گی۔

(تفسیر قرطبی ج ۱ صلا مقدمہ اصول تفسیر ص۳ ابن تیمیہ حرانی تفسیر کشاف ج ۲ ص۲۵۳ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص۵ تفسیر خازن ج ۴ ص۳۷۴ در منثور ج ۶ ص۳۱۷ فتح الباری ج ۱۳ ص۲۳۰) شعبی نے روایت کی ہے کہ جب ان سے کلالہ کے معنی پوچھے گئے تو کہنے لگے۔ اقول فیها برائی فان یکن صوابا فمن اللہ وان یکن خطأ فمنی ومن الشیطان میں اس کے متعلق اپنی رائے سے اپنا قول پیش کروں گا۔ اگر وہ صحیح ہوا تو اللہ کی جانب سے ہوگا اور اگر غلط ہوگا تو میری اور شیطان کی طرف سے

(تفسیر ابن جریر ج ۲۲ ص۳۰ سنن بیہقی ج ۶ ص۲۲۳ کنز العمال ج ۶ ص۲۰ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص۴۵۹) سیوطی نے تاریخ الخلفاء ج ۱ ص۹۵ میں روایت کی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت ابوبکر سے سوال کیا ارأیت الزنا بقدر؟ آپ کی کیا رائے ہے اگر کوئی زنا کرتا ہے تو کیا یہ قضا و قدر کی وجہ سے ہوتا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! قال فان اللہ قدره علی ثم یعذبنی وہ شخص کہنے لگا جب اللہ نے زنا کو میرے مقدر میں خود لکھ دیا ہے۔ تو مجھ کو عذاب کیوں کرے گا؟ خلیفہ نے جواب دیا نعم یا ابن اللخناء اما واللہ لو ان عندی انسانا امرته ان یجاء انفک۔ اے زانیہ کے بیٹے۔ اگر میرے پاس کوئی آدمی ہوتا تو میں اس کو حکم دیتا کہ وہ تیری ناک کوٹ دے!

تہذیب و اخلاق کے بعض نادر نمونے!

ایک بار خلیفہ صاحب نے کسی معاملہ میں قسم کھاتے ہوئے فرمایا والذی لا الہ الا ہو لو جرت الکلاب بارجل ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما رددت جیشا (تاریخ الخلفاء ص۵ طبع مصر) اگر ازواج نبی کی ٹانگیں بھی کتے کھینچ کر لے جائیں تو تب بھی میں لشکر کو واپس نہیں کروں گا!

رجل فقال یا امیر المومنین انا نمکث الشهر او الشہرین و لا نجد الماء فقال عمر اما انا فلم اکن لاصلی حتی اجد الماء. ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ امیر المومنین! ہم صحرائے عرب میں بعض اوقات ایک ایک دو دو مہینے تک غسل کے لئے پانی نہیں پاتے ہمارے لئے کیا حکم ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں تو ایسی حالت میں اس وقت تک نماز نہیں پڑھتا جب تک کہ پانی نہ مل جائے۔ حالانکہ سورہ مائدہ آیت نمبر ۶ میں ایسی حالت کے لئے واضح طور پر تیمم کا حکم موجود ہے

(۲) انس بن مالک سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت عمر سے آیت مبارکہ فانبتنا فیها حبا و عنبا وقضبا و زیتونا و نخلا و حدائق غلبا و فاکهة و ابا میں "ابا" کے معنی پوچھے تو آپ نے جواب دیا۔ هذا لعمر الله التکلف فخذوا ایها الناس ما بین لکم و اعملوا به و ما لم تعرفوه فکلوه الی ربه بخدا ایسے سوالات کرنا تکلف ہے اے لوگو جو کچھ تمہارے لئے واضح کر دیا گیا ہے اس پر عمل کرو اور جس کو تم نہیں جانتے اسے اپنے رب کے سپرد کر دو (تفسیر ابن جریر ج ۳۰ ص ۳۸ مستدرک حاکم ج ۲ ص ۵۱۴ نہایہ ابن اثیر ج ۱ ص ۱۴ تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۷۳ تفسیر خازن ج ۴ ص ۳۷۴ درمنثور سیوطی ج ۶ ص ۳۱۷)

(۳) مسروق سے روایت ہے کہ میں نے عمر بن خطاب سے کلالہ کے معنی پوچھے تو انہوں نے کہا و الله لان اعلمها احب الی من ان یکون لی ما علی الارض من شیء بخدا اگر میں اس کو جانتا ہوتا تو یہ میرے لئے اس بات سے زیادہ عزیز تھا کہ تمام روئے زمین کی اشیاء مجھ کو مل جاتیں (کنز العمال ج ۶ ص ۲۰ تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۲۴۹)

(۴) آپ نے احادیث کی نقل اور روایت کا سلسلہ بند کر دیا تھا اور ابو ہریرہ سے کہا "لتترکن الحدیث عن رسول الله او لالحقنک بارض دوس" احادیث رسول کا بیان کرنا چھوڑ دو ورنہ میں تم کو قبیلہ دوس کی زمین کی طرف بھیج دوں گا جو ابو ہریرہ کا اصل وطن تھا اور وہیں ان کی قوم آباد تھی۔ (کنز العمال ج ۵ ص ۲۳۹)

ایک روایت میں ہے کہ ان عمر حبس ابن مسعود و ابا الدرداء و ابا مسعود الانصاری فقال قد اکثرتم الحدیث فحبسهم بالمدینة۔ ایک مرتبہ عمر نے ابن مسعود، ابو درداء اور ابو مسعود انصاری کو مدینہ میں قید کر دیا اور کہا تم آنحضرت کی احادیث کو زیادہ بیان کیا کرتے ہو۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۷ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۴۹)

تفسیر قرطبی ج ۱ ص ۴۰ میں عبداللہ بن عمر سے مروی ہے۔ تعلم عمر سورة البقرة

شک فی النبوۃ

واقعہ صلح حدیبیہ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل مکہ سے صلح کی تو حضرت عمر سخت ناراض ہوئے اور آنحضرت سے آکر پوچھا الستا علی الحق وعدونا علی الباطل قال بلی فقال فلم نعطی الدنیۃ فی دیننا قال انی رسول اللہ ولست اعصیہ وھو ناصری کیا آپ نبی برحق نہیں ہیں اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں میں سچا نبی ہوں تو عمر نے کہا پھر ہم دین میں اتنی کمزوری کیوں دکھا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں اللہ کا نبی ہوں اور میں اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا، وہی میرا مددگار ہے اس کے بعد وہ کہا کرتے تھے واللہ ما شککت منذ اسلمت الا یومئذ جب سے اسلام لایا ہوں۔ میں نے کبھی شک نہیں کیا مگر حدیبیہ کے دن (سیرت حلبیہ ج ۲ صفحہ ۱۱ درمنثور ج ۶ صفحہ ۷۷ تاریخ احمدی صفحہ ۱۵۲ الفاروق صفحہ ۲۸ طبع لاہور)

اولیات عمر

سیوطی نے تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۳۶، ۱۳۷ طبع مصر میں لکھا ہے

(۱) سب سے پہلے انہوں نے لقب امیر المومنین اختیار کیا

(۲) وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ماہ رمضان کی تراویح کو رواج دیا۔

(۳) یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے متعہ کو حرام قرار دیا

(۴) یہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے کنیزیں فروخت کرنے سے منع کیا۔

(۵) یہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے لوگوں کو نماز جنازہ میں چار تکبیر پڑھنے پر آمادہ کیا۔

(۶) یہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے وراثت میں عول کا مسئلہ ایجاد کیا

(۷) یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے گھوڑوں پر زکوٰۃ عائد کی

شبلی نعمانی نے الفاروق صفحہ ۲۹۰ طبع لاہور میں چند اولیات کا بھی اضافہ کیا ہے۔

(۸) پولیس کا محکمہ قائم کیا۔

(۹) فجر کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کا اضافہ کیا۔

(۱۰) تین طلاقوں کو جو ایک ساتھ دی جائیں طلاق بائن قرار دیا۔

تلک عشرۃ کاملۃ

حالانکہ سفر میں قصر نماز پڑھنے کے متعلق قرآن کی نص صریح موجود ہے اور ائمہ اربعہ کا اتفاق
ہے اور اسی پر عمل ہے مگر خلیفہ نے محض اپنی ذاتی رائے و قیاس سے شریعت نبویؐ میں ترمیم کر دی
جس کے لئے ان کے پاس کوئی دلیل نہ تھی۔

عمل و کردار

بلاذری نے انساب الاشراف ج ۵ ص ۳۳ میں لکھا ہے۔ کہ عثمان کے حاکم ولید
بن عقبہ نے شراب پی کر لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی اور لوگوں نے جا کر عثمان
کے پاس شکایت کی تو انہوں نے ان کو ڈانٹا اور دھمکی دی۔ مگر ولید کو اس کے فعل بد کی کوئی سزا
نہ دی تو عائشہ نے کہا ان عثمان ابطل الحدود و توعد الشہود (عثمان نے حدود شرعیہ
کو باطل کر دیا ہے اور گواہوں کو دھمکیاں دیتا ہے

کنبہ پروری

مورخ ابوالفداء نے اپنی تاریخ جلد ۱ ص ۱۶۸ میں لکھا ہے مما نقم الناس
علی عثمان انہ اقطع فدک لمروان وہی صدقۃ رسول اللہ
لوگوں نے عثمان پر یہ بھی اعتراض کیا کہ اس نے فدک مروان بن حکم کو دے دیا جو کہ آنحضرتؐ کا
صدقہ تھا مگر فدک جناب سیدہؑ کو نہ مل سکا اور اسی وجہ سے ان لوگوں پر ناراض ہو کر وفات پا
گئیں۔ ابن قتیبہ نے المعارف ص ۸۴ اور یافعی نے مرآۃ الجنان ج ۱ ص ۸۵ میں لکھا ہے۔ "آمنہ آوی
طرید رسول اللہ و لم یؤوہ ابوبکر و عمر واعطاہ الف" عثمان نے آنحضرتؐ کے راندۂ
بارگاہ حکم بن عاص کو پناہ دی جس کو ابوبکر و عمر نے بھی پناہ نہ دی تھی اور ہزار درہم یا دینار بھی عطا کئے

علم و فضل

ان کا علمی مقام ان کے صاحبین سے بھی گیا گزرا تھا جس کی وجہ سے اکثر
غلط فیصلے صادر کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۲۳۱ پر لکھا ہے۔ کہ
ایک عورت نے شادی کے چھٹے ماہ بعد بچہ جنا عثمان نے اس کے سنگسار کرنے کا حکم دے دیا
حضرت امیر علیہ السلام نے ان کو ٹوکا۔ اور آیت مبارکہ "حملہ و فصالہ ثلاثون شہراً"
پڑھ کر ثابت کیا کہ اقل مدت حمل چھ ماہ ہے۔ عثمان نے حکم واپس لے لیا مگر اس وقت
پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا۔ یعنی وہ عورت سنگسار ہو چکی تھی۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون"

کتاب علم مبین ص ۱۵۹ میں ہے کہ حضرت عمر و عثمان کو یہ مسئلہ قطعی معلوم نہ تھا۔ کہ جس عورت کا شوہر
مر جائے اسے اس کے گھر میں عدت گزارنی چاہیئے (استیعاب برحاشیہ اصابہ ج ۴ ص ۳۹ ذیل
ترجمہ علیؑ) لکھا ہے کہ حضرت عثمان کہا کرتے تھے۔ "لولا ابن عباس لہلک عثمان" اگر ابن عباس نہ
ہوتے تو عثمان ہلاک ہو جاتے۔ حالانکہ ابن عباس حضرت امیر علیہ السلام کے ادنیٰ شاگرد ہیں۔

مگر اس پر بھی برادران اسلام عثمان کو حضرت علیؑ سے بھی بلند مقام دیتے ہیں ۔
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

(۴) حضرت علیؑ بن ابیطالبؑ

موجودہ علم کے گمان کے مطابق حضرتؐ کے چوتھے خلیفہ راشد امیر المومنین علی علیہ السلام ہیں۔ چونکہ ان کے حالات گرامی ائمہ اہل بیتؑ میں لکھے جا چکے ہیں۔ اس لئے یہاں تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

معاویہ ابن ابوسفیان

یہ مسلمانوں کے پانچویں خلیفہ ہیں خاندان بنی امیہ کے سربراہ ہیں۔ حضرت عمر نے اپنے اقتدار کے زمانہ میں ان کو شام کا گورنر بنایا تھا۔ پھر حضرت عثمان نے ان کو اپنے دور اقتدار میں اس عہدہ پر بحال رکھا۔ جب حضرت امیر علیہ السلام کو ظاہری خلافت ملی تو آنجنابؑ نے اس کی شرعی نااہلی کی بناء پر اس کی معزولی کے احکام صادر فرمائے مگر معاویہ نے حکم عدولی کرتے ہوئے علم بغاوت بلند کر دیا اور پھر جو کچھ ہوا وہ عیاں راچہ بیاں کا مصداق ہے۔

عادات و مہلکات

حسن بصری کہا کرتے تھے کہ معاویہ میں چار خصلتیں ایسی تھیں کہ اگر ان میں سے اس کے اندر کوئی ایک بھی ہوتی تو وہ اس کی ابدی ہلاکت کے لئے کافی تھی۔ (۱) اس نے امت محمدیہ پر تلوار کھینچی تاکہ فاضل صحابہ کی موجودگی میں بلا مشورہ خلافت پر قابض ہو جائے
(۲) اپنے شراب نوش بیٹے کو خلیفہ بنایا جو کہ ریشمی لباس پہنتا تھا۔ اور سارنگی و طنبور بجاتا تھا۔
(۳) زیاد کو اپنا بھائی بنایا۔ حالانکہ آنحضرتؐ کا فرمان ہے کہ لڑکا صاحب فراش کا ہوتا ہے۔ اور زانی کے لئے پتھر ہے
(۴) اس نے حجر بن عدی اور اس کے اصحاب کو شہید کرایا جن کا خون معاویہ کی گردن میں زبردست وبال ہے۔ (ابن عساکر ج ۲ صفحہ ۳۸۱ وغیرہ)

طبری نے اپنی تاریخ ج ۶ صفحہ ۵۹ میں لکھا ہے کہ جب عائشہ کو محمد بن ابی بکر کے قتل کی خبر ملی تو وہ ہمیشہ ازاں بعد ہر نماز کے بعد معاویہ اور عمرو بن عاص پر بددعا کرتی تھیں۔

معاویہ کو مسلمان نہیں جانتے تھے ظاہر ہے کہ الحق مع علی وعلی مع الحق۔

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے

عمل و کردار

مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۷ میں عبداللہ بن بریدہ سے مروی ہے۔ دخلت انا وابی علی معاویۃ فاجلسنا علی الفرش ثم اتینا بالطعام فاکلنا ثم اتینا بالشراب فشرب معاویۃ ثم ناول ابی فقال ما شربتہ منذ حرمہ رسول اللہ میں اور میرا باپ ایک دفعہ معاویہ کے پاس گئے تو اس نے ہم کو فرش پر بٹھایا پھر ہمارے پاس کھانا لایا گیا اور ہم نے کھایا پھر شراب لائی گئی تو معاویہ نے پی لی اور پھر میرے باپ کو دی تو اس نے کہا جب سے آنحضرتؐ نے اس کو حرام کیا ہے میں نے کبھی نہیں پی۔

ابن عساکر نے محمد بن کعب قرظی سے روایت کی ہے عن عبدالرحمن بن سہل الانصاری انہ غزا فی زمن عثمان ومعاویۃ امیر علی الشام فمرت بہ روایا خمر لمعاویۃ فقام الیہا برمحہ فبقر کل راویۃ منہا الخ الاصابہ ج ۲ ص ۴۰۲ اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۹۹ عبدالرحمن بن سہل عثمان کے زمانہ میں ایک جنگ میں گیا جب کہ معاویہ امیر شام تھا پس عبدالرحمن کے پاس سے شراب کی مشکیں گذریں جو معاویہ کے لئے شام سے لائی جا رہی تھیں یہ اٹھا اور اس نے نیزہ سے ہر ایک کو پھاڑ دیا۔

نصب الرایہ ج ۴ ص ۲۹۵ میں آنحضرتؐ سے مروی ہے شارب الخمر کعابد وثن شراب پینے والا بت پرست کی مانند ہے۔

ثلاثۃ حرم اللہ علیہم الجنۃ۔ مدمن الخمر والعاق والدیوث (ترغیب ج ۳ ص ۲۵۸) تین شخصوں پر جنت حرام ہے شراب نوش عاق اور بے غیرت۔

ابو ایوب انصاری فرماتے ہیں ان معاویۃ کھف المنافقین معاویہ منافقین کی آرامگاہ و جائے پناہ ہے شرح ابن ابی حدید ج ۱ ص ۱۷۱ ایک مقام پر امیر المومنینؑ فرماتے ہیں۔ ان معاویۃ کالشیطان الرجیم یاتی المرء من بین یدیہ ومن خلفہ وعن یمینہ وعن شمالہ فاحذروہ ثم احذروہ شرح ابن ابی حدید ج ۴ ص ۵۱ معاویہ راندہ درگاہ شیطان کی طرح ہے جو انسان کے لئے دائیں بائیں آگے پیچھے سے آجاتا ہے اس سے ڈرو، ڈرو، ڈرو۔

فضائل معاویہ کی احادیث

تمام حفاظ حدیث اور نقادوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ معاویہ بن ابی سفیان کی فضیلت کے متعلق آنحضرتؐ کی ایک صحیح السند حدیث بھی موجود نہیں ہے معاویہ پرست جس قدر روایات اس کی شان میں بیان کرتے ہیں وہ تمام

فرمایا کرتے تھے۔ انزلنی الدهر ثم انزلنی حتیٰ قیل علی و معاویة۔ مجھے اس قدر گرانے کی کوشش کی گئی کہ میرا تقابل معاویہ کے ساتھ ہونے لگا۔

جناب امیرؑ کا حلفیہ بیان

جناب امیر علیہ السلام فرمایا کرتے تھے واللہ خدا کی میری محبت اور معاویہ کی محبت دونوں مومن کے دل میں جمع نہ ہوں گی۔

(انوار النعمانیہ پ ۲ صفحہ)

(۶) یزید بن معاویہؓ

یہ شخص ہماری اسلامی برادری کا چھٹا خلیفہ ہے جیسا کہ ابھی اوپر اس کے متعلق حوالہ جات پیش کئے جا چکے ہیں۔ یزید کا فسق و فجور بلکہ کفر و شرک کچھ ڈھکا چھپا نہیں ہے کہ اس کی وضاحت کی ضرورت ہو ہم نے اپنی زیر تالیف کتاب سعادۃ الدارین فی مقتل الحسینؑ[1] میں تفصیل سے اس کے اقوال قبیحہ و افعال شنیعہ پر تبصرہ کیا ہے۔ یہاں صرف اس کے بعض اعمال خبیثہ کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قطع نظر اس کے دیگر اعمال ناشائستہ کے قتل حسینؑ کا ارتکاب ہی اس کی ابدی ہلاکت و تباہی کے لئے کافی ہے اسی بناء پر علامہ تفتازانی سنی نے شرح عقائد نسفیہ ص ۱۱۶ طبع دہلی میں صاف صاف کہہ دیا ہے۔ والحق ان رضا یزید بقتل الحسینؑ واستبشاره بذلک واهانته اهل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم مما تواتر معناه وان کان تفاصیله احاداً فنحن لا نتوقف فی شانه بل فی ایمانه لعنة اللہ علیه وعلی انصاره واعوانه۔ حق یہ ہے کہ یزید کا امام حسینؑ کے قتل پر راضی اور خوش ہونا اور اس کا اہلبیت نبوت کی اہانت کرنے پر تواتر معنوی ہے اگرچہ اس کی تفصیلات بطریق احاد ہیں ہمیں اس کے بے ایمان ہونے میں کوئی شک نہیں ہے خدا اس پر اور اس کے انصار و اعوان پر لعنت کرے۔

یزید کا کردار

عبد اللہ بن حنظلہ صحابی کہتا ہے واللہ ما خرجنا علی یزید حتیٰ خفنا ان نرمی بالحجارة من السماء انه رجل ینکح امهات الاولاد والبنات والاخوات

---

[1] اس کتاب مستطاب کا پہلا ایڈیشن شائع ہو کر ختم ہو چکا ہے۔ اب دوسری اشاعت کی کوشش جاری ہے خدا توفیق دے۔ (منہ عفی عنہ)

اس نے کہا اں طاغوت (شیطان) پر ایمان لانے اور اللہ کے ساتھ کفر کرنے والا تھا! مورخین نے لکھا ہے کہ اس سفاک و سرکش نے ایک لاکھ بیس ہزار آدمی قتل کرائے اور جب واصل جہنم ہوا تو اسی ہزار آدمی قید خانہ میں موجود تھے ؛ ظاہر ہے کہ اس تمام ظلم و عدوان کی ذمہ داری عبدالملک بن مروان پر عائد ہوتی ہے ، ایسے ظالم لوگوں کو امت پر مسلط کرنا معاذ امت سے غداری ہے ، چنانچہ تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۱۱ میں ہے عبد الملک بن مروان اسلام میں پہلا غدار حاکم ہے جس نے امر بالمعروف سے منع کیا۔

(۸) ولید بن عبد الملک

تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۲۲ میں ہے کان الولید لحانا قال علی منبر المسجد النبوی یا اھل المدینۃ۔ یعنی ولید بولنے میں بڑی اعرابی غلطیاں کرتا تھا چنانچہ ایک دن اس نے مسجد نبوی کے منبر پر کہا یا اھل المدینۃ۔ حالانکہ یہاں اہل کو بوجہ منادیٰ ہونے کے منصوب (زبر کے ساتھ پڑھنا تھا) اسی مقام پر ہے ان الولید جبار ظالما" تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۲۲ ولید بہت ہی جابر و ظالم بادشاہ تھا۔ اس کے وقت میں حجاج ملعون کا ظلم و ستم اور بھی بڑھ گیا تھا۔ اس نے سادات مدینہ کو ان کے مکانوں سے نکل جانے کا حکم دیا۔ زمین اور فاطمہ بنت حسین نے نکلنے سے انکار کر دیا اس نے حکم دیا کہ ان کا مکان گرا دیا جائے۔ لوگوں نے ان کا سامان اٹھا کر مکان ویران کر دیا اور مستورات نے مدینہ سے باہر قیام کیا (تاریخ احمدی صفحہ ۲۲۱ بحوالہ جذب القلوب شیخ عبدالحق محدث دہلوی)

(۹) سلیمان بن عبد الملک

اس کے زمانہ میں بھی جناب امیر المومنین علیہ السلام پر سب و شتم ہوتی رہی اور اس نے اس کو بند نہ کیا تاریخ احمدی صفحہ ۲۲۵ پر لکھا ہے یونس بن عبید کہتے ہیں بنی امیہ کے زمانہ حکومت میں علیؑ کا نام بھی زبان پر نہ لا سکتا تھا صفحہ ۲۲۵ سیوطی نے لکھا ہے کہ ان کے زمانہ میں اگر کسی کا نام علی رکھا جاتا تو اس کو قتل کر دیا جاتا تھا تاریخ احمدی صفحہ ۲۲۵ بحوالہ تہذیب الروی جلد ۳ ص) یہ مشہور پُرخور تھا ایک وقت ایک دستر خوان پر ستر انار ، ایک گوسفند چھ مرغیاں اور ایک ٹوکرا کشمش کھا گیا۔

(تاریخ الخلفاء)

(۱۰) یزید بن عبدالملک

تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۶۷ طبع مصر میں ہے لما ولی یزید قال سیروا بسیرۃ عمر بن عبدالعزیز۔ فاتی باربعین شیخاً فشھدوا لہ ما علی الخلفاء حساب ولا عذاب۔ جب یزید متعلق خلافت ہوا تو اس نے کہا کہ لوگو! تم عمر بن عبدالعزیز کی سیرت پر عمل کرو۔ اس اثنا میں چالیس بڑے آدمی اس کے پاس لائے گئے جنہوں نے گواہی دی کہ خلفاء پر کوئی حساب وعذاب نہیں ہے۔ ابن ماجشون کہتا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کے مرنے کے بعد یزید نے کہا۔ واللہ ما عمر باحوج الی اللہ منی فاقام اربعین یوماً یسیر بسیرۃ عمر ثم عدل عن ذلک۔ یعنی عمر بن عبدالعزیز مجھ سے زیادہ اللہ کا محتاج نہیں ہے۔ پھر چالیس دن تک عمر بن عبدالعزیز کی سیرت پر چلا اور اس کے بعد اس کی سیرت سے عدول وانحراف کر لیا۔ یعنی پھر ہر وہ کام کیا جو انسان طرفِ حساب وعذاب سے بالا ہو کر کر سکتا ہے۔

حافظاں لا اثبات کا فیصلہ

(۱۱) ہشام بن عبدالملک

اس نے امام محمد باقرؑ کو زہر سے شہید کیا۔ کافی باقر ص ۳۵۵ صواعق محرقہ ص ۱۲۰ اور نور الابصار ص ۱۳۱ جلاء العیون ص ۲۶۰ میں امام محمد باقرؑ کا زہر سے شہید ہونا مروی ہے نیز اس نے جناب زید بن امام زین العابدینؑ کو شہید کیا۔ جیسا کہ خواجہ محمد پارسا نے فصل الخطاب میں لکھا ہے۔ صواعق محرقہ ص ۱۲۰ میں حلیۃ الاولیاء وغیرہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ہشام حج کو گیا اور اس کو لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے حجر اسود کا بوسہ میسر نہ ہو سکا۔ امام زین العابدینؑ آئے تو لوگ ہٹ گئے۔ لوگوں نے کہا یہ شخص کون ہے؟ ہشام نے کہا میں نہیں جانتا ہوں اس لئے کہا تاکہ اہل شام آپ کی طرف راغب نہ ہوں۔ پس فرزدق نے کہا میں جانتا ہوں اور ایک قصیدہ امامؑ کی شان میں پیش کر دیا۔ ہشام نے اس جرم میں انکو مقام عسفان میں قید کر دیا۔ (صواعق ص ۱۲۰ تاریخ احمدی ص ۳۳۲)

عمر بن عبدالعزیز

تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۱۱ اور صواعق محرقہ ص ۱۲ طبع جدید میں اہل سنت کے جو بارہ خلفاء شمار کئے گئے ہیں ان میں عمر بن عبدالعزیز کو شامل نہیں کیا گیا۔ بلکہ بارہواں خلیفہ ولید بن یزید بن عبدالملک کو قرار

دیا ہے اب البلاغ فی حقہ اکبر صفحہ ۱۲ اور تیر النبی از شبلی نعمانی (جلد ۳ صفحہ ۲۸۵) کے بیان کے مطابق ان کا شمار بارہ خلفاء میں کیا گیا ہے ان کی خلافت کا دور عبدالملک بن مروان کے دو بیٹوں سلیمان اور یزید کے درمیان ہے اگرچہ کتب اہل سنت تو اس کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان نظر آتی ہیں لیکن ہماری کتب میں بھی بعض روایات میں وارد ہے کہ ہر قوم نجیب و نجیب بنی امیہ عمر بن عبدالعزیز (فصل صادق) ہر قوم کا ایک شریف ہوتا ہے۔ بنی امیہ کا شریف عمر بن عبدالعزیز ہے سادات و مومنین کے ساتھ اس کے بعض احسانات کا ہم انکار نہیں کر سکتے۔ جیسے حضرت امیر المومنین پر سب و شتم کا بند کرانا۔ فدک کا بنی فاطمہ کو واپس کرنا وغیرہ مگر عقیدۃً اس کا ائمہ اہل بیت کی امامت کا منکر ہونا اور جملہ ائمہ اطہار کی موجودگی میں اپنی امامت و خلافت کا نہ صرف اعلان بلکہ مسند خلافت پر بیٹھنا بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے فافہم جیداً۔

(۱۲) ولید بن یزید بن عبدالملک

تاریخ خلفاء اور صواعق محرقہ کے بیان کے مطابق بلحاظ اسلامی کا بارھواں خلیفہ رسول ہے۔ حیوۃ الحیوان ج ۱ صفحہ ۷۲ میں ہے۔ انہمک الولید فی شرب الخمر ولذاتہ و رفض الآخرۃ وراء ظہرہ و اقبل علی القصف واللھو والتلذذ مع الندماء والمغنین وکان یضرب بالعود ویوقع بالطبل ویمشی بالدف وکان قد انتہک محارم اللّٰہ حتی قیل لہ فاسقاً ولید شراب نوشی اور لذات اندوزی اور آخرت کے ترک کرنے میں مصروف ہوگیا۔ اور بدکاری اور ہمدم و مغنیوں کے ساتھ۔ لہو و لعب کی طرف مائل ہوگیا۔ طبل اور عود بجاتا تھا۔ اور دف لے کر چلتا تھا۔ اس نے اللہ کی حرمتوں کی اس قدر ہتک کی کہ وہ فاسق کہلانے لگا۔ تاریخ خمیس میں ہے ولید نے خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر شراب پی۔ اور اپنی کنواری لڑکی کے ساتھ زنا کیا۔ تاریخ احمدی صفحہ ۲۲۲ تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۰ حیوۃ الحیوان ج ۱ صفحہ ۷۲ اور ادب الدین والدنیا صفحہ ۳۰۲۔ برحاشیہ کشکول بہائی طبع مصر میں ہے ولید نے ایک دفعہ قرآن سے فال لی۔ واستفتحوا وخاب کل جبار عنید آیت برآمد ہوئی۔ پس اس نے غضبناک ہو کر کہا تو مجھ کو ہی ڈراتا ہے۔ اور قرآن کو پھاڑ ڈالا۔ اور کہا کیا تو ہر جبار سرکش کو ڈراتا ہے تو میں جبار و سرکش ہوں جب تو بروز قیامت اللہ کے سامنے آئے تو کہہ دینا مجھ کو ولید نے پھاڑ دیا تھا۔ حجج الکرامہ میں نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ ولید ایک دفعہ اپنی کنیز کے ساتھ شراب پی رہا تھا۔ کہ اذان کی آواز سنائی دی یہ فوراً اس کے ساتھ مباشرت میں مشغول ہو گیا اور بعد ازاں قسم کھائی کہ یہی لونڈی لوگوں کو نماز پڑھائے گی چنانچہ

اس نشۂ شراب میں مست لونڈی نے ولید کا لباس پہن کر لوگوں کو نماز پڑھا دی۔ تاریخ ابوالفدا صفحہ ۲۱۴ علامہ
سیوطی نے تاریخ الخلفاء ص۱۵۵ میں بحوالہ مسند احمد آنحضرت سے روایت کی ہے۔ لیکون فی ہذہ الامۃ
رجل یقال لہ الولید لھو اشد علی ہذہ الامۃ من فرعون لقومہ۔
اس امت میں ایک شخص ہوگا جس کا نام ولید ہوگا۔ اور وہ میری امت پر اتنا شدید ہوگا۔ جتنا
کہ فرعون بھی اپنی امت پر شدید نہ تھا۔
اس کے قتل ہونے کے بعد اس کے بھائی سلیمان بن یزید نے اس کے کٹے ہوئے سر کو دیکھا اور کہا
بعدًا لہ اشہد انہ کان شروبًا للخمر ماجنًا فاسقًا ولقد راودنی علی نفسی اس کے
لئے ہلاکت ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ بہت بڑا شرابی بدکردار اور فاسق تھا اس نے مجھ سے اپنا مطلب
(ناجائز) حاصل کرنا چاہا۔ تاریخ الخلفاء ص۱۵۱ علامہ جزیری کہتا ہے جمعت من اخبار الولید ومن
شعرہ الذی ضمنہ ما فعلہ من خرقہ وسخفہ وما صرح بہ من الالحاد فی القرآن والکفر
باللہ۔ تاریخ الخلفاء ص۱۵۱ میں نے ولید کے حالات اور اس کے اشعار جمع کئے ہیں جن میں فسق و فجور
اور خرافات مروی ہیں اور جن میں اس نے صریحاً قرآن مجید کے متعلق کفر والحاد اور لادینی کا اظہار کیا ہے
مروج الذہب مسعودی جلد ۲ صفحہ ۱۲۰ میں ولید کے یہ اشعار منقول ہیں۔

تلعب بالخلافۃ ہاشمی — بلا وحی اتاہ ولا کتاب
فقل للہ یمنعنی طعامی — وقل للہ یمنعنی شرابی

ایک ہاشمی نے بغیر وحی اور بغیر کتاب کے خلافت کا کھیل بنایا۔ اے قرآن تو اللہ سے کہہ دے کہ میرا
کھانا اور پینا بند کر دے۔ اسی ولید خبیث نے جناب یحییٰ بن جناب زید کو شہید کرا کے سولی پر لٹکوایا۔ ترجمہ
تاریخ ابن خلدون کتاب ششم۔
حیوۃ الحیوان ج۱ ص۵۲ میں ہے ولید نے ایک حوض تیار کرایا ہوا تھا جو شراب سے بھرا رہتا تھا جب مدہوشی
میں آجاتا تو اس کے اندر کود پڑتا تھا۔ اور اس قدر شراب پیتا تھا کہ کناروں سے شراب کی کمی ظاہر ہو جاتی تھی
جب ایسے لوگ سربراہ اسلام والمسلمین ہوں تو ؎

فلیبک علی الاسلام من کان باکیاً

ایک طرف یہ سلسلۂ خلافت ہے جن کے ظلم و ستم اور فسق و فجور کی داستانوں سے خود مسلمانوں کی کتابیں لبریز
رہی ہیں۔ اور دوسری طرف وہ ہادیان دین ہیں جنکے فضائل و کمالات اور علم و عمل کا زمانوں سے زمین و آسمان کی فضائیں گونج
رہی ہیں اب یہ اہل اسلام کی مرضی کہ ان کو پیشوا تسلیم کریں یا ان کو۔ ما ھذا الا المبین انت قدرہ ما معرفۃ

بابُ نہمُ

دیگر نصوص نبوّیہ بر امامت ائمہ یازدہ علیہم السّلام

ساتویں باب میں ائمہ اہل بیتؑ کے بارے میں نصوص نبوّیہ کا تذکرہ کیا جا رہا تھا کہ اختصار بیان میں سلسلہ کلام آٹھویں باب تک منتقل ہوگیا۔ اب جب کہ بفضلہٖ تعالیٰ آٹھواں باب بطریق احسن پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا ہے تو اب اس نویں باب میں باقی ماندہ اہم نصوص نبوّیہ ذکر کئے جاتے ہیں جن میں بڑی وضاحت کے ساتھ ائمہ اہل بیتؑ کی خلافت و امامت کا تذکرہ موجود ہے۔ اُمید کامل ہے کہ یہ نصوص طالبانِ رشد و ہدایت کے لئے موجبِ بصیرت ثابت ہوں گے۔ انشاء اللہ

نص چہارم | ینابیع المودۃ باب ۷۷ صفحہ ۴۴۲ پر حضرت جابر ابن عبداللہ انصاری سے مروی ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: انا سید النبیین و علی سید الوصیین و ان اوصیائی بعدی اثنا عشر اولھم علی و آخرھم المھدی۔ "میں سردار انبیاء اور علی سردار اوصیاء ہیں۔ میرے بعد میرے بارہ وصی و جانشین ہوں گے۔ جن میں سے پہلے حضرت علی اور آخری حضرت قائم مہدی (عجل اللہ تعالیٰ فرجہ) ہیں۔" یہی روایت فرائد السمطین حموینی میں بھی باسناد ابن عباس موجود ہے۔

نص پنجم | فرائد السمطین حموینی میں ابن عباس سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: ان خلفائی و اوصیائی و حجج اللہ علی الخلق بعدی الاثنا عشر اولھم علی و آخرھم ولدی قیل یا رسول اللہ من اخوک قال علی قیل من ولدک قال المھدی الذی یملأ الارض قسطاً و عدلاً کما ملئت ظلماً و جوراً۔ "میرے اوصیاء اور مخلوق خدا پر میرے بعد حجت ہائے خدا بارہ ہوں گے جن میں سے پہلے میرے بھائی اور آخری میرے فرزند ہیں۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! آپ کے بھائی کون ہیں؟ فرمایا: علی (علیہ السلام)۔ دوبارہ عرض کیا گیا۔ آپ کے فرزند کون ہیں؟ فرمایا: مہدی (عجل اللہ تعالیٰ فرجہ) وہ زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح پُر کر دیں گے جس طرح وہ ظلم و جور سے پُر ہو چکی ہوگی۔" (کذا فی ینابیع المودۃ صفحہ ۴۴۷ بتفاوت یسیر)

نص ششم کتاب ذخائر العقبی اور مسند امام احمد ابن حنبل وغیرہ (علی ما نقل عنہ) نیز ینابیع المودۃ ص۱۶۸ باب ۹۴ باختلاف الفاظ یہ حدیث شریف مروی ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا انت سید ابن السید اخو السید انت الامام ابن الامام اخو الامام ابو الائمۃ انت الحجۃ ابن الحجۃ اخو الحجۃ ابو الحجج التسعۃ من صلبک تاسعھم قائمھم تم سردار پسر سردار ہو، برادر سردار اور سرداروں کے پدر ہو تم امام، امام کے فرزند، امام کے بھائی اور ائمہ کے باپ ہو۔ تم حجت خدا حجت خدا کے بیٹے حجت خدا کے بھائی اور خدا کی ان حجتوں کے باپ ہو جو تمہاری پشت سے ہوں گے جن میں سے نویں حجت خدا حضرت قائم آل محمد ہوں گے۔" بعض نسخوں میں "اخو السید و اخو الامام و اخو الحجۃ" مذکور نہیں ہے۔ ظاہراً کاتب سے چھوٹ گیا ہے۔

نص ہفتم فرائد السمطین حموینی میں آنحضرتؐ سے مروی ہے (علی ما نقل عنہ) کہ آپ نے فرمایا الحسن والحسین اماما امتی بعد ابیھما وسیدا شباب اھل الجنۃ امھما سیدۃ نساء العالمین وابوھما سید الوصیین ومن ولد الحسین تسعۃ ائمۃ تاسعھم القائم من ولدی طاعتھم طاعتی ومعصیتھم معصیتی۔ یعنی حسن اور حسین (علیہما السلام) اپنے پدر عالی قدر کے بعد میری امت کے امام اور جوانان جنت کے سردار ہیں ان کی والدہ گرامی عالمین کی عورتوں کی سردار اور ان کے پدر بزرگوار تمام وصیوں کے سردار ہیں۔ اولاد حسینؑ میں نو امام ہوں گے جن میں سے نواں امام میرا بیٹا قائم آل محمد ہوگا۔"

نص ہشتم ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ ج۲ ص۴۵۰ پر بحوالہ حلیۃ الاولیاء، حافظ ابو نعیم اصفہانی اور ملا علی متقی کنز العمال ج۶ ص۲۱۷ طبع حیدرآباد دکن پر ابن عباس سے نقل کرتے ہیں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سرہ ان یحیی حیاتی ویموت مماتی و یسکن جنۃ عدن التی غرسھا ربی فلیوال علیا من بعدی ولیوال ولیہ ولیقتد بالائمۃ من بعدی فانھم عترتی خلقوا من طینتی ورزقوا فھمی وعلمی فویل للمکذبین بفضلھم من امتی القاطعین فیھم صلتی لا انالھم اللہ شفاعتی۔ "جو شخص یہ چاہتا ہے کہ میری طرح زندگی بسر کرے اور میری طرح اسے موت آئے اور اس جنت عدن میں سکونت پذیر ہو جسے میرے پروردگار نے آباد کیا ہے تو میرے بعد حضرت علی کو اپنا ولی قرار دے اور ان کے دوست کو اپنا دوست سمجھے اور میرے بعد جو ائمہ ہیں ان کی اقتدا کرے کیونکہ وہ (ائمہ) میری عترت ہیں جو میری طینت

سے خلق کئے گئے ہیں اور میری فہم اور میرا علم انہیں عطا کیا گیا ہے۔ ویل ہے ان لوگوں کے لئے جو میری امت میں سے ان کی تکذیب کریں گے اور ان کے حق میں میری قطع رحمی کریں گے۔ خداوند عالم ان کو میری شفاعت نصیب نہ کرے (بحوالہ فضائل احمد بن حنبل و خصائص النطنزی باختلاف یسیر)

نص نہم

علامہ زمخشری ربیع الابرار و منصور الحکم الخیار میں روایت کرتے ہیں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمۃ مہجۃ قلبی وولدھا ثمرۃ فؤادی وزوجھا قرۃ عینی والائمۃ من ولدھا امناء ربی وحبلہ الممدود بینہ وبین خلقہ فمن تمسک بھم نجی ومن تخلف عنھم ھلک والی جھنم سلک " آنحضرتؐ نے فرمایا کہ فاطمہ میرے دل کا ٹکڑا اور ان کے دونوں فرزند میرے قلب کا پھل اور ان کا شوہر میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور ان کی اولاد میں سے جو امام ہوں گے وہ میرے پروردگار کے امین اور خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں۔ جس نے ان سے تمسک کیا اس نے نجات پائی اور جس نے روگردانی کی وہ ہلاک و برباد ہوا اور جہنم کی طرف اپنے قدموں سے گیا۔"

نص دہم

اگرچہ مذکورہ بالا نصوص سے طالبین حق و حقیقت کو یقین کامل ہو گیا ہوگا کہ ائمہ اثنا عشر والی روایت سے مراد اہل بیت علیہم السلام ہیں لیکن اگر کسی صاحب کا ذوق تحقیق نا حال تشنہ تکمیل ہو تو اب ہم ذیل میں وہ روایت شریفہ لکھ کر جس میں ان پورے ائمہ اثنا عشر کے نام نامی و اسماء گرامی آنحضرتؐ کی زبانی مذکور ہیں، اس بحث کا خاتمہ کرتے ہیں چنانچہ ینابیع المودۃ باب ۹۴ ص ۴۹۳ پر باسناد خود حضرت جابر ابن عبداللہ انصاری سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا یا جابر ان اوصیائی وائمۃ المسلمین من بعدی اولھم علی ثم الحسن ثم الحسین ثم محمد ابن علی المعروف بالباقر ستدرکہ یا جابر فاذا لقیتہ فاقرأہ منی السلام ثم جعفر ابن محمد ثم موسی ابن جعفر ثم علی ابن موسی ثم محمد ابن علی ثم علی ابن محمد ثم الحسن ابن علی ثم القائم اسمہ اسمی وکنیتہ کنیتی محمد ابن الحسن ذلک الذی یفتح اللہ تبارک وتعالی علی یدیہ مشارق الارض ومغاربھا ذلک الذی یغیب عن اولیائہ غیبۃ لا یثبت علی القول بامامتہ الا من امتحن اللہ قلبہ للایمان قال جابر فقلت یا رسول اللہ فھل للناس الانتفاع بہ فی غیبتہ فقال ای والذی بعثنی بالنبوۃ انھم یستضیئون بنورہ ولا یتہ فی غیبتہ کانتفاع الناس بالشمس وان سترھا سحاب ھذا من مکنون سر اللہ ومخزون علم اللہ فاکتمہ الا عن اھلہ عجل اللہ تعالی فرجہ وسھل اللہ مخرجہ وبحق آبائہ الطاھرین) اے جابر میرے خلفاء اور میرے بعد مسلمانوں کے

امام یہ ہیں پہلے علی، دوسرے حسن تیسرے حسین چوتھے علی بن الحسین پانچویں محمد بن علی معروف بہ باقر اے جابر! تم عنقریب ان کو پاؤ گے جب ان سے ملاقات ہو تو انہیں میرا سلام کہنا۔ چھٹے جعفر بن محمد ساتویں موسیٰ بن جعفر آٹھویں علی بن موسیٰ نویں محمد بن علی دسویں علی بن محمد گیارہویں حسن بن علی بارہویں قائم جو میرے ہم نام و ہم کنیت ہیں یہی وہ امام ہے جس کے ہاتھوں پر خدا مشارق و مغارب کو فتح کرے گا اور یہ اپنے اولیاء و شیعوں سے اس قدر غیبت اختیار کریں گے کہ ان کی امامت پر صرف وہی لوگ ثابت قدم رہیں گے جن کے ایمان کا خدا نے امتحان لے لیا ہوگا۔ جناب جابر کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان کے زمانۂ غیبت میں لوگ ان سے کچھ فائدہ بھی حاصل کریں گے؟ فرمایا ہاں مجھے اس ذات کی قسم جس نے مجھے نبوت دے کر بھیجا ہے لوگ ان کی غیبت کے زمانہ میں ان کے نور ولایت سے اسی طرح فائدہ حاصل کریں گے جس طرح آفتاب سے کرتے ہیں جب کہ زیر بادل چھپ جائے۔ اسے جابر یہ خدا کا سربستہ راز ہے اسے صرف اس کے اہل لوگوں پر ہی ظاہر کرنا

اسی طرح فرائد السمطین میں ایک طولانی روایت ابن عباس سے مروی ہے جس میں ایک غیر مسلم کا آنحضرتؐ سے چند سوال کرنا اور منجملہ ان کے آپ کے خلفاء کے متعلق استفسار کرنا اور آنحضرتؐ کا انہی ائمہ معصومینؑ کا نام بنام اسے بتلانا بعدہ اس کا تصدیق کرتے ہوئے یہ کہنا کہ ہم نے توریت میں ایسا ہی پڑھا ہے مذکور ہے بخوف طوالت اسے درج کتاب نہیں کیا جاتا۔

اب اہل انصاف بتائیں کہ اس سے زیادہ توضیح اور کیا کی جا سکتی ہے۔ محسن صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے تعداد بتادی، سلسلہ نسب بتا دیا، اول و آخر بتا دیا، درمیانیوں کا اور دوامام حسین علیہ السلام سے ہونا بتادیا۔ اب بھی کوئی ان کو نہ مانے اور ان کے سوا ان بارہ کی تعداد کسی اور سلسلہ نسب سے پوری کرے تو بتایئے کسی کے پاس اس کا علاج ہے؟ آنحضرتؐ نے تو وضاحت میں کوئی بات چھوڑی نہیں جزئی جزئی باتیں بھی بتادیں مگر صحابہ پرست اور سلاطین نواز امت نے اپنے مخصوص مفادات کے پیش نظر ایک بات بھی کان لگا کر نہ سنی اور جسے چاہا اپنا امام مان لیا یہاں تک کہ اسی تعداد میں ظالم و جابر اور فاسق و فاجر سلاطین بھی داخل کر دیئے گئے آپ ہی فرمائیں کہ آیا یہی کار نامہ اطاعت رسولؐ ہے یا یہ کھلی ہوئی نافرمانی ہے؟

روز حشر شود ہمچوں روز معلومت   کہ با کہ باختۂ عشق در شب دیجور

ھٰذہ تذکرۃ فمن شاء ذکرہ والحمد للہ رب العالمین

ان عمومی نصوص قاطعہ و براہین ساطعہ کے ذکر کے بعد جو کہ سب ائمہ طاہرینؑ کی خلافت عظمیٰ و امامت کبریٰ پر دلالت کرتے ہیں اب ہم اس امر کی ضرورت محسوس نہیں کرتے کہ ہر امام سابق کی نص ہر امام

لاحق کا ذکر کریں کیونکہ وہ حدِ تواتر سے متجاوز ہیں اور ہمارے علمائے اعلام نے ان کو اپنی کتب مبسوطہ
مخصوصہ میں درج فرمایا ہے ملاحظہ ہو کتاب اثبات الوصیۃ للمسعودی۔ کفایۃ الاثر فی النصوص علی الائمۃ
الاثنا عشر۔ اثبات الهداۃ وغیرہا من الکتب المخصوصۃ بہذا الشان؛
تفصیلات کے شائقین حضرات ان کتب کی طرف رجوع فرمائیں وفیما ذکرناہ کفایۃ لمن
لہ ادنیٰ درایۃ۔ فافہم۔

نتیجہ دلائل طیبہ و آیۂ استخلاف

ان دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ سے خلافت محمدیہ کے وارثین حضرات ائمہ معصومین خصوصاً اول الخلفاء الراشدین
حضرت امیرالمومنین کی خلافت و امامت کا ثبوت واضح طور پر ثابت کر چکے۔ اب آیۂ استخلاف
وعد الله الذين آمنوا منكم وعملوا الصالحات ليستخلفنهم في الارض كما استخلف
الذين من قبلهم وليمكنن لهم دينهم الذي ارتضى لهم وليبدلنهم من
بعد خوفهم امناً يعبدونني لا يشركون بي شيئاً ومن كفر بعد ذلك فاولئك
هم الفاسقون (سورۃ النور آیت ۵۵) (اللہ تعالیٰ نے تم امت محمدی میں سے مومنین صالحین سے وعدہ کیا ہے
کہ وہ انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ اس نے انہیں خلیفہ زمین بنایا جو ان سے پہلے تھے اور اس
دین پر انہیں قدرت و تمکین عطا کرے گا جو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے اور ان کے خوف کو
امن سے بدل دے گا وہ میری عبادت کرنے والے ہیں اور کسی کو میرا شریک نہیں بناتے ہیں اور
اس کے بعد جو انکار کرے وہی فاسق ہے) کو پڑھ کر معلوم کیجئے کہ آیا اس خلافت الٰہیہ کا مالک و
وارث و مستحق و سزاوار ان بارہ خلفاء راشدین کے سوا اور کوئی ہو سکتا ہے، کیونکہ اس میں چند امور قابل
غور ہیں۔ اول یہ وعدۂ خدا ہے دوم یہ وعدہ امت محمدی میں سے مومنین صالحین ہی سے ہے۔
ظالمین و گنہگار اس سے خارج ہیں۔ وہ اس کے مصداق نہیں ہو سکتے سوم یہ سب خلیفہ فی الارض ہوں
گے۔ نہ کسی ایک ملک یا ایک براعظم یا ایک جزیرہ پر۔ چہارم یہ ویسے ہی خلیفہ خدا ہوں گے۔ جیسے لوگ ان
سے پہلے بنائے گئے ہیں۔ قرآن میں یہ وعدہ ہے اور قرآن میں جن خلفاء کا ذکر ہے کہ خدا نے انہیں ان
سے پہلے خلیفہ بنایا اور باعتبار نزول سے بالالتزام ذکر ہے وہ تین خلیفہ ہیں۔ اول حضرت آدمؑ دوم حضرت
داؤدؑ۔ سوم حضرت ہارونؑ اور ویسے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ کل انبیاء اللہ وارث خلافت الٰہیہ سب خلفاء
اللہ ہیں اور ظاہر ہے کہ حضرت آدمؑ جو خلیفہ فی الارض ہیں نہ وہ کہیں کے بادشاہ تھے نہ وہ مالک تاج و تخت
تھے نہ جاہ و حشم رکھتے تھے اور نہ طبل و علم نہ انہوں نے بہت سے ملک فتح کئے تھے مگر خلیفہ فی الارض

تھے۔ خدا نے نہیں علم عطا اور کو تعلیم و تربیت ...... کے لئے پنا جانشین بنا یا تھا۔ علی ہذا القیاس۔ دیگر خلفاء اللہ اسی معنی میں خلفاء تھے اور حکومت اس کے تحت میں ہے اگر کسی کو اس کا موقع مل جائے تو ان کا منصب ہے جو صفات الٰہیہ پر موقوف ہے مگر ان کے خلیفہ ہونے کی شرط حصول سلطنت حکومت نہیں ہے۔ نہ مال و دولت نہ فتوحات۔ ورنہ نہ تو حضرت آدمؑ خلیفہ رہیں گے اور نہ حضرت داؤدؑ۔ نہ حضرت ہارونؑ بلکہ کل انبیاء اللہ جو خلفاء اللہ ہیں خلافت کے ساتھ نبوت سے بھی عاری رہ جائیں گے۔ چہارم۔ خدا ان مومنین صالحین اور ان خلفاء کو اس دین پر قدرت دے گا۔ جو ان کے لئے اس نے پسند کیا ہے اور صورت اس کی یہ ہوگی کہ ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا وہ کیسے لوگ ہیں؟ جو خدا ہی کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں گردانتے ہیں۔ اس کے بعد جو ان کا انکار کرے وہ فاسق ہے اس آیت میں "امنوا" کی ضمیر مضمر ھم عملوا میں ضمیر مضمر ھم یستخلفنھم کی ضمیر من قبلھم کی ضمیر ھم یمکنھم اور یبدلنھم کی ضمیر ولایشرکون کی ضمیر سب "الذین" کے صلہ اور عامل اور ان خلفاء اللہ کے اوصاف ہیں اور منکم میں "کم" کی ضمیر کے مخاطبین باقی اہل اسلام ہیں جن میں سے اور جن پر خلفاء ہوں گے۔ اب اس میں غور کر لو کہ آیا یہ خلفاء اثنا عشری اس کا مصداق ہیں یا کوئی اور۔ یہ صالحین۔ صادقین ہیں۔ کاملین ہیں۔ سابقین ہیں۔ طاہرین معصومین ہیں۔ خلافت معصومین ہی کا حق ہے۔ خلافت امامت میں ہے اور امامت سے ظالمین ہمیشہ سے محروم ہیں اور ان کے سوا کل صحابہ کسی نہ کسی ظلم میں آلودہ نظر آتے ہیں جو مدت تک کفر و شرک میں رہے سب وہ ان صالحین و معصومین اور سابقین کے ذیل میں نہیں آ سکتے۔ یہ ایسے ہی خلفاء اللہ ہوتے ہیں جیسے کہ آدمؑ و داؤدؑ و ہارونؑ وغیرہ اسی کا انہوں نے دعویٰ کیا ہے اور اسی کو ثابت کر دیا ہے۔ خدا نے ان کو ان اوصاف پر خلق کیا ہے جو خلافت الٰہیہ کے معیار ہیں اور صاف بذریعہ پیغمبر و بذریعہ وحی بتلا دیا ہے کہ یہ خلیفہ ہیں جیسا کہ ہم ثابت کر آئے ہیں اور اس طرح یہ وعدہ خلافت مسلمانوں سے پورا کر دیا۔ کل روئے زمین پر یہی حجت خدا ہیں یہی پیشوا۔ یہی مقتدا ہیں۔ یہی معلم الٰہی ہیں۔ ان کا ماننا مکلفین و مبعوث الیہم کا فرض ہے جو انہیں تسلیم کرے گا اپنے سے جو نہ کرے گا اپنے سے اور یہاں ماننے والوں کی قلت و کثرت اس خلافت میں تغیر پیدا نہیں کر سکتی۔ یہ وہ برگزیدہ ہیں جو خاص عباد الرحمٰن اور خاص "کانوا لنا عابدین" کے مصداق ہیں۔ یہ کل کے کل اوصاف و کمالات خلافت الٰہیہ و خلافت محمدیہ و امامت۔ فقاہت و سیاست امامت سے متصف تھے ان کا خدا نے اظہار کیا۔ ان کو رسول اللہ نے علی الاعلان بیان کیا۔ ان کے نام بتلائے ان کے کام بتلائے۔ ان کو رکھ دیا اور لوگوں کو چھوڑ دیا اور خدا کے کسی کو خلیفہ ماننے کے یہی معنی ہیں۔ یہ وعدہ کل خلفاء محمدی سے ہے اور

خلافت محمدی بارہ میں منحصر ہے اور ان بارہ کا خاتمہ قیامت پر ہے۔ دین محمدی تا قیامت ان بارہ پر قائم
ہے۔ اس لئے جو وعدے ہوئے ہیں ان کے یہ معنی نہیں کہ وہ ہر ایک میں جدا جدا متحقق ہوں نہیں من حیث
المجموع ہیں۔ خواہ ان میں سے کسی کے وقت پر ہو۔ پس تمکین بر دین و رفع خوف و تبدیل امن بھی حقیقی معنی میں ان
کے لئے حاصل ہو جائے گا۔ نہ دین اسلام ختم ہوگیا۔ نہ ان خلفاء اللہ کا خاتمہ ہوگیا۔ نہ خدا کہیں چلا گیا۔ رسول خدا نے
خدا نے وعدہ کیا ہے هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ
وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ مگر دین محمدی کو ابھی تک ایسا غلبہ حاصل نہیں ہوا کہ کل ادیان پر دین محمدی کا ظاہر بظاہر
غلبہ آ جائے۔ کل مذاہب عالم موجود بلکہ کثرت سے انسان ان باطل مذاہب کے پابند اور ان کے ماننے والے ہیں۔
کہاں غلبہ دین محمدی کو حاصل ہوا ہے۔ کون اس کا دعوے کر سکتا ہے۔ تو کیا اس سے دین محمدی باطل ہو گیا،
اور آنحضرتؐ سچے پیغمبر نہ رہے؟ ہرگز نہیں ضرور ہیں کیونکہ نبوت حضرتؐ کی قیامت تک متصل ہے اور اس
عرصہ میں غلبہ کا امکان ہے بلکہ یقینی ہے یہی حال خلافت کا ہے اور دونوں در اصل ایک ہی ہیں خلفاء دین
محمدی کو یہ قدرت حاصل ہونا کہ کل روئے زمین پر جس پر کہ وہ خلیفہ ہیں اس دین کو جاری کر سکیں جو ان کے لئے
پسند کیا ہوا ہے۔ اور دین محمدی کو تمام ادیان پر علانیہ غلبہ ہونا جس کو "لیظہرہ" واضح کر رہا ہے ایک ہی
بات ہے۔ یہ وعدہ محمدی اسی وقت پیدا ہوگا جب کہ وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا
وَّكَرْهًا صادق آئے گا۔ ہر فرد بشر مسلمان ہوگا۔ وہ بغیر اسلام لائے اس کو چارہ نہ ہوگا۔ یہی دن اس کے خلفاء
کے ان پر قدرت پانے اور کل عالم میں دین محمدی پھیلانے اور حکومت کے متعلق اللہ پانے کفر کے مٹ جانے
اور امن کل حاصل ہو جانے کا ہے جو نہ مذاہب ہیں نہ کفر کا ہے۔ یہی وہ خلفاء اللہ مظلوم ہیں مستضعف
ہیں مگر بعض ان میں سے موجود ہیں۔ دین محمدی موجود ہے۔ شریعت موجود ہے۔ خلافت موجود ہے اور انشاء اللہ
تمکین بر دین کا وقت قریب ہے اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ اور اس کو یہ آیت اور واضح کر دیتی ہے
اور صاف پتہ دیتی ہے کہ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً
وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَنُرِىَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ
مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ (القصص) اور ہم ارادہ رکھتے ہیں کہ ان لوگوں پر احسان رکھیں اور اپنا فضل دائمی کریں
جو زمین میں مظلوم و ضعیف ہو کر رہے ہیں اور ہم انہیں امام بنائیں اور کل زمین کا وارث بنائیں اور انہیں زمین
میں قدرت و تمکین عطا کریں اور فرعون و ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ عذاب چکھائیں۔ جس سے وہ بچتے تھے
خلفاء المسلمین میں سے کون خلیفہ ہے جس کے زمانے میں فرعون و ہامان اور ان کے لشکروں کو عذاب چکھایا گیا؟
وہ فرعون و ہامان اور ان کے لشکر کون؟ کہاں ہیں تھے؟ کب وہ مغلوب و مفتوح ہوئے؟ کب یہ وعدہ پورا ہوا؟

وہ زمانہ شاہانِ اسلام کی حکومت میں کب آیا جس میں وہ دین جو ان کے لئے خدا نے پسند کیا تھا تمام روئے زمین
پر غالب آیا اور ان کو قدرت حاصل ہوئی کہ وہ تمام دنیا میں بلا رکاوٹ الٰہی دین کو جاری کر سکیں یہ وعدہ صرف
قرنِ اول کے مسلمانوں سے نہ تھا بلکہ کل اہلِ اسلام سے تھا اور ہے ۔ ورنہ آیت اسی زمانے کے لوگوں کے
لئے مخصوص اور اسی وقت منسوخ سمجھی جائے گی اور اس وقت اس سے بحث فضول ہوگی "منکم" کی
ضمیر "کم" کے مخاطب کل اہلِ اسلام ہیں تا قیامِ قیامت اور اس لئے آج ہم بھی اس کے مخاطب ہیں کہ تم
میں سے ہم خلیفہ بنائیں گے ، ہم میں سے ہم پر آج کون خلیفہ خدا ہے ؟ کیا بغیر از مہدی منتظر کوئی اور ایسا
خلیفہ خدا آج ثابت ہو سکتا ہے ؟ پس ضرور دینِ محمدی ایک دن غالب ہوگا ۔ خلفاء اللہ اور خلفاء محمدی
کو قدرت و تمکین بروئے زمین حاصل ہوگی اور دنیا میں دینِ اسلام ہی نظر آئے گا اور اس وقت وہ خلفاء جن کی
شان "الذین ان مکنّٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ و امروا بالمعروف" ہے وہ
لوگ کہ ان کو اگر ہم زمین میں قدرت دے دیں تو وہ نماز کو روئے زمین پر قائم کر دیں ۔ زکوٰۃ ادا کریں
اور نیکی کا کام کریں اور منکر سے روکیں" ــــــ اپنے اس دینِ مرتضیٰ و دینِ مرضوی کو جاری کر سکیں گے
یہ بھی یاد رہے کہ صاحبانِ دین اور ہیں اور امت اور عام محکومینِ دین اور ۔ اور یہ معلوم ہے کہ اگر خدا کسی کے
لئے دین کامل کر دے اور اس کو ان کے لئے اور ان سے پسند کرے تو ضرور اس کے یہی معنی ہوں گے کہ وہ کامل دین
خدا رکھتے ہوں گے اور علماً و عملاً کوئی دقیقہ کی ان میں نہ ہو اور ایسے شخص اسلام میں وہی ہو سکتے ہیں جو کامل علمِ قرآن
رکھتے ہوں جن میں شک و شبہ و اشکالات و شبہات نہ ہوں اور کامل عمل ان کو اس پر حاصل ہو ۔ جب خدا اس کو
کامل کر سکتا ہے اور جب ہی خدا اس کو پسند کر سکتا ہے اور ایسا ہی دین خدا کا کامل کیا ہوا دین ہو سکتا ہے مگر مسلمانوں
کو دیکھتے ہیں تو وہ آج تک بھی کمالِ دین نہیں رکھتے نہ علماً نہ عملاً ۔ ہزاروں اختلافات موجود ہیں بلکہ دین مسخ نظر آرہا
ہے کیا تمام مسلمانوں کو کامل دیندار کہا جا سکتا ہے ؟ کیا کوئی منصف ایسا کر سکتا ہے ؟ پس خدا نے دین ان کے
لئے کامل کر دیا ہے تو ان کے اندر دین ناقص ہونے اور سینکڑوں متضاد فرقے ہونے کے کیا معنی ہیں ، کون
مسلمان ہے جو کامل علمِ قرآن اور اس پر کامل عامل ہونے کا اب یا پہلے دعوے کر سکے ۔ دینِ خدا اپنے انبیاء اور
اوصیاء کے لئے کامل کرتا ہے اور عام لوگ ان کاملین سے دین سیکھتے اور ان کی پیروی کرتے ہیں حضرت یعقوب
اپنے بیٹوں سے فرماتے ہیں یا بنی ان اللہ اصطفیٰ لکم الدین فلا تموتن الا و انتم مسلمون
اے بیٹو! خدا نے تمہارے لئے دین کو چنا اور مصطفیٰ بنایا ہے تم نہ مرنا مگر اسلام ہی پر ۔ دینِ خدا ہمیشہ کامل
ہے مگر کامل دیندار وہ ہے جس کے لئے خدا دین کامل کر دے جس کو دین عطا کرے اور یہ کاملین انبیاء اور
اوصیاء انبیاء ہی ہو سکتے ہیں اور وہی ہوتے ہیں نہ عام امت ۔ پس آیۂ مجیدہ الیوم اکملت لکم دینکم

وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا" ميں "كُم" كا مصداق عام مسلمان نہيں ہو سكتے بلكہ خاص وہی خلفاء اللہ مراد ہيں جن كا دين دينِ مرتضیٰ ہے اور اسی دينِ مرتضیٰ پر قدرت سے ان سے وعدہ كيا ہے اور وہ انہيں كے ہاتھ پر ہوگا اور ضرور ہوگا۔ اب غور سے "اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ" و "رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا" كو پڑھو اور اس كے حقيقی معنی ميں غور كرو اس كا مصداق سوائے خلفاء اثنا عشر جن كا سلسلۂ دينِ محمدی كے ساتھ قيامت تك متصل ہے اور كوئی ثابت نہيں ہو سكتا وَذَالِكَ ذِكْرٰى لِلذَّاكِرِيْنَ

بعض حضرات كا خيال ہے كہ آيہ استخلاف ميں اسلام كا ضعف اور خوف اعداء اور اس كے بعد رفع خوف اور حصولِ امن كا وعدہ خلفاء كے ہاتھ پر ديا گيا ہے اور يہ چونكہ خلفاء اربعہ بلكہ ثلاثہ كے ہاتھ [illegible] الہ، كے زمانے ميں ہوا۔ اس لئے وہی آيت كے مصداق ہوں گے اور اس كا ثبوت يوں بتايا گيا ہے كہ اول ظہور اسلام كے وقت جب حضرت مكہ ميں تھے۔ اسلام ضعيف تھا اور خوف اعداء حاصل تھا اور واقعہ ہجرت اس ضعف اور خوف كی دليل ہے اور مدينہ ميں جا كر اسلام كو قوت حاصل ہوئی اور خوف رفع ہو گيا۔ لہٰذا خلفاء اربعہ رضی اللہ، كی خلافت برحق ثابت ہو گئی۔ جن سے رفع خوف ہوا وہ اس آيت كے اس ترتيب سے مصداق ہوئے۔ آيہ مجيدہ كا مصداق تو ہم پہلے ثابت كر چكے ہيں۔ مگر يہاں يہ دكھانا ہے كہ دوسروں نے اس تاويل اور اس معنی سے اصل مقصد خلافت خلفاء ثلاثہ كو حل كر ديا ہے۔ ہم مانتے ہيں كہ مكہ ميں مسلمان مظلوم تھے تھوڑے تھے۔ دشمنوں كا خوف تھا۔ كفار طرح طرح كی اذيت ديتے تھے اور آخركار واقعہ ہجرت نے اس خوف اور ضعف كا ثبوت دے ديا اور بعد ہجرت يقيناً مسلمان قوی ہو گئے وہ ضعف جاتا رہا خوف جاتا رہا۔ يہاں تك كہ كل عرب مغلوب ہو گيا۔ حدود روم تك فتح ہو گئی دولت بھی آئی۔ سلطنت اسلامی قائم ہو گئی اور وہ خوف امن سے بدل گيا۔ جوق در جوق لوگ اسلام ميں داخل ہوئے اور جو باقی رہ گئے تھے اور ايمان نہ لائے تھے وہ خوفِ اسلام سے ظاہراً اسلامی لباس ميں داخل ہو گئے اور منافق بن كر جان بچائی۔ دور دور كی سلطنتوں كے سفير آنے لگے۔ يقيناً وقطعاً وہ خوف وضعف جو مكہ ميں تھا۔ جاتا رہا اور يہ امن حاصل ہوا۔ مسلمانوں پر جو ظلم پہلے ہو چكے تھے ان كی تلافی ہوئی اور مسلمان اسی مكہ ميں فاتحانہ داخل ہوئے اور اس كی خدا نے مباركباد دی اور اس كو فتح نماياں كہا۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا۔ الآيہ ليكن يہ ضعف وخوف اور امن وفتح دونوں پيغمبر صلعم كی زندگی سے متعلق ہيں اور انہی كی حيات ميں يہ سب كچھ ہوا۔ مگر آيہ استخلاف ميں تو وعدہ خلفاء رسول كی بابت كيا گيا ہے نہ رسول كی بابت۔ پس اگر يہ تاويل صحيح ہے تو خلافت [illegible] نصی مرتبہ كی ثابت ہوئی۔ نہ خلفاء ثلاثہ يا اربعہ كی وجہ سے اس كا مصداق ہيں نہ كہ خلفاء اربعہ۔ اگر ديگر مسلمان اس ميں بوجہ نصرت نبی شريك كئے جائيں تو بلا استثنٰی كل شريك ہيں نہ صرف حضرت

خلفاء ثلاثہ۔ ہاں اگر خصوصیت ہو سکتی ہے تو اس جرنیل اسلام کی جس کے ہاتھ پر اسلام کی ہر ایک فتح زمانہ محمدی میں ہوئی۔ یعنی شیر خدا علی مرتضیٰ۔ پس اس آیت کو خلفاء ثلاثہ کی خلافت سے کوئی تعلق نہ ہوا صرف رسول اللہ کی خلافت سے تعلق ہوا۔ حالانکہ دعوےٰ یہ ہے کہ یہ آیت آنحضرتؐ کے خلفاء کی شان میں ہے اور مراد بھی یہی ہے۔ دعویٰ خلفاء اربعہ کی خلافت کا کیا گیا ہے اور ثابت رسول اللہؐ کی رسالت و خلافت کی ہے اور اس خلافت کے مصداق سے ثبوت میں خلفاء کو علیحدہ ہی کر دیا۔ چلئے سب کچھ ہو لیا شعت بھی ہو لیا۔ خوف بھی ہو لیا اور امن بھی وصول کو حاصل ہو لیا۔ اب ضعف کے مارے اس کی کیا بحث؟ ان سے ہاتھ اٹھا لیجئے ؎

شادم کہ با رفیقاں دامن فشاں گذشتی

گو مشت خاک ما ہم بر باد رفتہ باشد

مجھے تعجب ہے اس شخص سے جو بکمال حیرت یہ دعوےٰ کرتا ہے کہ ان آیات نے خلافت خلفاء اربعہ کا صاف فیصلہ کر دیا۔ کیونکہ مکہ میں مسلمان مظلوم تھے اور خدا نے ان مظلومین کے لئے وعدہ کیا تھا کہ اگر ہم ان کو زمین میں قدرت دیں تو نماز کو قائم کریں۔ زکوٰۃ ادا کریں۔ امر بالمعروف کریں۔ نہی عن المنکر کریں۔ مدینہ میں خدا نے ان کو حکومت دی اور انہوں نے نماز کو قائم کیا اور زکوٰۃ ادا کی اور ان مہاجرین میں چاروں خلفاء تھے لہٰذا چاروں کی خلافت برحق ثابت ہوئی۔ انتہیٰ۔ کیا مکہ میں صرف یہ چاروں یار ہی تھے؟ کیا مظلوم صرف یہ چار ہی تھے؟ کیا ہجرت کے بعد مدینہ میں پہنچ کر حکومت و خلافت ان کو ہی ملی یا رسول اللہؐ کو؟ اس وقت حاکم و بادشاہ اسلام رسول اللہ تھے یا چار یار؟ کیا رسول اللہؐ کے زمانے میں اقامۂ صلوٰۃ و ادائے زکوٰۃ امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہیں ہوئی؟ اور خلفاء کے زمانے میں ہوئی کیا ایسے خیال سے معاذ اللہ آنحضرتؐ کی نبوت باطل قرار نہیں پاتی یا کم سے کم یہ ثابت نہیں ہوتا کہ رسول اللہ اپنے زمانے میں اقامۂ صلوٰۃ و ادائے زکوٰۃ امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہ کر سکے؟ کیا "انا فتحنا لک فتحاً مبیناً" رسول اللہ کے لئے نہیں آیا۔ چار یاروں کے لئے آیا ہے؟ کیا واقعی آنحضرتؐ کے زمانے میں دین الٰہی نہیں پھیلا۔ بلکہ خلفاء کی خلافت کے زمانہ میں پھیلا؟ کیا دین اسلام صرف ملکوں کے فتح کرنے اور مال غنیمت لوٹنے ہی کے لئے آیا ہے؟ کیا اسلام اور بادشاہت وغیرہ ہم معنی ہیں؟ کیا خلافت محمدیہ بادشاہت ہی کا نام ہے؟ اور جب حضرت علیؑ کو آپ اپنے خیال کے مطابق فتوحات نصیب ہوئیں۔ نہ دولت نہ امن۔ پھر کیونکر وہ ان خلفاء میں داخل کئے گئے؟ جن کے لئے خدا نے فتوحات کا وعدہ کیا ہے؟ چاروں خلفاء کے زمانے میں سلسلۂ جنگ برابر قائم رہا ہے مسلمانوں کے ساتھ بھی اور غیر مسلمانوں کے ساتھ بھی۔ تو امن کے معنی جنگ ہیں؟ جنگ جاری ہے اور زمانہ امن

کا کہلاتا ہے۔ عجیب منطق ہے۔ ہجرت رسول اللہ کریں۔ فتح مبین رسول اللہ کو حاصل ہو۔ خلافت اصحاب ثلاثہ کی ثابت ہو۔ عجیب ہم فرض کرتے ہیں۔ کہ مظلوم مسلمانوں سے خدا نے نصرت و فتح کا وعدہ کیا تھا اور وہ بعد انتقال رسول اللہ آپ کے خیال کے موافق پورا ہوا۔ ان مظلوم مہاجرین کو فتح دی گئی۔ مظلومیت میں تو سارے مسلمان شریک ہیں۔ ہجرت میں شریک ہیں۔ اسلام میں شریک ہیں وعدہ سب سے تھا۔ بادشاہ وہ تین یا چار بنے۔ ان میں ان اوصاف مشترکہ کے ساتھ کون سی صفت ممیزہ تھی۔ جس نے ان کو خصوصیت سے اس کا مصداق بنا دیا؟ اس وعدہ میں ان چاروں کے ساتھ کل مسلمان شریک ہیں اور ایک وقت میں ان چار میں سے دو ہی خلافت ہیں۔ ایک ابوبکرؓ اور ایک علیؓ۔ اس آیت میں کون سی دلیل ہے۔ جو ابوبکرؓ کو اس وقت خلیفہ ثابت کرتی ہے اور علیؓ کو نہیں کرتی درآنحالیکہ علیؓ جو صاحب سینکڑوں ممیزات رکھتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ ابوبکر چونکہ ہوگئے اور مسلمانوں نے مان لیا تو وہی خلیفہ ہوگئے تو اول دعوے و بحث اس ہو جانے میں نہیں ہے۔ بحث اس میں ہے کہ اس ہونے کی کیا حیثیت ہے۔ جائز ہونے یا بے جا۔ حق سے اس جگہ بیٹھے یا ناحق۔ وہ اس کے اہل تھے یا نہیں؟ ورنہ اس سے کس کو انکار ہے کہ ایک واقعہ ایسا ہو چکا تھا۔ حضرت ابوبکر بادشاہ بنے تھے۔ لوگ ان کے ساتھ ہو گئے تھے؟ اس میں غور کیجئے اور بحث کے لئے نبوت کو پامال نہ کیجئے اور ہمارے اتنے ہی بیان سے استدلال اصلاً باطل ہوگیا۔ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔

یہ سب ہمارا دعوےٰ اور ہمارا ثبوت خلافت خلفاء، اثنا عشر کی شان میں۔ وہ یہ کہ حضرت علیؓ ہی بعد رسول خلیفہ برحق و امام امت اور مقتدائے مسلمین ہیں۔ اول خلافت الہیہ و خلافت محمدیہ انہی کا حق ہے مگر حسب تصریح خدا اس میں بھی شک نہیں ہے۔ کہ حضرت علیؓ چوتھے خلیفہ ہیں۔ قرآن میں حضرت آدمؑ کی خلافت کا ذکر ہے دوم حضرت داؤدؑ کی۔ سوم حضرت ہارونؑ کی اور چہارم مثل ہارونؑ۔ وزیر و برادر مثیل موسیٰ حضرت علیؓ کی۔ اس لحاظ سے خلافت الہیہ کا چوتھا خلیفہ حضرت علیؓ کو کہہ سکتے ہیں اور حضرتؐ نے بھی بعض اوقات ایسا فرمایا ہے اور یہی ثبوت دیا ہے۔ جیسے چار خلفاء کی اصطلاح اہل سنت میں بھی ہے وہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علیؓ کو چار یار کہتے ہیں۔ ہم حضرت آدم ابو البشر۔ حضرت داؤد۔ حضرت ہارونؑ اور حضرت علیؓ کو خلفاء اربعہ مذکورہ فی القرآن کہتے ہیں ولا مشاحۃ فی الاصطلاح۔ ان کا وہ مسلک اور ہمارا یہ۔ لکم دینکم ولی دین (از خلافت الہیہ حصہ سوم)

بابِ دہم

امامتِ ائمہ اثنا عشر پر وارد شدہ بعض ایرادات کے جوابات

واضح ہو کہ نہایت کدو کاوش کے بعد ہمیں برادران اسلام کے چند نام نہاد جوابات معلوم ہو سکے ہیں جنہیں وہ بزعم خود ان نصوص قطعیہ امامت ائمہ اہل بیت علیہم السلام کا جواب سمجھتے ہیں۔ مناسب معلوم ہوا کہ یہاں ان کی قلعی کھول دی جائے۔

(۱) کہتے ہیں کہ یہ سب اخبار احاد ہیں جن سے مسئلہ امامت ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس شبہ کا تحقیقی جواب باسباب چھٹے باب میں تفصیلاً دیا جا چکا ہے اور متعدد وجوہ سے اس جواب کا فساد واضح کیا جا چکا ہے اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

(۲) کہا جاتا ہے کہ ائمہ اہل بیتؑ میں سے فقط دو بزرگواروں حضرت علیؑ اور حضرت حسنؑ کو ریاست و امارت حاصل ہوئی۔ چونکہ دوسرے ائمہ کو سلطنت و مملکت حاصل نہیں ہوئی لہٰذا ہم انہیں امام تسلیم نہیں کر سکتے کیونکہ امامت "ریاست عامہ نیابۃً من النبیؐ" کو کہتے ہیں لہٰذا وہ نصوص جو ان کی امامت پر دلالت کرتے ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ یہ امام فی الفتویٰ ہیں۔

(الجواب) ان حضرات کا جواب چند وجوہ کی بنا پر درست نہیں ہے۔

اولاً اگر بالفعل ظاہری طور پر پورے تسلط و غلبہ اور حصول امارت و ریاست عامہ کو شرط امامت قرار دیا جائے تو اس سے متعدد مفاسد لازم آئیں گے۔

(الف) مانعین زکوٰۃ کے زکوٰۃ نہ دینے کے وقت ان حضرات کو ماننا پڑے گا کہ حضرت ابوبکر خلیفہ نہ رہیں۔ ولو بالنسبۃ الیہم۔

(ب) جن دنوں حضرت عثمان محصور تھے (چالیس روز) ان کا ظاہری تسلط و غلبہ اور اقتدار سلب ہو چکا تھا لہٰذا ان کی خلافت کا بھی انہیں انکار کرنا پڑے گا۔

(ج) جنگ جمل اور صفین وغیرہ کی اثناء میں حضرت علیؑ کی خلافت و امامت سے بھی دست بردار ہونا پڑے گا۔ کیونکہ انہیں بھی پوری ریاست عامہ حاصل نہ تھی۔

(د) ان سب سے بالاتر بنا بریں ان تمام انبیاء و مرسلین کی نبوت و رسالت کا انکار بھی کرنا پڑے گا
جنہیں کچھ بھی ظاہری تسلط و غلبہ اور ریاست و امارت حاصل نہیں ہوئی تھی بلکہ یا قید و بند میں رہے یا بڑی
بے دردی کے ساتھ اپنی سفاک و بے باک قوموں کے ہاتھوں قتل و غارت کے گھاٹ اتار دیئے گئے
تو امید نہیں کہ کوئی بھی مسلمان ان انبیاء کی نبوت کا انکار کرنے کی جرأت و جسارت کر سکے لہذا جب اصل نبوت
ظاہری تسلط و غلبہ اور اقتدار کے حصول کے بغیر باقی رہ سکتی ہے تو امامت جو کہ اس کی فرع ہے اس کے بغیر
کیوں باقی نہیں رہ سکتی؟

ثانیاً حقیقت یہ ہے کہ امامت و خلافت کا تحقق و حصول فقط نص پر منحصر ہے لہذا جب کسی شخص
کی خلافت و امامت کے متعلق بالفعل نص موجود ہو تو اس کی خلافت و امامت متحقق و ثابت ہو جائے
گی اور وہ شخص عنداللہ امام مفترض الطاعۃ قرار پائے گا۔ اور خداوند عالم کی طرف سے ریاست عامہ
حاصل کرنے کا مستحق سمجھا جائے گا۔ لیکن اسے بالفعل تمکن و تسلط دینا اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا
یہ لوگوں کا وظیفہ ہے اگر وہ اپنے فرض منصبی کو ادا کریں گے تو اس میں انہی کا دینی و دنیوی فائدہ مضمر ہے
اور اگر وہ اس کی معصیت و نافرمانی کر کے اپنے کو ضلالت کے گڑھے میں ڈال دیں گے تو اس سے خلیفہ و
امام اپنے منصب خلافت و امامت سے ہرگز معزول نہیں ہوگا اور یہی حال نبی کا ہے وھذا واقع
لمن القی السمع وھو شہید

ثالثاً خود بعض علمائے اہل سنت نے بھی اس حقیقت کا اقرار و اعتراف کر لیا ہے کہ ظاہری ریاست و امارت کو امامت
و خلافت کے تحقق میں کوئی دخل نہیں ہے۔ حضرت مولانا حکیم امیر الدین صاحب مرحوم مترجم و محشی فلک النجاۃ
ص ۲۲۸ پر مطبوعہ لاہور کے حاشیہ نمبر ۲ پر کتاب "مستصفا والمحاوی المنہج ثانی ص ۳" کے حوالہ سے رقمطراز ہیں "ابو بکر
سلمی حنفی سے نقل کیا گیا ہے کہ اس نے "تمہید فی بیان التوحید" میں کہا ہے یہ قول غلط ہے کہ جب امام کو غلبہ
حاصل نہ ہو اور اس کی کوئی اطاعت نہ کرے تو امام نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ امام کی اطاعت فرض ہے اور اگر لوگوں
کی سرکشی سے امام کو غلبہ حاصل نہ ہو تو یہ امر امام کو امامت سے معزول نہیں کر سکتا اور امامت کی نافرمانی امامت
کو مضر نہیں کیا تو نہیں دیکھتا کہ نبی ابتدائے اسلام میں باوجود نبی ہونے کے مطاع نہیں تھے یعنی لوگ ان کی
متابعت نہیں کرتے تھے اور مکہ والوں پر رسول کو قہر و غلبہ حاصل نہ تھا۔ تاہم اس بات سے نبوت نبی میں
کچھ نقص نہیں آیا تھا اور نہ وہ نبوت سے اس باعث معزول ہوئے تو امام بھی چونکہ خلیفہ نبی ہے اگر تمام مسلمان
فرمانبردار اس کے نہ ہوں تو یہ امر اس کو امامت سے معزول نہیں کرتا۔ اگرچہ سب لوگ معاذاللہ مرتد ہو جائیں۔
تب بھی امام معزول نہیں ہوتا۔ بلکہ نافرمانی کا گناہ مخالفین پر ہوگا۔ جیسا کہ علی جمیع مسلمانوں کے مطاع نہیں ہوئے

تھے اور امام تھے۔ ان حقائق کی روشنی میں ان حضرات کا یہ دوسرا جواب جو فی الحقیقت سراب اور خود التحقیق ایک شبہ سے زائد کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ بالکل باطل ثابت ہو گیا اور معلوم ہو گیا کہ نبی کی طرح امام کے لئے بھی ظاہری دنیوی اقتدار کا ہونا لازم نہیں۔

(۳) اسی طرح یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر ائمہ اہل بیت ہی امام برحق تھے تو خداوند عالم نے قرآن مجید میں ان کے نام کیوں نہیں بتا دیئے؟ اس شبہ کا تحقیقی جواب ساتویں باب میں دیا جا چکا ہے علاوہ بریں یہ دو الزامی جواب بھی دیئے جا سکتے ہیں۔

(الف) اگرچہ اکثر اہل سنت کے نزدیک امامت فروع دین میں داخل ہے مگر ہے اس قدر اہم کہ تقرر خلیفہ و امام کی خاطر جنازہ رسول کو بھی مؤخر بلکہ ترک کیا جا سکتا ہے تو جب خدا نے معمولی معمولی فروع دین کے مسائل قرآن میں بیان کر دیئے تو خلفاء کے نام کیوں نہ بتا دیئے۔ فما ھو جوابکم فھو جوابنا۔

(ب) سابقہ بعض ابواب میں درج کیا جا چکا ہے کہ بعض علمائے اہل سنت مثل ابن حجر مکی و ابن حزم وغیرہ امامت بالنص کے قائل ہیں اور اس سلسلہ میں اپنے مزعومہ خلفاء کی خلافت ثابت کرنے کے لئے بعض مجعول احادیث نبویہ پیش بھی کرتے ہیں تو اگر یہ نظریہ درست ہے کہ امامت منصوص ہونی چاہیئے تو پھر خود ان پر یہ ایراد وارد ہو گا کہ بقول تمہارے۔ قرآن اس سلسلہ میں خاموش ہے؟ جو جواب وہ دیں گے وہی ہمارا جواب متصور ہو گا بہرحال ماننا پڑے گا کہ منشاء قرآن کا بیان پیغمبر اکرم کے فرمان میں موجود ہے جو وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ کے مصداق ہیں جب ان کے کلام حقیقت ترجمان میں ائمہ اہل بیت کے نام موجود ہیں تو پھر اس سوال کی کیا وقعت رہ جاتی ہے کہ قرآن میں یہ نام کیوں مذکور نہیں ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ قرآن نے صرف امام کے اوصاف و شرائط بیان کر دیئے ہیں جو خود بخود اپنے مصداق و موصوف کو تلاش کر لیتے ہیں۔ نام پر نام تو رکھنا آسان ہے مگر اوصاف کمالیہ کا نمونہ پیش کرنا بہت مشکل ہے۔

(۴) اسی طرح یہ شبہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ ائمہ اہل بیت میں سے اکثر نے امامت کا دعویٰ ہی نہیں کیا۔ پھر ہم ان کو کیونکر امام تسلیم کر سکتے ہیں؟

یہ تو بلا تشبیہ مدعی سست اور گواہ چست والا معاملہ ہے! اس شبہ کا جواب باصواب بھی ساتویں باب میں تفصیلاً دیا جا چکا ہے کہ اگر دعوائے امامت سے مراد یہ ہے کہ شمشیر بکف ہو کر میدان کارزار میں کیوں نہیں کود پڑے۔ تو یہ امام بلکہ نبی کے لئے بھی لازم نہیں ہے اور اگر یہ مراد ہے کہ زبانی طور پر اپنی امامت و خلافت کا ادعا کیا جائے تو یہ ادعا تاریخ کی ناقابل تردید شہادت سے

سے ثابت ہے۔ اس کا انکار سراسر مکابرہ و مجادلہ ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ ائمہ اہل بیتؑ نے اپنی خلافت و امامت کا ادعا نہیں فرمایا۔ یہ حقائق سے عمداً چشم پوشی پر مبنی ہے۔ جس کی کوئی باخبر و اطلاع شخص تائید نہیں کر سکتا۔ اِنَّ فی ھٰذا لبلاغاً لقوم یعقلون۔

بابُ یازدہم

فرقۂ حقہ امامیہ یعنی شیعہ اثنا عشریہ کے علاوہ دیگر فرق شیعہ کا بطلان

سابقہ ابواب میں ائمہ اہل بیتؑ کے متعلق جو نصوص قرآنیہ و حدیثیہ بیان کئے گئے ہیں۔ جب ان سے ائمہ دوازدہ کی خلافت و امامت حقہ ثابت ہو گئی تو اس سے فرقۂ حقہ امامیہ اثنا عشریہ کی صداقت و حقانیت اور ان کے علاوہ دیگر فرق شیعہ مثل زیدیہ، کیسانیہ، اسماعیلیہ، فطحیہ اور واقفیہ وغیرہ کے نظریات و معتقدات کا بطلان بھی واضح و عیاں ہو گیا۔ اب بحمدہ تعالیٰ ہمیں اس امر کی ضرورت نہیں رہی کہ ان فرق باطلہ میں سے ہر ایک فرقہ کے نظریہ کی بالخصوص علیحدہ علیحدہ تردید کی جائے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ جب بارہ اماموں کی امامت حقہ ثابت ہو گئی تو اس سے چہار امامیہ و ہشت امامیہ اور ہفت امامیہ وغیرہ وغیرہ کا بطلان خود بخود عیاں ہو جاتا ہے۔

علاوہ بریں جب یہ حقیقت عقلاً و نقلاً ثابت ہے کہ فرقہ ہائے اسلام میں سے صرف ایک ہی فرقہ حق پر ہو سکتا ہے اور وہی فرقہ ناجی ہے اور اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اس کی بیّن دلیل ہے کہ وہ فرقہ حقہ امامیہ شیعہ اثنا عشریہ ہی ہے تو اس سے خود بخود دوسرے سب فرقوں کا بطلان کالشمس فی رابعۃ النہار واضح و آشکار ہو جاتا ہے۔

اصحاب ائمہ کے اختلاف کے اسباب یا ان کے شبہات

ہاں البتہ چونکہ اکثر اہل جماعت و جمہور خواہان بنی امیہ اصحاب ائمہ علیہم السلام کے باہمی اختلاف و افتراق کو ان کی نص امامت کے موجود نہ ہونے کی دلیل قرار دیا کرتے ہیں لہٰذا ان کے اس زعم فاسد کا اجمالاً ابطال مناسب معلوم ہوتا ہے۔ واضح ہو کہ اصحاب ائمہ کے بعض ائمہ طاہرین کی امامت میں اختلاف کرنے کو نص کے موجود نہ ہونے کی دلیل قرار دینا۔ بچند وجہ درست نہیں ہے

وجہ اوّل اگرچہ وہ وجوہ جو حضرت امیر علیہ السلام سے صحابۂ رسول کے انحراف و انحرافات کے بیان میں باب سابق میں بہ تفصیل بیان ہو چکے ہیں ان میں سے اکثر یہاں بھی جاری ہیں۔ اجمالاً اتنا سمجھ لیجئے کہ جس طرح اصحاب رسول میں ہر مکتب خیال کے لوگ موجود تھے جن کی اجمالی کیفیت مقام

مذکورہ بیان ہو چکا ہے بعینہٖ اسی طرح اور اسی قماش کے لوگ اصحاب ائمہ علیہم السلام میں بھی شامل تھے
لہٰذا جو اغراض فاسدہ صحابۂ رسولؐ کے حضرت امیرؑ سے باوجود نصوص کثیرہ اعراض و انحراف کا سبب بنے
تھے وہی مقاصد فاسدہ بعض اصحاب ائمہؑ کے لئے بھی باعث ضلالت و گمراہی بنے۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ
اصحاب ائمہ معصوم نہ تھے جن سے اس قسم کی خطاء و لغزش کا صدور نہ ہوتا بلکہ ان کی پوزیشن صحابۂ رسول
سے بہت کم ہے۔ صحابۂ رسول کے متعلق تو پھر بھی مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت یہ نظریہ رکھتی ہے کہ "کلہم
عدول" لیکن صحابۂ ائمہؑ کے متعلق تو کوئی شخص بھی یہ نظریہ نہیں رکھتا۔ لہٰذا اول الذکر حضرات باں ہمہ
عظمت نصوص صریحہ سے اعراض کر کے اختلاف و افتراق کا مظاہرہ کر سکتے ہیں تو کیا اصحاب ائمہؑ اس
امر شنیع کے مرتکب نہیں ہو سکتے؟ ضرور ہو سکتے تھے اور ہوئے۔

وجہ دوم

اسی طرح اس مقام پر بھی نصوص قاطعہ کے مقابلہ میں بعض اجتہادات فاسدہ عمل میں
لائے گئے جیسا کہ کتب سیر و تواریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے مثلاً کتاب "فرق الشیعہ"
میں (فرقہ کیسانیہ) جو کہ حضرت محمد ابن حنفیہ کی امامت کے قائل ہیں، محمد ابن حنفیہ کی امامت کے قائل ہونے
کی وجہ یہ لکھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ چونکہ حضرت امیرؑ نے جنگ صفین میں اپنے لشکر کا علمبردار ان کو قرار
دیا تھا۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ یہی آپ کے خلیفہ و جانشین ہیں۔ ان خدا کے بندوں کو اتنا بھی معلوم نہیں
کہ حضرات حسنینؑ شریفین کو جنگ میں نہ بھیجنا ان پر حضرت امیرؑ کی کمال شفقت و رأفت اور نسل رسولؐ کی
بقا کے اہتمام کی دلیل ہے۔ جیسا کہ نہج البلاغہ میں ۔ ؛ خود حضرت امیر المومنینؑ کی زبانی یہی وجہ مروی
ہے۔ کسی شخص کا کسی جنگ میں علمبردار ہونا اس کی امامت کی دلیل نہیں ہو سکتا۔

وجہ سوم

اسی طرح فرقہ فطحیہ کے متعلق جو کہ عبداللہ افطح فرزند حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام
کی امامت کے قائل ہیں، کہا جاتا ہے کہ ان کا یہ عقیدہ اس خیال پر مبنی ہے کہ چونکہ
وہ حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام سے سن میں بڑے ہیں اور امامت بڑے بیٹے کا حق ہے۔ بنابریں عبداللہ
ہی امام ہوں گے۔ مگر یہ نہ دیکھا کہ اگر بعض عمومات میں یہ پایا جاتا ہے کہ امام سابق کی اولاد میں سے یہ
عہدۂ جلیلہ بڑے بیٹے کو ملتا ہے لیکن ان عمومی روایات میں یہ قید بھی مذکور ہے کہ "ما لم تکن به
عاهة" کہ جب تک اس بڑے بیٹے میں کوئی نمایاں عیب موجود نہ ہو (اصول کافی) بنابریں ان عقل و
خرد کے دشمنوں نے ان عمومات کو تو دیکھا لیکن اس شرط کو نظر انداز کر دیا اور یہ نہ سوچا کہ عبداللہ افطح گو
حضرت امام موسیٰ ابن جعفرؑ سے عمر میں بڑے ہیں۔ لیکن ان میں عیب پایا جاتا تھا (وہ سر اور پاؤں معمول سے
بڑے تھے) لہٰذا وہ مستحق امامت نہیں ہو سکتے۔ ان لوگوں پر جو بعض عمومات کے ساتھ تمسک کر کے

ان کے مخصوصات کو نظر انداز کر دیتے ہیں .... یہ شعر پوری طرح منطبق ہوتا ہے۔

؎ وقل للذی یدعی فی العلم فلسفۃ حفظت شیئاً وغابت عنک اشیاء

مذکورہ بالا بیان حق ترجمان سے فرقۂ اسماعیلیہ (جو آج کل آغا خانی کہلاتا ہے) کا بطلان بھی واضح ہو جاتا ہے۔ ان لوگوں کی بھی یہی دلیل علیل ہے کہ جناب اسمٰعیل عمر میں حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے بڑے تھے۔ لہٰذا امامت کے مستحق وہی ہیں، انہوں نے یہ نہ سوچا کہ اگر فی الواقع امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد جناب اسماعیل ہی امام ہوتے تو حضرت امام جعفر صادقؑ کی زندگی میں ان کا انتقال نہ ہوتا۔ آیا یہ ممکن ہے کہ بعد میں ہونے والا امام سابق امام کے عین حیات میں انتقال کر جائے؟ ان حقائق کی روشنی میں ماننا پڑے گا کہ عہدۂ امامت اس بڑے بیٹے کو ملتا ہے جو اپنے باپ (امام سابق) کی وفات کے وقت موجود ہو اولاد سے عمر میں بڑا ہو۔ اور اس میں بھی یہ شرط ہے کہ اس میں کوئی خلقی یا خُلقی عیب ونقص موجود نہ ہو۔ ان حقائق کو پیش نظر رکھنے کے بعد یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد اس معیار پر سوائے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے اور کوئی پورا نہیں اترتا۔ لہٰذا صادقین مرتبہ کی اقلیم امامت کے تاجدار بھی یہی بزرگوار ہوں گے۔ وھو المقصود وقد حصل بعون اللہ المعبود اس بیان حقیقت ترجمان سے واضح وعیاں ہو گیا کہ نصوص قطعیہ کے مقابلہ میں ان ذاتی اجتہادات وقیاسات کی کوئی حقیقت وحیثیت نہیں ہے اور نہ ان لوگوں کا اختلاف قابل اعتنا ہے۔ لان الاجتہاد فی مقابل النص باطل بالاتفاق۔ قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی وما انا من المشرکین۔

بابُ دوازدہم

فرقۂ ناجیہ کی تحقیق

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ستفترق امتی علی ثلث وسبعین فرقۃ کلھا فی النار الا واحدۃ منھا ناجیۃ۔ "آنحضرتؐ فرماتے ہیں۔ میری امت تہتّر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ جن میں سے فقط ایک فرقہ نجات پائے گا اور دوسرے سب فرقے جہنم میں جائیں گے" (حدیث نبوی متفق علیہ) اس حدیث شریف کو آنحضرتؐ کے معجزات میں شمار کرنا چاہیئے کیونکہ جیسی مخبر صادقؐ نے خبر دی تھی ویسا ہی ہوا کہ آپ کی امت تہتّر فرقوں میں بٹ گئی۔ اور قطع نظر روایتی حیثیت کے درایتی نقطۂ نگاہ سے یہی بات اس حدیث کی صحت کی سب سے بڑی دلیل ہے نیز اسی حدیث شریف کے پیش نظر مختلف ملل و مذاہب کے عقائد و نظریات سے بحث کرنا ایک مستقل فن قرار پا چکا ہے اور اس موضوع پر بیسیوں کتابیں جیسے ملل و نحل، الفصل، تبصرۃ العوام، وبیان المذاہب، تمہید المذہب، ایجاز المطالب، عوارف المعارف اور معارف الملت الناجیۃ والناریہ وغیرہ لکھی جا چکی ہیں۔ از روئے قواعد روایت و درایت اس حدیث کا صحیح ہونا ایک قطعی امر ہے لہٰذا اس کی صحت کے متعلق بحث کرنا بے فائدہ معلوم ہوتا ہے۔ ہاں جس قدر اختلاف ہے وہ فقط "فرقۂ ناجیہ" کی تعیین و تشخیص میں ہے اور یہی بات اہم ہے چنانچہ بمصداق "کل حزب بما لدیھم فرحون" فرقہ ہائے اسلام میں سے ہر فرقہ اپنے کو ناجی اور دوسرے تمام فرقوں کو ناری بتاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ فقط ایک ہی فرقہ کا ناجی ہونا علاوہ نقلی دلیل کے جس پر یہی حدیث شریف بالتصریح دلالت کرتی ہے۔ عقلی دلیل سے بھی ثابت ہے ظاہر ہے کہ اگر تمام فرقہ ہائے اسلام باوجود اختلاف عقائد و آراء برحق سمجھے جائیں تو اس صورت میں اجتماع النقیضین لازم آئے گا اور یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ سب باطل پر ہوں کیونکہ اس صورت میں ارتفاع النقیضین لازم آتا ہے اور یہ دونوں امر محال و ممتنع ہیں۔ علاوہ بریں علم ریاضی کے جاننے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ جب ایک مبداء سے منتہٰی کی طرف متعدد خطوط کھینچے جائیں تو ان سب خطوط میں سے فقط ایک ہی خط درست اور سیدھا ہو سکتا ہے لہٰذا مطابق ارشاد نبوی عقلاً بھی لازم

ہے کہ ایک ہی فرقہ ناجی ہو اور دوسرے سب فرقے ناری ہوں یہ ملحوظ رہے کہ اس ناجی فرقہ کا تعلق بہرحال اسلام سے ہے کیونکہ دینِ اسلام کی حقانیت ناقابلِ تردید دلائل سے ثابت ہے جس طرح دوسرے ملل و ادیان کا بطلان عیاں راچہ بیاں کا مصداق ہے۔ اس حدیث شریف سے بحث کرتے وقت دو امر نہایت قابلِ تامل و تدبر ہیں۔

امرِ اوّل

پہلا یہ کہ اس مقام پر ہر بیدار مغز انسان کے دل و دماغ میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سرکار خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برابر تیئس ۲۳ سال تک باوجود تبلیغِ حق میں غیر معمولی مساعی جمیلہ فرمانے اور ہر ممکن طریقے سے راہ رشد و ہدایت دکھانے اور اتفاق و اتحاد کی ترغیب و تحریص دلانے اور افتراق و اختلاف سے بچانے کے امت اس قدر انتشار و خلفشار کا شکار کیوں ہو گئی اس اختلاف و افتراق کے کیا علل و اسباب ہیں؟

امرِ دوم

فرق اسلام میں سے وہ ناجی فرقہ کون سا ہے آیا اس کی تعیین و تشخیص پر کوئی عقلی و نقلی دلیل موجود ہے یا نہیں؟

اختلافِ اُمت کے اسباب

امر اوّل کے متعلق جواباً گذارش ہے کہ اس موضوع پر قلم اٹھانے والے حضرات نے اس اختلاف کے متعدد علل و اسباب ذکر کئے ہیں چنانچہ علامہ شہرستانی نے اپنی کتاب ملل و نحل کے مقدمہ از صٓ تا صٓ۲۳ طبع مصر میں اختلافِ امت کے گیارہ علل و اسباب ذکر کئے ہیں جن میں سے پہلا سبب عہدِ رسالت کے منافقین کی اسلام کش حرکات اور سازشوں اور دوسرا سبب "قضیۂ قرطاس" کو قرار دیا ہے اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں ہے کہ ان سب علل و اسباب کو یہاں نقل کیا جائے۔ شائقین کتاب مذکور کی طرف رجوع کریں۔ ہم نے اس سلسلہ میں جہاں تک غور و تامل کیا ہے تو معلوم ہوا ہے کہ اس اختلاف و افتراق کا بنیادی سبب ایک اور فقط ایک ہے اور وہ ہے عترتِ رسولؐ سے اعراض و انحراف۔ ہمیں ہر ناظر بصیر اور ناقد خبیر سے امید کامل و رجاء واثق ہے کہ سابقہ ابواب کے مندرجات کو بنظرِ غائر پڑھنے کے بعد اس سلسلہ میں یقیناً ہمارے ساتھ اتفاق رائے کرے گا۔

ہم سابقہ ابواب میں بدلائل ساطعہ و براہین قاطعہ یہ امر محقق و مبرہن کر چکے ہیں کہ حکیم اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار نہیں بلکہ بیسیوں بار اپنی عترت طاہرہ سے تمسک و اعتصام اور ان کی اتباع و اقتداء کو موجبِ اتفاق و اتحاد اور باعثِ نجاح و فلاح قرار دے کر ان سے تخلف و اعراض کو باعثِ اختلاف و افتراق اور موجبِ ضلالت و گمراہی قرار دیا ہے۔ حدیث شریف ثقلین، حدیث سفینہ

اور بالخصوص حدیث اہل بیتی امان لامتی من الاختلاف فاذا خالفتھا قبیلۃ صارت حزب ابلیس) میرے اہل بیتؑ میری امت کے لئے اختلاف سے بچنے کا واحد ذریعہ ہیں جب بھی کوئی قوم و قبیلہ ان کی مخالفت کرے گا وہ شیطان کا گروہ ہو کر رہ جائے گا۔ (صواعق محرقہ ۲۳۴ طبع جدید) اس حقیقت پر بطور نص صریح دلالت کرتی ہے۔ کما لا یخفیٰ۔

جب اُمت رسولؐ نے حکیم اُمت کے ارشاد کو پس پشت ڈالتے ہوئے ائمہ اہل بیتؑ سے منہ موڑ کر غیروں سے اپنا رشتہ جوڑ لیا اور خدا و رسول کے مقرر کردہ ائمہ اطہارؑ و پیشوایان اخیار سے اعراض و روگردانی اختیار کر کے اپنے خود ساختہ و پرداختہ ائمہ و خلفاء کی فرمانبرداری و پیروی شروع کر دی تو اتفاق و تحاد و خلق ہو گیا اور اُمت تہتر فرقوں میں بٹ کے رہ گئی۔ باقی رہا یہ امر کہ ان ائمہ دین سے اعراض کیوں کیا گیا؟ تو اس کے بعض حقیقی علل و اسباب کے چہرہ سے ساتویں باب میں نقاب کشائی کی جا چکی ہے۔ وہاں رجوع کیا جائے۔ معلوم ہوا کہ وہ نعمت عظمیٰ جس سے اسلام نے تمام ذاتی عداوتوں اور قبائلی کینوں کو عربوں کے سینوں سے دور کر کے مسلمانوں کو سرفراز کیا تھا اور "فاصبحتم بنعمتہ اخوانا" کا تاج ان کے سروں پر رکھا تھا۔ مسلمان اس دولت کو اپنی شقاوت و بدبختی کی وجہ سے بہت جلد اپنے ہاتھوں سے کھو بیٹھے، اور اس کے فیوض و برکات سے زیادہ مدت تک فیض اندوز نہ ہو سکے۔ سچ ہے

"ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسھم" ؎

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

آج کا ذکر ہی کیا قرن اول ہی میں امت کے اہل بیتؑ سے اعراض و انحراف کرنے کے نتیجہ میں سقیفائی و شورائی کارروائیوں کے نتیجہ میں اس کے خرمن اتفاق و اتحاد کو جو نقصان پہنچا اور وہ جس تشتت و افتراق میں مبتلا ہو گئی اس کا نقشہ اس عہد کے ایک اسلامی شاعر نے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

؎ وتشعبت شعباً بکل قبیلۃ فیھا امیر المؤمنین ومنبر

فرقہ ناجیہ معلوم کرنے کا پہلا طریق

یعنی مذکورہ بالا حقائق سے دوسرا امر بھی منقح و معلوم ہو گیا اور واضح ہو گیا کہ رشد و ہدایت اور فوز و فلاح صرف اہل بیتؑ ہی کے سفینہ نجات پر سوار ہونے میں منحصر ہے۔ اس مقام پر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ آیا تمام امت نے ان ائمہ اطہارؑ کے دامن سے دست بردار ہو گئی یا کچھ لوگوں نے وصیت رسول الثقلین کا احترام کرتے ہوئے اپنے تمام دینی و دنیوی امور کی زمام قیادت و سیادت ان ذوات مقدسہ کے ہاتھ میں دے دی اور تمام اصول و فروع، تفسیر قرآن، معارف اسلام اور مسائل حلال و حرام کو انہی باب مدینہ علم نبی سے

غور کیا جائے تو صفحاتِ تاریخ شاہد ہیں کہ وفاتِ پیغمبرؐ سے لے کر آج تک ہمیشہ ہر زمانہ میں صرف ایک گروہ ایسا
رہا ہے اور بحمدہٖ اب بھی موجود ہے جس نے آنحضرتؐ کے فرمان واجب الاذعان کو بہ نظر استحسان دیکھتے
ہوئے ان ائمہ دین کے اکرام و احترام میں کبھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور ہر عصر میں ہر امکانی حد تک ان
کے دامنِ اقدس کو کبھی اپنے ہاتھ سے نہیں چھوٹنے دیا ہمیشہ اپنے دینی و دنیوی معاملات میں انہی پر اعتماد
اور انہی کی طرف رجوع کیا ہے۔ اگرچہ یہ گروہ تعداد میں بہت قلیل رہا ہے (وقلیل من عبادی الشکور)
لیکن وہ باطل کی بڑی بڑی جابر و ظالم طاقتوں سے کبھی مغلوب و مرعوب بھی نہیں ہو سکا بلکہ ہمیشہ اس نے نہایت
جوانمردی سے حق و صدق کے علم کو بلند رکھا اور تن من دھن کی بازی لگا کر بھی کبھی اسے سرنگوں نہیں ہونے دیا
اب اس گروہ کا سراغ لگانا لازم ہے جب وہ گروہ معلوم ہو جائے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ یہی "ناجی گروہ" ہے
ہم ہر منصف مزاج ناظر بصیرت افروز تدبر کو دعوت غور و فکر دیتے ہیں کہ وہ چشم بصیرت سے تعصب و عناد
کی عینک اتار کر گردن سے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کا قلادہ اتار کر اور عدل و انصاف کو "مشعلِ راہ" بنا کر تمام
فرقہ ہائے اسلام کے عقائد و نظریات اور ان کے اصول و فروع کے مدارک و مصادر پر تفصیلی نظر ڈالے
اور تمام کوائف کا صحیح جائزہ لینے کے بعد خدائے علیم و حکیم کو حاضر و ناظر سمجھ کر طالبانِ حق و حقیقت
کو بتلائے کہ آیا تمام فرقہ ہائے اسلام میں سوائے اسی ایک مظلوم فرقہ کے جس کو "رافضی" "بدعتی"
"شیعہ" اور نہ معلوم کن کن برے اسماء و القاب سے برادرانِ اسلام یاد کرتے ہیں (اگرچہ پیغمبرِ اسلام
نے ان کو "شیعہ خیر البریہ" کا جلیل القدر لقب عطا فرمایا ہے) اور کوئی فرقہ ایسا نظر آتا ہے جو معیار
بالا معیارِ حقانیت و میزانِ صداقت پر پورا اترے؟ ہمیں سو فیصدی یقین کامل ہے کہ اس کا جواب
نفی میں دیا جائے گا کیونکہ

؎ اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

ائمہ اہل بیتؑ کیساتھ مسلمانوں کی بے انصافیوں کا اجمالی تذکرہ

ارباب اطلاع پر مخفی نہیں کہ دنیائے اسلام میں فقط شیعہ خیر البریہ ہی ایک ایسا فرقہ موجود ہے جو اپنے مذہب حق کے تمام
مسائل و احکام کو انہی معادنِ علم و تاویل و مہبطِ وحی و تنزیل اور مخزنِ عفت و عصمت و منابعِ
نبوت و طہارت سے اخذ کرتا ہے اور جبکہ دوسرے فرقہ ہائے اسلام اپنے مذاہب کو اپنے
خود ساختہ ائمہ و پیشواؤں کی طرف منسوب کرتے ہیں تو یہ مظلوم فرقہ بڑے فخر و مباہات کے ساتھ اپنے
مذہب حق کو خدا اور رسولؐ کے مقرر کردہ انہی ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی طرف منسوب کرتے

رطب اللسان ہیں۔ اور متقدمین سے کیا گلہ؟ تو اہل محبت اہل بیتؑ کی تو زبانی ادعا تے ہیں، لیکن عملاً فقہ اہل بیتؑ کی طرف
توجہ نہیں۔ ان کی کتابیں دیکھیں جہاں دیکھو ابو حنیفہ اور شافعی اور ابو یوسف اور محمد ابن حسن اور زفر کے اقوال بھرے
ہوئے ہیں، میں نے آج تک کسی حنفی یا شافعی کو نہیں دیکھا جو صادق یا امام باقرؑ یا دوسرے اہل بیتؑ کے اقوال تلاش
کرے ان پر چلے بلکہ ان ائمہ کا تو ذکر کیا ہے انہوں نے سردار اہل بیتؑ یعنی آنحضرتؐ کی احادیث کو بھی چھوڑ دیا اور وہ
ہر مسئلہ میں اپنے مجتہدین پر جان دیتے ہیں ان کو نہ آنحضرتؐ سے غرض ہے نہ اہل بیتؑ سے معاذ اللہ یہ کیا
آفت مسلمانوں پر چھا گئی جن کی پیروی کا حکم تھا ان کو تو چھوڑ بیٹھے اور الٹوں کو پیشوا بنایا ان متعصبوں کا جہل اس
درجہ پر پہنچ گیا ہے کہ اگر کوئی بندۂ خدا کا اہل بیتؑ کے اقوال اور افعال جمع کرے یا ان کے اجتہاد پر چلے تو اس
کو شیعہ کہتے ہیں کیا غضب اگر یہی تشیع ہے تو خدا ہمیں شیعہ ہی رکھے اسی طریق پر مارے۔"

ص ۷۰ پر لکھتے ہیں "حنفیوں اور شافعیوں اور خارجیوں وغیرہ نے قرآن کو تو لے لیا اور عترت کو چھوڑ دیا ان
کی کتابوں میں جہاں دیکھو ابو حنیفہ اور شافعی کے اقوال بھرے پڑے ہیں" اور اسی صفحہ پر کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں
"طالب حق کو چاہیے کہ قرآن شریف کو اپنے مطالعہ میں رکھے اسی طرح طالب حق کو لازم ہے کہ جب کسی مسئلہ
میں مجتہدین یا صحابہ کا اختلاف ہو تو جو حضرت علیؑ اور آپ کی اولاد کرام کا مسلک ہو وہ اختیار کرے۔ امام جعفر صادقؑ
اور امام محمد باقرؑ کے اقوال کو شافعی اور ابو حنیفہ کے اقوال پر مقدم رکھے۔ آنحضرتؐ کا یہی ارشاد ہے"۔ اسی
نور اللغات جلد ۴ ص ۳۵ پر جناب موصوف یہ رطب اللسان ہیں "تمام کے سنیوں نے عترت کو چھوڑ دیا کیونکہ امام حسنؑ و
امام حسینؑ و امام زین العابدینؑ امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادقؑ و امام موسیٰ کاظمؑ و امام علی رضاؑ کے اقوال سے
اہل فقہ جماعت اہل سنت نے اپنی ساری کتابیں ابو حنیفہ و شافعی کے اقوال سے بھر دیں کبھی بھولے سے بھی کسی مسئلہ
میں اہل بیتؑ طہارت کا قول تلاش نہیں کرتے یہ قیامت نہیں تو کیا ہے۔"

یہ مذاہب اسلام کی ائمہ اہل بیتؑ سے بے توجہی و بے التفاتی و بے باکی کا نقشہ مختصر الفاظ سے
ہمارے ایک منصف مزاج عالم دین کے قلم سے پیش کر دیا گیا ہے یہ ایک نہایت تلخ حقیقت ہے جس کا علامہ
وحید الزمان نے باوجود سنی ہونے کے بڑی دلیری سے اظہار کیا ہے جو غیر جانبدار شخص بھی تعصب و عناد
اور جمود و قساوت سے دامن بچا کر اور عدل و انصاف سے کام لے کر سوائے شیعوں کے دیگر مذاہب اسلام
کی کتب وغیرہ پر نظر کرے گا وہ حرف بحرف علامہ موصوف کی تائید و تصدیق کرے گا۔ کیونکہ اس نقد و نظر سے
اس پر واضح ہو جائے گا کہ مسلمانوں کی کتب فقہ ابو حنیفہ و شافعی اور ابو یوسف و محمد ابن حسن و زفر و حماد اور اوزاعی
وغیرہ کے اجتہادات و نظریات سے لبریز ہیں اور کتب تفاسیر قتادہ، مجاہد، سدی، عکرمہ و حسن بصری وغیرہ
کے اقوال و آثار سے مملو و مشحون ہیں اور کتب احادیث انس ابن مالک، ابن عمر، ابوہریرہ، و بی بی عائشہ وغیرہم

صحیح نقل نہیں کی گئیں کہ پاؤں کا مسح کرنا حضرت باقرؑ کا مذہب اور خرگوش کی حرمت حضرت صادقؑ کا مذہب ہونا ان کی کتب میں موجود نہیں، کیونکر اس پر عمل کیا جاتا ہے اور کیوں ان کے مخالف روایت و آثار ائمہ کو مقدم سمجھا جاتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين۔

ثالثاً اگر ان سب حقائق سے قطع نظر کر کے بفرض محال چند منٹ کے لیے یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اہل بیتؑ کی کوئی صحیح روایت کتب اہل اسلام میں نہیں ملتی تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟ کیا وجہ ہے کہ خوارج کی روایات سے تو مسلمانوں کی کتابیں پُر ہوں لیکن حاملانِ شریعت کی کوئی روایت موجود نہ ہو ہم نے جہاں سے روایات لیں ان کو غلط قرار دے دیا گیا اگر ہماری روایات جو ہم نے بیان کیں غلط تھیں تو ان کے علماء کرام کا فرض تھا کہ ائمہ علیہم السلام کی روایت کو ثبت و ضبط کرنے میں اہتمام کرتے لہٰذا پھر بھی "بعد اللتيا والتي" محمد اہلبیتؑ سے بے انصافی برتنے اور ان سے بے اعتنائی کرنے کی ذمہ داری انہی لوگوں پر اور انہی کے سرگروہوں پر عائد ہوتی ہے۔ کسی قاعدہ قانون سے انہیں اس جرم سے بری نہیں کیا جا سکتا۔

عذر دوم کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ آخر ابو حنیفہ صاحب بھی تو حضرت امام صادق علیہ السلام کے شاگرد ہیں دونوں کا مذہب ایک ہے اس عذر کی کمزوری واضح ہے اور چند وجوہ سے یہ عذر باطل ہے۔

اولاً یہ استادی اور شاگردی والا افسانہ ان کے ہاں مسلّم ہی نہیں ہے چنانچہ ابن تیمیہ حرانی منہاج السنۃ ج ۴ ص ۱۴۳ مطبوعہ مصر پر لکھتے ہیں قال الرافضي اما ابو حنيفة فقرأ على الصادق فالجواب ان هذا من الكذب الذي يعرفه من له ادنى علم۔ "رافضی (جناب علامہ حلیؒ) نے کہا ہے کہ ابوحنیفہ نے حضرت صادق سے پڑھا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایسا جھوٹ ہے جسے ہر معمولی علم والا سمجھ جاتا ہے" یہ اور بات ہے کہ بعض علمائے اہل سنت نے ابن تیمیہ کے نظریہ کی انہی نرم و نازک لفظوں سے تردید کر دی ہے جن لفظوں سے ابن تیمیہ نے علامہ حلیؒ کی تردید کی تھی چنانچہ شبلی نعمانی سیرۃ النعمان ص ۴۵ پر رقمطراز ہیں "یہ ابن تیمیہ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہے امام ابو حنیفہ لاکھ مجتہد اور فقیہ ہوں لیکن فضل و کمال میں ان کو حضرت جعفر صادقؑ سے کیا نسبت، حدیث و فقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہلبیتؑ کے گھر سے نکلے وصاحب البيت ادرى بما فيها۔"

ثانیاً اگر یہ شاگردی تسلیم بھی کر لی جائے تو اس کے متعلق یہ کہنا کہ استاد و شاگرد کے نظریات میں اختلاف نہ تھا یہ حقائق سے چشم پوشی پر مبنی ہے ورنہ ہر باخبر انسان جانتا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق اور

یہ ایک راستہ تھا فرقہ ناجیہ کے معلوم کرنے کا جو ارباب انصاف کے نزدیک اس مقصد کو ثابت کرنے کے لئے کافی و وافی ہے لیکن اگر کسی صاحب کو ہنوز اطمینان قلب حاصل نہ ہوا ہو تو اس کی ضیافت طبع کے لئے اس موضوع کی نسبت اور بھی ذیل میں وضاحت کر دی جاتی ہے۔

فرقہ ناجیہ معلوم کرنے کا دوسرا طریق | تفسیر اثنا عشریہ (جو بارہ تفاسیر اہلسنت مثل تفسیر قتادہ و مجاہد و سدی و ابن عباس و ابن مسعود وغیرہ کی تفاسیر سے ماخوذ ہے، مؤلفہ حافظ محمد ابن موسیٰ شیرازی جو کبار علمائے اہلسنت میں شمار ہوتے ہیں) حضرت امیر علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے (کتاب الطرائف ما نقل عن السید ابن طاؤس فی الطرائف و سعد السعود و الحدیث الجواری فی المدارس النجفیہ) اس میں آپ بیان کرتے ہیں کہ جب پیغمبر اسلام نے یہ ارشاد فرمایا ستفترق امتی، الخ تو میں نے عرض کی "یا رسول اللہ، فمن الناجیۃ یا رسول اللہ" وہ ناجی فرقہ کون سا ہے؟ قال المتمسک بما انت علیہ و اصحابک فرمایا تمہارے اور تمہارے اصحاب کے نظریات سے تمسک کرنے والا۔ حدیث شریف حضرت علیؑ اور ان کے تابعین کے مسلک کی صحت و درستی اور ناجی ہونے پر نص صریح ہے۔ اور پہلے ثابت کیا جا چکا ہے کہ حضرت علیؑ کے مذہب پر حضرات شیعہ ہی قائم و دائم ہیں ان کے علاوہ دوسرے فرقے اس راستہ سے یقیناً منحرف ہیں اور اس کی مزید توضیح عنقریب آ رہی ہے۔

تبصرہ | اس مذکورہ بالا حدیث سے اس حدیث کا حال بھی معلوم ہو گیا جو بعض کتب اہل سنت میں مذکور ہے کہ جب بعض صحابہ نے فرقہ ناجیہ کے متعلق آنحضرتؐ سے سوال کیا تو آنحضرتؐ نے فرمایا۔ الآخذ بما انا علیہ و اصحابی کہ فرقہ ناجیہ وہ ہے جو میرے اور میرے صحابہ کے نظریات سے تمسک کرے گا۔ سابق بیان سے اس حدیث کا ضعف واضح و عیاں ہو گیا ہے کیونکہ تمام صحابہ کو مقتدا و پیشوا تسلیم کرنے کی صورت میں بعینہٖ وہی مفاسد لازم آئیں گے جو ہم حدیث "اصحابی کالنجوم" کے ابطال میں بیان کر آئے ہیں لہذا جو دلائل و براہین اس حدیث کے موضوع و مکذوب ہونے پر دلالت کرتے ہیں بعینہٖ وہی ادلہ اس حدیث کے بطلان پر بھی دلالت کرتے ہیں اور اگر بالفرض اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو کون کہتا ہے کہ "اصحابی" سے مراد آنحضرتؐ کے تمام صحابہ ہیں۔ جن میں ہر مکتب خیال کے لوگ شامل ہیں تاکہ ان کو مقتدا قرار دینے سے بے شمار مفاسد لازم آئیں بلکہ یہاں آنحضرتؐ کا اپنی طرح ان صحابہ کے نظریات کے اتباع کو موجب نجات قرار دینا اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ ان سے مراد کچھ مخصوص صحابہ کرام ہیں جو شرف صحبت کے ساتھ ساتھ شرف قرابت نبی سے بھی سرفراز ہیں جیسا کہ حدیث اصحابی کالنجوم اور حدیث خلفاء راشدین کے ذیل میں تحریر ہے جب یہاں اس امر پر روشنی ڈالی جا چکی ہے۔

کہ آپ کے علم میں تھا کہ آپ کے بعد آپ کے اصحاب کے نظریات میں تغیر و تبدیل ہو جائے گا۔ جو آج رسول کے سامنے غدیر کے میدان میں بخ بخ لک یا ابن ابی طالب کہہ کر مبارکباد دے رہے ہیں وہی پیغمبر کی آنکھ بند ہو جانے کے بعد امیر المومنینؑ سے منحرف ہو کر سقیفائی خلافت کی داغ بیل ڈالیں گے نیز یہ حقیقت ہے کہ رسول کی زندگی میں تمام اصحاب کا ایک نظریہ تھا اور سب متفقہ طور پر امیر المومنینؑ کو پیغمبر کا خلیفہ و جانشین سمجھتے تھے۔

ثالثؔ

یہ حدیث لکھنے کے بعد خود جناب صدوق علیہ الرحمہ نے اس کا جواب دے دیا ہے فرماتے ہیں قال مصنف هذا الكتاب الجماعة اهل الحق وان قلوا وقد روي عن النبي صلعم انه قال المومن وحده حجة والمومن وحده جماعة۔ اس کتاب کا مصنف شیخ صدوقؒ کہتا ہے کہ "جماعت" سے مراد اہل حق ہیں اگرچہ تعداد میں کم ہی ہوں آنحضرتؐ سے روایت کی گئی ہے کہ فرمایا مومن تنہا حجت ہوتا ہے اور مومن تنہا جماعت ہے" اس قسم کی روایات جن میں اہل حق کو جماعت سے تعبیر کیا گیا ہے اگرچہ قلیل ہوں، کتب اہل سنت میں بھی موجود ہیں (ملاحظہ ہو کنز العمال ج ۱ ص ۲۱۰ الیواقیت والجواہر ج ۲ ص ۲ وغیرہ)

ان حقائق کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ جو بعض روایات میں آنحضرتؐ کا "الجماعۃ" فرمانا منقول ہے اس کا یہ مطلب ہے یہ کہا جائے کہ اہل حق ناجی فرقہ ہے۔ اب رہا یہ امر کہ اہل حق کون سا فرقہ ہے؟ یہ اس حدیث میں مذکور نہیں ہے دلائل و قرائن خارجیہ سے معلوم کرنا چاہیئے۔ بحمد اللہ متعدد دلائل عقلیہ و نقلیہ اس امر پر موجود ہیں کہ وہ اہل حق فرقہ حضرات شیعہ خیر البریہ ہیں۔ منجملہ ان ادلہ کے تعبیر اثنا عشر والا دلائل ہیں جن کا ابھی ابھی ذکر ہو چکا ہے اگرچہ مآل اس دوسری راہ کی اس سے بھی تسلی ہو جاتی ہے بلکہ اس فرقہ ناجیہ کی تعیین کے متعلق بہتر سوالات کا جواب ہو جاتا ہے۔ دیکھئے د استدلال بڑ ز ہم اسی کی وضاحت مزید اتمام حجت کے لئے اس سلسلہ میں کچھ تصریحات پیش کئے دیتے ہیں لیہلک من هلك عن بينة ويحيى من حي عن بينة۔

فرقہ ناجیہ معلوم کرنے کا تیسرا طریق

اس سلسلہ میں حضرت پیغمبر اسلام کی بکثرت احادیث موجود ہیں جو فرقہ ناجیہ کی تعیین پر بصراحت دلالت کرتی ہیں چنانچہ تذکرہ خواص الامۃ سبط ابن جوزی ص ۳۱ پر ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ قال نظر النبي صلى الله عليه وسلم الى علي ابن ابي طالب فقال هذا وشيعته هم الفائزون يوم القيامة۔ حضرت رسول خدا نے حضرت علی ابن ابی طالب کی طرف دیکھ کر فرمایا یہ اور اس کے شیعہ ہی قیامت کے دن رستگار ہوں گے۔ یہ بھی مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے یوں فرمایا انت في الجنة وشيعتك في الجنة۔ حلیۃ الاولیاء ابو نعیم اصفہانی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جب یہ آیہ "ان الذين آمنوا وعملوا الصالحات اولئك هم خير البرية" نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے جناب امیر علیہ السلام سے فرمایا هم انت وشيعتك تاتي يوم القيامة

بندھے ہوئے ہوں گے نیز اسی کتاب کے اسی ص۱۵۹ میں مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا یا ابا الحسن اما انت وشیعتک فی الجنۃ اے ابوالحسن! آگاہ ہو جاؤ کہ تم اور تمہارے شیعہ جنت میں جائیں گے

نیز ص۱۵۹ پر آنحضرتؐ سے مروی ہے کہ فرمایا انت وشیعتک تردون علی الحوض رواءً مرویین مبیضۃً وجوھکم وان عدوک یردون علی الحوض ظماءً مقمحین اے علی! تم اور تمہارے شیعہ حوض کوثر پر اس حالت میں وارد ہوں گے کہ تم سیراب ہو گے اور تمہارے چہرے سفید ہوں گے اور تمہارے دشمن جب حوض پر آئیں گے تو وہ پیاسے ہوں گے اور ان کے ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے ہوں گے۔

نیز صواعق کے اسی ص۱۵۹ پر مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا یا علی انت واصحابک فی الجنۃ انت وشیعتک فی الجنۃ اے علی تم اور تمہارے اصحاب و شیعہ جنت میں جائیں گے۔

مناقب ابن مردویہ اور مناقب ابن مغازلی اور مناقب خوارزمی میں ابن عباس سے روایت ہے کہ قال سئلت رسول اللہ عن قولہ تعالیٰ والسابقون السابقون اولئک المقربون فقال لی جبرئیل ذلک علی وشیعتہ السابقون الی الجنۃ المقربون من اللہ لکرامتہ لھم۔ میں نے آنحضرتؐ سے قول خداوندی "السابقون السابقون" کے متعلق پوچھا کہ وہ سابق اور مقرب بندے کون ہیں؟ فرمایا کہ جبرئیل نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ وہ علی اور ان کے شیعہ ہیں جو جنت کی طرف سبقت کریں گے اور خداوند عالم کی کرامت و بندگی سے مقرب بارگاہ ہوں گے۔ اس قسم کی احادیث شریفہ کا ایک وافر ذخیرہ کتاب تفسیر در منثور ج۶ ص۳۷۹ جیسی معتبر کتاب میں موجود ہے وہاں ملاحظہ کیا جائے۔

تبصرہ ان احادیث شریفہ میں وارد شدہ لفظ شیعہ سے اسی فرقہ حقہ کا مراد ہونا جو قدیم الایام یعنی عہد اسلام سے "شیعہ علی" کہلاتا چلا آ رہا ہے ایک ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے جس کا کوئی صاحب عقل و انصاف انکار نہیں کر سکتا یہی وجہ ہے کہ سب فقہاء و متکلمین اور سنی علمائے محققین نے اس امر کا اقرار و اعتراف کیا ہے کہ یہ لفظ اسی فرقہ حقہ کے ساتھ مختص ہے چنانچہ ابن خلدون اپنے مقدمہ تاریخ ص۱۹۶ طبع مصر پر رقمطراز ہیں اعلم ان الشیعۃ لغۃ ھم الصحب والاتباع ویطلق فی عرف الفقہاء والمتکلمین من الخلف والسلف علی اتباع علی وبنیہ رضی اللہ عنھم۔ جاننا چاہیے کہ شیعہ باعتبار لغت کے اصحاب و اتباع کے معنی میں آتا ہے لیکن متقدمین و متاخرین فقہاء و متکلمین کے نزدیک اس لفظ کا اطلاق حضرت علی اور ان کی اولاد کے پیروکاروں پر ہوتا ہے۔ اسی طرح شہرستانی اپنی مشہور کتاب

کہ فضائل شیعہ کی مستند روایات دیکھ کر کس طرح ان کی رال ٹپکنے لگی ہے ولقد حق علیہم القول منہا۔

ثالثاً اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ لفظ قرآن و حدیث میں کسی خاص مذہب کا عنوان نہیں ہے تو بھی اس سے ہمارے مقصد پر ہرگز کوئی زد نہیں پڑتی کیونکہ یہ تشکیک زیادہ سے زیادہ جب ہمارے مدعا پر کچھ اثر انداز ہو سکتی تھی جب کہ احادیث میں مطلق "شیعہ" کے فضائل و مناقب وارد ہوتے اور اس لفظ کی نسبت کسی خاص شخصیت کی طرف نہ دی گئی ہوتی تب شاید یہ کہنے کی گنجائش ہوتی کہ لفظ شیعہ کسی خاص مذہب کا عنوان نہیں ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ کسی ایک حدیث میں بھی مطلق "شیعہ" کی کوئی فضیلت بیان نہیں کی گئی بلکہ جس قدر احادیث اس باب میں وارد ہوئی ہیں ان سب میں اس کی نسبت بالخصوص حضرت علی علیہ السلام کی طرف دی گئی ہے یعنی "شیعۂ علی" کے فضائل و مکارم بیان کئے گئے ہیں جس سے اب یہ لفظ ایک خاص مذہب کا عنوان ہو گیا ہے والحمد للّٰہ رب العالمین۔ اب رہا تعیّن امر کہ یہ خاص فرقہ کون سا فرقہ ہے کیا اس سے مراد وہ حضرات ہیں جو آج کل "اہل سنت والجماعت" کہلاتے ہیں یا وہ جو قدیم الایام سے "شیعہ علی علیہ السلام" کہلاتے چلے آ رہے ہیں اس کا فیصلہ بآسانی کیا جا سکتا ہے بغیر قطع نظر ان دلائل و براہین کے اس امر کا فیصلہ خود ناظرین کرام کے انصاف پر چھوڑا جاتا ہے وہ خود ہی بتلائیں کہ وہ کون سا فرقہ ہے جو اس جلیل القدر لقب سے ملقب ہے، اور وہ کون سا فرقہ ہے جو لوگوں کے خود ساختہ خلفاء کو چھوڑ کر حضرت علیؑ اور ان کی اولاد طاہرینؑ کی منصوص خلافت و امامت کا قائل ہے؟ وہ کون سا فرقہ ہے جو سب نام نہاد پیشواؤں کو چھوڑ کر اپنے تمام اصول و فروع میں علیؑ و اولاد علیؑ ہی کی طرف رجوع کرتا ہے؟ اور وہ کون سا فرقہ ہے جو علیؑ و اولاد علیؑ کے فضائل و مصائب کی مجالس و محافل کے انعقاد کو بہترین عبادت شمار کرتا ہے؟ ارباب انصاف کے لئے ان سوالات کا جواب بالکل آسان ہے۔ آنچہ عیان است چہ حاجت بیان است

مذکورہ بالا حقائق سے یہ بات بھی واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ "شیعہ علی" ایک نہایت قدیم فرقہ ہے جس کا بیج سرکار رسالت مآبؐ نے اپنے اعلان نبوت کے ساتھ ہی اپنے دست حق پرست سے اسلام میں بویا تھا نیز خود ہی اس کی آبیاری کی تھی اور اسے پروان چڑھایا تھا۔ انہی حقائق سے ان اہل عناد کے اس قول باطل کا بطلان روز روشن سے بھی اظہر من الشمس ہو جاتا ہے جو یہ بکتے ہیں کہ مذہب شیعہ عبداللہ بن سبا کی پیداوار ہے فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید۔

ملہ اس کی تفصیل رد دیکھنے کے شائقین ہماری تازہ طبع ہونے والی کتاب "تجلیات صداقت" کی طرف رجوع فرمائیں ——— (منہ عفی عنہ)

فرقہ ناجیہ معلوم کرنے کا چوتھا طریقہ مسلمانوں کے درمیان جو سب سے زیادہ نزاعی مسئلہ ہے اور جس پر نجات و فلاح اخروی کا دارومدار سمجھا جاتا ہے وہ ہے مسئلہ امامت۔ مذہب شیعہ سرکار ختمی مرتبت کے بعد حضرت علی اور حسنین کی اولاد میں سے گیارہ ائمہ معصومین کی خلافت و امامت مطلقہ کا قائل ہے اور باقی سب فرق اسلام حضرت ابوبکر و عمر و غیرہ کو آنحضرت کے خلفاء سمجھتے ہیں لیکن جب اس کتاب میں دلائل و براہین سے مذہب شیعہ کے نظریات کی حقانیت اور ائمہ اہل بیتؑ کی امامت مطلقہ ثابت ہو چکی تو اس سے مذہب شیعہ کا فرقہ ناجیہ ہونا بھی واضح و روشن ہو گیا۔ کما لا یخفیٰ۔

فرقہ ناجیہ معلوم کرنے کا پانچواں طریقہ یہ طریقہ وہ ہے جسے محقق طوسی نے بیان فرمایا ہے جیسا کہ فاضل دوانی نے شرح عضدی میں نقل کیا ہے لکھتے ہیں "قال ابن المطہر الحلی فی تصانیفہ قد باحثنا فی ھذا الحدیث مع الاستاذ نصیر الدین محمد الطوسی فی تعیین المراد من الفرقۃ الناجیۃ فاستقر الرای علی انہ ینبغی ان تکون الفرقۃ مخالفۃ لسائر الفرق مخالفۃ کثیرۃ وما ھی الا الشیعۃ الامامیۃ فانہم یخالفون غیرہم من جمیع الفرق مخالفۃ بینۃ بخلاف غیرہم من الفرق فانہم متقاربون فی اکثر الاصول انتہی ملخصاً" (یعنی ابن مطہر حلی (معروف بہ علامہ حلی) نے اپنی تصانیف (منہاج الکرامۃ وغیرہ میں) کہا ہے کہ اس حدیث کے بارہ میں استاد محقق نصیر الدین طوسی کے ساتھ مباحثہ کیا تو نہایت غور و خوض کے بعد یہ طے پایا کہ لازم ہے کہ وہ فرقہ ناجیہ باقی سب (بہتر) فرقوں سے اسلام کے ساتھ (اصول و فروع میں) مخالف و مباین ہو (کیونکہ آنحضرتؐ نے بہتر فرق کو ایک طرف الگ قرار دیتے ہوئے ان کے مقابلہ میں ایک فرقہ کو ناجی قرار دیا ہے) اور ظاہر ہے کہ ایسا فرقہ جو ان امور میں باقی فرقوں کا مخالف ہے وہ فرقہ شیعہ امامیہ ہی ہے کیونکہ یہی (سب اصول و فروع میں) باقی فرق اسلام کے ساتھ کھلم کھلا مخالفت و مباینت رکھتا ہے بخلاف باقی فرقوں کے کہ وہ اکثر اصول و فروع میں باہم قریب قریب ہیں انتہی) یہ بیان حقیقت ترجمان ایسے حقائق پر مشتمل ہے جس کا کوئی صاحب اطلاع و انصاف انکار نہیں کر سکتا۔ کون نہیں جانتا کہ بہتر فرق اسلام اصول عقائد میں تقریباً متفق ہیں اگر کسی معمولی جزئی مسئلہ میں اختلاف ہوتا بھی ہے تو دوسرے مسائل میں پھر اتفاق ہو جاتا ہے بالخصوص مسئلہ امامت میں تو سب ہی متفق ہیں کہ یہ اجماع و شوریٰ سے منعقد ہو جاتی ہے اور یہ کہ خلفائے رسول ابوبکر و عمر و عثمان ہیں اور فروع دین میں سب کے سب فقہائے اربعہ حضرات ابوحنیفہ و شافعی و مالک و احمد حنبل کے تابع ہیں معلوم ہوا کہ بہتر فرق اسلام اصولاً و فروعاً ایک طرف ہیں اور مذہب شیعہ ان سب کے مقابلہ میں وہ واحد فرقہ ہے جو اکثر اصول و فروع میں ان

سے کے مخالف ہے اور اپنے سب اصول و فروع کو ائمہ اہل بیت علیہم الصلوٰۃ والسلام سے اخذ کرتا ہے
وہ اجماع و شورائی امامت کو باطل سمجھتے ہوئے ائمہ اہل بیتؑ کی منصوص امامت و خلافت کا قائل ہے
شیعہ فرقہ ہی ہے جو عدل خداوندی کو اصول دین میں داخل سمجھتا ہے۔ جبکہ دوسرے مسلمان اس کے قائل ہی نہیں
اسی طرح سب فرق اسلام وضو میں پاؤں دھوتے ہیں۔ صرف فرقہ شیعہ امامیہ ہے جو پاؤں کا مسح
کرتا ہے دیگر قریباً تمام فرقے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے ہیں فرقہ شیعہ ہی ہے جو ہاتھ کھول کر نماز
پڑھنے کو واجب سمجھتا ہے۔ شیعہ فرقہ خمس کو واجب جانتا ہے جبکہ دوسرے اس کے عامل تو کجا
قائل ہی نہیں ہیں۔ وعلیٰ ہذا القیاس سینکڑوں مسائل ہیں دوسرے فرق اسلام متفق نظر آتے ہیں اور صرف
فرقہ امامیہ اثنا عشریہ ان کا مخالف دکھائی دیتا ہے۔ ان حقائق کے پیش نظر یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی
ہے کہ وہ فرقہ ناجیہ جس کی پیشین گوئی سرکار ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی تھی وہ یہی فرقہ حقہ
شیعہ اثنا عشریہ کثرہم اللہ فی البریہ ہے جو مطابق حدیث سفینہ و ثقلین وصدہا دیگر آیات و
احادیث کشتی نجات اہلبیتؑ پر سوار اور انہی کے دامن سے متمسک ہے اور اپنے سب اصول و فروع کو اسی خانوادۂ
عصمت و طہارت سے اخذ کرتا ہے۔ ولنعم ما قیل ؂

اذا شئت ان ترضیٰ لنفسک مذہباً — ینجیک یوم الحشر من لہب النار
فدع عنک قول الشافعی ومالک — واحمد والمروی عن کعب احبار
ووال اناساً قولہم وحدیثہم — روی جدنا عن جبرئیل عن الباری

قد جاءکم بصائر من ربکم فمن ابصر فلنفسہ ومن عمی فعلیہا وما انا علیکم
بوکیل ۔

؂ بس جہد کشیدیم درین راہ کہ پرسیدیم — الحمد للہ کہ بہ مقصود رسیدیم
بس عقدۂ مشکل کہ درین راہ کشودیم — بس گم شدگان راکہ بہ تقریبا رسیدیم

ولیکن ہذا آخر ما اردنا ایرادہ فی ہذا الکتاب المستطاب بعون اللہ الوہاب
علی سبیل غایۃ الاستعجال مع تشتت البال وتوزع الاحوال وتراکم الاشغال
حامداً للہ سبحانہ علی حسن توفیقہ لخدمۃ الدین ومصلیاً ومسلماً علی سید المرسلین
وعترتہ الطیبین الطاہرین المعصومین داعیاً واسئل مستشفعاً بہم صلوات
اللہ علیہ وعلیہم اجمعین ان یجعل ہذا الکتاب المستطاب وسائر اعمالی لوجہہ
الکریم وذخراً لیوم الدین وان ینفع بہ طالبی الصراط المستقیم انہ خیر موفق و

معین وکان الفراغ من تسوید، ضحوة یوم الخمیس الرابع والعشرین من ذی
الحجة الحرام الموافق للعید السعید المباهلة من شهور سنة ثلث مائة وثمانیة
وسبعین بعد الالف من هجرة سید الانام علی مهاجرها الاف التحیة والسلام
علی ید مصنفه العبد الجانی والضعیف الفانی المتمسك بالثقلین الاصغر محمد حسین عفی
الله عن کل شین ومین وحشره مع ائمة المصطفین فاسعده بذلك فی الساکنین فی البلدة
المبرکة النجف الاشرف علی مشرفها الاف التحیات والصلوات من بلاد العراق صانها
الله تعالی من جمیع الآفات والبلیات ومتعها بالخیرات بجاه سادة البریات اللهم صل
علی محمد وآل محمد

وقد حصل الفراغ من نظر الثانی علیه عصر یوم الثلثا السابع والعشرین من
شهر الصیام من شهور ۱۳۹۲ھ . والحمد لله اولاً وآخراً وظاهراً وباطناً .

۱۵ – ۱۰ – ۴۳

کتابت
مستند یعقوب، محمد اشرف جمیل مشہد
مختار الکتابت
سرگودھا

خاتمۂ کتاب در تقاریظ کتاب

حوزۂ علمیہ نجف اشرف کے مجتہدین عظام کے تقاریظ

سید الفقہاء والمجتہدین اکبر حجۃ الاسلام آیت اللہ آقا السید محمد جواد التبریزی النجفی اعلی اللہ مقامہٗ

بسم الله الرحمن الرحيم ولله الحمد ـ غير خافٍ ان الكتابين الجليلين (تحقيقات الفريقين في حديث الثقلين) و(اثبات الائمة الاطهار في ضوء العقل والآيات والاخبار) الذين سطر في تأليفهما ولدنا العزيز المجتهد الاوحد العلامة المنطيق الشيخ محمد حسين النجفي صانه الله وحماه من الفتن ما الفت في هذا الباب فالحق والحق اقول لقد ابدع فيها الفت وما عجب فيما صنع ومنه كرم به مؤلفا عندما نهض عزيمته بعد ما كانت قاعدة وهبت همته بعد ما كانت راكدة وحسن لما عد من نشاط وموج الخامد من انبساط فاتى بهذين المؤلفين بتربيهما القشيب وصورتها البهية الرائقة شكر الله تعالى سعيه وكثر في العلماء من امثاله اسال الله تعالى ان يمده بتأييده ويوفقه لامثالها من الخدمات للشرع الشريف والدين الحنيف بجاه النبي وآله ـ (محمد الجواد الطباطبائي التبريزي)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ولد عزیز مجتہد المعی علامہ منطیق شیخ محمد حسین صانہ اللہ کی کتابیں "تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین" اور "اثبات الائمۃ الاطہار فی ضوء العقل والآیات والاخبار" علم مناظرہ کی سب سے زیادہ نفیس کتابیں ہیں جن کی تالیف میں مصنف نے راتیں جاگ کر کاٹی ہیں۔ یہ صحیح بات ہے اور میں ہمیشہ صحیح بات کہتا ہوں کہ موصوف کی یہ تالیف بڑی اونچی اور پسندیدہ ہے کتنا باشرف ہے وہ وقت جس نے اپنے عزم شکستہ کو اپنی ہمت ساکن کو متوجہ کر کے اپنے نشاط جامد کو جھنجھوڑ کر اپنے دریائے انبساط کو متموج بنا کر یہ دو کتابیں جدید لباس اور خوشنما و پسندیدہ شکل و صورت میں تصنیف کر ڈالیں۔ خداوند عالم ان کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور صف علماء میں ان کے امثال کی تعداد

زیادہ کرے۔ میں بارگاہِ الٰہی میں دست بدعا ہوں کہ وہ اپنے تائیدات و نصرت کے شاملِ حال رکھے اور اسی
طرح دین و شریعت کے خدمات کی توفیق کرامت فرمائے۔ (حجۃ الاسلام محمد جواد الطباطبائی التبریزی)

شیخ الفقہاء والمتکلمین فخر المتقدمین والمتأخرین کا، حجۃ الاسلام العالم الربانی آیت اللہ آقا شیخ عبدالکریم الزنجانی اعلی اللہ مقامہ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على اشرف انبيائه محمد وآله
الطاهرين وبعد فإن عمدة العلماء المحققين وسند الفقهاء والمتكلمين ونخبة
أهل العرفان واليقين جناب الشيخ محمد حسين الباكستاني دامت بركاته حتى
قضى شطراً من عمره في تحصيل العلوم الدينية والمعارف الالهية في حوزة النجف
الاشرف فارساً لله شرعاً وجهد واجتهد وألف وصنف، وأحسن في كل ذلك
وأفاد وسلك مسالك ارباب السداد، وأتحف بالمذكور كتابيه الجليلين الأول
تحقيقات الفريقين في حديث الثقلين، والثاني اثبات امامة الائمة الاطهار
من الشرع والآيات والأخبار فانه افاد فيها واجاد واصدر أنفس المراد وهي وسيلة
الارشاد واهله ما فيه الفوز في المبدأ والمعاد، مع ما هو عليه متانة من قوة الاستدلال
ونعت إخواننا المؤمنين عليهم من سلام الله رب العالمين على اتباعه والركون
اليه والاستقامة بافادته واقتفاء آثاره، فانه لايدل الا على هدى ولا
يصدنا الا عن ردى، والمرجو منه ان لاينسانا عن صالح دعائه كما لا انساه و
الله يحفظه ويرعاه

كتب في النجف الاشرف في ٢٢ شعبان المعظم سنة ١٣٧٩ عبد الكريم الزنجاني النجفي

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عمدۃ العلماء المحققین سند الفقہاء والمتکلمین نخبۃ اہل العرفان والیقین جناب شیخ محمد حسین پاکستانی دامت
برکاتہ نے اپنی عمر کا ایک حصہ حوزۂ علمیہ نجف اشرف میں علوم دینیہ اور معارف الٰہیہ کی تحصیل میں گزارا۔ آپ نے
بڑی جدوجہد فرمائی اور تصنیف و تالیف کی ہر علمی شعبہ میں آپ کے حسین و مفید آثار ہیں۔ ممدوح ارباب سداد
و صواب کی راہ پر گامزن رہے۔ آپ کے آثارِ علمیہ میں خصوصی طور پر دو کتابیں ہیں اوّل تحقیقات الفریقین فی حدیث
الثقلین، دوسری اثبات امامۃ الائمۃ الاطہار فی ضوء العقل والآیات والاخبار۔ یقیناً ممدوح نے ان کتابوں میں
بڑے خوب خوب افادات فرمائے ہیں۔ کوئی شبہ نہیں کہ آپ اپنی انتہائی منزلِ مقصود تک پہنچ گئے۔ موصوف نے مبدأ و

معاد کے مرحلوں میں کامیابی کے لئے وسیلۂ ارشاد و ہدایت بنا فرما دیا۔ اس سب کے ساتھ ساتھ خداوند عالم نے آپ
کو قابلیت و استعداد کی نعمت سے بھی سرفراز کیا ہے۔ میں اپنے برادران ایمانی کو مشورہ کرتا ہوں کہ مولانا موصوف کی
پیروی کریں ان کے انوار علمی سے اپنے قلوب کو منور فرمائیں۔ کوئی شبہ نہیں کہ مولانا ہمیشہ صحیح راستے کی ہدایت فرماتے
رہے اور راستی کی راہ دکھاتے رہیں گے مجھے امید ہے کہ وہ مجھے اپنی نیک دعاؤں سے فراموش نہیں کریں گے جیسا کہ میں بھی
ان کو فراموش نہیں کروں گا۔ خداوند ان کا حافظ و ناصر ہو۔ (حجۃ الاسلام عبدالکریم الزنجانی النجفی)

افتخار المحدثین المجتہدین خریت صناعۃ الحدیث و الرجال حجۃ الفرقۃ المحقۃ حجۃ الاسلام العالم الصمدانی آیت اللہ آقا الشیخ بزرگ الطہرانی اعلی اللہ مقامہ

بسم الله الرحمن الرحيم وبه نستعين الحمد لله والصلوٰة والسلام على سيدنا
ونبينا محمد بن عبد الله وعلى الائمة الاثني عشر خلفائه واولياء الله من ذريته
الى يوم لقاء الله وبعد فان الشيخ العالم الفاضل الكامل البارع لما هو صاحب
المبادرة صديقنا الثقة الاميل المرحوم الشيخ محمد حسين بن الشيخ الصالح المرحوم
تاج الدين الپاکستانی البنجابی دامت برکاته وورود المشرف قد وفقه الله تعالى
للمهاجرة عن تلك البلاد وسهل له وسائل مجاورة الغري السري مشهد امير
المؤمنين وحرمه باب علم النبي الامين صلوٰة الله عليهما وعلى ذريتهما المعصومين
في سنين كثيرة مستمدا فيها من بركات باب العلم مشتغلا بتحصيل علوم الدين و
تكميل مسائلها بالحضور في معاهد العلماء الاعلام والجلوس في محافل الاساتذة العظام
حتى نال من بركات تلك المشاهد بما اراده من تكميل الاصول والفروع علما و
تهذيب نفسه بمكارم الاخلاق والآداب عملا وبسبب حيازته لمعالي العلو مرد
تحليته بمحاسن الاعمال وصرفه لجميع قواه فيما خلقت لاجله صار لها يستفاد به
وما ما يستفيد من بركات انفاسه جمع من اهل الفضل وطلبة علوم الدين ولقوة
استعداده وعلو همته لم يقتصر على كونه مبلغا بالتدريس والخطابة والبيان بل
ضم اليها الدعوة الى الحق بالكتابة والاستعانة بالقلم والبنان فالّف في بعض الان
عدة تصانيف رشيقة تكون ذكرا خالدا له وصدقة جارية منه الى الابد

ان کے فرد علم سے مستفیض ہوں۔ ۔ رحجۃ الاسلام، عبداللہ ابن السید محمد طاہر الشیرازی

مرجع العلماء المجتہدین فخر الفضلاء العالمین مکرم حجۃ الاسلام آیت اللہ آقا سید عبدالاعلیٰ الموسوی السبزواری الموسوی النجفی مدظلہ العالی

بسم الله الرحمن الرحيم الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على خير خلقه محمد وآله الطاهرين واللعنة الدائمة على اعدائهم اجمعين الى يوم الدين وبعد فان جناب العالم الفاضل والكامل البارع ثقة الاسلام ومفخر الانام الشيخ محمد حسين الباكستاني دامت تاييداته ممن وفقه تبارك وتعالى للجد والجهد في العلوم الاسلامية والمعارف الالهية فاستفادوا فادوا فاجادوا وله تاليفين الشريفين (اثبات امامة الائمة الاطهار و تحقيقات الفريقين في حديث الثقلين) ما يغني العيان عن البيان جزاه الله تعالى خيرا ورفع له ذكرا و حشره جليسا مارواه الفريقان عن النبي الاعظم صلى الله عليه وآله وسلم من حفظ من امتي اربعين حديثا مما يحتاجون اليه من امر دينهم بعثه الله تعالى يوم القيمة فقيها عالما ونسئل الله تعالى ان ينفع بهما العباد ويجعلهما من ذخائره ليوم المعاد ينظر الى مؤلفه بنظر الرحمة والقبول انه تعالى نعم المولى ونعم المأمول

۲۲ شعبان المعظم ۱۳۷۹ ہجری قمری الاحقر عبدالاعلى الموسوي السبزواري

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بے شک جناب عالم فاضل کامل بارع ثقۃ الاسلام مفخر الانام شیخ محمد حسین پاکستانی دامت تائیداتہ ان قابل قدر افراد میں سے ہیں جنہیں خداوند عالم نے علوم اسلامیہ اور معارف الٰہیہ میں جد و جہد کے لئے موفق فرمایا۔ آپ نے استفادہ کر کے افادہ کیا۔ تصنیف و تالیف فرمائی۔ موصوف کی دونوں کتابیں (اثبات امامۃ الائمۃ الاطہار اور تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین) کے مطالعہ کے بعد آپ کے لئے کچھ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے خداوند عالم موصوف کو جزائے خیر عطا فرمائے اور آپ کے ذکر کو بلند فرمائے۔ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث شریف کے ذریعے سے آپ کو آراستہ کرے جو فریقین نے نقل کی ہے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جو شخص میری امت میں سے چالیس ایسی حدیثیں محفوظ کر دے جن کی امت کو اپنے امور دینیہ میں ضرورت ہوتی ہے۔ اسے

یعنی جناب الشیخ محمد حسین پنجابی پاکستانی ہندی نے وہ عام علما میں ان کے انتقال تر یاد دوکر سے ، انہوں نے حدیث الثقلین جو کہ طرق متعددہ سے مقامات متعددہ پر آنحضرت سے مروی ہے کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین ہے اس میں مصنف نے بیان کیا ہے کہ اس حدیث میں وارد شدہ الفاظ عترت ، اہل بیت سے مراد کون بزرگوار ہیں ، مجھے اس کتاب کے اجزا بعض مطالب منیفہ اور تحقیقات لطیفہ پڑھ کر ، علاوہ از جناب غیر وہ ان کی دوسری کتاب اثبات امامت الائمۃ الاطہار فی ضوء العقل والآیات والاخبار ہے ، خدا انہیں نصرت حق و تائیدوں کے لئے توفیق فرمائے ، حررہ بیدہ الجانیہ الفانیہ حجۃ الاسلام ، محمد رضا الاصفہانی الحائری ۔

کاظمین شریفین کے بعض اعاظم علما کی تقریظ

العالم الخبیر والناقد البصیر مرجع الفقہاء العظام والمحدثین الفخام کبر حجۃ الاسلام آیۃ اللہ آقا السید محمد مہدی الموسوی الاصفہانی الکاظمی اعلی اللہ مقامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد رسول اللہ والہ آل اللہ شعر علی رواۃ احکام اللہ ومشیدی دین اللہ وبعد فلا یخفیٰ علی کل قریب وبعید ومن القی السمع وھو شھید فی المدارج سمیت شرف العلم وفضلہ وسمو قدرہ وعلو مکان ربحون سمو درجۃ حاملیہ وفضل طالبیہ وقد وردت من تلک الآیات وتظافرت الروایات ومن ھنا جرجم کثیر وجم غفیر من قدیم الزمان الی عصر الاوان من اتی من البلدان وهجروا الاھل والاوطان بطلب ذلک والوصول الی ما حملاللہ فکدوا وجدوا وسعوا واجتھدوا حتی وصلوا الی ما وصلوا وبلغوا الی ما بلغوا ومن ھو لاء من طاب اسمہ وشرف اصلہ جناب العالم الاوحدی والفاضل الیلمعی الادیب الاریب والواعظ الخطیب المنافر بالعرج المعلی والرقیب النقیب النبیہ والمحقق الوجیہ والثقۃ الامین والجوھر الثمین علم الاعلام وحجۃ الاسلام المحقق مکل ریب والمتخلی عن کل شین ابن المرحوم تاج المحدثین طاب ثراہ

"حدیث الثقلین" اور دوسری "اثبات امامۃ الائمۃ الاطہار فی صور العقل والآیات والاخبار" لیکن یہ دونوں کتابیں چونکہ اردو زبان میں تھیں۔ اس لئے ہم براہ راست ان کا مطالعہ کرنے سے قاصر تھے اس لئے مصنف موصوف نے ان دونوں کتابوں کی بعض فصلوں کا عربی میں ترجمہ کرکے ہمیں سنایا۔ میں نے دیکھا کہ انہوں نے ان موضوعات پر وہ حق تحقیق ادا کیا ہے کہ اس سے پہلے کوئی عالم ان سے سبقت نہیں لے جاسکا اور حق ان حقائق کے گرد گھومتا ہے۔ خداوند عالم ان کو جزائے خیر دے۔ ہم بارگاہ قدرت میں دست بدعا ہیں کہ وہ ان کو توفیق دے کہ وہ ان کتابوں کا عربی زبان میں بھی ترجمہ کریں۔ تاکہ ان کا نفع عام اور منفعت عظیم ہو وہ ہر شئی پر قادر ہے اور دعا کے قبول کرنے کے لائق۔

محمد الراجی عفو ربہ الغنی (حجۃ الاسلام) محمد مہدی بن محمد موسوی الاصفہانی الکاظمی ۱۳۸۱ھ

سامراء کے بعض ساکنین علماء کی تقریظ

لبقیۃ السلف اسوۃ الخلف العالم العلیم فخر العلماء والمجتہدین العالم المجاہد کرحجۃ الاسلام آیت اللہ

الشیخ نجم الدین الشریف العسکری مدظلہ العالی

بسم الله الرحمن الرحيم . الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على اشرف الانبياء والمرسلين محمد وآله الطيبين الطاهرين . وبعد فان من اعظم نعم الله على هذه الفرقة المحقة ان جعل لها في كل عصر رجالا لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن الجهاد في سبيلها والسعي في اعلاء كلمتها فحققوا حقائقها واقاموا الحجج الواضحة على غيرها .

وان من علماء هذه الزمرة الطاهرة العلامة الجامع المحقق المتتبع الالمعي الشيخ محمد حسين النجفي الباكستاني مؤلف السفرين العظيمين (اثبات امامة الائمة الاطهار في صور العقل والآيات والاخبار) وكتاب (تحقيقات الفريقين في حديث الثقلين) هذا وقد سمعت من مؤلفهما كثيرا من مضامينهما فالفيتهما كتابين كريمين لا يأتيهما الباطل من بين يديهما ولا من خلفهما وذلك بتوفيق من الله العزيز

تدقیق نظر نہیں آتی۔ جو مصنف کی ان دونوں کتابوں میں نگاہ کے سامنے آتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جناب مولف نے بحث و استقصاء میں زبردست کد و کاوش کر کے عقلی و نقلی واضح و روشن بلند پایہ دلائل دیے ہیں۔ تمام فرامین ہیں جنہوں نے حق و حقیقت کو پوری طرح ثابت اور باطل کو بالکل تہس نہس کر دیا ہے۔ بلاشبہ یہ مبالغہ نہیں ہے کہ موصوف کی یہ دونوں نادر تالیفیں قابل اطمینان اور تسلی بخش افکار و آراء پر مشتمل ہونے کی بنا پر اپنے ماقبل کی تمام تالیفات پر فوقیت لے گئی ہیں۔ حق و انصاف یہ ہے۔ مؤلف علام کے افتخار کے لئے یہ دونوں ان کے جاودانی آثار علمی عظیم سرمایہ ہیں۔ فرقہ ناجیہ کی ایک بہت بڑی خدمت ہے جو پسندیدگی اور قدردانی کی مستحق ہے۔ میں علامہ کبیر کی خدمت میں اعظم شکر و تقدیر کا تحفہ پیش کرتا ہوں رحمۃ للاسلام، نجم الدین الشریف العسکری۔

رحجۃ الاسلام، الاحقر محمد رضا موسوی لشوشتری

علم الشیعہ و ذخر الشریعہ حجۃ الاسلام سرکار علامہ آقا سید احمد

الموسوی المستنبط النجفی مدظلہ العالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد لجمیع الآء والصلوٰۃ والسلام علی افضل انبیائہ واشرف اوصیائہ محمد و علی و آلہ اہل بیت و عترۃ الائمۃ علیٰ عن علیہم اجمعین حتی مناصد والتمسو شہیر و لونیدۃ قدیر وحدت نگار علم و دیانت جناب مستطاب رکن الاسلام و المسلمین العالم الخبیر والعلم البصیر الماہر بصحیح تشکرات و تسلیم و طرحت الی الحالۃ التی لیس فیھا مرتین الحمد الشیخ الشیخ العارف فی الدنیا والدین اقای آقا شیخ محمد حسین پاکستانی دامت افاضاتہ شخصیت

بیاد زینت کم دو تالیف کتاب (تحقیق الفریقین فی حدیث الثقلین) و کتاب فروع ...
عمر گرانبہای خود را باکمال جدیت در راہ خدمت بدین و رفع شبہات معاندین وقف و صرف نمودہ و بزبان اردو نوشتہ بحمد اللہ و حسن توفیقہ بسیار مفید و مرغوب و کمال ذکاوت و فہم و صناعت بخرج دادہ اند و انشاء اللہ تعالی مقبول پیشگاہ حضرت احدیت جلت عظمتہ و منظور نظر مبارک سید الوصیین امیر المؤمنین صلوات اللہ علیہ و علی بنیہ و توجہات و عنایات خاصۂ اعلیحضرت امام المنتظر ارواحنا و

ارواح العالمین لہ الفداء بودہ باشد وبہ توفیقات ایشان بیفزاید وبر عموم اخوان مؤمنین شایستہ ولازم کہ خدمات ایشاں را نہایت تشویق وتقدیر نمایند وبزبان فارسی ترجمہ نمایند کہ غیرابان پاکستان ہم از آن استفادہ نمایند جزاہ اللہ وجمیع المؤمنین لہ خیرا الجزاء والہ الطاہرین حررہ الاحقر عبد الموسوی المستنبط الغروی

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ کوئی شک نہیں کہ عالم شہیر کاتب قدیر جناب مستطاب رکن الاسلام والمسلمین ناقد خبیر البصیر لسان الحق المتقی الاحسن فی هدیہ ودینہ آقائی آقا شیخ محمد حسین دامت افاضاتہ کی شخصیت نہایت نمایاں ہے آپ نے کتاب "تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین" کی تالیف میں بڑی محنت وزحمت برداشت کی ہے اور اس سے خدمت دین اور شبہات معاندین کے دفعیہ میں اپنی گرانبہا عمر کے قیمتی لمحات صرف کئے، یہ کتاب اردو زبان میں تحریر فرمائی جو نہایت مفید ولپندیدہ ہے ۔ بڑی ذکاوت وذہانت اور فنی وعلمی مہارت سے لبریز ہے ۔ انشاءاللہ ان کی یہ خدمت بارگاہ احدیت میں مقبول ، سید الموحدین امیر المؤمنین صلوات اللہ وسلامہ علیہ کی منظور نظر اور ہمارے امام منتظر ارواحنا وارواح العالمین لہ الفداء کے مخصوص عنایات وتوجہات کا مرکز قرار پائے گی خداوند عالم مولانائے موصوف کے توفیقات میں اضافہ کرے ۔ تمام ارباب ایمان کو لازم ہے کہ مولانا کے خدمات علمیہ کی قدر کریں ، اس کتاب کا فارسی زبان میں بھی ترجمہ ہونا چاہئے کہ غیر اردو داں طبقہ بھی مستفید ہو سکے ۔ جزاہ اللہ وجمیع المؤمنین خیرا (حجۃ الاسلام) محمد الموسوی النجفی ۔

بعض محققین پاکستان کی تقریظ

فخر المحققین عمدۃ الحکماء المتالہین جناب مولانا حکیم محمد امیر الدین صاحب فلک النجات اعلی اللہ مقامہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وآلہ اہل بیتہ الطاہرین ۔ آج مورخہ ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۸۲ھ کو عالیجناب عمدۃ العلماء الاعلام زبدۃ الفقہاء والعظام کا سراج الساق المعاندین مرغم انف المفسدین عالم المعقول والمنقول جامع الفروع والاصول فاضل اجل عالم اکمل مولوی صاحب مولوی محمد حسین صاحب مولوی فاضل ومجتہد فاضل عراق زادات توفیقہم حسن اتفاق سے یہاں تشریف فرما ہوئے اور اپنی تصنیف فرمودہ دو کتابیں دکھائیں

ایک "تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین" دوسری "اثبات امامۃ الائمۃ الاطہار فی ضوء العقل والآیات والاخبار"
میں نے اپنی کم فرصتی کے باعث موصوف کو تکلیف دی کہ ہر دو کتابوں کے چیدہ چیدہ مقامات پڑھ کر سنائیں۔ چنانچہ
انہوں نے بعض مقامات پڑھ کر سنائے۔ بندۂ حقیر جو صدر درد کی بیماری اور مختلف اقسام کی پریشانیوں سے ملول خاطر
تھا مضامین دلچسپ سنتے ہی بید فرحت و سرور پیدا ہوا اور بے ساختہ مصنف ممدوح کے حق میں قلب و لسان
سے طول عمر و ترقی درجات کی دعا نکلی۔ بے شک ہم نے فلک النجاۃ میں حدیث ثقلین کو معیار معرفت اہل حق کا
قرار دیتے ہوئے اس حدیث کے الفاظ مختلفہ کو کتب معتبرہ متعددہ کثیرہ اہل سنت میں سے اس کا متواتر و
منقول ہونا اور اس کے ساتھ لکھا تھا اور یہ تو وہم و گمان بھی نہ تھا کہ کوئی ایسا شخص بھی الملقب بہ باطن خارجی کا
ابن تیمیہ جیسے متعصب و مذموم کا مرید و معتقد ایسی متواتر صحیح و مشہور و مقبول اہل اسلام حدیث کا انکار کرے
گا مگر ظاہر ہے تو الموہذا کہ مصداق "لکل فرعون موسیٰ" ہر فرعون صفت کے لئے خداوند کریم اس کے مقابل کوئی ایسا
فرد پیدا کر دیتا ہے جس کے باعث فرعون صفت اپنے مقابل کے سامنے ندامت کے بیسر میں غرق ہوتا ہے
چنانچہ جناب مؤلف تحقیقات الفریقین کی تائید غیبی سے امداد فرمائی کہ اس مدرسی فی صدور الناس کے مکر
فریب کے پردہ کو جو نسیج عنکبوت کی طرح بنایا گیا تھا۔ اس کے تار و پود کو توڑ پھوڑ کر چاک کر کے نیست و نابود کر
دیا اور حق کا شمس فی نصف النہار نمودار ہو گیا۔ مؤلف موصوف نے حدیث ثقلین کے اسانید کی تحقیق و توثیق
جس خوبی سے جدید صورت میں تحریر فرمائی ہے نہایت دلچسپ اور مکمل ہے اور روایت شاذ و ضعیف
بجائے حرفی اہل حق کا ضعف ہم نے فلک النجاۃ میں مختصر لکھا تھا۔ تحقیقات الفریقین میں مؤلف ممدوح
نے مفصل تردید بطرز جدید بہت مفید لکھی ہے جو مسکت خصم ہے اور قابل صد تحسین ہے۔ اسی طرح ہم نے
مسئلہ امامت کی اہمیت اور ضرورت و تشریح امامت عند الفریقین کو فلک النجاۃ جلد اول میں لکھا تھا لیکن جس اسلوب
طرز سے مؤلف موصوف نے اثبات امامۃ میں مدلل و مبرہن مسئلہ امامت کو تحریر فرمایا ہے یہ قابل صد ستائش
ہے میں مصنف موصوف کو ہر دو کتب کی تصنیف پر مبارکباد دیتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ مومنین ان کی ہر دو
کتابیں قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے اور ان سے مستفید ہو کر مصنف ممدوح کی محنت شاقہ کی داد دیں گے تاکہ
موصوف کی ہمت افزائی ہو اور آئندہ جدید انکشافات اور تصانیف مفیدہ سے مومنین کو مستفیض فرماتے
رہیں۔ میں نے عراق، ایران، ہندوستان کے متعدد علماء کی صحبت میں ان کی تحریر و تقریر سے لطف اٹھایا ہے
جہاں تک معلوم ہوا ہے ہر عالم کو کسی نہ کسی ایک علم میں زیادہ مہارت ہوتی ہے کوئی معقولات میں فوقیت رکھتا
ہے کوئی منقولات میں۔ کوئی نقلی کوئی درسی کتب میں اور اجتہادی مسائل میں، کوئی فن مناظرہ میں زیادہ قابل ہوتا ہے
مؤلف ممدوح کی خداداد ملکہ سے یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ جملہ علوم و فنون میں یکتا نظر آتے ہیں

سبب میں ان کو کمال حاصل ہے یقیناً جو بافہم انسان جناب موصوف کی صحبت کا شرف حاصل کر چکا ہے یا ہیرو یا سب کا میرے اس بیان کی تصدیق کرے گا اللہ تعالےٰ مولوی صاحب موصوف کو دینی خدمت کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے۔ آمین بحرمت النبی وآلہ الطاہرین علیہم الصلوٰۃ والسلام

احقر امیرالدین عفی عنہ بقلم خود ادچک جلال الدین

جناب امداد الملۃ والدین حضرت مولانا السید امداد حسین الکاظمی المشہدی بی اے مولوی فاضل دام عزہ

صدر ادارہ معارف اسلام پاکستان۔ لاہور۔ (اعلی اللہ مقامہٗ)

الحال محلہ نور پور سیداں ریلوے روڈ گجرات (م۔پ)

کتاب اثبات الامامت کے مصنف علام جناب الحاج علامۃ الشیخ محمد حسین صاحب اللہ ھی کل شئی کا نام نامی اور اسم گرامی دنیائے شیعیت میں کسی تعارف کا محتاج نہیں آپ نے حال ہی میں چند ضخیم و فخیم کتابیں تصنیف فرما کر ہر مکان میں اپنے علم و فضل کی روشنی پھیلا دی ہے۔ لیکن یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ آپ کی تصنیف لطیف زیر تبصرہ آپ کی سب تصانیف پر فوقیت لے گئی ہے۔ یوں تو مسئلہ امامت تقریباً چودہ سو سال سے مابہ النزاع چلا آتا ہے اور اس عرصہ میں اس مسئلہ پر ہزاروں مناظرے اور لاکھوں بحثیں ہوئیں اور علمائے کرام اور فضلائے عظام نے اس موضوع پر لاتعداد اور لاتحصیٰ کتابیں تصنیف و تالیف فرما کر منکرین امامت پر حجت تمام کر دی لیکن۔

؎ این زمین را آسمانے دیگر است

آپ نے بالکل اچھوتے اور ناقابل تردید دلائل رقم فرما کر مخالفین کے قلم چوں چند کر کے رکھ دیئے ہیں اور ان کی رگ ناصبیت کو کچھ اس طرح کچلا ہے کہ آئندہ روز قیامت تک ان میں ہنگامہ آرائی کی جرات نہ ہوگی میں نے اس علمی شاہکار کو شروع سے آخر تک پڑھا ہے اور اسے سب سے احسن اور لاجواب پایا ہے یہ اعتراف حقیقت ہے کہ موضوع اثبات امامت پر ایسی جامع کتاب آج تک نظر حقیر سے نہیں گذری۔ فللہ درہٗ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات حسرت آیات پر مخالفین کے معدود چند صحابہ کا آپ کے غسل اور کفن دفن کو اہلبیت کرام کے ہاتھوں میں چھوڑ کر خود سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کی رسہ کشی میں مشغول ہو جانا حتیٰ کہ

ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

آپ کے جنازہ میں بھی شریک نہ ہونا بالتفصیل بیان فرمایا ہے۔ خانۂ اقدس جناب فاطمۃ الزہرا صلوٰۃ اللہ علیہا پر آگ اور لکڑیاں لے کر جانا اور اس مقدس گھر کو آگ سے پھونک دینے کی دھمکی دینا۔ جناب بضعۃ الرسولؐ کے شکم مبارک پر دروازہ گرانا کہ ان کے پیٹ سے بچے محسنؑ کو شہید کرنا اور حضرت علی علیہ السلام کو بیعت جناب ابوبکر کے لئے کشاں کشاں دربار خلافت میں لے جانا کتب مخالفین سے ثابت کیا ہے ان ناساعد حالات میں حضرت علیؑ کے خانہ نشینی کے اسباب پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اور مخالفین کے اعتراض کہ جب آپ سے خلافت چھن جانے پر تلوار نہ اٹھائی تو پھر جنگ جمل۔ جنگ صفین اور جنگ نہروان میں کیوں اٹھائی کا بہترین اور معقول جواب دیا ہے۔ نہ صرف امامت حضرت علیؑ بلکہ بارہ ائمہؑ کی امامت کے بھی ٹھوس ثبوت دیئے ہیں۔ نیز ادلۂ عقلیہ اور نقلیہ سے عصمت امام پر بہترین روشنی ڈالی ہے امام اور خلیفہ کے لئے معصوم ہونا قرار دے کر بارہ ائمہؑ کی عصمت وطہارت بہ احسن طریق ثابت کی ہے۔ تعیین اولی الامر جو قرآن پر حرف لکھا ہے اور اس اعتراض کا بھی معقول جواب دیا ہے کہ اگر مسئلہ امامت اتنا ہی اہم تھا تو قرآن میں آئمہؑ کے نام کیوں نہیں آئے۔ نیز اثنا عشری خلافت وامامت کا بنی ہاشم میں محصور ہونا اور بنی عدی، بنی تیم اور بنی امیہ وغیرہ قبائل کا خلافت وامامت میں کچھ حق نہ ہونا وضاحت سے بیان فرمایا ہے خلفائے بنی ہاشم، بنی امیہ اور بنی عباس کی تعیین کر کے ائمہ اہلبیتؑ اور خلفائے اہلسنت کا صفات میں موازنہ کیا ہے جو نہایت دلچسپ اور قابل دید ہے آپ نے ائمہ اثنا عشر اور خلفائے اہلسنت کے حالات زندگی ان کے اخلاق، زہد، تقویٰ تربیت اور فضائل پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ امامت ائمہ اثنا عشر پر جو اعتراضات مخالفین کرتے ہیں۔ ان سب کے کافی عالی، وافی، شافی جواب دے کر ہمیشہ کے لئے ان کا منہ بند کر دیا ہے۔ آپ نے اختلاف کی بہترین تشریح فرمائی ہے حسب ارشاد رسولؐ مسلمانوں کا تہتر فرقوں میں بٹ جانا اور ان میں سے صرف ایک فرقہ کا ناجی ہونا بیان کر کے آپ نے شیعہ اثنا عشری کے ناجی ہونے پر ٹھوس دلائل قائم کئے ہیں اور دوسرے فرقوں کا بطلان ثابت کیا ہے۔ ماشاء اللہ فاضل مصنف نے یہ کتاب مستطاب لکھتے وقت اس بات کا خاص طور پر لحاظ رکھا ہے کہ کوئی صفحہ یا کوئی فقرہ ایسا نہ آنے پائے جس سے مخالفین کی دل شکنی ہو یہ بات قابل داد ہے کہ مصنف مدظلہ نے تصنیف کتاب میں تہذیب اور متانت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ یہ اس کتاب کا طرۂ امتیاز ہے مومنین مومنات کو چاہیئے کہ اس نادر مفید کارکتاب کو خرید کر حرز جان بنائیں۔ اس کے مطالب سے بہرہ اندوز ہو کر اپنے ایمان اور عقائد کو مضبوط اور استوار کریں۔ اور نجات اخروی کا ذریعہ بنائیں۔ حضرات واعظین اور مناظرین کے لئے یہ کتاب نعمت غیر مترقبہ اور نہایت کارآمد ہے۔

المسئی المذنب

متمسک بالثقلین السید امداد حسین الکاظمی المشہدی

[illegible]

۱۰ جمادی [illegible]

تاریخ طبع کتاب اثبات الامامت

نتیجۂ فکر شاعر اہل بیتؑ عالیجناب السید وزیر حسین شیرازی سرگودھا

امامِ حق علیؑ مشکل کشا ہے ❋ مئے الفت سے جامِ دل بھرا ہے
حقیقت میں مقامِ مرتضائیؑ ❋ خرد کی سرحدوں سے ماوریٰ ہے
حدیثِ عشق باطرزِ یگانہ! ❋ ہمیشہ یاد رکھے گا زمانہ!
بڑی محنت سے یکجا کر دیا ہے ❋ براہین و دلائل کا خزانہ
کسی کو کچھ نظر آئے نہ آئے ❋ کسی کو یہ ادا بھائے نہ بھائے
وہ مشعل کب بجھا سکتا ہے کوئی ❋ جسے خلاقِ دو عالم جلائے
بشکلِ آیۂ بلغ وحی کے ❋ مطالب ہیں عیاں نصِ جلی کے
فضائل جامع و مانع ہیں اس میں ❋ امیر المومنینؑ حضرت علیؑ کے،
خدا کے فضل سے باشان و شوکت ❋ ہوئی بارِ دگر اس کی طباعت

کرے گی رہبری سب گمرہوں کی
شعاعِ حسنِ اثبات الامامت

۱۹۷۶ء

اجازہ اجتہاد اعلم العلماء الکاملین سرکار آیۃ اللہ آقائی آقا میرزا عبد الکریم الزنجانی النجفی اعلی اللہ مقامہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی فضل مداد العلماء علی دماء الشہداء
والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء محمد والہ
سادۃ الاوصیاء واللعنۃ الدائمۃ علی اعدائہم
الی یوم اللقاء امّا بعد فان العالم العامل والکامل
الفاضل فخر المحققین العظام عمدۃ العلماء الاعلام
رکن الاسلام الشیخ محمد حسین النجفی الپاکستانی
دامت توفیقاتہ وتاییداتہ قد وفقہ اللہ تعالی
للمہاجرۃ من تلک البلاد وسہل لہ وسائل مجاورۃ
النجف الاشرف فی سنین کثیرۃ لتکمیل العلوم الدینیۃ
والمعارف الیقینیۃ ثم بل کان یجد ویجتہد فی
الترقی الی مدارج العلم والعمل مستمدا من برکات
باب مدینۃ العلم مجدا فی حضور الابحاث العلمیۃ
العالیۃ لدی اساطین الفرقۃ دامت برکاتہم حتی
تحقق وتدقق حتی حاز قصب السبق من الاقران
وسبقہم فی ہذا الشان وبلغ بحمدہ تعالی مرتبۃ
الاجتہاد ونال المراد فلیحمد اللہ تعالی علی ہذہ
النعمۃ العظمی والمنحۃ الکبری وقد اجزت لہ حفظہ اللہ

ان یروی عنی جمیع ما صحت لی روایته من مشایخی
العظام شکر الله مساعیهم الجمیلة باسانیدی المنتهیة
الی الائمة الطاهرین صلوات الله علیهم اجمعین
واوصیه بالتقوی والاحتیاط فانه سبیل النجاة
وعلی اخواننا المؤمنین التقدیر لشأنه الرفیع
والاکبار لمقامه المنیع والاتعاظ بمواعظه الشافیة
ونصائحه الکافیة والاقبال علیه والحضور لدیه لتعلم
المسائل الدینیة والمعارف الیقینیة ایده الله
وایانا واوصیه بالتقوی والاحتیاط فی جمیع اموره
وان لا ینسانی من صالح دعواته فی مظان اجاباته
والسلام علیه وعلی جمیع اخواننا المؤمنین ورحمة الله
وبرکاته

اجازه اجتهاد فخر المجتهدین سرکار آیة الله آقای آقا السید احمد المستنبط النجفی مد ظله العالی

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لله مسدی النعم والآلاء المفضل مداد العلماء على دماء الشهداء وزواکی صلواته وزواکی تسلیماته على سیدنا خاتم الانبیاء وسید الاولین والآخرین من البشر وآله الائمة المیامین الاصفیاء وبعد فان العالم العامل والفاضل الکامل الفاضل ثقة الاسلام تاج الدین الشیخ محمد حسین الجفالی الباکستانی ممن اتعب نفسه الشریفة مدة مدیدة فحضر مجالس اساطین الفقه الاشرف وجد واجتهد حتی صار بحمد الله وحسن توفیقه واجدا للاستعداد لتحصیل الاحکام من مدارکها واوصیه بتقوى الله سبحانه وتعالى والسداد ولا یعمل نفسه جبر الله ومراعات کمال الاحتیاط وقد ورد لیس بناکب عن الصراط من سلک سبیل الاحتیاط وان لا ینسانی من صالح الدعاء واوصی على اخواننا المؤمنین وفقهم الله تعالى لما فیه تقدیر مساعیه المشکورة واکبار مقامه العلمی والانتفاع بمواعظه لنا فیه واقتفاء آثاره في المکارم الکریمة والترحیب علیه والسلام علیه وعلیهم ورحمة الله وبرکاته حرره الاحقر احمد الموسوی المستنبط النجفی

۱۳۷۹ [illegible]

و اجتهاد استاذ المجتهدین آیة الله آقای آقا السید ابو القاسم الحسینی الرشتی الحائری اعلی الله مقامه

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لله الذی جعل العلماء [illegible]

والسلام علی اشرف الانبیاء محمد و آله السفراء الامناء وبعد فان جناب العالم الفاضل
ملاذ الانام مروج [illegible] مفخر الاعلام صفوة العلماء العظام ذو الفکر الصائب معطر الآثار
الشیخ محمد حسین البنجابی الباکستانی زید توفیقه ممن صرف فی النجف الاشرف برهة مدیدة
من عمره وشطرا من دهره فی اکتساب المعالم الاصلیة وتحصیل القواعد الشرعیة من الاساتیذ
العظام والمدرسین الفخام وقد حضر ابحاثی الاصولیة والفقهیة حضور بتدقیق وتحقیق حتی نال مناه
وبلغ مبتغاه وفاز بحمد الله مرتبة من الاجتهاد مقرونا بالصلاح والسداد فله العمل باستنباطه من الادلة
الشرعیة علی النهج المألوف بین علماء الامامیة وقد اجزت له التصدی لما لا یجوز فی عصر الغیبة علی [illegible]
ذوی الحجیة [illegible] لغیر الفقهاء والمجتهدین العظام لاباذنهم واجزت له ایضا ان یروی عنی جمیع ما صح
لی روایته من مصنفات علمائنا الابرار سیما الکتب الاربعة القدیمة التی علیها المدار فی هذه الاعصار
کالکافی ومن لا یحضره الفقیه والتهذیب والاستبصار والوسائل والوافی وسایر الکتب المعتبرة
بطرقی المقررة المنتهیة الی ارباب الجوامع والاصول ومنهم الی اهل بیت النبوة ومعدن الرحمة صلوات الله
علیهم اجمعین واوصیه بالوقوف علی مسلک الاحتیاط والتجنب عن ان تعرقله الدنیا وان لا ینسانی من
الدعوات انشاء الله والسلام علیه ورحمة الله وبرکاته وقد حررت فی [illegible] من شهر ذی القعدة سنة ۱۳۷۹

الاقل الحاج سید ابو القاسم الرشتی الحائری عفی عنه

قدوة المجتهدين سركار آيت الله آقای آقا السيد محمد مهدی الكاظمينی اعلى الله مقامه

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله والصلوة والسلام على احمد نا محمد رسول الله وآله آل الله ثم على
رواة احكام الله ومشيدى مبانيه وبعد فلا يخفى على كل قريب وبعيد
ومن القى السمع وهو شهيد وفاز في الدارين سعيد شرف العلم وفضله وسمو قدره
وعلو مكانه وعظم سمو درجة حامليه وفضل طالبيه وقد وردت به الـ
الآيات وتظافرت الروايات وقد هاجر جمع كثير وجم غفير من قديم الزمان
الى هذا الزمان من اقاصى البلدان وهجروا الاهل والاخوان لطلب ذلك
والوصول الى ما هنالك فكدوا وجدوا وسهروا واجتهدوا حتى وصلوا
الى ما وصلوا وبلغوا الى ما بلغوا ومن هاجر بلاده وترك اخوانه جناب
العالم الالمعى والفاضل اللوذعى الاديب الاريب والذكى النجيب الفائز بالقدح المعلى
والرقيب الفقيه النبيه والمتقى الوجيه والثقة الامين والجوهر الثمين علم الاعلام
وحجة الاسلام المتحلى بكل زين والمتخلى من كل شين ابن المرحوم [illegible] جناب
الشيخ [illegible] الجناب الباكستانى نزيل النجف الاشرف [illegible] دار العلم
ادام الله بركاته وعمت افاداته فكان من الفرق [illegible] واحدا فاز
في العلوم من المنطوق والمفهوم [illegible] عديدة وصرف مدة مديدة في حل
جماعة من الاعلام المعاصرين وتلمذ من الفقهاء الماهرين لاخذ منهم
وتلقى منهم علومهم وحضر دروسهم وضبط تقاريرهم واماليهم حتى بلغ
درجة

ورتبة الاجتهاد وحاز ملكة الاستنباط وصار من اهل الارشاد وعد
في عداد الفقهاء الامجاد فالف وصنف كتبا جمة في مواضيع مهمة وقد اطلعني
على تحقيقات الرشيقين في حديث الثقلين وكتاب اثبات امامة الائمة الاطهار
في ضوء العقل والآيات والاخبار ولكن لما كان ذلك باللغة الهندية
ولم يكن لنا حظ من ذلك حرمنا من ذلك لكنه سلمه الله وابقاه ومن
كل مكروه وقاه قرأ علينا بعض فصولها مترجما ذلك لنا بالعربية فرأيته
قد اتى بما لم يسبقه احد من الاعلام ولا حام احد حول هذا المقام فلله
دره وعليه اجره فنسئل الله ان يوفقه لاخراج ذلك الى اللغة العربية
ليعم نفعه ويعظم وقعه فانه على ما يشاء قدير وبالاجابة جدير وقد
زارنا الشيخ صاحب المشار اليه في دارنا وخزانة كتبنا في هذا الشهر
المعظم اعني شهر رمضان المعظم حين تشرفه بزيارة الامامين الكاظمين عليهما السلام
فسررنا بزيارته غاية السرور ودخل في قلبنا من ملاقاته ومكالمته كمال
الحبور فاخذ يزورنا مرة بعد اخرى وكرة بعد اولى ونحن نتكلم معه في
جملة من المسائل العقلية والنقلية والفقهية والاصولية فرأيته [illegible]
واقفا على ما هنالك وحيث قد استجاز منا لحسن ظنه بنا [illegible] بالسلف
الكرام ودخوله في سلسلة مشايخنا العظام على الله مقامهم في دار السلام
رواية الاخبار عن معادن العلوم والاسرار سلام الله عليهم ما بقي الليل والنهار
فاجزنا ادام الله فضله وكثر في العالم مثله ان يروي عني كلما صحت لي روايته
وجازت لي اجازته من كتب الاخبار وصحف الابرار لا سيما الكافي والفقيه
والتهذيب

والتهذيب والاستبصار والوافي والوسائل والبحار وكلما حوته مؤلفاتنا
في المعقول والمنقول والفروع والاصول من الآثار والاخبار وسائر العلوم و
الاسرار ككنجم الغيور واحسن الوديعة ودوائر المعارف وايقاظ الامة من
الضجعة في اثبات الرجعة وترجمته بلادري امت در اثبات رجعت وزبدة
الملازم في المنطق والكلام والبرهان الجلي على ايمان زيد بن علي والفيوضات
الربانية في توضيح الآيات القرآنية وذخائر المعقول في مباحث الاصول وصرف
العناية في حل معضلات الكفاية وارشاد السائل الى الرسائل وينابيع
المطالعات وثمرات المراجعات وتحفة الساجد في احكام المساجد
وجلاء الخواطر في الاجوبة المسكتة والنوادر وغير ذلك من مؤلفاتنا التي
تربو على المائة والعشرين حتى الحين بحمد رب العالمين عن جماعة من اعاظم
العلماء والاكابر الفقهاء حشرهم الله مع النبي وآله الاصفياء

الاول

وهو افضلهم واعلمهم واتقاهم سيدي وسندي ومن عليه بعد الله ورسوله واكر
والائمة الاثني عشر صلوات الله عليهم اعتمادي السيد ابو تراب بن العلامة السيد
ابي القاسم الموسوي الخونساري النجفي طاب ثراه من مشايخه الاعلام الحجج الكرام وهم
السيد محمد علي الخونساري والشيخ محمد باقر آل صاحب وعالي السيد محمد باقر الخونساري
صاحب روضات الجنات وشقيقه السيد محمد هاشم صاحب مباني الاصول
واصول آل الرسول والسيد حسين الكوه كمري النجفي والشيخ عبد العلي الاصفهاني الخونساري
والملا لطف الله المازندراني النجفي والشيخ محمد حسين الكاظمي والسيد محمد
طاب ثراهم عن مشايخهم المدونة اسمائهم الشريفة في كتب الاجازات

الثاني

العلامة الكبير والعلم الشهير الميرزا ابراهيم بن الميرزا اسمعيل بن الميرزا زين العابدين
الشيخ

السادس الفاضل عن المحقق العلامة الحاج میرزا ابراهیم الخوئی شارح نہج البلاغة عن شیخه المحقق المرتضى الانصاری ره وغیره

الثالث

والدی العلامة الحاج السید محمد بن محمد صادق بن زین العابدین الموسوی الخونساری الاصفهانی الاعظم طاب ثراه عن اساتیذه العلامتین الحاج الشیخ زین العابدین المازندرانی الحائری والسید ابو القاسم بن العلامة السید حسن بن العلامة السید محمد بن العلامة السید علی السید صاحب الحائری طاب ثراهم عن مشایخهما الاعلام المذکورین فی اجازاتهما

الرابع

العلامة الفقیه الربانی الشیخ علی المازندرانی النجفی عن شیخیه العلامتین المتعاصرین المعاصرین السید محمد کاظم الطباطبائی الیزدی النجفی والمیرزا محمد علی الرشتی النجفی عن مشایخهما طاب ثراهم

الخامس

الشیخ علی بن الرضا بن موسی بن جعفر کاشف الغطاء النجفی عن مشایخه طاب ثراهم

السادس

العلامة الکبیر والحجة الشهیر الشیخ محمد حسین آل کاشف الغطاء النجفی عن مشایخه الاعلام طاب ثراهم وهذا الشیخ الاجل ابن المولی الشیخ علی المتقدم ذکره قدس سره ٥

السابع

العلامة الفقیه الحاج السید محمد الاشالی الحائری عن مشایخه طاب ثراهم

الثامن

العلامة المحقق الاصولی الشیخ ضیاء الدین العراقی النجفی عن مشایخه طاب ثراهم

التاسع

العلامة الفقیه الشیخ محمد کاظم الشیرازی النجفی عن مشایخه طاب ثراهم

العاشر

الشيخ العلامة المحقق الشيخ محمد علي القمي الحائري شارح الكفاية عن مشايخه طاب ثراهم

الحادي عشر

العلامة المحقق المتتبع السيد ميرزا هادي الخراساني الحائري عن مشايخه طاب ثراهم

الثاني عشر

الفقيه الرباني الحاج الشيخ علي محمد الشاهرودي الحائري عن مشايخه طاب ثراهم

الثالث عشر

العالم النحرير والمتتبع الخبير السيد محسن العاملي صاحب المؤلفات المشهورة عن مشايخه طاب ثراهم

الرابع عشر

الفقيه الرباني الشيخ اسد الله بن علي اكبر الزنجاني الاصل النجفي الخاتمة عن مشايخه طاب ثراهم

الخامس عشر

العالم الرباني والزاهد التارك للدنيا الفاني الحاج الشيخ علي بن ابراهيم القمي النجفي عن مشايخه طاب ثراهم واروي عن غير هؤلاء من الاعلام ذكرتهم في محل آخر هذا واروي صحاح اخواننا اهل السنة عن العلامتين الشيخ ابراهيم الشافعي الراوي والشيخ يوسف عطا الحنفي البغداديين عن مشايخهما المدونة اسمائهم في اجازاتهما المبسوطة ولا بأس بان نذكر طريقا واحدا من طرقنا تيمنا وتبركا بذلك فنقول اروي سماعا واجازة عن استادي آية الله العلامة السيد ابو تراب الموسوي الخونساري النجفي شارح نجاة العباد طاب ثراه عن شيخيه الاعلمين الافضلين عم والدي السيد محمد باقر والسيد محمد هاشم صاحب الروضات ومباني الوصول عن والدهما جدي الاعلى ومن بكل الامور اليه العلامة الزاهد الحاج السيد زين العابدين عن والده العلامة السيد ابي القاسم جعفر عن والده المحقق السيد حسين عن والده المحقق السيد ابي القاسم جعفر الكبير المشتهر بين الطائفة بالمير عن العالم الرباني والعلامة الثاني محمد صادق تنكابني المحقق الميرزا

محمد

أبا الحسن عليه السلام قال قال رسول الله صلى الله عليه وآله من حفظ على أمتي
أربعين حديثاً يحتاجون من أمر دينهم بعثه الله يوم القيامة فقيهاً عالماً
هذا وأوصي جناب الشيخ محمد حسين المشار إليه أدام الله بقاه ومن كل مكروه
وقاه ونفسي بمنابذة النفس والهوى وملازمة السداد والتقوى
ومتابعة السلف الصالح وأن يكون لهم خير خلف ناصح كما أوصي به جنابه
المشهور فإنه لا ريب فيه ولو عثر والملتمس من جنابه أن لا ينسانا
من صالح الدعوات عقيب الصلوات بل في جميع الخلوات والجلوات
ويذكرني حياً وميتاً في أيام حياتي وبعد الممات والله ولي الحسنات
وغافر السيئات وهو على كل شيء قدير وبالإجابة جدير

حرر هذه الإجازة العبد المفتقر المحتاج
إلى رحمة ربه الغني محمد مهدي بن محمد الموسوي الأصفهاني
في ليلة تاسع عشر شهر رمضان
١٣٧٩ سنة تسع وسبعين وثلثمائة بعد الألف
من الهجرة في غرفة تدريسه وخزانة كتبه
با[illegible]

محمد الشکابنی المشتہر بسراب عن والدہ المذکور طاب ثراہ عن شیخہ الفقیہ
العلامہ محمد باقر الخراسانی السبزواری صاحب الذخیرۃ والکفایۃ وغیرہما عن الفقیہ
السید حسین ابن السید حیدر الکرکی العاملی عن الامام العلامۃ الشیخ بہاء اللہ
محمد بن الحسین بن عبد الصمد الحارثی العاملی عن والدہ الحسین عن مولانا الاجل الافضل
زین الدین المشتہر بالشہید الثانی طاب ثراہ عن المولی العلامۃ نور الدین علی
بن العلامۃ الشیخ عبد العالی المیسی عن شیخہ العلامۃ الربانی شمس الدین
محمد بن محمد المشتہر بابن المؤذن عن شیخہ الامام العلامۃ الشیخ ضیاء الدین
علی عن ابیہ السعید الشہید الامام العلامۃ المحقق محمد بن مکی العاملی طاب ثراہم
عن فخر المحققین ابی طالب محمد عن والدہ الامام الاعلم الافضل آیۃ اللہ فی العالمین
الحسن بن یوسف بن المطہر الحلی طاب ثراہم عن شیخہ سلطان المحققین
المتکلمین نصیر الملۃ والحق والدین محمد بن محمد بن الحسن الطوسی قدس سرہ القدوسی
وخالہ المحقق علی الاطلاق افقہ فقہاء العراق بل وکافۃ الآفاق الشیخ ابی القاسم
جعفر صاحب الشرایع والنافع والمعتبر وغیرہا طاب ثراہ عن الشیخ الامام العلامۃ
الشیخ نجیب الدین محمد السوراوی عن العلامۃ الاجل الشیخ ہبۃ اللہ بن رطبۃ
الشیخ ابی علی الحسن عن ابیہ شیخ الطائفۃ الحقۃ الجعفریۃ المحقق فی العلوم
العقلیۃ والنقلیۃ الشیخ ابی جعفر محمد بن الحسن الطوسی رضی اللہ عنہم عن شیخہ
استادہ استاد الفقہاء ومربی العلماء ابی عبد اللہ محمد بن محمد بن النعمان الملقب
بالشیخ المفید رضی اللہ عنہ عن رئیس المحدثین وامام الفقہاء والمجتہدین الشیخ
ابی جعفر محمد بن علی بن بابویہ القمی المشتہر بالشیخ الصدوق رضی اللہ عنہ
وطرقہ الی الائمۃ علیہم السلام فی کتبہ وغیرہا معلومۃ فمنہا ما رواہ فی الخصال
فی ابواب الاربعین عن محمد بن الحسن بن احمد بن الولید عن محمد بن الحسن الصفار
عن علی بن اسمٰعیل عن عبد اللہ الدہقان عن ابراہیم بن موسی المروزی عن
ابی الحسن

ابا الحسن علیه السلام قال قال رسول الله صلی الله علیه وآله من حفظ علی امتی اربعین حدیثا یحتاجون من امر دینهم بعثه الله یوم القیمة فقیها عالما هذا واوصی جناب الشیخ محمد حسین المشار الیه دام الله بقاه ومن کل مکروه وقاه ونفسی بمنابذة النفس والهوی وملازمة السداد والتقوی ومتابعة السلف الصالح وان یکون لهم خیر خلف ناصح کما اوصیه جنابه المشهور فانه لا ریب فیه ولا عثور والملتمس من جنابه ان لا ینسانا من صالح الدعوات عقیب الصلوات بل فی جمیع الخلوات والجلوات ویذکرنی حیا ومیتا فی ایام حیاتی وبعد المماة والله ولی الحسنات وغافر السیئات وهو علی کل شیء قدیر وبالاجابة جدیر

حرر هذه الاجازة العبد المفتقر المحتاج
الی رحمة ربه الغنی محمد مهدی بن محمد الموسوی الاصفهانی
بتاریخ عشرة تاسع عشر شهر رمضان
المبارک سنة تسع وسبعین وثلثمائة بعد الالف ۱۳۷۹
من الهجرة فی عرفة مدرسه وخزانة کتبه
بالله علیه

صاحب فیضان الرحمان فی تفسیر القرآن کے دیگر قلمی شاہکار

واقفانِ حال پر یہ حقیقت مخفی و مستور نہیں کہ سرکار آیت اللہ الشیخ محمد حسین النجفی صاحب قبلہ مجتہد العصر مدظلہ العالی خدا کے ان خوش قسمت یگانہ روزگار بندوں میں سے ہیں جن پر مبدا فیض کی طرف سے بڑی فیاضی کی گئی ہے۔ چنانچہ وہ جہاں علوم شرقیہ کے منتخب زمانہ مدرس ہیں وہاں قادر الکلام بیان خطیب و مقرر بھی ہیں۔ ان کے وہ علمی شاہکار اور آثار خالدہ جو عالم اسلام کے صاحبان علم و انصاف سے خراج تحسین و آفرین حاصل کر چکے ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں۔

احسن الفوائد فی شرح العقائد — اسلامی و ایمانی عقائد پر مشہور زمانہ محققانہ کتاب کا پانچواں ایڈیشن بڑی آب و تاب سے شائع ہو گیا ہے

اصول الشریعہ فی عقائد الشیعہ — جو موجودہ دور کے تمام اختلافی اور متنازعہ فیہ عقائد پر قرآن و سنت کی روشنی میں حرف آخر ہے بڑی شان و شوکت سے پانچواں ایڈیشن چھپ گیا ہے

خلاصۃ الاحکام — چونکہ قوانین الشریعہ ایک علمی و تحقیقی کتاب ہے اور ہر شخص اس کے مطالب نہیں سمجھ سکتا اس لیے عوام کی سہولت کیلئے اس کا خلاصہ پہلی بار شائع کیا جا رہا ہے۔

تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین — حدیث ثقلین کے موضوع پر اور مذہب حق کی حقانیت پر بے مثال کتاب پہلی بار عمدہ طباعت سے آراستہ ہو کر منصۂ شہود پر آئی ہے۔

کواکب مضیہ در احادیث قدسیہ — اخت القرآن حدیث قدسی کے موضوع پر اردو زبان میں پہلی جامع اور مکمل کتاب جس کا پہلا ایڈیشن بڑی آب و تاب کے شائع ہو رہا ہے

سعادۃ الدارین فی مقتل الحسین — اپنی علمی و تحقیقی شہرت کی بنا پر کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ پانچواں ایڈیشن شائع ہو گیا ہے

اصلاح الرسوم — زمانہ حاضرہ کی مشہور عالم اصلاحی کتاب جس میں اصلی اور رسمی اسلام کا فرق نمایاں کیا گیا ہے اور غلط رسوم کی اصلاح کی گئی ہے

مسائل الشریعہ ترجمہ وسائل الشیعہ — علم الحدیث پر بہت بڑی ضخیم بیس جلدوں پر مشتمل تحقیقی کام شروع ہے مکمل جلدیں عنقریب طبع ہو کر ضرورت کے متلاشی ہاتھوں تک پہنچ رہی ہے

فیضان الرحمٰن فی تفسیر القرآن — قرآن مجید کی عظیم تفسیر کی دس جلدوں میں سے پہلی آٹھ جلدیں بڑی آب و تاب کے ساتھ شائع ہو گئی ہیں

المعلق

منیجر مکتبۃ السبطین ۲۹۶/۹۔بی سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا